

# خیابان فارس

یعنی  
ترجمہ کتاب پرشیا ایندوی پرشین کو سپین  
مصنفہ

ہذا کسنسی دی رائٹ آئریل جارج نیتھنیل کزن

پنجابی بی۔ ایم۔ ایس۔ آئی جی۔ ایم۔ آئی۔ ای  
بیرن کزن آف کینٹسٹن۔ اعظم الامراء آئرلینڈ

ایم۔ اے۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی  
وایس سب کے وگور جنرل کشتور ہند

نظر علی خان بی۔ اے (علی گڑھ)

مستوسل سرکار نظام

جلد اول

مطبع شمس آباد دکن بانی تمام محمد علی خان اکبر طبع شد

(سنہ ۱۹۰۶ء)

MS. 100. 100. 100.

## مختصر فہرست کتاب

فہرست مضامین جلد اول	صفحہ ۱- الی ۶
فہرست مضامین جلد دوم	صفحہ ۷- الی ۸
دیباچہ مترجم	صفحہ ۱- الی ۶
دیباچہ مصنف	صفحہ ۱- الی ۱۲
کتاب	صفحہ ۱- الی ۶۱۲





فہرست مضامین جلد اول

وہاں پہنچا

NOT TO BE ISSUED

اس کتاب کے مقاصد گاہ۔ اس کا تعلق قلم و ہند کے ساتھ۔ تاریخ و جغرافیہ۔ سیاست۔ ایرانی قوم کے حالات کی دلچسپی۔ تاریخ ایران کا ڈراما۔ انگلستان اور ایران کے تعلقات۔ میرے سفر کے چار حصے (۱) خراسان۔ صوبجات  
ماہوت (۲) صوبجات متوسط۔ آذربائیجان (۳) جنوبی و مغربی صوبجات (۴) خلیج فارس۔ مشرق کی غیر تغیر پذیر  
مشرق کی دائمی و مغربی۔ مغرب اور مشرق کا مقابلہ۔ ایران اور انگلستان کا بسے پایاں اختلاف۔ اند۔ دلی تناقض۔  
فریبہ زندگی۔ کتب سیاحت۔ تقسیم باعتبار زمانہ۔ اٹھارہویں صدی۔ انیسویں صدی۔ ترتیب باعتبار کیفیت۔۔۔۔۔

صفحہ ۱۔ ال۔ ۵۶۔

۱۰۹

1301

معلومات کی ضرورت۔ ایران کا موقع۔ ترتیب باب۔ اول۔ فخر علی بن براء انزلی۔ انزلی پہنچنے کا ذریعہ۔  
بحیرہ احمر کے جہازات۔ انزلی میں جہازوں کی نگراندازی۔ مہراب۔ پیر بازار۔ رشت۔ انتخاب ذرائع طے مسافت  
دوسری چاپار۔ سفر بندر لیکہ کارون۔ سواری چاپار کا خرچ۔ رستہ کی کیفیت۔ رشت سے قزوین تک کا سفر۔  
قزوین گاڑی کی سڑک مہران تک۔ ڈاک کی سڑک۔ کاروان کے راستے۔ مسافت۔ دوم۔ راہ تربزان و تبریز  
سوم۔ راہ طفس و تبریز۔ سفر طہران براہ تبریز۔ ممتاز مقامات۔ میانہ کے کھٹل۔ زنجان اور سلطانہ۔ چہارم۔ سفر  
طہران براہ شہر سرخ۔ فخر علی بن براء گور۔ ششم۔ عاشق آباد سے مشہد کا رستہ۔ ہفتم۔ افغانستان کی طرف  
کے راستے۔ ششم۔ تبلیغ فارس اور بندر عباس کی راہ۔ یازدہم۔ لہذا اس سے طہران کی راہ۔ ہفتم۔

پہنچنے کے ذرائع (۱) تربران اور سمون کے راستے (۲) اسکندرونہ اور حلب کا راستہ (۳) دمشق کی راہ - (۴) خلیج فارس کی راہ - بغداد سے طہران تک کا سفر - پہاڑ شہر اور آثار صنادید - خلاصہ - سلمان قافلہ - سلمان سواری چالپار - سادو ہراق - لباس بے تیر - کہانا اور چکانا - ادویہ - ہتھیار اور گولی بارود - خفیف امور کے متعلق مشورہ سفر کا موسم - - - - - صفحہ ۵ - الی - ۱۲۴ -

## تیسرا باب

لندن سے عاشق آباد تک سفر

پیرس سے قسطنطنیہ تک کا سفر - پروفیسر ویمری - بحیرہ اسود کے نرافت دار آگ بوت - باطلوم کاشہر اور اسکی آبادی - روزانہ زندگی - مرغی کے ٹیل کی تجارت - روسی جنگی خانہ - تجارت اور بندرگاہ - روس کی فوجی تیاریاں - باطلوم سے طغس تک کی ریل - تعمیر سرنگ - سورم - طغس - لاند رے کا ہوٹل - طغس سے روانگی - بالو - بحیرہ اخضر کا عبور - جرنیل اینٹکاف - دیسی مسافر - صحرا - - - - - صفحہ ۱۲۵ - الی - ۱۵۱ -

## چوتھا باب

ہاورا، النہر

جدید ترین معلومات - بحیرہ اخضر کے دفاعی جہاز - کراسو واپسک کو منترہ جانے کی تجویز - مزید ترقیات - کافرانہ واقعہ قبل ازاعات - اسٹیشن موریان اور پل - دریائے جیون کا بیڑہ - مرو کی آب پاشی اور سلطان بند - ریل گاڑیاں - مہم ہتی - سرحد رفتار اور ریل کی روانگی کے اوقات - آمد و خروج - مال کی آمد و رفت - جنگی خانوں کا قیام - عظیم الشان آئینہ تجارتی - انگریزی سیاحوں کے لئے آسپان - ہاورا، النہر کی ریلوے کی توسیع - یورپی روس میں دو سہ راستے ریلوے کی توسیع - ہاورا، النہر میں روسیوں کی اخلاقی حالت - انتظامی تبدیلیاں - ہاورا، النہر کی خود بخود ہی جرنیل کروپکن - وسط ایشیاء میں روسی طاقت کا اجتماع - زمانہ آئندہ - - - - - صفحہ ۱۵۲ - الی - ۱۸۵ -

## پانچواں باب عاشق آباد سے کوچان تک کا سفر

وردوبہ عاشق آباد۔ روانگی پجانب سرحد۔ عاشق آباد سے کوچان تک کی سڑک کی تاریخ۔ اس سڑک کا دوسرا حصہ۔  
سرحدی گورستان۔ ریل کی سڑک کی تجویز۔ متذکرہ بالا سڑک کا ایرانی حصہ۔ درہم دامم قلی۔ اززدبران تاجہ کوچان۔  
کوچان میں میر استقبال۔ خان کوچان کی مہمان۔ نوازی۔ عام کو ایف۔ کردون کی نوآبادی اور اُنکی طاقت۔ اونکی  
سیرت۔ ایلمانی کے اقتدارات۔ حکمران خاندان۔ موجودہ ایلمانی۔ اور کا فرزند۔ اوسکی شہرت۔ دو ملاقاتیں۔  
امیر حسین خان کی قتل و شہادت۔ گفتگو سوال و جواب۔ مین خان کو ایک تحفہ دیتا ہوں۔ خان اپنے مطبخ  
سے میرے لئے کھانا بھیجتا ہے۔ شہر کوچان۔ عمارات۔ بازار۔ صوبہ کوچان۔ کوچان سے دوسرے راستے

صفحہ ۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸

## چھٹا باب

### از کوچان تاجہ قلات نادری

قلات نادری جابینکا قصد۔ ایلمانی کی وکٹوریہ گاڑی۔ از کوچان تاجہ چگیہ۔ پراں کو پرانے طریقہ پر کوٹ کر پوسا بنانا۔  
کیسپ کی زندگی۔ میراجلو۔ رادکان کا برج۔ سفر پرستہ۔ سفر ملنگار۔ بدرقہ کو زود کو ب۔ ہوئی۔ از بلغار تاجہ واروقہ  
بلغقان۔ گورستانی گراٹیان۔ آب گرم۔ قلات میں داخل ہونیکا امکان۔ ہمارا قلات کے قریب پہونچنا۔ صراط  
ارغوان شاہ۔ میر داخل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ پہرہ والون کے ساتھ میر امکالمہ۔ جماعت سر باز کا برتاؤ۔  
خان کا جواب۔ ایرانی چالین۔ دوید و جہید و محبت و برکت۔ مشہد میں ایک افواہ۔ دیوار پر کندہ لگا کر  
چڑھنے کی کوشش۔ قلات کے دور کا نظارہ بلندی پر سے۔ قلات کی تاریخ۔ نادر شاہ کا اسے مستحکم  
کرنا۔ بیس بطریقہ۔ زمانہ مابعد کی تاریخ۔ قلات کا ایران کے زیر فرمان ہونا۔ قلات کی حبلی حیثیت۔  
قلات کے پانچ دروازے۔ آبادی۔ آثار قدیمہ۔ زراعت اور میناج آب رسانی۔ مزاجت بہ داروقہ

منزل کا وہ - مشہد تک کی سڑک - خراسان کے شمال مشرقی حصہ کے منازل حیات پوری دانتانی طبعی خصوصیات -  
 ہمارا مشہد کے قریب پہونچنا - ایک عادتہ - خواجہ ربیع کا مزار - ہمارا مشہد میں داخل ہونا - حالات کو جاننے اور دران  
 سے آنے کے مزید راستے - - - - - صفحہ ۲۳۹ - الی - ۳۰۶

## ساتواں باب

مشہد

مشہد کے موزن سابق - تاج - شہر کا نقشہ - خیابان - شہر کا باقی حصہ - قبرستان - مشہد کی آب و ہوا - بادگیر اور قراول خانہ  
 میرک عمارت - (۱) بست (۲) صحن (۳) مسجد حضرت امام رضا علیہ السلام - مزار امام - دوسرے لوگوں کے مقبرے -  
 وہ جو برین جنہوں نے مزار کو دیکھا ہے - (۴) مسجد گوہر شاہ - بست کی دوسری عمارت - کتب خانہ امام صاحبہ خانقاہ  
 کی آمدنی مشہد کی آبادی - خانقاہ کا انتظام - چار دیواری کا قہر منہ - نواشاہ کا مقبرہ - مشہد میں یہودیوں کی آبادی -  
 سرکاری عمارت - صنعت دوست کاری - شرح ہجرت اور قیمت اشیاء - بینک اور روپیہ قرض - شہر کی پیمیں - گوہر بنیال شہر  
 کی ملاقات - ارک - اکن الدولہ کے ساتھ میری گفتگو - بیچ متعینہ مشہد - مشہد میں دول خارجہ کے قونسل - مہسولان کا  
 قہر - روسی قونسل خانہ - انگریزی قونسل خانہ - اراکین و اقراء - قونسلوں کی کارروائی - تلوس - تارقی - اینٹیون  
 کے ساتھ تارکاکا طرز مشہد سے دوسرے راستے - - - - - صفحہ ۲۰۶ - الی - ۳۰۶

## آٹھواں باب

خراسان کے سیاسی و تجارتی حالات

اس باب کا مقصد صوبہ خراسان طبعی کو ایت - دریا اور زراعت - آبادی - تاج یا لگاری تقسیم نظم و نسق - خراسان  
 کے سیاسی مسئلہ کی ابتداء - صوبہ استر آباد - روسی عاشراد امین - جزیرہ کی نوعیت - نیاجزیرہ - تبدیلی متفرق خدائش  
 واقعات گزشتہ کی تجدید - پیٹر اعظم - آغا محمد خان - روسی متحدی کی وجہ اسم آباد اور شاہ روو کا موقع - ایرانی اور روسی  
 زکات - ایرانی یونٹوں کی بنیاد - حکومت عالیہ کی کمزوری - بحرہ - کوچان - وگرنہ - روسیوں کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے

قلمت نادری۔ روس کی آرزو تین۔ سرحد روس و فارس۔ آب تچند۔ سرخس جدید و قدیم۔ عباس مرزا کا سرخس قدیم کو سخر کرنا  
 سرخس جدید۔ سرخس قدیم پر روسیوں کا مکر قبضہ۔ حربی حیثیت پر شرقی سرحد۔ صنبل مشہد۔ اضلاع جام۔ باختر و خانات  
 قاس۔ آبادی اور دارالحکومت۔ سیستان۔ روس کے سیاسی دائرہ اثر کی توسیع۔ اور اور التہری ریلوے کا اثر۔ اندرونی  
 اضلاع۔ طبس۔ ترشیز۔ تربت حیدری۔ نیشاپور اور سبزدار۔ شاہرود و بگرام۔ خراسان کی کل فوجی طاقت۔  
 خراسان کی تجارت۔ انگریزوں کی سابق تجارت مشہد کے ساتھ۔ حالات مابعد ہادی النظرین روس کا ققوق۔ ایرانی  
 شمار اعداوی۔ جو کیفیت بجھے مشہد میں معلوم ہوئی۔ انگریزی فوج کی رپورٹ۔ انگریزی اور روسی مال درآمد کی قیمت۔  
 انگریزی و ہندوستانی تجارت کے راستے بحصول مال حاصل۔ روسی تجارت کی راہیں۔ حصول جنگی۔ مال درآمد کی کثیر  
 ترین مقدار باعتبار نوعیت۔ (۱) انگریزی و ہندوستانی مال (۲) برطانوی مال (۳) روسی مال۔ مال برآمد (۱)  
 جو روس کو جاتا ہے۔ روس دایران کی باہمی تجارت کا نشو و نما۔ (۲) جو ہندوستان کو جاتا ہے۔ ایران و افغانستان کی  
 باہمی تجارت۔ میزان کل۔ برطانیہ کلان کو کیا کارروائی کرنی چاہیے۔ روس کا خراسان پر حصہ اور حکومت تیز کرنا۔ اور التہری  
 اور خراسان کا مقابلہ ہندوستان کا مقابلہ۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عارضی مستقر۔ برطانیہ کلان  
 کی اغراض خراسان میں۔ ایرانی اطاعت کشی۔ روسیوں کی وقعت۔ انگلستان کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مشرق خراسان  
 میں دوسری راہیں۔ صفحہ ۳۶۵۔ الی۔ ۳۶۹

## نوان باب

### معاملات سیستان

ایران کی مشرقی سرحد۔ (۱) ذوالفقار سے سیستان تک۔ (۲) سیستان (۳) سرحد ایران و بھوچان (۴) سرحد کون و صنبل  
 سیستان کی وجہ تسمیہ۔ لغت سیستان کا اطلاق سیستان کی موجودہ حالت۔ گوناگون تبدیلیاں۔ روایتی نام۔ ابتدائی تاج۔ تاجی۔ تاجی  
 سرالین گولہ زمین کا کیش (۱۸۵۹ء) سیستان کے حصہ بخرے۔ آبادانہ رائے۔ سیستان کی موجودہ حکومت۔ یورپی سیاحت  
 سیستان کی سیاسی اہمیت۔ سیستان کے فوائد روس کے حق میں۔ سیستان کے فوائد برطانیہ عظمیٰ کے حق میں۔

ریلوے کی حربی وقت۔ ہولائی پٹری کی رو سے اس ریلوے کی تیاری کی آسانیاں۔ نوشکی سے سیستان تک کا سلسلہ ریلوے  
افغانستان کی حالت آئندہ۔ حربی نکتہ چینی۔ مخالفانہ رائے۔ سمر۔ ایچ۔ رالسن کی رائے سیستان کی درخیزی کے متعلق  
موانع آراء۔ سیستان کا بیرونہ واقعات کے وسیع تر دامن میں۔ - - - - - صفحہ ۴۶۲ الی۔ ۸۰۰۔

## دسواں باب

### از مشہد تا بہ طہران

مشہد و طہران کے درمیان ڈاک کی سڑک۔ سرعت رفتار۔ خرچ سفر۔ وزیر صیغہ ڈاک۔ چایار کے مالہ و ماحلیہ۔ چایا پختہ۔  
بالاخانہ۔ چایار کے گہڑے۔ چایار کے گہڑے کی شوخیان۔ سڑک کی عام حالت۔ عبرت۔ منزلوں اور فاصلہ کی فہرت۔  
دوسرا راستہ۔ میری روانگی مشہد سے۔ زائرین کا زہد و اتقا۔ شریف آباد۔ حیت لیجانے والے قافلے۔ قدم گاہ۔  
نیشاپور کا میدان۔ شہر نیشاپور۔ نیشاپور کی تاریخ اور شہرت۔ نیشاپور کی بربادی۔ مقبرہ عمر خیام۔ سمرکین۔ فیروز کے کانٹین۔  
کان کنی کی تاریخ۔ آمدنی۔ فیروزوں کی خریداری۔ فریب دہی۔ زعفرانی رسیں دار۔ مینا خسر و گرد۔ اس مینا کی  
تاریخ۔ جہاز مزیان۔ زائرین کے قافلے۔ دوسرے لوگ۔ کاروان سرائیں۔ رات کے وقت اونٹ کا سفر۔  
لطف تقابل۔ ترکمانی ساخت و تاریخ۔ فوجی بدرقہ۔ زائرین کا، بیم دہر اس۔ گرفتاری کے قصے۔ روسیوں  
کا کارنایان۔ پل ایشیم۔ عباس آباد۔ میان دشت۔ دہانہ زیدار۔ ارمیان۔ شاہ روو۔ بازار۔ بسطام۔ گورنر کی  
طرف سے دیکھا محنت۔ دیا۔ سفر کا دوسرا حصہ۔ آجڑے جو سے شہر۔ دامنغان۔ دامنغان کی تاریخ۔ دولت آباد  
کرگان۔ ابوان۔ سمتان۔ لکس گرد۔ قشلاق تک کی سڑک۔ دروازہ ماسے بحیرہ خضر۔ درہ سمرورہ۔ مخالفانہ  
آراء۔ اصلی دروازے۔ داوند۔ ایوان کیعت۔ طہران۔ طہران اور مشہد کے درمیان دوسرے راستے

# فہرست تصاویر نقشتہ جات

تصاویر

۱۷۵۱ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

مقابل صفحہ ورق	(۱) ہزار کشتی لارڈ کرزن
۱۹۲	(۲) ایرانی ہجیرا
۲۰۶	(۳) مہمان خانہ کوچان
۲۲۲	(۴) ایرانی کوچان
۲۵۰	(۵) نوباد گلدی
۲۵۰	(۶) نوباد گلدی کا گہوڑا
۲۶۸	(۷) در بیدار عنوان شاہ
۲۸۰	(۸) قلات نادری کا نظارہ بلندی پر سے
۳۵۶	(۹) مشہد کا ہنگامی انگریزی سفارتخانہ
۵۱۰	(۱۰) ایرانی چا پار خانہ
۵۱۲	(۱۱) ایرانی چا پارچی
۵۵۲	(۱۲) میاؤنسر و گرد
۵۵۳	(۱۳) عرف خانہ واقع مریٹان
۵۵۶	(۱۴) کاروانسرای اہر کجاوے



## نقشہ جات

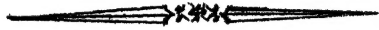
مقابل صفحہ

۱۲۵

(۱) نقشہ سلسلہ ریلوے مابین یورپ و وسط ایشیا

کتاب کے خاتمہ پر

(۲) نقشہ ایران



# دیباچہ مترجم



ایران کے حالات کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس موضوع کی مسلسل و عمیق دلچسپی اور وسیع اہمیت نے ایک عرصہ دراز سے اس کو ادنیٰ ذمی رتبہ یا چون اور فقیر ملک مصنفوں کا بحث بنا رکھا ہے جنہیں اپنے شوق سفر یا تعلقات سفارت کی وجہ سے اس مسئلہ پر لازمی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ اس سرزمین کے مختلف پہلوؤں کو عالم و فاضل و تجربہ کار لوگوں نے وقتاً فوقتاً اپنے زور قلم کا تختہ مشق بنایا کسی نے اسکی تاریخ لکھی۔ اور کسی نے اسکی جغرافیہ طبعی۔ اسکی ہیئت طبقات الارض۔ اس کے تمدن۔ اس کی اہل۔ اس کی اقوام اور اس کے آثار قدیمہ پر خامہ فرسائی کی۔ بعض مصنفین نے دولت ایران کے ادنیٰ تعلقات سیاسی کو جو اسے دول خارجیہ سے ہیں اور نیز اس کے اندرونی طرز نظم و نسق اور اس کی تدبیر مملکت کے مالہ و مالہ علیہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا۔ لیکن آج تک کسی ایک کتاب میں ان تمام امور پر اس وضاحت و سلاست اور اسعان نظر سے بحث نہیں کی گئی جو لارڈ کرزن کی جامع تصنیف کی حقیقی خصوصیت ہیں۔ لارڈ کرزن کی کتاب تعلقہ دولت ایران جو خود لارڈ ممدوح کے قول کے مطابق عین سال کی نگاہ محنت چھ مہینے کے سفر ایران و علاقہ جات ملحقہ اور اس سفر کے بعد سے لاریہ دستند اصحاب مقیم ایران کے ساتھ مسلسل خط و کتابت کا نتیجہ ہے اس ملک کی آغاز و احوال

سوانح سے لیکر اجتک کی سیاسی - جغرافی - طبعی اور تمدنی سرگزشت ہی اور اس بے نظیر کتاب سے ایران کے حالات کے شایق کی وہ تمام ضروریات رفع ہو سکتی ہیں جو اس کے اندرونی و بیرونی تعلقات سے نسبت رکھتی ہیں۔

مسلمانان ہند کے لئے جو اس ہمایہ سلطنت میں ابھی تک عہد گذشتہ کے عظمت و جلال کا نشان پاتے ہیں اور اسکے حوالی مثلاً بخارا - سمرقند - سیستان اور خراسان پر اس پر امرار سرزمین کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں جو فائن عالم کے ایک جلیل القدر سلسلہ کا مولد و منشا تھی۔ ایک ایسی کتاب جس سے ایران کے متعلق اون کی معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ ہو سکے باعث دلچسپی ہوگی۔ اسکے علاوہ جب اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ اس کتاب کا نمایان وصف یہ ہے کہ اس میں اس روز افزون اثر کی تصویر کھینچی گئی ہے جو شمال کے دیوہیب یعنی روس کو ایران اور طبقہ علما توں میں حاصل ہو رہا ہے جسکے باعث نصیب اعدا سلطنت انگریزی ہند کے ثبات قیام کا متاثر ہونا متصور ہے اور جیکہ ساتھ ہی اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ اس کتاب میں قابل تحسین تفصیل اور پیش بندی کے ساتھ اس طرز عمل کی توضیح کی گئی ہے جو حکومت برطانیہ کو وسط ایشیا میں روس کے سیاسی اور تجارتی تفوق کے رد عمل کی غرض سے اختیار کرتا چاہیے تو اس کتاب کی دلچسپی اور یہی بڑھ جاتی ہے۔ یہ خیال ہندوستان پر خاص طور سے راست آتا ہے کیونکہ یہاں ایک غیر محدود زمانہ سے یہ خوف پیدا ہوا ہے کہ وہیں کشور ہندوستان کے مسخر کرنے کی نیت سے برابر پیش قدمی کر رہا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں بچہ تھا اور میری عمر چھ سال کی تھی تو یہی افواہ میرے سننے میں آئی تھی اور آج جیکہ میری عمر ۲۸ سال کی ہے میں دیکھتا

ہوں کہ یہ افواہ فروغ نہیں ہوئی اور مجھے ڈر ہے کہ آئینہ الی نسلوں کے کان بھی اسی شنوائش تاک  
 خبر سے نا آشنا نہ رہیں گے مصنف نے مسئلہ کے اس پہلو پر نہایت مفصل طور پر بحث کی ہے  
 اور اس لحاظ سے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ کتاب ہل ہند کے لئے اور بھی زیادہ دلچسپ بن جاتی ہے۔  
 اس مقام پر یہ کہنا غالباً بیجا نہ ہوگا کہ اس کتاب کی خوبی اور اس کے مستند ہونیکا اندازہ اس  
 امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جو تجاویز اسکے عالی مقام مصنف نے اس زمانہ میں جبکہ وہ محض پابلیشٹ  
 کا ممبر تھا اور ایران و وسط ایشیا میں بطور خود سفر کر رہا تھا حکومت برطانیہ کے غور کے لئے پیش  
 کی تھیں اور وہی آج کے دن ہندوستان کی مشرقی سرحد کی قسمت کے فیصلہ کا جزو اعظم ہیں۔  
 ہندوستان اور ایران کے درمیان براہ نوشکی و سیستان ایک تجارتی راستہ کے کہو لے جانے کی  
 تجویز اس غرض سے کہ مشہد میں روس کے تجارتی اثر کے تقویٰ و ترفع کا اندفاع ہو اور دریائے  
 ہند کے کنارہ وغیرہ مرو و زمین کا جو وسیع خطہ حال میں انگریزی دائرہ اثر کے اندر داخل ہو گیا ہو  
 اس کی زراعتی استعداد کو ترقی دیکھا جائے آج مکمل ہو گئی ہے جنوبی بلوچستانی ریلوے کے ایک سلسلہ

۱۵۰ میل سے زائد اور مشہد کے درمیان ۹۰ میل کے شروع میں کہو لایا گیا۔ کل فاصلہ ۱۰۱۱ میل ہے یعنی کوئٹہ سے نوشکی تک ۵۱۱ میل  
 نوشکی سے قلعہ بادامک جہان سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے ۳۰۳ میل۔ قلعہ بادامک سے نصرت آباد تک ۳۴۳ میل اور نصرت آباد سے  
 مشہد تک ۵۰۵ میل۔ سڑک پختہ ہو اور اوپر گاڑیاں چل سکی ہیں۔ مناسب فصل سے مسافروں کے آرام کیلئے حاجی کوٹین موجود ہیں۔ ہر سڑک  
 پر چھاتہ اور کاروان سرائے اور دکانیں بھی ہیں اور راہ میں میٹروں اور ڈاکوؤں وغیرہ کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں کوئٹہ اور مشہد کے درمیان  
 ہفتہ میں دو مرتبہ ڈاک آتی جاتی ہے اور طریقہ قیمت طلب پائل جاری ہو کہ کوئٹہ سے نوشکی تک سلسلہ تار بتی ہی قائم ہے جو قابل ذکر  
 مقامات اس راہ پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں :- نوشکی۔ چاغی۔ نصرت آباد۔ برجند۔ ان مقامات پر انگریزی افسر متعین ہیں۔ مسافروں اور سیاحوں  
 کی آسانی کے خیال سے نوشکی۔ نصرت آباد۔ برجند اور مشہد میں سرکار انگریزی کی طرف سے بینک کے ایجنٹ مقرر ہیں اور وہ بینک  
 کے ذریعہ سے کوئٹہ سے مشہد کو بھیجا جاسکتا ہے اس رستہ کے کھلنے کی وجہ سے جو فروغ ہندوستانی تجارت کو ہو رہا ہے اس کا اندازہ اس  
 سے کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں اس راہ مشہد کے ساتھ سیلنگ پائل ریلوے کی تجارت ہوئی اور ۱۹۰۷ء میں بڑھ کر مالیت کی مقدار ۱۰۰ لاکھ  
 روپے تک پہنچ گئی۔

کے اس غرض سے قائم کرنے کا منصوبہ کہ برطانوی سرحد پر روس کی شمالی مادراء النہری ریلوے کی طاقت اور دولت کا جواب ہو اس وقت زیر غور ہے۔ ان دونوں تجویزوں اور ان کے علاوہ اور بہت سی تجاویز کی تحریک جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں خارج نتیجہ نیکل کردن نے بارہ سال قبل اپنی مشہور و معروف تصنیف متعلقہ دولت ایران میں کی تھی یہ کتاب سب سے تیرہ سو صفحات کی ضخامت کی ہے جن میں کثیر التعداد حواشی بخفا خفی درج ہیں مصنف کو جو کوششیں اس کتاب کے لکھنے میں کرنی پڑی ہو گی ادکا اندازہ اس امر سے کیا جاتا ہے کہ جو تصانیف اس کتاب کے مرتب کرتے وقت مصنف کے پیش نظر تھیں ان کی تعداد ڈھائی سو سے کم نہیں۔ اور ان سب کی سب یا تقریباً سب کا او سنے بغیر مطالعہ کیا۔

اردو کے معلیٰ میں لاڈل کردن کی تصنیف جیسی جامع اور فاضلانہ کتاب تو کجا کوئی ایسی معمولی تصنیف بھی موجود نہ تھی جو ایران کے حالات پر آج کل کے زمانہ کے مذاق کے موافق روشنی ڈالتی اور اس لئے جب میرے مخدوم محترم جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے سابق ہو کم کراری و حال ڈپٹی کمشنر علاقہ سرکار آصفیہ نے جھکونہ اسلٹنی لاڈل کردن کی کتاب کے ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا تو میں نے بہ شوق تمام ان کی تجویز پر عمل کیا۔

چنانچہ میں نے یہ وساطت سرکار آصفیہ ہزار اسلٹنی لاڈل کردن بالقاہم کی پیشگاہ میں کتاب ”پرشیا“ کے ترجمہ کی اجازت کی استدعا کی جسے ہزار اسلٹنی نے اوس شوق علم و فن اور ہنر پروری کے اوقفا سے جو حضور مدوح کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ منظور فرمایا۔

۱۵۔ اس یہ ہے کی جو دشمنی سے ہو کر گزرے گی بھل ہی سرگرمی سے پالیش ہو رہی ہے۔ مترجم

اسکے علاوہ بادشاہ دکن ہزہائیش میر محبوب علیخان بہادر جی سی۔ ایس آئی نے ازراہ ماہب خسرو  
 اس امر کی اجازت مرحمت فرما کر میری قدر بڑائی کہ ترجمہ کو حضرت اقدس کے اسم گرامی سے مرتب کرنا  
 میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جب اس ترجمہ کو ایسے جلیل القدر سخن پروردن کی ذات سے انتساب  
 اور جبکہ میں نے ترجمہ میں اصلی زور قائم رکھنے کی برابر کوشش کی ہو تو اسے پوری کامیابی حاصل ہوگی  
 اس کا ترجمہ چار جلدوں میں شائع کیا جائیگا جن میں سے پہلی جلد جو سائے چہرہ صفحہ کی  
 ہونے کے باعث کچھ غنیمت نہیں ہے۔ اس وقت ملک کے سامنے پیش کی جاتی ہے مجھے امید  
 ہے کہ اہل ملک اسے شرف قبول عطا فرما کر دوسری تیسری اور چوتھی جلدوں کے جلد شائع کرنیکی  
 مجھے جرات دلائینگے۔ مجھے افسوس ہے کہ نقشہ ایران جو اس جلد کے ساتھ منسلک ہو خوشنما  
 ہونے کے لحاظ سے اصل جیسا نہ ہو سکا اس لئے کہ میرے پاس ایسے ذرائع موجود نہ تھے  
 کہ میں اس کے مطابق نقشہ تیار کر سکتا مگر امید ہے کہ اس کتاب کے ناظرین کی ضروریات نقشہ منسلک  
 سے پوری ہو جائیں گی۔ اسکے علاوہ میں نے ایک اور نقشہ اس کتاب کے لئے مصنف  
 کی دوسری تصنیف ”رشیان سنٹرل ایشیا“ سے لیکر تیار کر لیا ہے۔ اس نقشہ سے وہ تمام ریل  
 کی راہیں معلوم ہو سکتی ہیں جو یورپ اور ایشیا کو ایران سے ملاتی ہیں یہ نقشہ ان لوگوں کے  
 لئے جو سیاحت ایران کا قصد رکھتے ہوں بدرجہ غایت مفید ثابت ہوگا۔

اصل کتاب کے بعض ابواب کا آغاز کسی استاد کی نظم سے ہوا ہے میں نے نظم کا نظم میں  
 ترجمہ کیا ہے۔ جہاں جہاں ضرورت پیش آئی ہے میں نے متن پر اپنی طرف سے حاشیے بھی لکھے  
 ہیں اور ان کے لئے میرا مذہب ذیل مصنفین ہیں۔

الاصطخری ابن حوقل فردوس میرزا پروفیسر میرزا حیرت مرحوم

علامہ شبلی اسٹوڈنٹس سائیکلو پیڈیا انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا لارڈ بارن

نصا میرلند کے مشہور کارخانہ لانگ مین گرین اینڈ کمپنی میں تیار کرائی گئی ہیں جس کے اہتمام سے لارڈ کزن کی اصل کتاب طبع ہوئی تھی مصنف کی شبیہ جس سے اس کتاب کا پہلا صفحہ مزین ہے مین نے علمیہ طور پر حیدر آباد کے ایک عکاس سے تیار کرائی ہے۔

اصل دلچسپی کا مرکز دوسری تیسری اور چوتھی جلدیں ہیں۔ حین مین ادون مشہور و معروف مقامات مثلاً طہران۔ شیراز۔ اصفہان۔ اصطخر۔ وغیرہ کے حالات سے بحث ہے جن سے فارسی لہجہ پھر معور ہے۔ یہ جلد ابتدائی ہے اور اس کا نصف حصہ زیادہ تر فن سیاست مدن اور جغرافیہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس لحاظ سے وہ ناظرین جو ایسے مباحث کو پیچیدہ اور پھیکا سمجھتے ہیں شاید اس کے ساتھ وہ محویت وابستہ نہ پائیں جو زندہ جلدوں کے اکثر حصہ کا خاصہ ہے۔

مین اپنے محب صادق مولوی سید محفوظ علی صاحب بی۔ اے (علی گڑھ) کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی گرانبادا اور محنت کے بغیر مین اس کتاب کو وقت پر ختم نہ کر سکتا۔

آخر میں ناظرین سے میری یہ التماس ہے کہ کتاب کی غلطیوں کو جو اس وقت تک برابر قائم رہیں گی۔ جب تک کہ پتھر کا چھاپہ مٹروک نہ ہو جائیگا جب تک کہ جو سے مصنفین کو انسانی مطبع کے تاجیجا رہے پڑتے ہیں۔ انماض کی نگاہ سے دیکھیں۔ علی الخصوص جبکہ اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ اتنی بڑی ضخیم کتاب دو مہینے کی مدت میں چھپی ہے۔

حیدر آباد دکن { ظفر علی خان  
یکم مارچ ۱۹۰۲ء



# مصنف

کتاب جو تقریباً تین سال کی لگاتار محنت چھ مہینے کے سفر ایران و علاقہ جات  
لمحہ اور اس سفر کے بعد سے لایق مستند اصحاب مقیم ایران کے ساتھ مسلسل  
خط و کتابت کا نتیجہ ہے اس امید پر شائع کی جاتی ہے (اور بیجا نہ ہوگا اگر مین یہ کہوں کہ  
یہ اُمید شائع ہونے سے پاک ہے) کہ جب تک اس سے بہتر کوئی کتاب ایران کے  
حالات کے متعلق نہ لکھی جائے اس وقت تک انگریزی زبان میں یہ کتاب مستند سمجھی  
جائیگی۔ جب میں ۱۸۹۹ء کے موسم خزاں میں اخبار ”ٹائمز“ کا نامہ نگار ہو کر ایران کو گیا تو  
نمیر المقصود اصلی یہ تھا کہ مصنفین کے ایک سلسلے کے ذریعے سے جن کا بلحاظ تعداد  
وطول التمدد ہونا لازمی تھا اس اخبار کے لئے شاہ کجکلاہ کے ممالک محروسہ کی  
سیاسی حالت کی محفل کیفیت قلمبند کر کے پہنچوں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس موقع

۱۵ یہ خطوط جو تفسار میں شروع ہوئے ۱۸۹۹ء سے مارچ ۱۸۹۹ء تک ”ٹائمز“ میں درج ہوئے  
نوٹ شائع ہوئے ہیں۔

سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ مزید اطلاع جس سے میں اس موقع پر استفادہ نہیں کر سکتا تھا بہم پہنچائی اور ایران کے موجودہ حالات کے متعلق متعدد تصانیف کے مطالعہ سے جن فروگزاشتوں کا مجھے پہلے سے علم تھا اونکی تلافی کرنے کیلئے بھی میں نے ضروری معلوم حاصل کیں۔ یہی اطلاعات و معلومات ہیں جو بشمول اس مسلسل تحقیقات اور خط و کتابت کے جو میں نے بعد میں جاری کی اس کتاب کا بنیاد جس مضمون کو میں نے اختیار کیا تھا جب میں نے اس پر مزید نظر ڈالی تو مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ایران کے متعلق ہماری معلومات کے موجودہ ذرائع بالکل ناکافی ہیں۔ اگرچہ اس ملک کے حالات کے متعلق موجودہ (انیسویں) صدی کے رابع اول بلکہ نصف اول کے اختتام پر عمدہ کتابیں اور بعض صورتوں میں ایسی تصانیف قلمبند کی جا چکی تھیں جو موزون طور پر یادگار زمانہ کہی جا سکتی ہیں۔ لیکن تالیف ثانی الذکر کو بعد سے کوئی ایک جامع تصنیف اس ملک کے حالات پر بحیثیت مجموعی نہیں لکھی گئی۔ جن مصنفین نے ایران پر کتابیں لکھیں انہوں نے اپنا موضوع اس مضمون کے مختلف پہلوؤں کو قرار دیا اور بعض صورتوں میں جو کچھ انہوں نے لکھا وہ نہایت ہی محمل اور مختصر تھا۔ لیکن باوجودیکہ انہوں نے مضمون کا ایک پہلو اختیار کیا تھا پھر بھی مجھے اکثر یہ دیکھنے کا اتفاق پیش آیا کہ انہوں نے کسی خاص مقام کی تفصیل یا کسی خاص مسئلہ کی تشریح سے محض اس بنا پر گریز کی ہے کہ مصنفین سابق ان امور پر تفصیل کے ساتھ رائے زنی کر چکے ہیں اور جب میں نے ان کے اس استدلال

کی تصدیق کیلئے ان مصنفین کی تصانیف کی ورق گردانی کی تو اقل تو مجھے اون کی تفصیلی رٹورنی  
 کا سرخ ہی نہ ملا۔ کیونکہ اس کا سر سے وجود ہی نہ تھا اور یا اس کو زمانہ مابعد کی تحقیقات آثار  
 قدیمہ یا حوادث و عوارض سیاسی کی وجہ سے بالکل بے اثر پایا۔ اس لئے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ  
 اس قسم کے مسائل پر قلم اٹھانے میں مصنفین مذکور کا تاثر اکثر تو سہل انکاری پر مبنی ہے۔ اور  
 کسی قدر اس بات پر بھی کہ متقدمین کی مساعی کی تعظیم اون کو تصرف کی اجازت نہ دیتی  
 تھی۔ غرض کہ دولت ایران کے متعلق جو قدر صحیح معلومات ہتھیں وہ ایسی پریشان و منتشر  
 ثابت ہوئیں کہ اگر ایران کے وسیع سفر کے لئے کسی سلاح کو معلومات کے لوازم کا ہمراہ  
 لے جانا مطلوب ہو تو اسے اون کتابوں کی بار برداری ہی کے لئے جن کے بغیر کام  
 ہی نہیں چل سکتا ایک علیحدہ چارپائے کی ضرورت ہوگی۔ پس جس نسبت سے میں  
 بڑھا اسی نسبت سے میرے کام کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ مجھے یہ بات محسوس  
 ہوئی کہ ایک ایسی جامع کتاب کا موجود ہونا حقیقی اور لازمی طور پر ضروری ہے جس میں ایران  
 کے تمدن کے ہر پہلو سے بحث ہو جس میں اسکے باشندوں۔ اسکے صوبوں۔ اسکے  
 صوبوں۔ اسکے شہروں۔ اسکی سڑکوں۔ اسکے آثار قدیمہ۔ اسکے نظم و نسق سلطنت۔ اسکے  
 وساتیر و آئین اس کی طاقت۔ اسکی تجارت۔ اسکی آمدنی۔ اسکے طرز عمل اور اسکے  
 موجودہ و آئندہ نشو و نما۔ غرض کہ اون تمام امور سے بحث ہو جن کی وجہ سے اسے دولت  
 ایران کا لقب حاصل ہے یا جو اس لقب کے حصول میں اس کے معین ہیں۔

اس ذمہ داری کو اپنے اوپر لیکر میں نے ذاتی قابلیت کی عدم موجودگی کی تلافی چاہی

میں بہ آمادگی تمام مقرر ہوں اور مطالعہ یا تحقیقات سے کرنے کی کوشش کی ہے جو کتابوں کے پڑھنے یا لائق مصنفین سے استشارہ کرنے کی بدولت میں کر سکا۔ انہی ذرائع کو میں نے اور ان مقامات کے حالات کی تفصیل کے ہم پہنچانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ جہاں اپنے اثنائے سفر میں مجھے خود جانے کا موقع نہیں ملا۔ یورپین زبانوں میں ایران کے متعلق گذشتہ پانچ صدیوں کے اثناء میں جو دو سو اور تین سو کے درمیان کتابیں لکھی گئی ہیں اور انہیں یا میں نے خود شروع سے لیکر آخر تک پڑھا اور یا اور ان کا اس کتاب میں حوالہ دیا اور میں سچائی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں جو کئی سو حوالے دئے گئے ہیں اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو بجائے اسکے کہ کسی دوسری کتاب سے نقل کر لیا گیا ہو میرے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ نہ ہو۔ جو ناظرین میری اس محنت پر تبسم کریں اور انہیں میں والٹیر کے ان لفظوں میں جواب دوں گا۔

”تمہیں یاد رہے کہ میں نے بہت سی کتابیں اس لئے پڑھی ہیں کہ تم اور ان کے پڑھنے کی زحمت سے بچو۔ اور اسکے لئے میرا شکر ادا کرو۔“

اور جو ناظرین میری اس محنت پر تعجب کریں اور ان سے میں یہ کہوں گا کہ بغیر اس جانکاہی کے نہ تو میں دوسرے سیاہون یا مصنفوں کے اقوال یا افعال یا جو کچھ وہ کہہ نہیں سکے یا کہ نہیں سکے۔ لاسکی تحقیق کر سکتا اور نہ مجھ میں یہی قدرت ہوتی کہ تاریخ کے جن متعدد مباحث کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور جسے عام مورخ جو زبردست نتائج کے مترتب کرنے کا مستحق ہوتا ہے نظر انداز کر دیا کرتا ہے اور انکو اپنے حیر غور میں لاسکون اور نہ

میری تصویر میں ترتیب کی وہ وحدت ہی نمایاں ہوتی جس سے میں نے اس کو راستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگرچہ اس تصنیف کا حقیقی موضوع سیاسی قرار دیا جاسکتا ہے تاہم بہت کچھ تاریخی معلومات بھی اسکے اوراق میں پائی جائیں گی۔ خواہ میں اسکے ضمن میں اہم صوبوں اور قوموں اور شہروں کے ابتدائی کارنامے درج کروں خواہ اون مدارج کے سراغ لگانے کی کوشش کروں جو ایران جاہلیت کی پستی سے تمدن کی بلندی پر پہنچنے میں طے کر چکا ہے اور مشرق کی گھڑی کے سمت رفتار پنڈلم کے بجائے مغرب کے سرچے السیر یون اور چکرون کی ترویج سے ابھی تک طے کر رہا ہے خواہ اوس تار و پود کو سلجھاؤں جسکی رسن سلامی یورپ اور ایران اور بالخصوص برطانیہ کلان کے تین صدی کے تجارتی و سیاسی تعلقات کی طرف انگشت شہادت کے اشارہ کر لگی۔ اسی طرح فن تحقیق آثار ماضیہ کے متعلق میں نے اس امر کو نظر انداز نہیں کیا کہ اگرچہ ایران حقیقی و اصلی اعتبار سے مدبروں اور تاجروں ہی کی جوالنگاہ ہے تاہم اس میں آثار قدیمہ بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں جن پر ہتھ اور پیکانہ فضلا نے اپنے قلم اور طبیعت کو آزمایا ہے اور ابھی تک اس میدان میں اون کی کوششیں جاری ہیں ساوکی مساعی نے مجھے اوس کام کے لئے تیار کر دیا ہے جسے میں نے بے احتیاطی اور ہل انکاری سے شروع نہیں کیا اور جس میں طالب علم کے جوش و اشتیاق کو چشم دید شہاد سے بہت بڑی تائید حاصل ہوتی ہے۔ پس میرا دئے خطاب اون لوگوں کی طرف

بھی ہے جو ایران کے حالات سے کما حقہ آگاہی رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی طرف  
بھی جنہیں فن سیاست میں سے مذاق ہے اور جو ایران کے حالات کے دریافت  
کرنے کے شایق ہیں۔

مقامات کے جغرافی موقوفوں کے مسئلہ پر جو تبصرہ میں نے صرف کی ہے وہ ہرگز کسی  
ایسے ملک پر سبذول نہ کی جاتی جسکے متعلق لوگوں کی معلومات ایران کے مقابلہ میں  
زیادہ وسیع ہوتیں۔ ایران میں بہت کم ممتاز مقامات ایسے ہونگے جن کا اس کتاب میں  
ذکر نہیں کیا گیا یا حوالہ نہیں دیا گیا۔ ان مقامات کی فہرست کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ  
کے لگا دی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ نقشہ ایران جو اس کتاب کے ساتھ منسلک ہے  
اوجہ پر میں نے ایک سال کی محنت شاقہ اور نگرانی صرف کی ہے سابق کر ہر مطبعہ نقشہ  
کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہوگا۔ اسکے مجدد امسٹرڈیم و جے ٹرنر کے ہنز زاماتہ سے تیار  
ہونے اور موجودہ شکل میں کتاب کے ساتھ نظر آنے کیلئے مین رائل جاکوینیکل سوسائٹی  
کی فیاضی کا ممنون ہوں جس نے اسکے مرتب کرانے کی ذمہ داری میرے تفویض کی  
اور اسناد کی یادداشت کے لئے جن پر اس کی ترتیب مبنی ہے اور ان اصولوں  
کے لئے جو اسکی تیاری میں معی رکھے گئے۔ میں ناظرین کی توجہ اس یادداشت  
کی طرف منعطف کرتا ہوں جو سوسائٹی کی رویداد ماہ فروری ۱۸۹۲ء کے ساتھ اس نقشہ  
کے اول اول شائع ہونے کے موقعہ پر میں نے قلمبند کی تھی۔ یہاں میں صرف  
اسی قدر ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس نقشہ میں ایک نام بھی ایسا نہیں جسکی تحقیق

اور تلفظ کی نگرانی میں نے خود نہ کی ہو۔ بلاشبہ اس میں بہت سی غلطیاں ہیں لیکن میں امید کرتا ہوں کہ یہ غلطیاں غفلت و بے احتیاطی کا نتیجہ نہ ہوں گی بلکہ معلوماً کے نقص کا۔ اس کتاب کے چھوٹے نقشے میری ہدایت کے بموجب مسٹر شماربوریل جاگرافیکل سوسائٹی کے نقشہ نویس نے جن کا پاکیزہ اور صحیح کام قابل تعریف ہے تیار کئے ہیں۔

اگر مغربی ممالک کے متعلق اسی قسم کی تصانیف کے ساتھ اس کتاب کا مقابلہ کرنے پر ہم ناظرین کو محسوس ہو کہ ان مضامین پر اور خصوصاً ان کے اوس حصہ پر جو فن تدبیر مملکت سے تعلق رکھتا ہے اور جسکی نسبت میں مقدمہ میں کچھ بیان کرونگا بحث کرتے وقت مجھ سے کوشش سرزد ہوئی ہیں تو میں اون سے یہ عرض کروں گا کہ اوہ نہیں یاد رہے کہ مشرق میں اطلاع و معلومات کے حصول کے وہ سرکاری ذرائع ہرگز موجود نہیں ہیں جو مغرب میں عام طور پر آسانی سے بہم پہنچ سکتے ہیں۔ نہ یہاں کوئی بلڈیک شائع ہوتی ہے نہ علمی طور پر شمار اعدادی کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ نہ مردم شماری کی رپورٹ نکلتی ہے نہ کوئی اخبار یا موقت ایضوع رسالہ ہی چھپتا ہے نہ غرضکہ معلومات کے اون مہتم بالشان لوازم کا ایک جزو ہی یہاں نہیں پایا جاتا جسکی نسبت یہ امر شبہ ہے کہ آیا اون سے انسان کے اطمینان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہی زیادہ خانہ برانداز عقل و ہوش ہوتے ہیں۔ شمار اعداد و واقعات کا جو نفس الامریں مشرقی تصور کے لئے باعث تو ہیں ہیں اگر ایران میں بہم پہنچنا ممکن ہے تو عرصہ دراز کی تحقیقات اور صبر و تحمل کے بعد اور وہ بھی اوس صورت میں جب کہ تفحص و جستجو کی متعدد کوششیں جداگانہ طور پر عمل میں لائی جائیں۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ بعض دفعہ اس کتاب کی ایک سطر کی



لکھنے میں مجھے گھنٹوں کی محنت اور کئی کئی صفحوں کی خط و کتابت کرنی پڑی ہے۔

جو خاص خاص باتیں میں نے اس کتاب میں بڑائی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جن ابواب کا موضوع کوئی خاص صوبہ یا علاقہ ہے اور ان کے آئین میں نے قرب و جوار کے اوجھل خاص رستوں کی فہرست درج کر دی ہے جنہیں سیاحان سابق نے اختیار اور بیان کیا۔ جس ملک میں ریل ہو اور جہان مسافر کی رہنمائی کے لئے کوئی ہدایتی دستور العمل موجود نہ ہو وہاں اجنبی اگر گڈ ٹی سے کتر اگر کوئی دوسری سمت اختیار کرے گا تو ظن غالب ہے کہ اس کو اس بات کا بالکل علم نہ ہوگا کہ آیا اس کے رستے کو پہلے کوئی اور مسافر طے کر چکا ہے۔ یا وہ اچھوتی زمین پر چل رہا ہے۔ صورت اول الذکر میں میں اس کو مقابلہ کے ذرائع بہم پہنچاتا ہوں اور صورت ثانی الذکر میں میں اس کو تحقیقات کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا ہوں ابتداءً مجھے یہ امید تھی کہ میں اس کتاب کے آئین میں اون مقامات کے ناموں کی فہرست ضمیمہ کے طور پر شامل کر سکوں گا جو ایرانی جغرافیہ اور سیاحت سے متعلق ہوں لیکن ان ناموں کی فہرست اس قدر ضخیم ہو گئی ہے کہ مجھے اس کا علیحدہ ضمیمہ کرنا لازم ہوا اس کی تلافی کے لئے میں نے ہر ایک مقام یا مضمون کی بحث میں تصانیف متعلقہ زبان یورپ کی جن کا میں نے مطالعہ کیا ایک مکمل فہرست درج کر دی ہے۔ بہت سے نقشے شجرے اور فہرستیں بھی جو پہلے کسی ضمیمہ میں نہیں ہوئیں کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔

جو سیاسی آراء میں نے اس میں ظاہر کی ہیں ان کی ذمہ داری میں کوئی دوسرا میرا شریک نہیں ہے۔ نہ تو ان آراء کا ماخذ سفارت برطانوی متعینہ طہران ہے اور نہ

غالباً سفارتِ مطورہ ان سب کی ہدایتان ہی ہے اور جن احباب کی اعانت کا میں آگے چلکر اعتراف کر چکا ہوں اس سے بھی انکو منسوب نہیں کیا جاسکتا اگر یہ آراء ایران کے معرضین کو کبھی ناگوار گزریں تو اوہ نہیں بد نہ بچنا چاہیے کہ ان آراء کے اظہار کی وجہ تحریکِ معاندانہ تھی جس قوم کی نسبت میں نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں تو اور اس کی اغراض کا حامی اور معین ہوں یہ بھی واضح رہے کہ میں نے کوئی رائے اس وقت تک ظاہر نہیں کی جب تک کہ مجھے اس بات کا وثیقہ یقین نہیں ہوا کہ یہ رائے صحیح ہے۔ یہ امر ہنوز معرضِ نزاع میں ہے کہ سیاسی مباحث میں اظہارِ حق سے کس حد تک کام لینا چاہیے مگر پھر بھی مجھے اُن لوگوں کے ساتھ تو اتفاق ہے جو سیاسی جھوٹ کو نظر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ اس کتاب کی دونوں جلدیں باشتار اوس فصل کو جس کا موضوع اضطرابِ اوسوقتِ مطبع میں بھیجا جا چکی تھیں جبکہ سرکاری طور پر میرا تعلق انڈیا آفس سے ہوا اور اس لئے آراء مندرجہ کتاب ہذا ہر صورت میں ایک خانگی حیثیت کے شخص کی رائے ہیں اور سرکاری سند یا تحریک کے بغیر قایم کی گئی ہیں۔

تلفظ کے متعلق واضح رہے کہ میں نے رواجِ عام اور عالمانہ تنقید کے درمیان حد واسطہ قایم کی ہے اور بجائے اسکے کہ خود نمائی اور تفاخر کا التزام مجھ پر عاید ہو میں نے حامی ہونے کا الزام اپنے سر لینے کو زیادہ پسند کیا ہے۔ فارسی اور عربی ناموں کو ایک ایسی زبان میں ادا کرنا جو اُن علما سے بالکل معرا ہو جنکے ذریعہ سے ان زبانوں کی بعض آوازیں ادا کی جاسکتی ہیں وہی شکل ہے اور موجودہ صورت میں اسکو ایرانی ناموں کے ہندوستانی تلفظ سے آگے بڑھنا زیادہ آسان نہیں مگر جن کا خود ایران میں رواج نہیں زیادہ پیچیدہ کر دیا ہے۔ بہت سی صورتوں میں میں نے غلطِ العام فصیح کے

اصول پر عمل کیا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد بمنزلہ قانون کے ہو جاتا ہے اور اس لحاظ سے ابوشہر کو  
 پوشایہ اور شہد کو مشد لکھا ہے کہین کہین میں نے دینی تلفظ کی آواز کے بعینہ ادا کرنے کے ساتھ  
 جقدر صحت ممکن ہو سکتی تھی اسکا لحاظ رکھا ہے۔ اگر مجھ سے بعض دفعہ تناقض سرزد ہوا ہے تو  
 وہ ایسا ہے جس سے اجتہاد ممکن نہ تھا۔

اگر یہ کتاب کسی حد تک مصدق کی دلی خواہش کے معیار میں پوری اور ترے تو اس کی وجہ بخش  
 وہ فیاضانہ امداد ہے جو خوش طالعی سے او سے مل سکی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں نہ تو وسیلہ  
 سفر اور نہ میری کتب بینی ہی میرے کام آئی اگر اوسکے معین وہ تمام مصنفین نہ ہوتے جن سے میں نے  
 استعانت کی۔ اس بارہ میں خاص طور سے اطلاعات و معلومات کا وہ پیش بہا محض میرے لئے مفید  
 ثابت ہوا جو اس کتاب کے شائع ہونے کی تاریخ تک بعض اصحاب ایران سے مجھے ہم پہنچاتے  
 رہے۔ اسکے علاوہ ان اوراق کی اشاعت میں صحت کا پورا اعتبار مجھے اوس وقت تک ہو سکتا جب تک  
 کہ لکھ جانے کے بعد مجھ سے بھی زیادہ لایق لوگوں کی نظر ثانی کے لئے طہران کو نہ بھیج جاتے اور  
 بہت سی صورتوں میں انہیں انگلستان کے مسادی قابلیت کے اصحاب کی خدمت میں تبصرہ کے  
 لئے پیش نہ کیا جاتا۔ ان معاونین میں سے پہلا نام بلحاظ مستند ہونے اور باعتبار وسعت احاطات  
 کے جرنیل ہے۔ ہاؤٹم شد لڑکا ہے۔ یہ صاحب جو ایران میں بہت سی ممتاز خدمات پر سر فراز رہ چکے ہیں  
 اب اسپرل بینک آف پریشیا واقع طہران کے مشیر کار ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اس ملک میں وہ ایک عرصہ  
 ہمارے اقامت پذیر ہیں۔ تجربہ علمی اور جوش قومی ان کی ذات کے نمایان اوصاف ہیں۔ میں نے  
 انکو جو انگریزی میں پوشہ کو مشد اور شہد کو مشد کر کے کہتے ہیں لیکن میں نے یہ لحاظ رکھا ہے کہ ان مقدمات کا اصل نام جس طرح اردو میں  
 لکھا جاتا ہے کہ بین لکھا جائے۔ مترجم۔

نہ صرف وہ جدید علومات جو اس کتاب میں درج ہیں ان سے حاصل کی ہیں۔ بلکہ ان دونوں جلدوں کے  
 تقریباً ہر ایک صفحہ پر انہوں نے نظر ثانی کی ہے اور جب یہ خیال میرے دل میں آتا ہے کہ اگر ادنیٰ  
 فیاضانہ اور بیدار فہم مرد نہ ہوتی تو اس کتاب میں کتنی غلطیاں ہوتیں تو میں گناہ اوٹھتا ہوں بہت کم  
 لوگ ایسے ہوں گے جو خود ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب لکھنے کی استعداد رکھتے پر بھی دوسرے آدمی کی  
 کتاب کی قدر و قیمت کے بڑھانے میں ایسی بے غرض کوشش کریں جن دو کے اصحاب مقیم ایران  
 سے مجھے مدد ملی ہے وہ مسٹر جے آر۔ پریس حال انگریزی تونسلس متعینہ اصفہان مسٹر جے جے  
 مہی سسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ انڈیو یورپین محکمہ تار برقی شیراز اور نیز میرے شاگرد ۱۹۰۹ء کے متعدد میزبان  
 ہیں۔ ان کے علاوہ دو کے صاحبوں کی اعانت کا بھی مجھے اعتراف ہے جنکے بار منت سے میں  
 اس وجہ سے سبکدوش نہیں ہو جاتا کہ ان کے نام بیان درج نہیں ہیں۔ انگلستان میں سر ایف گولڈ اسمٹ  
 براہ کرم ان فصلوں پر نظر ثانی کی ہے جو سیستان اور جنوبی و مشرقی صوبجات سے متعلق ہیں اور جن  
 بلحاظ وسعت تجربہ انہیں خاص طور سے رائے زنی کا استحقاق ہے۔ اسکے علاوہ اور دو کے  
 امور میں بھی انہوں نے میری مدد کی۔ کرنل سر ای سی۔ راس نے جلیان بو شہر میں برطانوی انڈینٹ  
 تھو جنوبی ایران اور خلیج فارس کے متعلقہ ابواب پر اسی طرح کی فیاضانہ توجہ مبذول کی ہے اور کرنل اسٹوارٹ  
 ہاروی لابی تونسلس جنرل متعینہ تبریز نے اکثر ابواب کو جو سلطنت ایران کے شمالی علاقجات و تعلق گتہ ہیں اپنی  
 مبصرانہ نگاہ کا فیض پہنچایا ہے مسٹر سیل اسمتھ نے جبکہ تعلق عجائب خانہ لندن سے ہے براہ عین  
 پیار گدے اور اصطر کے حالات کو بڑھا ہے اور میں ان کی اس عمدہ سے اس لئے مستفیض  
 ہوا کہ انہوں نے ان مقامات کی خود میر کی ہے۔ آخر میں مجھے سر الفریڈ لائل کے فاضلانہ اور

محققانہ مشورون کا جن سے مجھے ہمیشہ رصورتوں میں نفع پہنچا صدق دل سے اعتراف ہے  
 جن عکسی تصاویر سے یہ کتاب مزین ہے وہ یا تو خود میری اماری ہوئی ہیں یا طہران کے شاہی دربار کے  
 ایرانی تلامذہ کی یا میرے احباب کی جن میں خصوصیت کے ساتھ تین مسیحی سلیڈ اور شہر ہرٹ ویلڈ بلن ٹال کا نام  
 لے سکتا ہوں چند نقشے پیرس کی ہیشے لائبریری کی کرمیہ اجازت سے اصل سے لئے گئے ہیں  
 میں خوب جانتا ہوں کہ اتنی بڑی ضخیم کتاب باوجود پتہ کردہ بالا اعداد موافق اور حسب مراد حالتوں کے غلطیوں  
 اور غلط گزشتوں سے پاک نہ ہوگی جن ناظرین کی نظر اس قسم کی غلطیوں پر پڑے ان کی بہترین تحسین  
 یہی ہے کہ اس کتاب کی طبع ثانی کیلئے (اگر خدا وہ وقت لائے) تصحیح امیری امداد کریں جسکے لئے  
 میں بصدق دل ان کا شکریہ ادا کروں گا۔ میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں کہ میں ایک کتاب اس تصنیف کے  
 ضمیمہ کے طور پر شائع کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ سال روان میں یہ ضمیمہ شائع ہو جائیگا۔ میں ایران کی  
 سماج جغرافیہ سیاحت، واقعات اور مقامات کے نقشوں عہدہ محلات و معاہدات کی نقول،  
 خاندانوں کی فہرست، اوزان، پیمانوں اور سکون کے نقشوں اور بہت کچھ مزید اطلاع متعلقہ شمار اعدادی کا  
 تفصیلی بیان ہوگا جسے میں نے ان اوراق کی تصنیف و ترتیب کے وقت جمع کیا ہے۔ یہ ضمیمہ جزییات  
 کے طالب کیلئے مفید ثابت ہوگا اور عام ناظرین اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہوگی لیکن مجھے اُمید ہے کہ اصحابِ ادب  
 میں سے بھی بعض مجھے چرخہ عنایت کریں گے کہ ان کی کتاب کی اماری میں ہر وہاں وہ اس ضمیمہ کو بھی اس کی گنجائش ہو جائے  
 خاتمہ پر میں اپنی اس دوسری تصنیف کے لئے جس کو ساٹھ میری ذاتی ہر اسیدین وابستہ ہیں اس سے زیادہ  
 کامیابی کا خواہان نہیں ہوں کہ دو سال قبل میری زیادہ تر کم مایہ تصنیف کو ناظرین نجس حوصلہ افزائی اور  
 قدر دانی کی نظر سے دیکھا تھا اور اسکا اسکے متعلق بھی اعادہ کیا جائیگا۔

باج تفصیل کریں

# مقدمہ

شیار قابل دید و مشاہدہ یہ ہیں۔ بادشاہوں کے دربار بالخصوص اس  
عائین جبکہ سفرا اور نکلے حضور میں باریاب ہوں۔ عدالتہائے دیہی و مذہبی جبکہ وہ  
مقدمات کی سماعت میں مصروف ہوں۔ کلیسا اور صومعے اور انکے آثار ماضیہ بلاد و امصار  
کی فضیلتیں۔ شہر بنائیں۔ بندرگاہ۔ قدیم یادگارین۔ کھنڈر۔ کتب خانے۔ مدارس۔ مناظرے اور  
خطبات۔ کشتیان۔ جہاز اور بحری قوت کے لوازم۔ بڑے بڑے شہروں کے قرب و جوار کی  
سرکاری اور تفریح عام کی عمارات و باغات۔ سلاح خانے۔ آلات حرب کے مخازن۔ گولی بارود  
کے ذخیرے۔ ساہوکارے۔ مہاجنی کوٹھیاں۔ مال کے گودام۔ سواری۔ پھکیتی۔ فوجی  
قواعد اور اسی قسم کے دوسرے کتب۔ کھیل ٹاٹے۔ جنگے دیکھنے کے لئے شرفا جاتے  
ہوں۔ خلعت و جواہر اتے توشہ خانے۔ شیشہ آلات اور بلورین ظروف اور دوسری نادور  
اور کمیاب چیزیں۔ غرض کہ جو کچھ بھی عجیب اور بے عدیل معلوم ہو اسے دیکھنا چاہیئے۔  
(لیکن کا اٹھارہواں مضمون جب کا موضوع سفر ہے)

## اس کتاب کے مقاصد سہ گانہ



پنی سیاحت کی داستان کے شروع کرنے سے پہلے میں اس ابتدائی

باب میں اون سہ گانہ مقاصد کو اپنے ناظرین پر واضح کرنا چاہتا ہوں جو اس

کتاب کی تصنیف کے متعلق میرے پیش نظر ہیں۔ میں نے ایران سے جو پہلا مراسلہ اخبار ”ٹائمز“ کو لکھا تھا اگر میں اوسکے شروع کی عبارت کا اس مقام پر اقتباس کروں تو شاید بہترین طریقہ پر اس کتاب کی اصلی غرض کی تصریح ہو سکے گی۔

”شاہ ایران کے ۱۸۸۹ء کے سفر انگلستان اور اوس خاطر و مدارات نے جو ملک میں سرکاری طور پر اور غالب عامہ کی طرف سے اون کے لئے عمل میں لائی گئی۔ ایران اور مسئلہ ایران کی اوس دلچسپی کو پہر تازہ کر دیا ہے جس میں چند سال سے (شاہ موصوف کے ممالک محروسہ کے بعد اور اُس روز افزون بے توجہی کے باعث جو اہل انگلستان کو اپنی فوری اغراض کے علاوہ دوسرے امور کے متعلق پیدا ہو گئی تھی) ضعف آچلا تھا۔ جس گرجویشی اور تپاک کے ساتھ اپنا نئے ملک کے ہر طبقہ نے ملکہ معظمہ سے لیکر ادنیٰ ترین رعایا تک اس جلیل القدر مہمان کا استقبال کیا اور برطانیہ کلان کے عظمت و جلال اور اہل برطانیہ کی رفاقت و اخلاص کا نقش اوس کے دل پر بٹھانے کی جو کوششیں کی گئیں وہ اس امر کی شاہد تھیں کہ شاہ کجگاہ کو محض اسی نظر سے نہیں دیکھا گیا کہ وہ ایک مغربی حکمران ہے جسے ممالک غیر میں سفر کرنے کی چاٹ لگی ہوئی ہے اور اس لئے بزم معاشرت کی جدید ترین شمع ہونی



حیثیت سے سب لوگوں کو اس کی جہلک دیکھنی چاہیے بلکہ اسکی وقعت کا پلہ اس سے  
 بھی بھاری تھا۔ گو یہ یقین کی روشنی اس پر نہ پڑی تھی لیکن پھر بھی لوگوں کو یہ خیال ضرور تھا  
 کہ جس شاہنشاہ کی سواری اس تنگ و احتشام اور جلوس کے ساتھ دریائے ”یٹس“ کی  
 شاہراہ پر لائی گئی ہے۔ جسے قصر گلہ ہال میں دعوت دی گئی ہے اور جسے سلطنت کے  
 خاص خاص صنعتی مراکز کی سیر کرائی گئی ہے وہ انگریزی قوم کا رفیق اور شریک ہونیکے  
 علاوہ مشرق میں ہماری تدابیر ملک کے انضام کا ایک مہتمم با شان جزو ہے۔ جن لوگوں کو  
 سیاست و تدبیر ملک کی شاہانہ اغراض کی طرف سے بے پروائی تھی وہ بھی اس بات سے  
 بے خبر نہ تھے کہ قلم و ایران انگریزی اور انگلستان کی وساطت سے (ہندوستانی اشیاء کی  
 تجارت کے لئے ایک وسیع اور نفع رسان منڈی بن سکتی ہے اور اگر روپیہ اور فائدہ کے  
 خیال کے علاوہ اور کوئی خیال مرکوز خاطر نہ بھی ہو تاہم ایران کے حکمران کے ساتھ دوستانہ  
 تعلقات قائم رکھنا ایک پرزور خواہش ہونی چاہیے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی باوجودیکہ یہ امر مسلم  
 تھا کہ شاہ ایران کا سفر غیر معمولی طور پر نتیجہ خیز ہے اور اس گرجوشتی کے ساتھ اونکا استقبال اور  
 تواضع کرنی قرین مصلحت ہے پھر بھی اخباروں کی تحریرات اور اراکین بیت العوام (ہاؤس  
 آف کامنز) کی آرا سے اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جنہوں نے زمانہ کی  
 علامات کی تعبیر غلط کی ہے یا جو ان کی تعبیر سے قاصر رہے ہیں اور اشارۃً و کنایۃً ہی  
 نہیں بلکہ علانیہ طور پر بھی اس امر کا اظہار کیا گیا کہ ایک ایسے شاہنشاہ کی آؤ بھگت میں جو  
 غالباً غرض آمیز سیاست کی ان علامات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جس سے

اسکے معاوضہ میں کسی بات کی توقع نہیں ہو سکتی اس قدر غمناک سے کام لینا اور شور و غل مچانا کچھ مضحکہ انگیز سا معلوم ہوتا ہے۔ غرض کہ مسئلہ ایران کے پیچھے در پیچ اور مہرستم بالشان حقائق کا مفہوم اس وقت ناقابل طور پر سمجھا گیا اور جو مقدمہ کہ اصل میں نہایت ہی معقد اور مغلق تدبیر کی شان لئے ہوئے تھا اس پر اس طرح سے بحث کی گئی کہ گویا وہ ایک اتفاقی فرض ہے جسکی انجام دہی سے خوش آئند طور پر عہدہ براہو کر بعد میں بلا تردد اس سے صفحہ خاطر سے محو کر دینا چاہیئے۔

بچونکہ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے تصورات لوگوں کے ذہن میں ابھی تک جاگزیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ تصورات غلط ہیں اور ممکن ہے کہ ان سے بربادی بخش نتائج مترتب ہوں اس لئے جو کچھ میں ذہنی آنکھوں سے ایران میں دیکھا ہے اس سے استدہاد کر کے مسئلہ ایران کے مالیہ و ماعلیہ کو بیان اور اس بات کو اپنے انگریزی ناظرین پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس بعید مملکت کے ساتھ اونکی کیا کیا اغراض متعلق ہیں۔ کیونکہ وہ ایران کے سیاسی مسئلہ اور اس کے نشوونما کو اس شدید اشتیاق کے پہلو سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ ایران کے ساتھ اتحاد قائم ہونے کے کیا معنی ہیں۔ اور اس سے کیا کیا نتائج حاصل ہو سکتے ہیں اور کیونکہ بیام خارج ازامکان ہے کہ شاہ ایران اور اونکی رعایا کو براہ اعتدالی سے دیکھا جائے بہتر سے مسائل ایسے ہیں جن پر مجھے اپنے سفرنامہ کے ضمن میں بحث کرنی پڑے گی۔ یہ مسائل شاہ کی گورنمنٹ کے طرز نظم و نسق کے موجودہ رجحان۔ مملکت ایران کے انتظام کے اسلوب۔ کیفیت۔ محاسن یا معایب۔ شاہ کے سفرو پرپ سے

اصلاحوں کے منہج ہونے کے احتمال مسئلہ دراشت تخت و تاج۔ فوج کی کمیت و کیفیت قلمرو  
ایران میں ریلوے کے اجرا اہل ایران کے سیاسی رجحانات۔ روس اور برطانیہ کلان کر  
رسوخ و اثر کے مدارج کی نسبتی تعیین۔ ان دونوں دولتوں کے اعراض و مقاصد مسئلہ خراسان  
کے مفہوم اور اوس کی وقعت۔ اور اون خطرات پر مشتمل ہیں جن میں انگریزی تجارت کا غیرین  
کے مقابلہ میں ممالک محروسہ شاہ کجکلاہ کے مختلف صوبہ جات میں پڑنا بیان کیا جاتا ہے۔  
سرچارلس میگلر کی متوفی نے ۱۸۷۵ء میں شاہ کے سفر اول یورپ کے بعد اپنے سفر ایران  
کے اثنا میں حسب ذیل رائے ظاہر کی۔

”میرے خیال میں شاہ کا جو استقبال ہم نے کیا اوس سے کچھ بھی مفید اثر نہیں پیدا ہوا  
ایرانی جانتے ہیں کہ زمین روسیوں کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا ہے۔ اور اسلئے وہ اس معاملہ  
پر محض سیاسی پہلو سے نظر ڈالتے ہیں۔ اور گو جس گرمجوشی اور تپاک سے اوس کے شاہ کا  
استقبال لندن میں کیا گیا اوس سے اون کی نگاہوں میں اوس کی وقعت بہت بڑھ گئی ہے  
پھر بھی ہماری حالت میں اس سے کچھ ترقی نہیں ہوئی۔ میری دانست میں ایرانیوں کو یہ خیال  
ہے کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ جب روس کے ساتھ چپقلش ہو تو ایرانی ہماری طرف  
ہوں اور اس ملک کیلئے ہم انہیں بیش تر معاوضہ دیں گے۔ اگر اٹکا ایسا خیال ہے تو مجھے  
نہایت افسوس ہے۔“

”میں اس امر کے تحقیق کرنے کی کوشش کر دنگا کہ آیا یہ خیال شاہ ایران کی رعایا کو بہن  
میں ابھی تک سلایا ہوا ہے یا نہیں۔ اور گزشتہ سولہ سال کے عرصہ میں فن تدبیر مملکت کے

ابتدائی اصولوں کی تحصیل میں ادھون نے کس حد تک ترقی کی ہے۔ غرض کہ میں اپنے مراسلات میں ایران پر ایک انگریز اور بالخصوص ایک انگریزی مدبر کی حیثیت سے بحث کروں گا۔ کسی ملک میں جو شخص عرصہ دراز سے مقیم ہو وہ اس ملک کے باشندوں کے رسم و رواج و عادات کو بوجہ احسن بیان کر سکتا ہے اور اس کام کے لئے موزوں بھی ایسا ہی شخص ہوتا ہے اگر ایک سیاح اس کام کو اپنے ذمہ لے گا تو اس سے لامحالہ غلطیاں سرزد ہوں گی کیونکہ جو رائے وہ قائم کرے گا وہ تعجیل اور نقایص سے ملبو ہوگی۔ لیکن ایک سیاسی مسئلہ کا تصفیہ بلا خوف و خطر ایک مدبر پر چھوڑا جاسکتا ہے اور اس تصفیہ میں غلط نتائج کے استنباط کا احتمال نہیں ہو سکتا اگر یہ کوشش کی جائے جیسی کہ اس صورت میں کی گئی ہے کہ مسئلہ مزبور پر تنگ حوصلگی یا خود بینی کے پہلو سے نظر نہ ڈالی جائے بلکہ انراض سلطنت کو ملحوظ اور اون تعلقات کو مرعی رکھ کر اس پر بحث کی جائے جو اس کو اجتماعی حیثیت سے ایشیائی سیاست مدن کے وسیع تر مسئلہ کے ساتھ ہیں اور جس کا یہ ایک ممتاز جزو ہے۔

### اس کا تعلق قلم و ہند کے ساتھ

کہہ بالا نقرون میں مینے کافی وضاحت کیے ساتھ اس کتاب کے سیاسی پہلو کو دکھایا ہے۔ مجھے اس امر کے اخفا کی ضرورت نہیں کہ میری اصلی غرض و غایت بھی اسی پہلو کا دکھانا ہے اور بجائے اسکے کہ میں کوئی سفر نامہ لکھوں جسے عام لوگ ایک دفعہ پڑھ جائیں اور پھر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ میں اس بات کو بدرجہا اولیٰ و انسب خیال کرتا ہوں کہ کوئی ایسی سیاسی تصنیف میرے قلم سے نکلے جو اون خاص لوگوں کے پسند آئے جن کی

معلومات وسیع ہیں۔ میری اس خواہش کی یہی وجہ نہیں کہ فن سیاست مدن کے متعلق اگر کسی کتاب کی تصنیف میں کامیابی ہوئی تو وہ دیر پا ہوگی۔ حالانکہ سیر و سیاحت کی کسی داستان کے ساتھ لوگوں کو دلچسپی ہوئی بھی تو وہ عارضی اور بے ثبات ہوگی۔ بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ وسط براعظم ایشیا کی سلطنتوں اور حکومتوں کے حالات سے بحث کرتے وقت کوئی امر زیر بحث ایسا ضروری اور نتیجہ خیز نہیں جیسا کہ وہ حصہ ہے جو مشرق کی آئندہ قسمت کا فیصلہ کرنے میں وہ لین گئی یا نہ لے سکتی ہیں۔ ترکستان۔ افغانستان۔ ماوراءالنہر اور ایران ایسے نام ہیں جنہیں سنکر بہت سے لوگوں کے ذہن میں بعد مسافت عجیب و غریب انقلابات۔ اور ان افسانوں اور حکایتوں کے حادو کے سوا جکے دہوئیں کوئی دم میں اڑا چاہتے ہیں اور کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا اگر گھر سے پوچھا جائے تو میں یہ کہوں گا کہ میرے نزدیک وہ مشطوخ کے مہرے ہیں جو ایک ایسی بساط پر چنے ہوئے ہیں جس پر رنج سکون کی حکومت کی بازی کھیلی جا رہی ہے۔ اس خیال کے مطابق برطانیہ عظمیٰ کی آئندہ قسمت کا فیصلہ نہ یورپ میں ہوگا نہ ان سمندرون پر جن پر اوس کا پہرہ پڑا رہا ہے اور نہ اوس برطانیہ عظمیٰ ترین جسکی بنا اوسکی

۱۵ ابتدائی زمانہ کے اسلامی مورخین دریائے کس یعنی جیون کو لفظ "النہر" سے تعبیر کرتے تھے اور اس لحاظ سے اوس علاقہ کو جو دریائے جیون کے بائیں جانب واقع ہے اور جسکے شمال میں نورالک۔ جنوب میں طوط مرتفع خراسان و افغانستان۔ شمال مشرق میں خوار اور بخارا۔ جنوب مشرق میں افغانی ترکستان اور مغرب میں بحرہ اخضر واقع ہے ماوراءالنہر کہتے تھے۔ زمانہ حال کے جغرافیہ میں جس صوبہ کی حدود اربعہ حدود متذکرہ بالا پر مشتمل ہوتی ہیں وہ بحرہ اخضر کی دہنی جانب واقع ہونے کے باعث انگریزی میں ٹرانس کیپیسیا یعنی ماوراءالنہر کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں علاقے دراصل ایک ہی ہیں اس لئے میں نے ٹرانس کیپیسیا کا ترجمہ ماوراءالنہر کیا ہے۔

سے۔ مترجم

اولاد و احفاد نے ڈالی ہے۔ بلکہ اوس بڑا عظیم مین جہان سے ہمارے اولین آبا و اجداد ترک وطن کر کے آئے تھے اور جہان اون کی اولاد فتح و نصرت کے ساتھ پہر واپس آتی ہے۔ ہندوستان کے بغیر سلطنت برطانیہ قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان کا قبضہ کر کے زمین کے مشرقی حصہ میں شاہنشاہی کی التعمدہ سند ہے جب سے کہ ہندوستان کے وجود کا علم ہوا ہے اوس وقت سے اسکے حکمران نصف دنیا کے فرمان فرما رہے ہیں۔ جس خواہش نے سکندر تیمور اور بابر کو دریائے انڈس کی طرف بڑھنے کی تحریک کی اوسی نے پرتگیزیوں کے حق میں شاہنشاہی کا وہ قلیل المیعاد قبالہ لکھدیا جسکے فرسودہ پرزوں کو ادھنوں نے ابھی تک خزر جہان بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ اوسی نے گزشتہ صدی میں ایران کے ایک شاہ کو دس سال تک مشرقی مٹخامین کا حکم بنائے رکھا۔ اوسی نے فرانس کو وہ سلطنت دے دی ہوتی جسے قومی تردولون اور روشن ترستارہ بخت نے ہماری قوم کو عطا کیا اور یہ وہی ہے جو آج کے دن تک دیوشال کے سمندر ص پر تازیا نے برسا رہی ہے اور اسکے رگ و پے میں موحین مار رہی ہے۔ باوجودیکہ سیاسی حیثیت سے ہمارے زمانہ میں خانگی مسائل متعلقہ سیاست مدن ایک ایسی وقعت اور اہمیت کی شان لئے ہوئے ہیں جو یوٹائیوٹائی کرتی کر رہی ہے اور باوجودیکہ عام رجحان یہ ہے کہ مغرب کی طرف عنان کوہم کو منعطف کیا جائے اور واجب الاتباع نظائر اور تند برو سیاست کی مثالون کیلئے نوخیز لوگون اور ایک صبح رنگ کی قوم سے استشارہ کیا جائے پھر بھی ایک شخص ضرور ایسا

۱۵ دیوشال سے مراد روس ہے۔ مترجم

ملے گا۔ جبکہ مرقع تصویر میں زمانہ قدیم کی شبیہیں کھینچی ہیں۔ جو اپنے ہموطنوں کو یہ بات یاد دلانے کے لیے کہ گو مغرب میں ان کو یہ اختیار باقی نہیں رہا کہ

”جس کو چاہا دے دیا اور جس سے چاہا لے لیا“

پھر بھی وہ مشرق کے وحشی اور دلی ہیں اور دنیا میں بیخ رنگ کی دوسرے درجہ میں سب سے بڑی آبادی ان کے زیر حکومت ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ حیانت و حفاظت کا کوئی ایسا دقیقہ اٹھانہ رکھنا چاہیے جسکے ذریعہ سے دوامی طور پر علم سیاست مدن کے ادون عمدہ ترین نتائج سے استفادہ کیا جائے جو انسان کو اپنے اسلاف سے میراث میں پہونچے ہیں۔

## تاریخ و جغرافیہ

علاوہ اوس تعلق کے جو ایران کو ایشیا کے دقع اور وسیع تر سیاسی مباحث سے ہے اور جو میرا اصلی اور ابتدائی مقصود ہے۔ ایک دوسری عرض بھی جو اہم ہونے میں اوس سے کچھ کم نہیں ہمیشہ میرے پیش نظر رہی ہے اور فحوا اور وسعت کے اعتبار سے اوس نے بتدریج اس قدر ترقی کی ہے کہ مجھے یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اگر اس ضخیم کتاب کا موضوع ایسی بھی عرض ہوتی تو اسے غیر حق بجانب نہ کہا جاسکتا۔ یہ عرض اس خواہش پر مشتمل ہے کہ میں ایران کی حالت موجودہ کو قطع نظر ادن تعلقات کے جو او سے دول خارجہ سے ہیں بیان کروں۔ او سکے مختلف صوبوں۔ باشندوں۔ قوانین و خصوصیات۔ منظروں۔ شہروں۔ محلوں۔ معبدوں اور کھنڈروں کے مختصر حالات قلمبند کروں۔ موجودہ صدی اور بالخصوص گذشتہ پچاس سال میں (یہ وہ زمانہ ہے جو موجودہ شاہ کے عہد حکومت پر قریب قریب منطبق ہوتا ہے)

جس طرح ایران اقوام کے سیاسی خاندانہ میں شریک ہوا اوس کا سر اٹھ لگاؤں اور جو کوششیں کہ اس مملکت نے ایک ایسے تمدن و شایستگی کا غیر موزون لباس پہننے کے متعلق کی ہیں جو اسے زیب نہیں دیتیں اور نہیں تفصیل وار حیرت خیز مین لاؤں۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو شخص تحقیق کرنا چاہے کہ ناصر الدین شاہ کا ایران کیسا ہے۔ وہاں کس طرح پہنچ سکتے ہیں کس راستہ سے وہاں جانا چاہیے اور کتنے دن کا وہ رستہ ہے۔ وہاں کی کیا کیا اشیا لینے یا دیکھنے کے قابل ہیں۔ جن لوگوں نے اوس سے پہلے ایران کا سفر کیا ہے اور انہوں نے کیا کچھ کیا۔ کون سی نئی بات دریافت کی یا اسکی نسبت کیا نئے ظاہر کی۔ اور اب خود اس کے لئے کیا کرنا باقی ہے۔ ان صفحوں میں وہ باتیں دریافت کر سکے جن کا وہ متلاشی ہے اس کتاب میں اسے نہ صرف ایران کی موجودہ حالت کے کو ایف معلوم ہو گئے۔ بلکہ وہ اون وسائل اور ذرائع کے حلقوں کو جدا گانہ طور پر دیکھ سکے گا جن سے اس حالت کی زنجیر تیار کی گئی ہے اور جن سے آگاہ ہونے کے بغیر نہ تو وہ ادن نتائج کو سمجھ سکتا ہے جو اس سے منتج ہو گئے اور نہ آئندہ کے متعلق کوئی پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ غرض کہ ایران کے حالات کے قلب بند کرنے کے متعلق میں اون مساعی سے کام لوں گا جو مجھ سے قابل مصنفوں نے دوسرے ممتاز ممالک پر مہذول کی ہیں لیکن جہنیں دو سو سال سے کسی انگریزی مصنف نے ایران پر صرف نہیں کیا یعنی اس قلمرو کی ہو بہو اور پورے قد کی تصویر تارنا۔

## سیاحت

بالآخر میں مسافر کی زندگی کے اون حالات کو جو مشرق میں سفر کرنے سے پیش



آتے ہیں اور سیاحت کے اون واقعات کو جو گو ہمیشہ اہم نہیں ہوتے لیکن پھر بھی تازگی کی ایک شان لئے ہوتے ہیں قلمبند کرنے سے اس تصنیف میں وہ دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کروں گا جسکے ہونے کی صورت میں ناظرین کی طبیعت اسکے پڑھنے سے شاید کسی حد تک اکتا جاتی۔

## ایرانی قوم کے حالات کی دلچسپی

ہل انگلستان کو ایرانیوں کے حالات سے دلچسپی پیدا کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اونکا وہی نسب ہے جو ہمارے تین ہزار سال قبل زمانہ ہوتا ہے کہ اسکے آبا و اجداد نے اوسمی پر اسرار آریہ ورت کی سطوح مرتفع کو خیر باد کہا جہاں سے ہمارے اسلاف پہلے ہجرت کر چکے تھے جس مقام سے اونہوں نے نقل مکان کیا وہ ایک عرصہ سے علوم و فنون

۱۵۔ مجھے ڈر ہے کہ بہت سے انگریزوں کے دلوں میں ایران کا خیال آتے ہی ہر ڈوٹس کے قصوں سمور کی نظموں اور شاہ کے جواہرات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ کھا جاسکتا ہے کہ ہر ڈوٹس نے قصوں کے مقابلہ میں زیادہ تر تاریخی حالات قلمبند کئے اور شاہ کے جواہرات کی خوبی اور چمک دمک میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مور پر پرتیہ اوس مبالغہ و اطراء عظیم کے جس سے اوس کی نظم بہرہ پڑی ہے۔ ذمہ داری کا بہت بڑا بار عاید ہوتا ہے۔ ایران کے جو حالات اوسے بیان کئے ہیں اون کو اصلی حالات سے اوس درجہ مشابہت ہے جتنا کہ لکسٹر کے چوک کے الحمر کو ابو عبد اللہ کے دلفریب اور بے نظیر محل کے ساتھ جوئے بندی میر کی گلگشت کا بیان ایسا ہی سرب آسا ہے جیسا کہ عابدل شیدا کا مشرب عنبرین کشما کو اصل کشم کے بجز دہرانہ سے مقابلہ کرنے پر بڑا اختیار ہنسی آتی ہے اور جب لٹل نے یہ اشعار لکھے تھے کہ

مور ایسی فریبتا ہے کہ صفایان پر جب چاہد نوز چڑھاتی ہے قر کی طلعت

گاتے ہیں فارسی میں لوگ مہراری غلین گریہ ہے تو ہونم یاد بڑ سے خوش قسمت

تو حضور ادب سے مور کی لاعلمی کے متعلق تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہوگا اور ہمارے شاعر کی انانیت کا اوسکی خاطر سے دم بہر ہوگا۔

کا مسلسل و متصل کو غیر نتیجہ خیز بحث بن رہا ہے۔ انڈوپور پین خانوادہ کے وہ پہلے افراد تھے جنہوں نے خالص توحید کو اپنا ایمان قرار دیا۔ اوہتین میں زردشت کا ظہور ہوا جو شرق کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں میں زمانہ کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر تھا بشرطیکہ اس کا ظہور حقیقت میں کبھی ہوا بھی ہو۔ یزدان زہر من کے روح کو تزکیہ بخشنے والے عقیدے نے وہیں نشوونما پایا اور اوستا نے تدوین کی شکل پکڑ کر وہاں اس آگ کو روشن کیا جو اگرچہ اپنے آبائی آتش خانوں میں قریباً بجھ گئی ہے پھر بھی اس کا ایک دہیا مگر مستقل شعلہ بھئی کی دولت و آسائش کے فانوس میں جل رہا ہے۔

### تاریخ ایران کا ڈراما

تاریخ ایران کی شاندار منازل کو ہم جون جون طے کرتے ہیں ہماری نظر کے

۱۔ میں اس امر سے واقف ہوں کہ آجکل یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ آریہ لوگ ایشیا سے نہیں آئے لیکن فی الحال مجھے ساریشمن ہیتیوری (ملاحظہ ہو "اقوام آریہ" کی قدامت قبل زمانہ تاریخ، مصنفہ ڈاکٹر شریڈرو مسٹر جمہ الیعت۔ بی جیونس۔ اور "آریوں کی اصلیت" مصنفہ کینن آئی ٹرک ٹیلر ۱۸۹۶ء) کے تسلیم کرنے میں ہی تامل ہے اور اسکیلڈی نیوین ہیتیوری (ویلیڈو تاریخ آریہ مصنفہ مسٹر پنکا ۱۸۸۳ء) کے باوجود کہنے سے ہی میں چھٹکتا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے بعد کوئی تیسرا نظریہ جو ابھی تک معرض شہود میں نہیں آیا میرے سامنے نہ پیش کر دیا جائے لہذا میں ابھی اس قدیم مفروضہ کو سب پر ترجیح دیتا ہوں کہ آریوں کا اصل وطن ایشیا ہتاج کی تائید پر دنیس سر جے اسٹڈٹ نے ایک مضمون میں جو سالہ ۱۸۷۹ء میں نشر فرمایا تھا آف دی رائل اکیڈمی آف برلن میں ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا تھا مائیت شدہ سے کی ہے۔

۲۔ اس شرط کی قید مجھے یہ ہے کہ پرونیس ڈارمٹیئر جیسے فاضل جبر کی مائے میں زردشت کے وجود کی اصلیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ "طوفان" کے عالمگیر فساد کا حاصل ہے۔

سامنے بہت سے ایسے لوگوں کے نام گزرتے ہیں جنکو ہم بچپن سے اچھی طرح پر جانتے ہیں۔ روایات اور فرضی حکایات سے جنکو بمقابلہ کسی دوسرے ملک کے ایران سے زیادہ تعلق ہے۔ قطع نظر کر کے ہمیں کیخسرو۔ دارا۔ اور اشیارشا کی جلیل القدا اور عظیم الشان سورتیں نظر آتی ہیں جنکے ہاتھوں کی لکھی ہوئی دستخطیں زبان حال سے اونکی شہرت اون محلوں اور عمارتوں سے پکار رہی ہے جہاں اونہوں نے حکومت کی تھی اور جشن برپا کئے تھے۔ اسکو بعد کچھ شہاب ثاقب جو نبی نوع انسان کو تعجب میں ڈال گئے یا اُن پر بلائے ناگھانی کی طرح نادل ہوئے۔ سکندر چنگیز خان۔ تیمور۔ نادر شاہ کی شکل میں وقتاً فوقتاً گزرتے ہیں اور آتش افشانی اور خونچکانی کرتے ہوئے غائب ہو جاتے ہیں۔ روم کی جمہوری سلطنت کے لئے سب سے زیادہ مصیبت ناک روزمانہ رہتا جبکہ گیر سے کے میدان جنگ پر کرالیں کی فوجوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دو دفعہ روم کے ایک قیصر کو ایک ایرانی یا نیم ایرانی فاتح کے آگے گردن اطاعت جھکانی پڑی ایک تو اوسوقت جبکہ قیصر دلیزیں نے اپنی گردن شاہ پور اول کے جوتے کی ایڑی کے نیچے رکھی اور ایک اوسوقت جبکہ قیصر رومینس دیو جانس کو الپ ارسلان سلجوقی ہز براعظم نے قید کر لیا۔ ایک تیسرے روم کے قیصر جولین کا جسے ایک زمانہ جانتا ہے میدان جنگ میں مارا جانا شاہ پور ثانی کے لئے بمنزلہ ایک ایسی فتح کے ہو گیا جو لڑائی میں جیتنے سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔ پھر دو دفعہ مشہور و معروف خسرو و نوشیروان اور اسکے پوتے خسرو پرویز کے عہد میں سرحد ایران پر ہجوم کے ساحل سے جابلو اور اسکی سطوت و جبروت کا ڈھکا بائز نشیم کی چار دیواری کے اندر چا بکا۔

اسکے بعد حضرت عمرؓ کی تلوار چمکی اور قرآن کے شعلہ جوالہ کی لپٹ نے ہر طرف آتش افشانی کی۔  
 ازمنہ البعد میں بڑے بڑے لوگوں مثلاً ابوہن سیناؒ و دوسیؒ - عمر خیامؒ - سعدیؒ - حافظؒ کے نام  
 ایران کے صفحہ حکمت و شعر و سخن کے عنوان طراز ہوئے اور اسکے لئے ایک ایسی میراث  
 چھوڑ گئے جسکی شہرت کا فنا ہونا محال تھے۔ بالآخر ایک ملکی خاندان شاہی اور اسکے  
 ساتھ ایک ملکی خصوصیتوں کے رنگ میں ڈوبا ہوا مذہب نمودار ہوا اور ایران کی تاریخ کے  
 گذشتہ تین سو سال کے جہد کار ناموں میں عظمت و شکوہ اور ثبات و استقلال کی شان  
 پائی جاتی ہے وہ آج کے دن تک شاہ عباس اعظمؒ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اسکے  
 بعد کمتر و بے کے فرمانرواؤں کے ناموں کا ایک سلسلہ ہماری نظر کے سامنے گذرتا ہے اور  
 اندرونی خانہ جنگیوں اور قومی کشاکشوں کا ایک مسلسل نظارہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے  
 جسکے اثنائیں روس اور انگلستان میدان میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ واقعات ہمکو موجودہ  
 زمانہ تک لے آتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ سلطنت ایران جسکی حدود اب بہت ہی کم رہ  
 گئی ہیں لیکن پھر بھی سبھی ہوئی خوب ہیں ایک ترکی خاندان کے زیر نگین ہے اور دنیا کے  
 روبرو ناصر الدین شاہ کی مشہور و معروف ذات کو پیش کرتی ہے۔ اگر ایران کو کسی اور لحاظ سے  
 وقت کی نظر سے دیکھے جائیگا استحقاق نہ بھی حاصل ہو پھر بھی اسکے لئے کیا یہ شرف  
 و امتیاز کچھ کم ہے کہ اس کی ڈھائی ہزار سال کی مسلسل و متصل قومی تاریخ موجود ہے جو دنیا  
 کے بہت کم ملک پیش کر سکتے ہیں۔

۱۵ صفحہ کی مراد مشہور حکیم ابوعلی سیناؒ ہے۔ مترجم

## انگلستان اور ایران کے تعلقات



سکے علاوہ جو خاص تعلقات ایران کو انگریزی قوم کے ساتھ مختلف زمانوں

اور بالخصوص موجودہ صدی میں رہے ہیں اس کے لحاظ سے لازم ہے کہ انگریزوں

کو ایران سے دلچسپی ہو اور جس انگریز نے اپنے ملک کی تاریخ کو باعنوان نظر پڑا ہے وہ اس

لڑوم کا نظر انداز کرنا پسند نہ کرے گا۔ شاہ آیدورڈ اول کے عہد میں برطانیہ کلان نے ایک معتبر

سفیر کو اپنی طرف سے پورے اختیارات دیکر سفل شاہنشاہ ارغون کے دربار میں بھیجا جسکے

علاقہ میں اس وقت ایران شامل تھا۔ اسکے قریباً تین صدی بعد ایک سفیر صفوی خاندان کے

دوسرے شاہنشاہ کے پاس ملکہ ایلزبتھ کے خطوط لایا۔ شاہ چارلس اول نے بھی اپنا

ایک ایلیچی ایران بھیجا تھا مگر اس کا یہاں پہونچکر انتقال ہو گیا۔ سو لہوین اور سترہوین صدی

میں انگریزی کارپردازوں نے شمالی یورپ اور بحیرہ اخضر کی راہ سے ایران کے ساتھ تجارتی

روابط قائم کرنے میں مساعی جمیدہ سے کام لیا۔ ان دونوں صدیوں کے درمیان انگلستان

کو اپنی بحری قوت کے روز افزون تقویٰ کی وجہ سے پہلے تو خلیج فارس کی تجارت کا ایک

حصہ ملا اور پھر پوری طرح سے یہ تجارت اس کے ہاتھ میں آگئی۔ بالآخر موجودہ صدی کے آغاز

کے ساتھ انگلستان اور ایران میں قریبی تعلقات کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا جو باوجودیکہ

دو دفعہ تو سیاسی کشاکش اور ایک مرتبہ جنگ سے ٹوٹ چکا ہے پھر بھی اس کا وجود برقرار قائم

رہا ہے۔ انہیں تعلقات کی وجہ سے انگلستان کو کئی موقعوں پر وہ شہرت حاصل ہوئی کہ جسکے

بہتر نشان ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور گوان تعلقات پر بہت سی غلطیوں اور

کسی قدر مدامت کا داغ لگا ہوا ہے اور بہت سی مثالیں ایسی ہی پائی جاتی ہیں کہ کبھی توہیں  
 شد و مد کے ساتھ ان رد وابط کے متعلق سلسلہ جذباتی کی گئی کہ اوس پر انتشار و ہیجان کے  
 الفاظ صادق آنے لگے اور کبھی ایسی غفلت اور کاہلی سے کام لیا گیا کہ صنعت و اضمحلال  
 کی تعریف کا اوس پر اطلاق ہونے لگا لیکن بایں ہمہ انہیں تعلقات کی بدولت انگلستان  
 و ایران ایک ایسے قریب کے سیاسی رشتہ سے مربوط ہیں جو مملکت اول الذکر کو ایشیا کی کسی  
 دوسری خود مختار حکومت کے ساتھ نہیں۔

### میسرے سرف کے چار حصے

حکایت کو مین اب شروع کرنے والا ہوں اوسکے ضمن میں مین متذکرہ صدر  
 زمانوں میں سے اکثر کی یادگاروں اور مندرجہ بالا اشتخاص میں سے بعض کے کارناموں پر  
 نظر ڈالوں گا۔ میرا سفر چار حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ہر ایک تاریخی دلچسپی یا سیاسی امتیاز  
 اور نیز جداگانہ طور پر اپنی اپنی خصوصیات کی شان لئے ہوئے ہے۔ ان چاروں حصوں میں  
 علی الترتیب ایران کے شمالی و مشرقی، وسطی اور جنوبی و مغربی صوبہ جات اور جنوب کی بحری  
 شاہ راہ سے بحث ہوگی۔ اور اگر مین استعارہ سے کام لوں تو مین اونکو ایک تانگے سے تعبیر  
 کر سکتا ہوں جس میں مینے اون ممالک کے متعلق جن میں نے خود سفر کیا ہے یا جو اون سے  
 ملحق تھے ایسے تمام کو ایف و معلومات کو پرو دیا ہے جن کا مصدر میرا اپنا سفر ہے جو حسب  
 ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) ۸۵۰ میل کا سفر بذریعہ سواری سپہنشاہان کے سرحدی صوبہ میں اور وہاں سے

دارالسلطنت طہران تک۔

(۲) ۸۰۰ میل کا مشہور سفر (یہ بھی گہوڑے پر) طہران سے بوشہر تک

(۳) شط العرب اور دریائے قارون کی مرحلہ پائی اور۔

(۴) خلیج فارس کا کشتی کا سفر۔

## ۱۱ خراسان



ولائین اپنے ناظرین کو اون مقبوضات کی سیر کراؤنگا جو زمانہ کی غارت گری سے  
پیکر خراسان کے پاس جو کسی زمانہ میں ایک عظیم الشان سلطنت ہوتی تھی رہ گئے

ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مملکت خراسان میں مرد کا علاقہ شریک تھا۔ خیوات تک اس کی سرحد

پہیلی ہوئی تھی۔ ہرات اور قندہار اس میں شامل تھے اور دریائے جیون اسے سیراب کرتا تھا۔ اور

گوب اسکی عظمت و شوکت قائم نہیں رہی پھر یہ صوبہ (جو بہت تناک پہاڑوں اور دشوار گزار

گھاٹیوں سے مستحکم ہے) جا بجا ایسے میدان پر پیلے ہوئے ہیں جن میں مشہور و معروف

دارالسلطنتوں کے آثار ابھی تک باقی ہیں اور جس میں کم از کم ایک شہر اب بھی ایسا ہے

جو تمام دنیا میں مشہور ہے) ایسے بہت سے مباحث کی جولا نکادہ ہے جو موثر اغراض سلطنت

اور دلچسپ و معنی خیز ہیں۔ صمد ہاسانی سے یہ مختلف الاغراض اور مختلف المقاصد اقوام کا

میدان کارزار ہیں رہا ہے اور جنگ کی دستبرد کے علاوہ قتل و غارت کا بازار یہاں خوب

گرم رہا ہے۔ ایشیائین کم علاقے ایسے ہونگے جو قریب خراسان کے رقبہ کے مساوی ہو

۱۵ اس سے غالباً شہدہ مرا ہے۔ مترجم



اور اُن میں اتنے ہی آدمی قتل ہوئے ہوں جتنے کہ خراسان میں۔

## صوبجات ملحقہ

ایک قدرتی امر ہے اور اس کتاب کی ضخامت کا بھی یہی اقصیٰ ہے کہ اپنی سفر کے اس حصہ کے حالات بیان کرتے وقت میں صوبجات یا اضلاع ملحقہ کے جدید ترین کوالیفٹ قلمبند کروں۔ ان کوالیفٹ کے اکثر حصہ کا ماخذ وہ تحقیقات ہیں جو میں نے بطور خود اس نواح میں کی اور اجتماعی حیثیت سے نہایت لائق اور مستند لوگوں نے اوس کی نظر ثانی کی ہے۔ اس میں مشرق کی طرف سرحد ایران و افغانستان اور سیستان کے مسائل کی حقیقت داخل ہے جہاں سرحد ہندوستان کا مسئلہ ایک زبردست حریف کی شکل میں آکر ظاہر ہوتا ہے اور ایران کے تری کے مقبوضات واقع بحر اخصر کے واقعات بھی ان میں شریک ہیں۔ اس حصہ کے طبعی حالات اور اقلیم ایران کے دوسرے حصوں کی طبعی خصوصیات میں ایسا حیرت انگیز تخالف اور تناقض پایا جاتا ہے کہ یگانہ ہونے لگتا ہے کہ ہم سرزمین ایران کے کسی حصہ کے بجائے کراہ ارض کے مقابل حصہ (امریکہ) میں آگئے ہیں۔ اسکے علاوہ کوالیفٹ مسطور شمال مغربی اور مغربی صوبجات کے حالات پر مشتمل ہیں جہاں بڑے بڑے شہر موجود ہیں۔ غیر مالک کے ہر قوم و ملت کے لوگ آباد ہیں اور نہ مٹ سکے والے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایران کے جنوبی حصوں کے حالات پر بحث کرتے وقت میں ان بے حد المقام اور غیر معروف جنوب مشرقی و جنوب مغربی صوبجات کے حالات قلمبند کروں گا جو زمانہ کے تمدنی رجحانات

کا ایک عرصہ دراز سے مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جن میں اب تک خانہ بدوشی کا وہ تہذیب اور شورش پائی جاتی ہے جو ایک زمانہ میں اہل ایران کی خصوصیات کا ایک غیسہ نقیہ پذیر جزو تھی۔

## (۲) صوبیات متوسط

ان کو خیر باد کہتے وقت میں اپنے ناظرین کو ایک ایسے دربار کی تصویر کا ایک نوح دکھاؤں گا جو عظمت و شان کے لحاظ سے زمانہ سابق میں مسلمان مغلیہ کے دربار کا ہمسر تھا اور ایک ایسے طرز حکومت کا نقشہ کہیں چکر تباؤ نگا جس پر باستثنائے چین مشرقیت کا سب سے زیادہ رنگ چڑھا ہوا ہے اور بالآخر ایک ایسے شہر کی سیر کروں گا جس میں ایک ایشیائی دارالسلطنت کی ناقابل تغیر خصوصیات کے ساتھ یورپ کے مستعار لوازم تمدن ملے ہوئے نظر آئیں گے۔ طہران سے ایک شاہراہ (جس کے عرفی مفہوم کا اطلاق صرف نوے میل کے ایک ٹکڑے پر ہو سکتا ہے) اوس عظیم الشان سطح مرتفع کی تدریجی حدود و فاصل کی طرف ہماری رہنمائی کرے گی جو سطح سمندر سے بحساب اوسط ... ہم سے لیکر ... ہ فٹ تک بلند ہوگی۔ اور جو ایران کے بیچون بیچ واقع ہے۔ اس سطح مرتفع کے کثیر التعداد سلسلے ہائے کوہ شمالی اور جنوبی سمندرون کے مابین ارہ کے دندانوں کی طرح حائل ہیں۔ جو کم یا زیادہ وسعت کے میدان ان پہاڑوں کی دامن میں واقع ہیں اور پرچم کو بڑے بڑے گرد ویران شہروں کی شکل میں گئی گزری شان و شوکت۔ شرمناک ہے عنوانی اور اندرونی انحطاط کی محسوس یادگارین نظر آئیں گی۔ تم اپنے اداہم و تعصب اور ہرزاسی کے

پردہ کے پیچھے سے اون دھکتے ہوئے سنہری قبون کی جھلک دکھارہا ہو گا۔ جو اولیاء کے مزاروں اور شہدشاہوں کے مقبروں پر سایہ افکن ہیں۔ آصفیان اپنے محلوں کے اُچڑے ہوئے کرد فر۔ اپنے باغوں کی خزان رسیدہ فضاؤں اور اپنے عظیم الشان پلوں کی شکستہ حالی سے جو کسی زمانہ میں چھ لاکھ پچاس ہزار کی آبادی کی دھبک سے گونجا کرتے تھے ایک حسرت اور درد سے بھری ہوئی داستان سنارہا ہو گا۔ گو کہ اسکے پر رونق بازاروں کی گھاگھی سے ابھی تک اس بات کا ثبوت ملتا ہو کہ پنج پو پار میں یہاں کے لوگ سرگرمی سے مشغول ہیں اور قومی تجارت فروغ پر ہے۔ شیراز میں بھی حافظ کے دلکش ترانوں کی شکریں صدا آتی تھی اور جو سعدی کے فلسفہ آمیز کلام کی شور انگیزی کا نکلان تھا ان شعرا کے مقابر کو اپنی آغوش میں لئے ابھی تک اون پر نازان نظر آ رہا ہو گا لیکن اسکے دلفریب چمنستان۔ اسکو رقص کنان قرارے اور اس کی جانفز ابہا میں اون لوگوں کے ساتھ چلی گئی ہیں جو اونکی روح میں رطب اللسان تھے اور جنکا اب فقط نام باقی رہ گیا ہے جسکی یاد آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے۔ اسی نواح میں اور زمانہ حال کے ان کھنڈروں سے بالکل ملمع ایک زیادہ عظیم الشان تصور اور ایک قدیم تر عہد سلف کے آثار کچھ کچھ فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہاں ابھی تک میدان پر وہ سفید سنگ مرمر کا مقبرہ کھڑا ہے جس میں غالباً کسی زمانہ میں کیخسرو کی نقش ایک سونے کے تابوت میں محفوظ تھی۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلہ پر دارا کا مقبرہ جسپر کسی نے نباشی کا ستم ڈایا ہے ایک عمود دار گہائی کے ڈھلوان پہلو سے حسرت بھری نگاہ کے ساتھ تلکلی جائے نظر آتا ہے۔

اسکے مقابل اصطخر کا شاہانہ چہرہ اپنے بوسیدہ ستونوں کو اپنی پستی پر اٹھائے کھڑا  
ہے اور ملکہ کے ڈھیروں میں سنگتراشی کی صنعت کے اون نمونوں کو دکھاتا ہے جنہوں نے  
کسی زمانہ میں اختیار شاہ کے محلوں اور انخششت کے طاق و رواق کو زینت بخشی تھی۔

### آثار قدیمہ

گرچہ عہد سلف کی ان مشہور و معروف یادگاروں کی سیر میں ہڑوا سا وقت اور صرف  
کروں تو غالباً میرے ناظرین کو مجھ سے شکایت نہ ہوگی۔ یہ یادگاریں ہمیں بتاتی  
ہیں کہ دولت و عظمت اور طمطراق کے لحاظ سے ازمنہ وسطیٰ کے ایران کو زمانہ حال کے  
ایران پر جقدر تفوق عظیم حاصل رہا اوس سے بھی زیادہ عہد سلف کے ایران یعنی ہروڈوٹس  
اور زونفس کے ایران کو ازمنہ وسطیٰ کے ایران پر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے فضیلت  
حاصل تھی اور اب بھی اوسکے کھنڈروں کو دیکھ کر ہمیں اوس کی اس فوقیت کا سراغ ملتا ہے۔  
اگرچہ ان قدیم اور تاریخی یادگاروں کو بحث میں لاتے وقت میں ان تفصیل کا اعادہ نہیں  
کروں گا جو مقام وقوع اور عمارت کی حیثیت سے ان سے متعلق ہیں کیونکہ ایسی تفصیل دوسری  
زیادہ تر اصطلاحی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں۔ پھر بھی میں علوم و فنون جدیدہ  
کی معلومات و تحقیقات سے استفادہ کروں گا۔ مجھے ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے  
جو ایک ملک میں جسکے حالات لایق اور مشہور مصنفین نے لکھے ہوں اور ہر چکر لگا کر اپنا  
سفر نامہ لکھ ڈالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایک سیاح کی بیاض کی معمول الکلیف یا دو اشتہوں  
کا رطب و یابس مواد مستعد علماء و فضلا کی مساعی کے حاصل سے بہتر ہے۔ جس وقایع نگار سفر کو

کچھ بھی پاس وضع یا خود داری کا خیال ہو وہ ”یورنیر“ کے مدیر کے خیال کے مطابق جو سترہویں صدی میں گزرا ہے ان علماء و فضلاء کی تحقیقاتوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ مدیر موطا کہتا ہے کہ ”مجھے علوم و فنون واسنہ و جغرافیہ و نقشہ جات و کتب سیاحان ماسبق کے متعلق کافی معلومات حاصل ہیں کیونکہ اسکے بغیر عام اور معمولی درجہ کے سیاح اپنے سفر کے حالات آسانی اور عمدگی کے ساتھ قلمبند نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ذات کو اور نہ دوسروں کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں“ اسکے ساتھ ہی وقایع نگار موطا کو چاہیے کہ مشاہدہ اور جائزہ نگاہ چینی سے کام لیکر اپنے چشم دید واقعات کو صحیح صحیح بیان کرے۔

### (۳) جنوب مغربی صوبہ جات



نتہائے جنوب مغرب میں اپنے ناظرین کی توجہ ملک کے ایک ایسے حصہ کی طرف منعطف کرونگا جو قدرت کے عطیوں سے جنگی انسان نے کبھی تو قدر کی اور جنہیں کبھی اوسنے اپنے پاؤں تلے روندنا لالہ اس حصہ ملک میں کشتی چلانے کے قابل دریا و اون میدانوں میں بہتے ہیں۔ جنہر کسی زمانہ میں سبزہ کا زمردین فرش پچھا تھا لیکن جواب اجر کر پتھریلے دریاؤں کی شکل میں بدل گئے ہیں۔ یہاں اصول فن عمارت کے عظیم الشان نتائج جو علم آب کی صنایع و بدایع اور اوس زمانہ کے لوگوں کی بلند نظری اور اولوالعزمی کی دیر پایاد گارین ہیں اور جن کے نشان قرون مابعد میں نہیں ملے اس وقت رایگان بہنے والے دریاؤں اور غیر مروجہ اراضی کے درمیان شکستہ پہلیا پیون کی شکل میں قائم ہیں۔ یہ وہی سرزمین ہے جہاں کسی زمانہ میں بڑے بڑے شہر زیست و آباد

دیر یا تسیر جہان شاندار اور خوبصورت محل بلند ٹیکردن پر اپنے ستونوں کے مناسب  
 اور دیوان نما نون کی عظمت و رفعت کی شان دکھلاتے تھے۔ جہان کیخمسرو۔ و آرا۔  
 سکندر اور شاہ پور جیسے جلیل المرتبہ شہنشاہ یا تو کشورستانی اور قسیر کے اُڈے ہوئے  
 دیر یا کی رو کے ساتھ بچے چلے جاتے تھے اور یا آرام و آسائش کی دلفریب اور روح افزا  
 لذت سے بہرہ ور ہونے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے تھے۔ یہاں میں کچھ  
 عرصہ کے لئے اوس صنعت و حرفت و تجارت کے شہر و عالمی تبسم کا تماشا دیکھنے کے لئے  
 قیام کرونگا جس میں از سر نو جان پڑی ہے اور موجود ہنسل کا یہ فرض ہے کہ ان شہزادوں کو  
 دھکا کر ایک بھڑکتے ہوئے شعلہ کی شکل میں منتقل کر دے۔ اس دلفریب قطعہ کی فکر کا ایک  
 اور قطعہ زمین موجود ہے جو زمانہ سلف کی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ مشہور تھا۔ اس کی  
 سرحد کو وہ وسیع مہانہ سیراب کرتا ہے جس میں سے دجلہ و فرات اپنے بلقحہ پانیوں کو خلیج  
 فارس میں ڈالتے ہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے جسکی قدر و منزلت مقدس روایات اور گستاخ  
 ناپاک تاریخ کی نظروں میں یکساں ہے۔ ہم یہاں باغ عدن کی روایتی سرحد سے گزر کر اوس  
 پر اسرار مقام میں جا پہنچتے ہیں۔ جہان مٹی کے برتنوں اور اینٹوں کے دیوہیکل قودون  
 کے درمیان نہجنت نصر کے حروف تہجی ترشے ہوئے پتھر کے محلوں۔ اونچی کرسی کے  
 ہیکلوں اور بابل کے میناروں کی داستان الف ابجد سے لیکر تائے تنک زبان حال  
 سے پکار پکار کر سنا رہے ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت دانیال نے اپنی پیشین  
 گوئیوں میں۔ جہان بنی اسرائیل کے شیون و بکا کی صدا بلند ہوئی اور جہان سکندر و یونانیوں

ہوا۔ غرض کہ ہم بصرہ کی دریائے دہلیز پر کھڑے ہیں جو سند باد جہازی زمانہ گذشتہ کے عربی کوئیس کا مولد اور وطن المولفہ تھا۔ یہاں سے ہم المدین کی رفیع القدر محراب کو مشاہدہ کر سکتے ہیں اور بغداد کے مینارے اور خرمستان یہاں سے ہلکا فاق میں نظر آ سکتے ہیں۔

### (۴) خلیج فارس

لاخرا ایران کی جنوبی اور بحری سرحد کے کنارہ کنارہ کشتی میں سفر کرتا ہوا میں اپنے ناظرین کو ایک ایسے حصہ ملک اور ایک ایسے سمندر کی طرف متوجہ کروں گا جسکے حالات سے بہت کم لوگ انگلستان میں واقف ہونگے اور ساتھ ہی جنگجو عرب قوموں۔ بحری قزاقوں اور ویران اور غیر آباد بندر گاہوں کا ذکر کروں گا جبکہ غلغلہ ایک زمانہ میں یورپ میں پڑ گیا تھا۔ مزید برآں میں سمندر کے اون حصوں سے استشارہ کروں گا جنکو پر تنگال بالینڈ اور برطانیہ کلان کے رقیب تجارتی بیڑوں نے اپنی جولا گاہ بنایا ہے۔ اگر اسکے صمن میں مجھے اوس تاروپو دو کے سلجھانے کی خواہش پیدا ہو جس سے تاریخ کی بساط بنی گئی ہے اور جس سے ہمارے ملک اور قوم کا ہنایت گہرا رشتہ ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی ظاہر کر سکوں گا کہ برطانیہ کلان نے ایک ایسے زمانہ میں جو جنگی اور اتھکالی اعتبار سے عہد سلف کے کمتر درجہ پر ہے اوس حق کو جو اوس نے اپنی ایشیائی ملک گیری کے ابتدائی زمانہ میں حاصل کیا تھا اب تک قائم و برقرار رکھا ہے۔ اور انگریزوں کا نام ان دورہ از سمندرون میں ابھی تک خوش نظمی اور آزادی کا مترادف ہے۔

## مشرق کی غیر تغیر پذیری

مواد میری داستان کو رنگین بنائے گا اور اسکے ساتھ جب مشرقی سیاحت کے قرین قیاس مگر غیر معمولی واقعات شامل ہونگے تو وہ لوگ بھی اسکے مطالعہ سے گریز نہ کریں گے جو کسی کتاب کو مسلسل اور باقاعدہ طور پر نہیں پڑھتے اسکے علاوہ جب میں زمانہ گذشتہ کے واقعات کو خواہ وہ کیسے ہی تعجب انگیز اور نتیجہ خیز کیوں نہ ہوں بیان کرتے کرتے زمانہ حال کے حوادث کا ذکر خواہ وہ کیسا ہی حسرت ناک اور عبرت انگیز کیوں نہ ہو۔ چہڑی و گھگا تو ضرور ہے کہ اس قسم کے ناظرین کی رگ اشتیاق پہلک اٹھے جس ملک میں ریل نہیں وہ بلاشبہ دشک و لفر پیون اور دلبستگیوں کا مخزن ہے۔ اور چونکہ ایران کے بہت سے حصوں میں ابھی تک ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایشیائی زندگی کی مقامی خصوصیتوں اور رواجوں کی لکیر پیٹ رہے ہیں۔ اور ایسی گہری نیند میں ہیں کہ زمانہ حال کا تمدن ان کے دروازہ پر جو دستک دے رہا ہے۔ اس کا جواب تک نہیں دیتے اسلئے ایران پر بھی قول صادق آتا ہے۔ اب پچاس برس پہلے ایران کے مفضلات کے شہزادوں پر دارالسلطنت کا روعن گو کسی قدر چڑھ گیا ہو اور ان کے تشخص کی خصوصیت جو وقار و انحطاط کی معجون مرکب تھی۔ گو کسی قدر صناع ہو گئی ہو۔ لیکن بحالت موجودہ تو ایران مشرق میں مشرقیت کی شان سب سے زیادہ لئے ہوئے ہے اور گو ایرانی امراتوں کی ساخت کی بدولت ہم گاڑی میں سوار ہوتے ہوں اور ایرانی سوداگر فرانسیسی گھڑیان جیب میں رکھتے ہوں۔ اور ایرانی کاشتکار مانچسٹر کے کپڑے کے جے پھنتے ہوں۔ پھر بھی ایرانی قوم کی



باطنی حالت وہی ہے جو پہلے تھی اور پرانے دستور و رسوم سے اسے ایک متعصبانہ موانعت (جس سے گو ہمیشہ غیر مضر نتائج مترتب نہیں ہوتے) سے ہم ابھی تک چارٹون فلسفی کے ان الفاظ کو دہرا سکتے ہیں :-

”صورت اشیاء مثلاً عادات عمارات - باغات وغیرہ میں جو تغیرات و انقلابات آئے ہیں ہمارے یورپ میں برپا ہو کر تے ہیں۔ وہ ایشیا میں نہیں ہوتے۔ مشرق میں لوگ تمام باتوں میں غیر تغیر ہیں۔ اہل مشرق کی عادات و خصایل آج کے دن تک وہی ہیں جو زمانہ قدیم میں تھیں۔ اور اس لئے اگر کوئی شخص اس یقین کو اپنے ذہن میں جگہ دے کہ اس حصہ دنیا میں ایشیا کی خارجی صورت (مثلاً وہاں کے لوگوں کی عادات و رواجات) اب بھی وہی ہے جو دو ہزار برس پہلے تھی تو بیجا نہ ہوگا۔ البتہ اگر کوئی تبدیلیاں ہوئی ہیں تو وہ مذہب کے باعث ظہور میں آئی ہیں۔ لیکن وہ اس درجہ کم ہیں کہ قابل لحاظ نہیں ہو سکتیں۔“

### مشرق کی دائمی و لغزنی

ان میں دوسرے دن کو اس بات کے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں جسے مجھے بعض دفعہ خیال ہوتا ہے کہ میں خود کامل طور پر سمجھ نہیں سکا یعنی مشرق کی حیرت افزا اور بے انداز دلچسپی۔ مسٹر اسٹینلی نے اپنے ایک خط میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ سوڈان میں بھی کیا مقناطیسی اثر ہے جس نے گارٹون اور دوسرے بہت سے بہادروں کو افریقہ کے قعر تیرہو تارین ہلاک ہونے کے لئے ہمبٹھکایا اور معلوم نہیں کہ کتنی انسانی قربانیان اور آہن چڑھیں گی جب اسکی خون کی پیاس کہیں جا کر بجھے گی۔ اسی قسم کا ایک اثر گو وہ اس درجہ

خطرناک نہیں مسافر کو کشتان کشتان ایشیا میں لاتا ہے اور فاصلہ اور وقت کی خفیف مزاحمتوں کی طرف سے بے پردہ بنا کر اس کے دل میں صرت بھی اشتیاق آمیز خواہش پیدا کرتا ہے کہ وہ آگے بڑھا چلا جائے۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ وسیع منظر وں۔ دامن ہائے کوہ تک بے حجابان پہیلے ہوئے میدانوں۔ اپنے دامن سے میدانوں کی حاشیہ طرازی کرنے والے پہاڑوں بے سڑکے رستوں۔ بے پشت یا بے خندق کی سڑکوں۔ اور طے منازل و طریقہ سفر کے ذرائع کے بے روک انتخاب میں جو لطف اور سرت حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز انگشتان کے وسائل نقل و حرکت کی یک رنگی اور زندگی روزمرہ کے تکلفات کے روکھے پن میں حاصل نہیں ہوتی۔ اسکا باعث ایک حد تک ادس اطمینان کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے جو اپنے کام کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی ادس خواہش کے پورا ہونے سے پیدا ہوتا ہے جسے نوکروں چاکروں کا ایک جم غفیر بھی مٹا نہیں سکا۔ اور نیز اسے جان جو کھوں میں ڈالنے کے ادس شوق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جسے انیسویں صدی بھی زائل نہیں کر سکی۔

یاشاید اسکی یہ وجہ ہو کہ مشرق کی سرزمین میں اُن نظاروں کی دید میں محو کر جہان زندگی اور ادس کے حوالیات میں ہزار ہا سال سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ جہان خانہ بدوش ابراہیم ابھی تک اپنے مویشیوں کے گلوں کو لئے ہوئے دشت نوردی اور باد یہ گردی کرتے پھرتے ہیں جہان ریہیکا ابھی تک کنوئیں سے مشک میں پانی بھر کر لاتی ہے۔ جہان دشتیانہ چوقد شین حضرت ایوب کی غریب الوطنی کے مصائب و آلام کی یاد کو تازہ رکھتی ہیں۔ مغربی شخص اپنے مصنوعی تمدن کا غول اتار دیتا ہے اور اُسے یہ محسوس

ہونے لگتا ہے کہ مین اپنے آباد اجداد کی نسل سے پھر آگیا ہوں اور اوس سرزمین کی ہوا میرے  
رخساروں پر موجود جنبانی کر رہی ہے جس میں کبھی میرے اسلاف نے پردش بانی تھی۔

## مغرب اور مشرق کا مقابلہ

ب اور مشرق کی زندگی کے حواج اور سامان معیشت کے محسوس اور متقل  
اختلافات پر خامہ فرسائی کرنا تحصیل حاصل ہے جس شخص نے مشرق خاص میں  
سرسری طور پر بھی سفر کیا ہو گا وہ ان اختلافات کی حیرت انگیز بے پایانی سے بخیر نہیں۔  
جن ملکوں میں نہ گھاٹ ہیں نہ بندرگاہ۔ نہ ریلین ہیں نہ اسٹیشن۔ نہ شاہراہیں ہیں نہ بازار  
(جن معنوں میں کہ ہم ان لفظوں کا استعمال کرتے ہیں) نہ سرزمین ہیں نہ ہوٹل۔ نہ پلنگ ہیں  
نہ میزین اور نہ کریاں بلکہ جہاں ایک مسافر کے لیے یہی سادو سامان کافی ہوتا ہے کہ اوسکو  
پاس سوار کی ایک زمین کے علاوہ اگر اور کچھ ہو تو تصابین کی ایک ٹکیا ہو۔ اون میں اور ہمارے ملک  
میں فی الحقیقت بعد المسفرین حایل ہے اور اوسکے عجائبات فی الواقع شوق و تخیل کے پہلوئیں  
چمکیاں لیتے ہیں۔ کوئی ایسا وقت بھی ہے کہ یہاں ایک نہ ایک عمامہ کا سحر ہو کہ خود رفتہ  
نہ بناتا ہو۔ یا غبار آلودہ گلیوں میں سے گزرتی ہوئی اون برقعہ پوش شکلوں کے ہنسنے کے  
صل کرنے میں جنہیں عورتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ہماری عقل چکر میں نہ آتی ہو یا کیسا عجیب اور  
انوکھا ہو کہ معلوم ہوتا ہے وہ منظر جہاں کہیتوں کے گرد چھاڑیوں یا درختوں کی باڑ ہے۔ جب گل  
ہیں۔ نہ چراگا ہیں ہیں اور نہ کہیت۔ جہاں روشنی و تابناک مطلع میں ننھی ننھی چیزیں کسی ٹیل  
سے نظر آتی ہیں۔ جہاں شہروں پر دھوئیں کی گھٹا چھائی ہوئی دکھائی نہیں دیتی اور جہاں

سکانون کی ہوا اچھلتیں روشن والنون اور آتش والنون سے شق نہیں ہین۔ یہاں کے کھد بست میدالنون کی پہنائی پر جو بے اختیار کر دینے والی خاموشی طاری ہے وہ انگلستان کے سہانے جنگلوں کی اون ولکش آوازوں سے کس درجہ مختلف ہے جن سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ اور کیسی جانفزا ہے وہ آب و ہوا جسے دہند اور کمر اور انجریے مکر نہیں کرتے بلکہ جہاں نیر اعظم اپنی عبودی شعاؤں کی برچھیاں نصف النہار پر سے پھینکتا ہے!

## ایران اور انگلستان کا بے پایاں اختلاف

مشرقی ہمالک میں مین پھر ہون اون مین ایک ہی ایسا نہیں ہے۔ ایشیائی اور یورپی مناظر کے اختلاف کے لحاظ سے ایران کی ہمسری کا دعویٰ ہو۔ انگریزی ناظرین کو جنکے قدرتی مناظر کے خیالات کا ماخذ محض یورپ ہے اس تناقض و تخالف کا تصور دلانا مشکل ہے جو یورپ کے نظاروں کو ایران کے نظاروں سے متمیز کرتا ہے۔ یورپ مین پہاڑ بالعموم نیلی یا تا فرماں رنگت کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایران مین پہاڑوں کا رنگ شعلہ کی طرح سرخ ہوتا ہے یا بہورا۔ یا فاخشی۔ یورپ مین جب کہیت گہاس یا زراعت کے سبز پوش سے ڈھکے ہوئے نہیں ہوتے تو لکڑیوں کی سرخی کے باعث ارغوانی نظر آتے ہیں لیکن ایران مین صحرا اور کہیت مین اگر کوئی فرق ہے تو وہ یہ ہے

نوٹ متعلقہ صفحہ ۲۷ سطر اخیر۔ سینے ایک چوٹی جی چیز مثلاً ایک جھونپڑی یا عمارت کو متعدد بار گم اذکم میں میل کے فاصلے سے دیکھا ہے۔ اور ایران مین جس شخص نے سفر کیا ہے اسے مانتا پڑے گا کہ بسا اوقات اسے منزل مقصود کے سراب نے یاس و حرمان کا مسخہ دکھایا۔

کہ صحرا کی رنگت بہوری ہوتی ہے اور کھیتوں کے ساتھ آبپاشی کی نالیوں کی خشک تہ بھی  
 ہکونظر آتی ہے۔ انگلستان کا مثال کے طور پر پیش کیا جاسکے والا گاؤں علیحدہ علیحدہ  
 اور اکثر خوبصورت مکانات پر جو عظیم الشان اور سالخورہ درختوں میں چھپے ہوئے ہوتے  
 ہیں مثل ہوتا ہے لیکن ایک ایرانی گاؤں کی حقیقت جسے نظیر کے طور پر پیش کیا جاسکے  
 کچی مٹی کے غلیظ جو تیرٹون کے ایک مجموعہ سے زیادہ نہیں جو بادی النظر میں اٹھتی اور  
 عمودی خطوط سے متشکل اور ایک بوسیدہ کچی مٹی کی دیوار سے محصور ہوتا ہے۔ بحیرہ اخضر  
 کے صوبجات اور چند کورستانی وادیوں کے علاوہ اور کسی حصہ میں جنگل نہیں پائے جاتے  
 اور ایران میں ایک بھی ایسا بن نہیں جسے بن کہا جاسکے۔ یہاں مسافر کئی کئی دن سفر کرتا  
 رہے اور اسے گھاس کی ایک پتی تک نظر نہ آئے۔ نہ یہاں دریا بہتے ہیں جنکے کناروں  
 پر سبزہ دریا چین کی رونق نظر آئے اور نہ یہاں کوئی ندی

ریزہ سنگ سے تار آب پہ دلکش زخمہ لگاتی ہے۔

یا تو کوئی جوش و خروش سے جھپٹنے والا لیل بہارا سدا رہا ہوتا ہے اور یا کسی حقیر سے نالے کو  
 عبور کرتے وقت بشکل تمہارے گھوڑے کے سم ترہوتے ہیں۔

### اندرونی تناقص

عرصہ کے بعد یہ احساسات ایسے عامیانہ اور دلچسپی سے اس درجہ معرہ ہو جاتے  
 ہیں کہ مجھے تو ولایتی کا سامان اس اختلاف میں اتنا نظر نہیں آتا جو مشرق  
 و مغرب کی زندگی کے اسالیب میں ہے جتنا کہ اس تناقض میں جو خود مشرقی زندگی

کے عناصر و کیفیات میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا تناقض ہے جو غیر فرمی روح اور انسانی دنیا میں یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ وسیع اور بسیط میدان بغیر کسی ڈھلوان یا نشیب و فراز کے یہاں دفعۃً آسمان سے باتیں کرتی ہوئی اور ڈراوٹی پہاڑ کی چوٹیوں پر پنتھی ہو جاتے ہیں موسم سرما کا بہیمانہ اور اجڑا ہوا آسمان فصل بہار کی مختلف الاوان جلوہ نمایوں سے یکجا یک بدل جاتا ہے اور گویہ رنگین عارضی ہوتی ہے لیکن اسکی دلکشائی اور روح افزائی کی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہزار ہا قسم کے رنگ برنگ کے پھولوں اور سبزہ کا فرش زمین پر گوسون سجھا نظر آتا ہے۔ سبز مژدعہ مقامات کی بھی یہ حالت ہے کہ ادھر ہم نے پانی کا سمحرزا حصار چھوڑا اور ادھر دہشتناک صحرا نے اپنی مہیب شکل ہمیں دکھائی اور اس اچانک تبدیلی سے دل پر کچھ ایسا اثر ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دفعۃً وادی حیات سے بادیہ ممات میں پہنچ گئے۔ خزان اور جاڑے کے مہینوں میں دن کے وقت تو حرارت کی جان بخشی کی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ گویا جسم میں سیرون خون دوڑ گیا حالانکہ راستے کے وقت اور طلوع آفتاب سے قبل سردی کی وہ شدت ہوتی ہے کہ مغز استخوان منجمد ہوا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مغنی قدرت کو اپنی معجزہ نما اور بے انتہا سمرون کی چنگ کی پیچم اور کھرج کے تاروں پر ہی مضرب لگانے میں مرزا آتا ہے۔

## فریب زندگی

جو آثار قدیمہ کے اشارے اور کنایہ سے ایران کے شہروں اور اون کے باشندوں کو اپنے اسرار کی حقیقت کا درس دے رہے ہیں۔ اون کے سبق کا اثر ایسا

ہنہین کہ رائگان ہائے شہر اور اہل شہر دونوں اوس کی کیفیت سے متکلیف ہیں۔ اجاڑ ویرانوں اور خانہ بدوش لوگوں کے خیون کے اطراف میں

از نقش و نگار در دیوار شکستہ آئینار پدید است صنادید عجم را

تھے ننھے بے قاعدہ طور پر پرورش پائے ہوئے بچے بڑے ہو کر صحیح الجسم اور تہمند جوان نکل آتے ہیں۔ برخلاف اسکے عورتوں کو حسن کی دو پہر قبل از وقت ڈھل جاتی ہے اور وہ ایسی بد صورت نکل آتی ہیں کہ بیان ہنہین ہو سکتا۔ ایران میں جس طرح کہ ایک قصبہ اپنی باغیچوں اور میوہ دار درختوں کے جہرٹ سے گہرا ہوا کچھ دور سے دیکھنے پر حسن خوبی کا جو اہریرہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب اسکے پاس جا کر دیکھو تو کچی مٹی کے جہوئیں طردن کے ایک مجموعہ کی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ ان مکانوں کے بیرونی حصہ کو دیکھ کر یہ گمان ہنہین ہو سکتا کہ اُن کے اندر پہولوں کی کیاریاں اور حوض اور سامان عیش و راحت ہوگا جیسا کہ بعض دفعہ فی الحقیقت ہوتا ہے اسی طرح اہل ایران کی ظاہری شکل و صورت اوس مناقض کی داستان سناتی ہے جو اوسے اوسکے باطن سے ہے ایرانیوں کی خصلت۔

”اونچی دوکان پھیکا پکوان۔“

کی مصداق قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ گویسی ہی شفقت اور سلوک سے پیش آتے ہوں لیکن اپنے دوسرے انہائے جنس کے مصائب و آلام کو دیکھ کر اس بے اعتنائی سے منہ پھیر لیتے ہیں کہ اونکو وحشی کہا جاسکتا ہے۔ ان کی وضع و روش میں بظاہر ایک شان پائی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ان میں ہونڈاپن اور کرتگی بھی اس درجہ ہے

کہ ادہنہین صورت میں انسان اور سیرت میں بہائم سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ایک ہی شخص ایک وقت تو کبر و نخوت سے اکڑتا نظر آتا ہے اور دوسرے وقت اس تعلق اور انکسار سے کام لیتا ہے کہ فراموشی سلام کرتے کرتے اوس کی کمر دہری ہوئی جاتی ہے تہذیب و تمدن کے اصول سے بوجہ احسن آگاہ ہونے پر بھی اونکا خطا و اوہام پرستی زایل نہیں ہوتی۔ اونکے ادب و صنایع و اطوار کو جب تک سامنے بادی النظر میں اہل پیرس کے اخلاق بھی ماند ہیں اگر عجز سے دیکھا جائے تو کمر دور و غبار فی اور گندم نمائی و جو فروشی کے سوا اون میں اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ قانون اخلاق کے مقررہ ضوابط کی دکھانے میں تو نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں لیکن عمل کرنے میں نہایت شرمناک بدکرداری اونکا دتیرہ ہے۔ مذہب کا تقید اور سختی کہی تو یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ آتش تعصب سے لوگوں کی روح جل اوٹھتی ہے اور کہی ایسی آزادی کی ہوا چل جاتی ہے کہ لا اور یون کی بے اعتنائی اوس میں حلول کر جاتی ہے۔ نظام سلطنت کو اس لحاظ سے کہ اوسکی ترکیب سادہ ہے زمانہ قدیم کے اوس طرز حکومت سے تشبیہ دیا جاسکتی ہے جس میں قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ پر فرمانروائی کرتا تھا اور اس اعتبار سے کہ اوس کو غلط کاری کے نہایت اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گراور ڈھب یاد ہیں۔ اوس طرز سلطنت سے تشبیہ دیا جاسکتی ہے جسکے اصول کی بنا فلائرس کے ایک مدبر بیکتاؤل نے پندرہویں صدی کے آخر اور سولہویں صدی کے شروع میں ڈالی عنف نکلیران۔ کے طرز زندگی میں شان و شوکت بھی پائی جاتی ہے اور پھر پڑپڑ اور غلاط بھی ہیں یہاں کے لوگ رذیل بھی ہیں اور شریف بھی۔ اور عجم کے مرقع میں ایک طرف تو چشم ظاہر میں کی دلفریبی اور دوسری طرف کمر دوز کی



حیلہ بازی کی تصویر کہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔

## کتاب سیاحت

س باب کے ختم کرنے سے پچھلے مین اون تصنیفات کے متعلق کچھ لفظ



کہنا چاہتا ہوں جو ایران کے حالات کے بارہ مین بالخصوص سیاحت اور

تحقیقات کے مضامین پر لکھی گئی ہیں۔ کم ملک ایسے ہونگے جن کا سفر اس قدر قلیل التعداد و لوگوں

نے اختیار کیا ہو لیکن جن کے حالات مین پھر بھی اس قدر کثیر التعداد کتابین لکھی گئی ہوں اسکی

وجہ ظاہر ہے۔ جو شخص اس ملک مین وارد ہوتا ہے۔ اوسکے مشاہدوں اور تجربوں کا نرا لایا

اوسکے لئے ایک کتاب تصنیف کرنے کا بہانہ ہو جاتا ہے۔ ان تصنیفات کی فہرست مین

ایسی کتابین بھی پائی جائیں گی جو نہایت قابلیت اور محنت سے لکھی گئی ہیں۔ اور ان کی

قدر قیمت ابھی تک انہیں گھٹی بلکہ اس لحاظ سے اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ جس فہرست کا مینے

ذکر کیا ہے اوس مین بعض نہایت ہی ناکارہ اور بے سرو پا کتابین بھی شامل ہیں۔ مین عنقریب

ایک دوسری جلد مین نتائج و سیاحت ایران کے متعلق اون تصنیفات کی ایک کامل فہرست

شائع کرنے کا قصد رکھتا ہوں جو مین مختلف کتابوں کے مطالعہ اور موجودہ وسائل معلومات

سے مرتب کر سکا ہوں۔ لیکن فی الحال مین ذیل مین ایک نقشہ درج کرتا ہوں جو میری ذاتی

کتب بینی کا حاصل ہے۔ اس نقشہ مین اون تمام سیاحوں کے نام شریک ہیں جنہوں نے

میرے علم مین دسویں صدی کے شروع سے ایران مین خود سفر کر کے وہاں کے تاریخی

اور جغرافیائی حالات کو قلمبند کیا ہے اور اس کے متعلق ہماری معلومات کے صحیفہ کے حجم



۱۳۰۰ء لغایت ۱۵۰۰ء	۱۵۰۰ء لغایت ۱۶۰۰ء	۱۶۰۰ء لغایت ۱۷۰۰ء	۱۷۰۰ء لغایت ۱۸۰۰ء
پادری اودور کیس ڈل پورونیا ۱۳۲۵ء	ایک کتاب سوداگر ۱۵۰۰ء-۱۵۰۴ء	جی مین ویرنگ ۱۵۹۹ء-۱۶۰۰ء	پادری گبریل ٹی نشان ۱۶۳۸ء-۱۶۳۹ء
ابن بطوطا ۱۳۳۰ء	جیو دینی انجیو سیلو ۱۵۱۰ء	ڈان جوان ڈی پرسیا ۱۶۰۰ء	جیو ڈی رنڈیلو ۱۶۳۸ء-۱۶۳۹ء
پادری بی پیگولا ۱۳۳۰ء	اشانیو سیرو ۱۵۲۴ء	سرجان ملون ہل ۱۶۰۰ء	ہیر میٹنگ ۱۶۴۵ء
پادری جوینی ڈی مارگنالی ۱۳۳۵ء	گبریل ڈی ٹوئسٹر ۱۵۲۶ء-۱۵۳۰ء	ایس کے زلائی مینی ۱۶۰۲ء	پی آر گورڈی ۱۶۵۰ء
ڈان راجی گانزیلر ڈی کلیو ۱۳۳۵ء	سیدی علی ۱۵۵۶ء	پیڈرو نکسیا ۱۶۰۲ء	ڈان پیڈرو سیٹیوکیو ۱۶۳۵ء
عبدالرزاق ۱۳۴۱ء-۱۳۴۲ء	ایکالان وافران (برٹش اسکول) ۱۳۴۱ء	پال سائن ۱۶۰۴ء	پی آر الگرڈ ٹی ڈوس ۱۶۳۸ء-۱۶۳۹ء
میکو کانی ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	ٹریڈنگ کمپنی یعنی انتہوئی ۱۳۴۹ء	جوزف سیلینک ۱۶۰۹ء	پی آر مینویل گاڈنہو ۱۶۶۳ء
تھینیس ٹکینٹن ۱۳۴۹ء	رچرڈ چینی۔ آر تہر اڈور ڈس۔ ۱۳۴۹ء	فرے گیسپر ڈی سپن ۱۶۱۱ء	پی آر انجیلو ڈی لابر اس ۱۶۶۴ء-۱۶۶۵ء
جوزف باہریر ۱۳۴۹ء	لارنس چین۔ لائیوئل ۱۳۴۹ء	کرستوفر ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	جیو ڈی تہیو ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء
سیرور کنتہنی ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	سینر فیلریکو ۱۳۴۹ء	ٹاس کاریت ۱۳۴۹ء	سر جے چارٹن ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء
بیر انیو ڈی۔ سینٹو اسٹیفینو ۱۳۴۹ء	دی۔ ڈی۔ بلینک ۱۳۴۹ء	پیڈرو ڈیلا ویلی ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	ای ڈالیر ڈیلا سنڈیز ۱۳۴۹ء
	ڈنٹشیر ڈی ایلیٹڈری ۱۳۴۹ء	ڈان گیشیاس ڈی سلوے ۱۳۴۹ء	ایچ۔ ڈی۔ جیک ۱۳۴۹ء
	جان نیوبری ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	فیکوردا ۱۳۴۹ء	جان اسٹرائٹر ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء
	ریفرنچ ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	گاسٹ ہاؤس ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	ایف پیٹس ڈی لاکارے ۱۳۴۹ء
	جی۔ ایچ۔ وان لانٹون ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	ٹاس ہربرٹ ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء	سی لہبرٹ ۱۳۴۹ء
	انٹونیو ڈی گودیا ۱۳۴۹ء	پی آر پیفک ڈی پراؤنس ۱۳۴۹ء	جان فرانسیر ۱۳۴۹ء-۱۳۵۰ء
		پی آر ایس این سین ۱۳۴۹ء	

## ۱۶۰۰ء لغات مشہور

وان کیپٹر ۱۶۸۳-۸

پی ارولا ۱۶۸۹-۹۰

گیبلی کریری ۱۶۹۳ء

پی آر ڈی لامینر ۱۶۹۸ء

ایف سی شنگر ۱۶۹۹ء

## ۱۶۰۰ء لغات مشہور

۱۶۸۶ء	ابی ڈی پوشیپ	۱۶۴۳-۸	جونس ہنری	۱۶۰۰-۲۰	کپتان اسے ہلٹن
۱۶۹۰ء	جان ٹیل	۱۶۴۳ء	بی آر ڈیوینیر	۱۶۰۱ء	جے پی ڈی ٹورنٹ
۱۶۹۶ء	جی۔ اسے آئیور	۱۶۴۶ء	ڈاکٹر جے گگ	۱۶۰۳-۴	کارٹینس لی ہرن
۱۶۹۷ء	جان جیکسن	۱۶۵۰ء	بارتھالومیو پلیسٹ	۱۶۰۵-۲۵	پی آر ڈی ورنکی
		۱۶۵۸ء	لفٹنٹ۔ ای۔ بی۔ آئیور	۱۶۱۶ء	جان ہل ساکن انٹرموری
		۱۶۶۱-۵	کارسٹن نیور	۱۶۱۶-۳۰	بیسل ہٹینس
		۱۶۶۱-۲	ایس۔ جی۔ کیملن	۱۶۲۰ء	دوری افندی
		۱۶۶۳-۴	آر۔ ہیلڈٹ	۱۶۲۲ء	پی آر بشود
		۱۶۶۵ء	ابراہام پارسنز	۱۶۲۲-۳	کپتان بی۔ ایچ۔ بروکس
		۱۶۸۳-۴	جی۔ فارسٹر	۱۶۲۵ء	پی آر ڈی ٹیوڈی ایس۔ سیلیا
		۱۶۸۵ء	کانٹ دی فریس سادیانٹ	۱۶۳۶-۹	جے آئر
		۱۶۸۷-۶	پی۔ ایس۔ پیلایس	۱۶۳۵ء	دو انگریز
		۱۶۸۷-۶	ڈیوڈ فریکلن	۱۶۴۱ء	عبدالکیم
		۱۶۸۷-۶	سہ ایچ۔ جونز ہرن	۱۶۴۱-۶	پی آر ہرن

## ۱۸۸۰ء لغات ۱۸۹۱ء

۱۸۳۲ء	۱۸۱۶ء لال موہن	۱۸۰۰ء	موسووان کاٹریو	سر جے میلکم
۱۸۳۳ء	۱۸۱۷ء لفٹنٹ ٹی ایس پادل	۱۸۰۲ء	کرنل جے جانسن	جے اسکاٹ دیرنگ
۱۸۳۴ء	۱۸۱۸ء ایسجریٹڈ سٹم	۱۸۰۵ء	سدا کیور پورٹ	پی ایسڈی ہابرٹ
۱۸۳۴ء	۱۸۱۹ء میرن ٹامس کارنٹ	۱۸۰۶ء	لفٹنٹ ٹی ملڈن	کرنل اسے ڈی ہائٹس
۱۸۳۴ء	۱۸۲۰ء پادری جے پرکنس	۱۸۰۷ء	پی کارٹن	پی ایسڈی گارڈین
۱۸۳۴ء	۱۸۲۱ء ایچ۔ رالسن	۱۸۰۸ء	سی۔ جے۔ ریچ	کپتان ٹرول ہیر
۱۸۳۵ء	۱۸۲۲ء کرنل ڈبلیو اسٹورٹ	۱۸۰۹ء	جے۔ بی فریزر	اسے ڈیری
۱۸۳۵ء	۱۸۲۳ء آچر ایلائے	۱۸۱۰ء	آرنیل جی۔ کیسل	پی ٹینکلیں
۱۸۳۵ء	۱۸۲۴ء الگوئیڈر شوڈر کو	۱۸۱۱ء	ایم۔ آکورت	کرنل ترینرل
۱۸۳۵ء	۱۸۲۵ء جنرل۔ ایٹ۔ آر جینی	۱۸۱۲ء	سر جے۔ ای الگوئیڈر	جے پی موریم
۱۸۳۵ء	۱۸۲۶ء ڈبلیو۔ ایچ۔ اینورٹھ	۱۸۱۳ء	کپتان۔ آر گنٹان	کپتان ڈبلیو پی گراٹ
۱۸۳۵ء	۱۸۲۷ء وی فائٹنیئر	۱۸۱۴ء	ٹی۔ بی۔ آر مسٹرٹنگ	ایچ پاٹھو کپتان کرسٹی
۱۸۳۶ء	۱۸۲۸ء میجر ڈارک ٹاڈ	۱۸۱۵ء	ٹامس الکاگ	جنرل ڈبلیو نائیٹھ
۱۸۳۶ء	۱۸۲۹ء سر جے میکینل	۱۸۱۶ء	ای۔ اسٹھڈیچ جی ڈوائٹ	سر جے میکڈائڈ کنیئر
۱۸۳۶ء	۱۸۳۰ء سر جین اورلیڈی شیل	۱۸۱۷ء	اسے این گروور	سرو ڈبلیو آڈلے
۱۸۳۷ء	۱۸۳۱ء کپتان۔ سار۔ ولیم ہیم	۱۸۱۸ء	ای۔ این منڈر	پادری ایچ مارٹن
۱۸۳۷ء	۱۸۳۲ء یو جین بوری	۱۸۱۹ء	کپتان اسے کوتائی	ڈبلیو پرائس
۱۸۳۸ء	۱۸۳۳ء حاجی عبدالنبی	۱۸۲۰ء	سارجنٹ گنس	جے۔ بی۔ روس
۱۸۳۸ء	۱۸۳۴ء کپتان لیم	۱۸۲۱ء	ڈاکٹر جے والٹ	کرنل جی ٹرول
۱۸۳۹ء	۱۸۳۵ء پرنسپل شاہ اسی سالادیکان	۱۸۲۲ء	جی فاؤلر	ایم فرگین
۱۸۳۹ء	۱۸۳۶ء کپتان۔ اسے۔ کوٹولی	۱۸۲۳ء	جے ایس۔ سٹوکیو	جے ایس بنگھم
		۱۸۲۴ء	سدا کے برنس	لفٹنٹ ڈبلیو میوڈ

## ۱۸۰۰ء لغایت ۱۸۹۱ء

۱۸۴۲-۵۲ء	سریوئیس پیل	۱۸۶۵-۹ء	ڈبلیو کے لافٹس	۱۸۳۹-۴۰ء	ایچ۔ ٹیکسیر
۱۸۶۲-۷۳ء	آرم۔ بروکیری	۱۸۶۹-۵۲ء	ایم۔ چریکاف	۱۸۳۹-۴۰ء	اسے فلیٹن وپی کا
۱۸۶۴-۷۴ء	سر۔ ادوینٹ جان۔	۱۸۵۱ء	آربی۔ ہنگ	۱۸۴۰ء	ڈاکٹر اے گرانٹ
۱۸۶۴-۷۴ء	کانٹ جے۔ ٹی راشورٹ	۱۸۵۱ء	جے بریزن	۱۸۴۰-۱ء	بیرن سی۔ ڈی۔ بوڈ
۱۸۶۵ء	ایفٹ میشن	۱۸۵۲-۳۳ء	زار نوٹا	۱۸۴۰-۲ء	سراسے۔ ایچ کیٹرڈ
۱۸۶۵ء	وایکا ونٹ پائلنگٹن	۱۸۵۲ء	ایچ۔ گارنیر	۱۸۴۰ء	ای۔ ایل مشورڈ
۱۸۶۵-۹ء	ڈاکٹر ایس ڈاس نشٹ	۱۸۵۵-۶۰ء	کانٹ جے۔ اے ڈی گابینو	۱۸۴۰ء	کانٹ ڈی سرسی
۱۸۶۵-۸۲ء	ڈاکٹر جے۔ ای۔ پالک	۱۸۵۶ء	مرجے۔ آوٹرم	۱۸۴۰ء	ڈاکٹر۔ ایف۔ فاربس
۱۸۶۶-۸۱ء	سیجری۔ لاوٹ	۱۸۵۶ء	ڈبلیو۔ اے شفرڈ	۱۸۴۱-۲ء	جی۔ آسکیو لیٹی
۱۸۶۶-۸۱ء	سی جی۔ دلس	۱۸۵۶ء	کپتان سی۔ ایچ ہرنٹ	۱۸۴۱-۲ء	لفٹنٹ ڈبلیو۔ بی۔ سیلی
۱۸۶۶-۷۷ء	ایچ۔ مونس	۱۸۵۶-۶۳ء	کپتان سی۔ کلارک	۱۸۴۲ء	ڈاکٹر جی۔ پی۔ جیبر
۱۸۶۶-۹۰ء	کرنل۔ ای۔ سی۔ راس	۱۸۵۸ء	این۔ ڈی۔ خایکاف	۱۸۴۳-۴۴ء	ڈبلیو آ۔ ہالس
۱۸۶۷ء	ڈی۔ ڈبلیو۔ فریش فیلڈ	۱۸۵۸ء	ڈاکٹر او بلا	۱۸۴۳ء	این۔ ایل۔ وستر گارڈ
۱۸۶۸ء	جی۔ میگلیوٹان	۱۸۶۰ء	ای۔ ڈیو ہاسٹ	۱۸۴۳ء	ایم۔ وگنر
۱۸۶۰-۷۰ء	ایل کیٹس	۱۸۶۰ء	آر جی۔ وائن	۱۸۴۳ء	لفٹنٹ۔ آر۔ سرچ
۱۸۶۰-۷۲ء	کرنل ایون اسمتھ	۱۸۶۰ء	جے۔ اسمیٹن	۱۸۴۴-۵ء	کام جے۔ ای جونز
۱۸۶۱-۸۵ء	جے بیٹ	۱۸۶۰ء	ایم۔ ڈی۔ بلاکویل	۱۸۴۵ء	جے۔ پی۔ فریر
۱۸۶۲ء	ڈبلیو برٹل بینک	۱۸۶۰-۷۲ء	ای۔ بی۔ ایٹیک	۱۸۴۵ء	ایچ ڈی۔ سٹیل
۱۸۶۲ء	بیرن میکس وان آریل مین	۱۸۶۰-۷۱ء	ڈاکٹر ایچ۔ بردش	۱۸۴۵ء	مس آئیڈا پیفر
۱۸۶۲ء	کپتان۔ ایچ۔ سی۔ مارش	۱۸۶۱ء	جے اشتر	۱۸۴۵-۹ء	ڈاکٹر ایفٹ اسے بوسی
۱۸۶۲ء	ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ بیلیدو	۱۸۶۱-۶۲ء	سر۔ ایفٹ۔ گولڈاسٹ	۱۸۴۹-۵۹ء	ای۔ کیتھ ایبٹ
۱۸۶۲ء	ڈاکٹر جی۔ روزیریو	۱۸۶۲ء	ایفٹ۔ ڈی۔ فلیپی	۱۸۴۹-۵۲ء	آرنیل آر کرزن

# ۱۸۰۰ء لغایت ۱۸۹۱ء

ڈبلیو بی بلینفورڈ ۱۸۴۲ء	اسے لیسو ۱۸۸۰ء	کپتان۔ اسے سی بیٹ ۱۸۸۵ء
کرنل وال بیکر و کپتان ڈبلیو گل ۱۸۵۸ء	کرنل سی۔ ایس اسٹوٹ ۱۸۸۰ء	جی بانوڈیلٹ ۱۸۸۶ء
بی ایو گورڈینکاف ۱۸۴۴ء	ای۔ او ڈانوفن ۱۸۸۰ء	ٹی اسٹینس ۱۸۸۶ء
کپتان آرنیل جی نیپیئر ۱۸۴۴ء	اسے۔ کاڈی۔ اسٹیفن ۱۸۸۱ء	ایچ بائیڈلر ۱۸۸۶ء
ایف اسٹولز والیف سی ایڈریاز ۱۸۴۴ء	ایم ڈیو لیفائے وجے ڈیو لیفائے ۱۸۸۱ء	کرنل۔ اسے لی سورنیر ۱۸۸۴ء
۱۸۴۴ء	۱۸۸۱ء	لفٹنٹ آرمی گنڈ۔ ۱۸۸۴ء
اسے یو اوئیرا ۱۸۴۴ء	ایس اسٹیک ۱۸۸۱ء	لفٹنٹ ایچ۔ بی۔ داگن ۱۸۸۸ء
سر سی میکگرگ ۱۸۴۵ء	جنرل گیتبرخان ۱۸۸۱ء	جے بی بیٹنٹ ۱۸۸۸ء
ایچ بیلٹان ۱۸۴۵ء	کرنل ایچ۔ ایل۔ ویس ۱۸۸۱ء	ایچ ڈی ونٹ ۱۸۸۸ء
ٹی۔ ایس۔ اینڈرسن ۱۸۴۵ء	ایس۔ ایس۔ راسول ۱۸۸۲ء	ایم۔ وان پراسکوٹز ۱۸۸۸ء
اسے آرٹلڈ ۱۸۴۵ء	ایچ مولسر ۱۸۸۳ء	کانٹ ڈی۔ سیبرن ۱۸۸۸ء
ڈاکٹر۔ ای۔ ٹینٹر ۱۸۴۵ء	سر جی۔ ڈیوینچین ۱۸۸۳ء	ای۔ جی۔ براؤن ۱۸۸۸ء
ای۔ اسے۔ فلائڈ ۱۸۴۶ء	اسے۔ رائلی ۱۸۸۴ء	ایچ ایف بی۔ لنچ ۱۸۸۹ء
سر۔ آر۔ مرڈاک اسمتھ ۱۸۴۶ء	کرنل۔ ایم۔ ایس۔ بیل ۱۸۸۴ء	ڈاکٹر پی۔ ایف۔ ٹران برگ ۱۸۸۹ء
کپتان پشین ۱۸۴۶ء	کپتان۔ آریچ۔ جننگس ۱۸۸۴ء	۱۸۸۹ء
میڈیم۔ سی۔ سرپنا ۱۸۴۶ء	فر۔ ہاؤسے ۱۸۸۵ء	مصنف کتاب ہذا ۱۸۸۹ء
کے۔ ڈی۔ کیاش ۱۸۴۹ء	اسے نکولسکی ۱۸۸۵ء	میجر ایچ او سائر ۱۸۹۰ء
ڈاکٹر جی۔ روڈی ۱۸۴۹ء	جے۔ آر پریس ۱۸۸۵ء	سرنلشپ (س ایسا بلا برڈ) ۱۸۹۰ء
جنرل گراڈیکاف ۱۸۸۰ء	ہیڈن سوین ۱۸۸۵ء	۱۸۹۰ء
جنرل پیٹروس وچ ۱۸۸۰ء	جے ڈی۔ ریڈ ۱۸۸۵ء	۱۸۸۵ء
جنرل۔ اسے۔ ایچ سٹڈلر ۱۸۸۰ء	ڈاکٹر۔ اسے۔ راڈلر ۱۸۸۵ء	۱۸۸۵ء

## تقسیم باعث بار زمانہ

کرہ بالا فرست مین جو نام شریک ہین اون مین سے بعض کی نسبت اس مقام  
 کسی قدر رائے زنی کرتا جس سے اونکے زمانہ ظہور کی تعیین اور نسبتی قابلیت  
 و فضیلت کا اندازہ لگانے میں سہولت ہو سکے بیجا نہ ہوگا۔ قرون اولیٰ میں جو فتوحات اسلام  
 کے بعد گزریں ایران کے بہت کم سفر نامے لکھے گئے لیکن پھر بھی بہک مختلف مل و مذاہب  
 کے زایرون۔ مثلاً ربی بنیحین ہسپانیہ کے ایک یہودی۔ ابن بطوطہ تنجیر کے ایک بربر۔ اور  
 ولیم ڈی برود کوئیس اور اوڈورکیس ڈی پورونیاں کیتھولک پادریوں کے زہد و ورع کا مشہور  
 گزار ہوتا چاہیے جس نے اونکو اکثر دیار و امصار کی مرحلہ پیمائی کا شوق دلایا۔ اسی زمانہ میں مارکو  
 پولو کی عظیم الشان شبیہ خرامان خرامان اسٹیج پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ پندرہویں صدی کے  
 آخری حصہ میں وینس کی تجارتی فوقیت کا ثبوت وہاں کے بعض تجارت اور امر کے ایران میں  
 آنے سے ملتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک صدی بعد انگلستان کے روز افزون تجارتی فروغ  
 کی شہادت انگریزی تاجرون کی ایک جماعت سے ہم پہنچتی ہے جو شمال اور جنوب کی  
 طرف سے ایران کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہین۔ ڈان رائی  
 ڈی کلیو بوجو۔ ہسپانوی سفیر نے جسے ہر تہری ثالث شاہ کیسٹیل نے تیمور کے دربار میں سمرقند  
 بھیجا تھا اپنی سفارت کے حالات ایک ہنایت گرانمایہ شکل میں قلمبند کرنے سے جو مثال  
 قائم کی تھی اوسکی تقلید اون کثیر التعداد سفرا نے کی جنہیں تاجوران یورپ نے سترہویں صدی  
 میں شاہ عباس اعظم کے دارالخلافہ صفہان میں سفارت پر مامور کر کے بھیجا۔ سرانتمونی شرلی



دوسرے آرٹسٹری نے جو آپس میں بھائی بھائی تھے اور سرٹاس ہر پٹ نے جو سر ڈاؤ  
 مور کاٹن سفیر شاہ چارلس اول کے ساتھ آیا اور جس نے حالات ایران پر ایک نہایت ہی  
 دلچسپ کتاب لکھی انگریزی پہلو سے ایران کے واقعات قلمبند کئے۔ ڈان گریشیاس ڈی  
 سلوا جسے فلپ ثالث نے خدمت سفارت پر مامور کیا گویا ہسپانیہ کا سرکاری وقایع نگار ہے  
 آدم اولیئریس اوس سفارت کے حالات کو ضبط تحریر میں لایا جو آسٹین کے ڈیوک نے  
 ایران بھیجی تھی۔ پادری پیسیفک ڈی پراونس راہب نے فرانسیسی پہلو سے ایران کے  
 حالات لکھے۔ اور کمپفر متوطن دستفیلیا ایران میں اوس سفارت کا میزمنشی ہو کر گیا جو چارلس  
 یازدہم شاہ سوئڈن نے بھیجی تھی۔ سترہویں صدی ایران کے منتہائے عروج کا زمانہ ہونے  
 کے علاوہ وہ دور ہے جس میں غیر مالک کے لوگوں نے اسکے بہت سفر نامے لکھے  
 اس زمانہ میں بہت سے قاصد و قابل سیاح تجارتی و تحقیقاتی اغراض سے یکے بعد دیگرے  
 نہایت سرعت کے ساتھ اس ملک میں آئے اور اپنی مساعی اور اون مواقع کے حالات  
 کو جو انہیں ایک دول خارجہ سے ربط ضبط بڑھانے والے دربار کی تائید سے حاصل  
 ہوئے ایسی کثیر التعداد تصنیفات کی شکل میں چھوڑتے گئے۔ جنہیں اگر یادگار زمانہ کہا جائے  
 تو غیر موزون نہ ہو۔ ان کتابوں میں اہل ایران کی قومی زندگی کے کوالیت کے ہر پہلو سے  
 بحث کی گئی ہے اور تفصیل و دھناحت کے ساتھ ہر موقعہ کی تصویریں اور نقشہ بھی دئے  
 گئے ہیں گو کہ بعض حالتوں میں اب کی صحت میں کلام ہے ان سفر ناموں میں نہ صرف اوس  
 زمانہ کے ایرانیوں کی عادات اور رسوم و رواجات کا حال اور صفوی خاندان کے بادشاہوں

کے جاہ و جلال اور تیزک و احتشام کی کیفیت مندرج ہے بلکہ ان میں پہلی مرتبہ مفصل اور ضخیم طور پر اصطلاح اور دوسرے مقامات کے عظیم الشان کھنڈروں کے با تصویر حالات سپرد قلم کئے گئے ہیں جنکی طرف شاہیہ علامتیں یورپ کی توجہ پہلے ہی منعطف ہو چکی تھی اور جن کی نسبت مضحکہ انگیز خیالات اور نئے ذہن میں سما گئے تھے۔ پادری ڈیلاویلی ایک معزز خاندان کے رومانی کو جس نے نسٹورین فرقہ کی ایک خاتون سے بلندادین شادی کر لی تھی لیکن جس کا انتقال اس کے اثنائے قیام ایران میں ہو گیا۔ اگرچہ گبن نے طول کلامی اور خود نمائی کا مجرم قرار دیا ہے لیکن پھر بھی وہ ان ضخامت آئین مصنفین میں سب سے پہلا شخص ہے اور پرگوئی اور خود بینی ایسے عیوب ہیں جنکو تنقید اس مصنف میں اغماض کی نگاہ سے دیکھ سکتی ہے جو عہد عتیق کے دہندے پر دون کو اٹھا کر ہیں ان رازوں کی سیر کرائے جو پردہ کے پیچھے پیچھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آئین بیٹسٹ ٹیورینر مشہور فرانسیسی جوہری صوفی اعظم (شاہ ایران کو اس زمانہ میں لفظ صوفی کو بگاڑ کر یورپ اسی نام سے پکارتا تھا) اور سلاطین مغلیہ کے درباروں میں تاجرانہ حیثیت سے آتا ہے پھر چارٹن ظاہر ہوتا ہے۔ یہ متورع اور مشہور معروف شخص پرائسٹنڈ مذہب کا ایک فرانسیسی جوہری تھا اپنا متجربانہ سفرنامہ ایران لکھنے کے بعد اپنی عمر کے آخری حصہ میں آئین ٹینیز کی تنبیخ پر وہ وراثت سے ہجرت کر کے انگلستان چلا گیا اور جب وہ مراٹو اسے شہر لندن کے ایڈمزین (جوہری) اور ناسٹ (انگریزی میں سر کا خطاب) ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس کے بعد تھیونو اور ڈاکٹر ڈیلاویلی دو خانگی حیثیت کے فرانسیسوں سینان ایک فرانسیسی پادری اور ڈاکٹر فریڈریش انڈیا

کمپنی کے طبیب کی باری آتی ہے جبکی تحریرات انوکھے پن اور ظرافت میں تہہ بڑ سے کچھ ہی کم ہون گی اور ان سب کے بعد کارلیس لابرین ولندیز کا ظہور ہوتا ہے جسکا نام اپنے کا فیتا اور پینس ہر وقت ساتھ رہتی تھی اور جو ان مصنفین کی غلطیوں کا بلاتامل اعلان کرنے کے ساتھ جو اس سے پہلے گزرے اپنے جانشینوں کے حفاظتہ چینی کے لئے کچھ کم مواد ہنہین چھوڑ گیا ہے۔

### اٹھارہویں صدی

سکے بعد کے زمانہ یعنی اٹھارہویں صدی میں ایران سیاسی شورشوں کا مرکز بنا رہا اور چونکہ یہ صورت حالات سیاحت یا علمی تحقیقات کے لئے موزون نہ تھی اس لئے اسی نسبت سے غیر ملک کے مصنفین کی تصنیفات اس ملک کے حالات کے متعلق کم ہو گئیں۔ لیکن با این ہمہ جان بیل سٹوٹن اینڈ ٹرموری کروڈنسکی۔ متعدد دروین کیتھولک پارڈیون اور آٹز اور بالخصوص جونس ہینوے کی تصانیف میں ہکو اس عہد کی خوزیریون اور خانہ جنگیوں کے ہولناک واقعات کا شرح و بسط کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔ جان بیل اوس روسی سفارت کے بطور طبیب کے متعین تھا جو پیٹر اعظم نے خاندان صفوی کے آخری شہنشاہ شاہ سلطان حسین کے پاس بھیجی تھی۔ کروڈنسکی اسی عہد میں مسیحی فرقہ جیوٹ مقیم اصفہان کا پیشوا تھا۔ آٹز نے اوس عہد میں ایران میں سفر کیا جبکہ نادر شاہ نے ہندوستان پر اپنی مشہور و معروف چڑبائی کی۔ اور جونس ہینوے ایک زیرک اور فہیم اور ہمدرد بنی نوع انبیان لندن کا تاجر تھا۔ جس نے بحیرہ احمر کی راہ سے ایران کے

ساتھ انگریزی تجارت کا تعلق قائم کرنے کے خارج از امکان منصوبہ کی تجدید کرنے کا قصد کیا۔ اسی صدی کے آخری حصہ میں جی۔ فارستر نے جوہندوستان سے روانہ ہو کر پہلی مرتبہ افغانستان اور ایران کی راہ سے انگلستان پہونچا۔ شمالی اقطاع میں اپنے خوفناک سفر سے جغرافیہ کے متعلق ہماری معلومات کو بہت کچھ بڑھایا۔ اور جنوب میں کریم خان زند صوبہ دار شیراز کی بے نقصانہ اور ہر دلعزیز حکومت کے حالات کو انگلو انڈین فوج کے لفٹنٹ فرینکلن اور کارسٹن نیپور نے جو جزیرہ نمائی عرب کے مہتمم بالشان سفر سے واپس آیا تھا بیان کیا ہے۔ اسی زمانہ میں گیمیلن اور آلیور نے ایران کے عمدہ حالات لکھ کر اپنے ملکوں یعنی روس اور فرانس کی شہرت کے برقرار رکھنے میں حصہ لیا۔

### انیسویں صدی

نیویں صدی کے پردہ کا ایک کنارہ اٹھا کر ہم ایک ایسے عہد کی دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہیں جس میں یورپ کی تدبیر و سیاست نے ایران میں دخل ہونے کے تمام رستوں کو از سر نو کھول دیا اور سفیروں اور ایلیچوں کے ساتھ ساتھ بہت سے سیاح مکت ایران میں وارد ہوئے اور دونوں طبقہ کے لوگوں نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو مساوی محنت و جانفشانی سے قلمبند کیا۔ سر جان میلکم کی مشہور اور مشاہدہ کی دو سفارتوں کا حاصل کئی تصنیفات تھیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ دو کتابیں خود سر جان میلکم نے لکھیں ان میں سے ایک کا نام ”سٹری آف پرشیا“ (تاریخ ایران) اور دوسرے کا نام جو گنام طور پر شائع کی گئی ”اسکچ آف پرشیا“ (موقع ایران) ہے۔

”تاریخ ایران“ اگرچہ اس زمانہ میں لکھی گئی جبکہ فن تاریخ نویسی میں فلسفہ کی روح نہ پڑی تھی لیکن پھر بھی انگریزی میں کوئی کتاب ایران کے تاریخی حالات کے متعلق اسکی عکس کی نہیں۔ ”مرقع ایران“ بھی ایک نہایت ہی دلنریب کتاب ہے اور نادر دلائل کا مخزن ہے۔ ایک دوسری کتاب جسے مندرکہ بالا سفارتوں کے نتائج کے جزو سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ کپتان میکڈانڈ کا۔ ”جاگرفیکل میماز“ (مندکہ متعلقہ فن جغرافیہ) ہے۔ یہ کپتان میکڈانڈ وہی ہیں جو بعد میں سر جے میکڈانڈ کنیر کے لقب سے ملقب ہوئے اور ان کا یہ تذکرہ ایک عرصہ تک ایران کے حالات متعلقہ فن جغرافیہ میں معلومات کا عطر سمجھنا جاتا تھا سفارتہائے مسطورہ کے نتائج کے منجملہ وہ سفر اور تحقیقاتیں بھی قرار دی جاسکتی ہیں جو متعدد برطانوی یا ہندوستانی افسروں بالخصوص گرائٹ۔ پانچرکرسٹی اور مانیٹھ نے کی ہیں۔ اسی زمانہ میں نیپولن کے قاصد جنرل گارڈین کی فرانسیسی سفارت اپنے ہمراہ متعدد دلائل لایق نصیحت لیتی گئی۔ جن میں ٹروہیر۔ ٹریزل۔ ٹلیکان اور ڈوپری کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ڈوپری کی تصنیف سب سے عمدہ ہے۔ سر ہارڈ فورڈ جونز نے ۱۸۰۹ء میں اپنی محنتوں اور مصیبتوں کی سرگزشت کو خود قلمبند کیا۔ اس کے ساتھ تور بیر بھی تھا جس نے اس موقع کو اور دو سال بعد سرگور آوسلی کے ہمراہی کے موقع کو غنیمت پا کر دو نہایت مستند اور محققانہ کتابیں لکھیں۔ کسی سفارت کے ہمراہ اتنے مورخ نہ تھے جتنے آوسلی کی سفارت کے ساتھ تھے۔ کیونکہ تور بیر کی دوسری تصنیف کے علاوہ اس سفارت کے حالات کو سر ڈبلیو آوسلی سفیر کے بھائی نے جو مشرقی

علوم میں بڑا ماہر تھا اور تیز ذہنیو پرائس نے قلمبند کیا۔ ۱۸۱۷ء میں گورنمنٹ کونٹریبولز کا وٹ سیرمولات کی روسی سفارت کی سرگذشت کو حیرت خیز میں لایا۔ ۱۸۳۵ء میں کرنل اسٹورٹ سر ہنری آلیس کا میرنشی ہو کر آیا اور محمد شاہ کے نظام سلطنت کی ایک دلاویز تصویر کھینچتا گیا۔ اسکے بعد ہر جسٹن شیل سفیر انگریزی نے اپنی بی بی کو ایک مفید اور معلومات سے بھری ہوئی تصنیف کے مرتب کرنے میں مدد دی۔ کانٹ ڈی گابینو نے طہران میں بطور سفیر مقیم ہونے کے اثنائیں اغراض فرانس کو مرعی رکھ کر متعدد عالمانہ کتابیں تصنیف کیں۔ اور دوسری سفارتوں کے اراکین نے بھی عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں۔ چنانچہ بیرن ڈی بوڈروس سفارت کے میرنشی نے سفر میں بختیاری کے دلچسپ حالات کو جو اس نے ۱۸۴۷ء میں اختیار کیا تھا ایک کتاب کی شکل میں قلمبند کیا۔ ایسٹوٹ نے جو بیٹس سال بعد انگریزی سفارت میں ہی عمدہ پر مہر ہو کر آیا ایک عمدہ کتاب لکھی اور موسو پارمیر ڈی مینارڈ مشرقی مصنفین کی تصانیف کے تراجم اور شجون کی وجہ سے درجہ اول کے فرانسیسی علما میں شمار ہونے لگا۔

مغربی دنیا میں ایران جو روز افزون شہرت حاصل کر رہا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر متعدد ممتول انگریزی سیاحوں نے انیسویں صدی کے پہلے وٹل سال کے بعد سے اس ملک کو فن جغرافیہ کی تحقیقات یا آثار قدیمہ کی سرانجام دہی اور بعد میں اس تحقیق و تفتیش کو نتائج کو معرض اثنائیں لانے کے متعلق اپنا مقصود قرار دیا۔ اسکاٹ ویرنگ۔ بکنگہم۔ سر آر۔ کیر پورٹ اور جے بیلی فریزر اس طبقہ کے وہ مصنفین ہیں جو وہ صدی کے پہلے نصف حصہ سے تعلق رکھتے ہیں اور فریزر کو تو ایران میں ایک علمی کان لگئی تھی

جسکے خزاہن میں اوسوقت تک کمی نہ آئی جب تک کہ اوس نے متعدد گرانمایہ سفر نامے اور بہت سے لطیف و دلچسپ افسانے دنیا کے سامنے پیش نہیں کئے۔ ایک دوسرے طبقہ کے مصنفین وہ ہیں جنکا تعلق افسانہ حیثیت سے ہند کے دیوانی و فوجی محکمہ جات کے ساتھ تھا اور جو انگلستان کو جاتے ہوئے ایران میں سے ہو کر گزرے۔ ان میں سے محکمہ فوج کے متعلق کرنل جانسن۔ کپتان آرتھر کونولی۔ (جو بعد میں بنجارا میں قتل ہوا) اور سر گلزینڈر برنس جو کابل کے حسرت ناک سانحہ کا شکار ہوا اور محکمہ دیوانی کے متعلق۔ آر۔ بی۔ بنگ اور امی۔ اسٹیک۔ کا نام خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے۔ بنگ نے ۱۸۵۷ء میں فارسی زبان میں اعلیٰ درجہ کی دستگاہ رکھنے کے باعث ایران کے حالات کے متعلق حقیقت میں ایک ایسی اچھی کتاب لکھی کہ اوس سے بہتر اور کوئی کتاب پھر نہیں لکھی گئی اور اسٹیک نے اپنی جدت طراز تحقیقاتوں کی رونق کو خیالات کی روایتی بندش کی چستی اور طرز ادا کی دلچسپی سے دو بالا کر دیا۔ اس صدی کے وسط میں اور اسکی بعد کچھ کچھ فصل سے ایران کے متعلق ہماری معلومات کے ذخیرہ کو انگریزی اور امریکی پادریوں نے بڑھایا ہے جنھوں نے شمالی سرحد پر سنٹورین فرقہ کے عیسائیوں اور بعض بڑے بڑے شہروں میں ارمنی عیسائیوں کے درمیان ایران کو اپنی مساعی کی جولانگاہ بنایا۔ اسی زمانہ میں بعض دو کرائیق اور ممتاز مصنفین ظاہر ہوئے۔ ان میں سے پہلا نام میجر راسنن کا ہے (جو اب سر بہنری راسنن کہلاتے ہیں) اس لائق شخص نے اوس زمانہ میں جبکہ وہ محمد شاہ کا ملازم تھا اپنی جغرافیہ تحقیقات کے ساتھ ایک ایسی سیاسی

نکتہ شناسی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا کہ اوسے دولت برطانیہ نے طہران میں اپنا سفیر اور  
 اور اوسکے بعد انگلستان اور فارس کے تعلقات کا سیاسی وقایع نگار مقرر کر دیا۔ اور آثار قدیمہ  
 کا کھوج لگانے کے متعلق اوس نے ایسی قابلیت ظاہر کی کہ محض وطنی ابجد کے راز سر بہتہ  
 کو اوس نے کھول دیا اور علوم شرقیہ کے ماہرین کے طبقہ اعلیٰ میں اسکا شمار ہونے لگا۔  
 سر ایچ لیارڈ بھی کچھ کم پایہ کا مصنف نہیں۔ اوس نے ملک ایران کے ایک حصہ کے  
 حالات پر دقیقہ سنجی اور طرز ادا کی شستگی کی اون خوبیوں کو صنف کیا جنکی وجہ سے وہ  
 مشہور ہو گیا۔ اور دوسری قوموں کے افسردہ میں جو ایران میں مامور کئے گئے فیر میئر  
 فرانسیسی کو اپنی قیمتی اور عالمانہ تصنیف کے لحاظ سے سندا تیا حاصل ہے۔ فرانس اس  
 تعریف کا بھی مستحق ہے کہ اوس نے ٹیکسیر۔ فلینڈن اور کاسٹ اور اوسکے بعد ڈیولا فاکا  
 کو بصر زار کشیر ایران میں علمی تحقیقات کی غرض سے بھیجا اور اوہنوں نے جو تحقیقاتیں یا  
 نئی باتیں دریافت کیں وہ نہایت عظیم الشان کتابوں کی شکل میں نفیس اور پاکیزہ تصاویر  
 کے ساتھ معرض اشاعت میں آئی ہیں۔ ۱۵۵۹ء میں سینٹ پیٹرس برگ کی انجن جغرافیہ نے  
 خانیکاف کو اپنی طرف سے مقرر کر کے ایران بھیجا اور اوس نے فن جغرافیہ کے متعلق اس  
 ملک کے حالات کو فلسفیانہ طور پر قلمبند کیا۔ لیکن اس تذکرہ میں کسی قدر سیاسی تعصب  
 کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ اسی زمانہ میں اگرچہ برطانیہ کلان نے اس قسم کی تحقیقات کے  
 لئے نہ تو کوئی خاص جماعت مامور کی اور نہ اس کام پر روپیہ صرف کیا اور واقعی اوس نے  
 اس بارہ میں ایسے تساہل اور تغافل سے کام لیا ہے کہ اوسے قابل معافی تصور نہیں کیا



جاسکتا پھر بھی کم از کم جن سیاسی مہمات کا بیڑا دولت برطانیہ نے اٹھایا اور نئے نتائج سر آئیٹ گولڈ اسپیڈ اور اسکے ادنیٰ لایق مددگاروں کی مساعی و تضامین کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں جو قیام سلسلہ تار برقی اور تصفیہ مسئلہ سرحد کی انتظامی جماعتوں کے رکن تھے۔

سٹرکلیمنٹس مارکھم نے ایران کی ایک مفید تاریخ ایک جلد میں لکھی اور موجودہ صدی کے پہلے نصف حصہ کے تاریخی واقعات کو سٹر آر جی واٹن نے احاطہ کے ساتھ مرتب کیا۔ لیکن مجموعی حیثیت سے ایران کی تاریخ کا موضوع ابھی تک کسی ایسے انگریز کی طبیعت کی زور آزمائی کا محتاج ہے جو مشرقی زبانوں سے اچھی طرح پرواقت ہونے اور وسیع تاریخی معلومات رکھنے کے علاوہ ایک عالم متحرک و فاضل جمید ہو۔ جرمنی میں اسپانگل جسٹی ٹولڈیک اور گشمیڈ نے ان عالمانہ اوصاف کو آپس میں بانٹ لیا۔ لیکن پھر بھی کسی ایک میں یہ سب فضائل جمع نہیں ہوئے۔ مجھے اس بات کے کہنے میں تامل نہیں کہ ایران کے حالات میں سب سے بہتر اور صحیح دستند کتاب سو صفحے کے حجم کی جوین نے دیکھی ہے۔ وہ لیسے ریکیو لے فرانسیسی کی یادگار زمانہ تصنیف ہے۔ گزشتہ تیس سال میں ایران کے شمالی و مشرقی حصہ کے متعلق متعدد لایق لایق محققین کی پیہم کوششوں نے ہماری معلومات کو بہت کچھ بڑا دیا ہے۔ ان میں سے خایمکاف روسی کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کرنل ولیمٹائن سیکر اور کپتان گل نے جن میں سے اول الذکر کو وسط ایشیا کے سیاسی مسائل پر عاقلانہ رائے زنی کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا اس مضمون پر عمدہ کتابیں لکھیں

۱۔ اسکا ترجمہ زبان انگریزی میں ہو گیا ہے۔ دیکھو ”یونیورسل جاگرافی“ (جغرافیہ عالم) جلد ہفتم۔

سرچارلس میکلگیر کی حب الوطنی کا جوش اوسکی درشت مگر بے روک طرز تحریر سے  
 ٹپکا پڑتا ہے اور اسی۔ اوڈانودن نامہ نگار ڈیلی نیوز جو مرتک سفر کر آیا اور پھر سوڈان میں جا کر  
 مارا گیا اپنے علمی کمال کے لحاظ سے ایران کے کسی وقایع نگار سے کم نہیں۔ ان سب کا  
 انتقال ہو چکا ہے۔

اسی زمانہ میں مسٹر اسٹولز اور مسٹر اینڈریاز نے ایرانی تجارت۔ صنعت و حرفت نظم و  
 نسق سلطنت اور وسائل و ذرائع آمدنی کے مسئلوں پر بہت کچھ روشنی ڈالی اور جنرل  
 ہاؤٹم شندلر نے جسکی تحریرات سے میں اکثر موقعوں پر اقتباس کروں گا۔ جغرافیہ نامہ نگار  
 اور عام معلومات کے متعلق ایران کے بہت کچھ حالات لکھے۔ ڈاکٹر ولس نے جو کئی سال  
 تک انڈو یورپین محکمہ تار برقی کے ہمراہ بطور طبیع کے ماسور ہا زمانہ حال کے اہل ایران  
 کی طرز زندگی اور رسم و رواج کے واضح اور دلچسپ حالات قلمبند کئے ہیں۔ مسٹر ہینین  
 نے جو امریکہ کی طرف سے سب سے پہلا سفیر مقرر ہو کر ایران میں پہنچا گیا انگریزی زبان میں  
 اس ملک کے حالات پر سب سے آخری کتاب لکھی اور عادات و صنایع کے متعلق اوس نے  
 اپنے جن مشاہدوں کو قلمبند کیا ہے وہ دلچسپ ہیں لیکن جن واقعات کو اوس نے بیان  
 کیا ہے وہ عام طور پر اس درجہ نادرست اور غیر صحیح ہیں کہ اوسکی کتاب کی کوئی قدر قیمت  
 باقی نہیں رہتی۔ میڈم ڈیولیفانے کی ضخیم کتاب نہایت شاندار تصاویر سے آراستہ ہے۔

۱۵ پہلا ایسے صنعت کی نسبت کیا خیال ہو سکتا ہے جو ایک وسیع قطعہ آب کی نسبت جکا دو تین سو میل ہو یہ بیان کر کے کہ  
 وہ اور دمیائین ایک چوٹی سی عجیب ہے جو ناموں واقعہ سیستان کے اگر متحک رہنروائے ممالک کو ایک قابل ذکر قبیلہ ہے

اور اسکے اوراق دلچسپ ہونے کے ساتھ نتیجہ خیز بھی ہیں۔ ایک اور خاتون مسز بشپ نے بختیار پون اور گردون کے درمیان اپنے سفر کے حالات پر حال میں ایک کتاب شائع کی ہے جس میں نہایت جدت طراز اور دلچسپ واقعات درج ہیں۔

### ترتیب باعتبار فضیلت

ایق اور ممتاز مصنفین کے ناموں کی جو طویل فہرست میں نے اوپر درج کی ہے اور ان میں فضیلت کے اعتبار سے کسی ماہر الاقتیاز کے قائم کرنے میں زیادہ دقیقہ سنجی یا موٹنگانی سے کام لینا شاید گستاخی اور بے ادبی میں داخل ہوگا۔ جن مصنفین نے امن و اطمینان یا شورش و انقلاب کے زمانوں میں اپنے چشم دید حالات کو صحیح صحیح طور پر قلمبند کر دیا۔ یا تحقیق و تدقیق میں بھلا و تخیل سے کام لیکر ایران کے حالات کے متعلق ہماری معلومات کے ذخیرہ کو بڑھایا اور ان میں سے اکثر کا نام میں نے چکا ہوں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو امعان نظر یا مشاہدات کی وسعت کے باعث اس امر کے مستحق ہیں کہ ان کا شمار

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱۔ سے تعبیر کرے۔ جو سلسلہ کوہ البرز کا مر دک پہلا ہوا ہونا بیان اور جن قوموں کے ساتھ کاف میں وسط ایشیا میں لڑا تھا اور کھاتقی ترکمان ہونا ظاہر کرے جو نہ صرف (حضرت) حسن بلکہ حسین کے کر بلا میں شہید ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس زمانہ میں ہی شورش و اضطراب اور سوسائیں کوئی فرق نہ سمجھے۔ جو۔ ایران کے جنوب و مغربی حصہ میں بہترین بندر گاہوں کے نزدیک کو سیلے کی لازوال کاؤن کے موجود ہونے پر مصر ہو حالانکہ اس طبقہ زمین سے ایک سکب فیٹ کو کد بھی کہی کہو دا نہیں گیا۔ جو نادر شاہ کے ظہور کی تاریخ اصل سے پچاس سال قبل اور مشہور قسط کی تاریخ کو اصل سے تین سال بعد بتائے اور جو یہ خیال کرے کہ انگریزی فوج میں پچیس ہزار گرینیڈیر (تومند اور قد آور جوان) ہیں۔

طبقة اعلیٰ ترین میں ہو۔

میرے رائے میں یہ لوگ چار ٹن ٹیو رینز - ہینو سے - میلکم - آؤسے - میلی فریزر اور  
رائسن ہیں۔ جن تین مصنفین یعنی موریر - آؤسے اور فریزر کی تصانیف ایک عرصہ دراز سے  
اون خیالات کا ماخذ ہیں جو انگریزوں کے دلوں میں ایران کے حالات کے متعلق جاگزیں  
ہیں ان میں سے اول الذکر نے اپنے سفر ناموں کی وجہ سے اتنی شہرت اور امتیاز حاصل  
نہیں کیا۔ جتنا کہ حاجی بابا کے قصہ کے لکھنے سے۔ میرے رائے میں فریزر اور آؤسے  
بھی اسی پایہ کے لوگ ہیں۔ فریزر کو زمانہ حال کے اہل ایران کی طرز زندگی کے ہر پہلو سے  
کماحقہ واقفیت حاصل ہے اور وہ جو کچھ لکھتا ہے اوس میں اور اہل میں سمجھو فرق نہیں  
ہوتا۔ اور آؤسے کا مایہ امتیاز وہ حیرت انگیز تجربہ ہے جسکی وجہ سے اوس کی ضخیم کتابیں  
شائقین علم کو سرور و محظوظ بھی کرتی ہیں اور مایوس و محروم بھی اور یہی باعث ہوتا کہ جو واقعات  
اون میں درج ہیں اونسکے ظہور کے پورے دس سال بعد وہ معرض اشاعت میں لائی گئیں۔

۱۵ میں جانتا ہوں کہ پیشتر بعض سنگین الزامات لگائے جاتے ہیں اور وہ کسی حد تک صحیح ہی ہیں۔ چار آؤں کا بیان  
ہے کہ وہ زبان فارسی کا ایک لفظ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ایک معترض کا قول ہے کہ وہ نہ لکھ سکتا تھا نہ پڑھ سکتا  
تھا۔ بعض مقامات کے جو حالات اوس نے بیان کئے وہ صریح طور پر غیر صحیح ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ  
جن لوگوں نے اوسکی کتاب کو شایع کیا وہ نہیں اوسکے مسودات کے ترتیب دینے اور سلجھانے میں جو ہمت  
پریشان حالت میں تھے نہایت وقت کا سامنا کرنا پڑا (دیکھو سفر نامہ آؤسے جلد دوم ضمیمہ ۱۰) بالین ہمہ ٹیوریند  
کی تصنیف کی قدر و قیمت اس لحاظ سے کہ اوس میں جدت اور قدرت پائی جاتی ہے اور وہ مبالغہ و اطرا سے  
معراستہ ابھی تک قائم ہے۔

قدیم ترسیا خون مین سے فرانسیسی پرائسٹ اور انگریزی "نائبٹ" چارڈن کو سند امتیاز کے دئے جانے مین کیسکو کلام نہ ہوگا۔ اس مین شک نہیں کہ وہ مبالغہ سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے وہ ہر صورت مین قابل اعتبار و لائق پذیر اسی نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ محنت و جانفشانی سے کام لیتا ہے اکثر طباعی و ذہانت ظاہر کرتا ہے اور بسا اوقات تبحر کا ثبوت دیتا ہے۔ دوسرے درجہ کے مصنفین کے مین بہت سے نام اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اور بھی بعض نام ایسے مین جو اسی درجہ مین شریک کئے جاسکتے تھے یا جنھیں شاید اب تک بھی اسی درجہ مین شریک ہونا چاہیے لیکن مشرق کی زالی آب و ہوا کا آسیب کچھ ایسا زبردست تھا کہ اوسنے اون کی رائے زنی اور نکتہ چینی کے دماغ کی صحت مین خلل پیدا کر کے اون کی سلیم الطبعی و متین الفکری کے چراغ کو رنگینی جذبات کی صرصر کے حوالے کر دیا۔ اور کبھی تو انھیں فصاحت و معانی کے اعلیٰ علیتین پر چھوٹا دیا اور کبھی رقت و حسرت کے اسفل اسافلین مین جاگرایا قدیم ترسیا خون مین سے جان اسٹرائیز ایک ولندیز نے اس پرستان کی خوب سیر کی۔ موجودہ صدی مین اوسکا اتباع قابلیت کے ساتھ سر آر کیر پورٹ نے کیا۔ یہ سیاح اگرچہ تحقیق مین مستعدی و عرقریزی سے کام لیتا ہے لیکن نقشہ جات کی صحیح ترتیب اور واقعات کے اندراج کے متناسب سلوب سے جن عمدہ نتائج کا اوس نے استنباط کیا ہے اوسکی قدر و قیمت اوس مبالغہ آمیز تفاؤ و خود نمائی سے بھری ہوئی طرز تحریر سے کم ہو جاتی ہے جسکو دیکھ کر کبھی تو طبیعت کھیاں ہو جاتی ہے۔ اور کبھی بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ان بے ربط سخن سراون کا کمال دیکھنا

ہو تو اوس وقت دیکھنا چاہیے۔ جبکہ وہ قدرت کی عظمت و شان کی لفظی تصویر کھینچ رہے  
 یا پرانے کھنڈروں کی حسرت ناک داستان بیان کر رہے ہوں۔ ایسے موقعوں پر اونکی  
 وجد کی وہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ حال میں آئیوا لے فقیر بھی اون سے سبق لے سکتے ہیں  
 ایک اور طبقہ کے مصنفین کی نسبت جنکی تعداد و زافزون ترقی پر ہے۔ جو ایک ملک کی سیاحی  
 کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں کہ ایک میل کی طرح اوس میں سے گزرتے ہوئے چلے جائیں جو ایسی  
 تصنیفات کا جو اون سے قابل تر لوگ پہلے لکھ گئے ہوں اول تو مبالغہ نہیں کرتا یا کرتے بھی ہیں  
 تو محض اس غرض سے کہ سمرقہ کے مرتکب ہو کر اوسکے مضامین کو اپنا طبع زاد بتائیں اور جو معنی  
 سمجھتے ہیں تو غلط تعبیر و تاویل کرتے ہیں تو غلط ہجرت کر تے ہیں تو غلط ہیں کچھ نہیں کہنا  
 چاہتا۔ ایران اس قسم کے وقایع نگاروں کا بھی موقف بنا ہے۔ لیکن جس قسم کی کتابیں وہ  
 لکھتے ہیں۔ اونکے لئے بمقابلہ دوسرے مقامات کے یہاں کمتر مواد و دستیاب ہو سکتا ہے  
 اس مواد کے بہم پہونچانے کے لئے بہت کچھ محنت کی ضرورت ہے۔ یہاں ریل کی سڑکیں  
 نہیں ہیں کہ ان حضرات کو سفر میں جہانی آرام ملے اور دماغ کے خیالی ڈھکوسلوں کے بجائے  
 ضخیم اور کثیر الحجم کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ غرض کہ مالک محروسہ شاہ ایسا میدان نہیں  
 جہاں سے اونہیں عمدہ مال غنیمت مل سکے۔ اسکے علاوہ جس بیاض نسیان میں ان لوگوں  
 کے نام موزون طور پر درج ہیں۔ اوس سے ایک کو بھی نجات دلانے کے لئے میں یہاں ہی  
 کا ایک قطرہ تک حنا بیغ نہ کروں گا۔

# دوسرا باب

## راہ ور

(اس باب کو صرف سیاح کے نام سے معنون کیا جاتا ہے)

افریقہ کے آتش بار اور ریگ فشان صحرا      یا قاف کے بے توفیق اور وحشت آگہا

کیا جانے بننے تہین موقوف میری چکر کا      جہلم میں پرے جا کر یا ناؤ میری منجہ دار

(رہائیں)

### معلومات کی ضرورت

گلکستان سے روانہ ہونے کے قبل احباب نے مجھ سے استفسار کیا کہ میں کس راستہ سے سفر کر نیا قصد رکھتا ہوں اور جب میں واپس آیا تب بھی مجھ سے یہی سوال کیا گیا کہ میں کس راہ سے گیا تھا۔ اس لئے مجھے خیال ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آجکل عام طور پر مسافروں کی رہنمائی اور رہبری کے لئے ہدایتی دستور العمل جاری ہیں۔ پھر بھی جغرافیہ کے متعلق تفصیلی اطلاع ایسے عام طور پر شائع نہیں کہ ایک علیحدہ باب جس میں اون مختلف راستوں کی تصریح ہو جس سے مسافر ایران جاسکتا ہے اور وہاں سے واپس آسکتا ہے اور جس میں اون تدابیر کی توضیح ہو جن پر او سے آغاز سفر سے پہلے کا رہنما ہونا چاہیے۔ غیر ضروری متصور ہو۔ مسافر کے لئے راہ اور زاہ دو نون کے انتخاب کے

اسقدر پہلو موجود ہیں کہ کچھ ہدایات ان دونوں امور کے بارہ میں مناسب معلوم ہوتی ہیں۔  
راستوں اور فاصلوں کے جو نقشے سینے دئے ہیں۔ اون کا ماحذ قابل اعتماد ذرا لیج  
ہیں اور وہ جدید ترین معلومات پر مشتمل ہیں۔ کوئی کتاب اسوقت ایسی موجود نہ ہو گی۔ جس میں  
اونہیں اسطرچہ ایک جگہ جمع کیا گیا ہو۔

### ایران کا موقع

ایران اگرچہ دور ہے لیکن رسانی سے دور نہیں۔ طبعی لحاظ سے یہ ملک  
شمال اور جنوب کی طرف دو سمندرون سے محدود ہے اور اس لئے قیاس  
معاں بات کو چاہتا ہے کہ یہاں بڑی آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ اس کا مشرقی اور مغربی  
سرحدی علاقہ وسیع اقطاع سے جو غیر مخالفت مگر مختلف النسل اقوام کے قبضہ میں ہیں ملحق ہے  
اور ایران میں داخل ہونے کے دوسرے ابواب کو جو اسقدر آسان نہیں ظاہر کرتا ہے۔  
چنانچہ زیادہ تر مسافر اسی وجہ سے اول یا تو بحیرہ احقر اور یا خلیج فارس کے سواہل پر لنگر انداز ہو کر  
سرزمین ایران میں داخل ہوتے ہیں۔ موجودہ دار السلطنت طهران بحیرہ احقر سے سڑک کے  
راستہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اسی لئے اکثر مسافر یہی راستہ اختیار کرتے  
ہیں۔ سترہویں صدی عیسوی میں جبکہ خاندان صفوی کے سلاطین کا پایہ تخت اصفہان تھا  
جو خلیج فارس سے قریب تر ہے تو قدرتی طور پر مسافر خلیج مطور کے بندر گاہوں پر جہاز سے  
اُترتے تھے۔ موجودہ صدی کے ابتدائی حصہ میں بھی جبکہ قاضی نے علم گردن افزای بلند کر رکھا  
تھا۔ اور مسافروں کے لئے خوف و خطر کا کمین گاہ بن رہا تھا تو یورپین سیاح بالعموم انگریزی



سیاح بالخصوص جنوبی راستہ کو ترجیح دیتے تھے اور اس خصوصیت کی زیادہ توجہ یہ تھی کہ انگلستان اور فارس کے تعلقات کی شیرازہ بند اوس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی تھی اور ان کی نگرانی کا صدر مقام کلکتہ تھا یا بمبئی۔ چنانچہ سر جان میلکم۔ سر ہار فوڈ جونس اور سر گور آؤسلی کی سفارتوں نے شاہنشاہ فارس کے ممالک محروسین اول اول بوشہر کو اپنا مقام ورہ قرار دیا۔

## ترتیب باب

اس امر کو ہم قرار دینے کے بعد کہ ایران میں داخل ہونے کے آسان ترین اور واضح ترین بھی راستے ہیں۔ میں شمالی راستوں میں سے اول اوس راستہ کا ذکر کرونگا جس سے انزلی جاتے ہوئے سہران پہونچتے ہیں۔ اور پھر شمال کی طرف کے باقی راستوں کا حال لکھوں گا۔ اسکے بعد میں مشرقی جنوبی اور مغربی راستوں کو علی الترتیب بیان کروں گا۔

### (۱) سفر سہران براہ انزلی

بحیرہ احقر کا ایرانی بندر گاہ یا یون کہیے کہ لنگر اندازی کا مقام دیکو نکہ ایران میں کوئی ایسا بندر گاہ نہیں کہ جس پر لفظ بندر گاہ کے صحیح مفہوم کا اطلاق ہو سکے (انزلی سے انزلی ایک گاؤں ہے جو سمندر کے کنارے ایک نشیب والے قطع زمین پر جسے ایک وسیع مگر پایاب سمندر سے ملی ہوئی پھیل کو محیط کر رکھا ہے واقع ہے۔ اس جہیل کا نام مرداب ہے۔ اور اسکے جنوبی کنارہ پر سمندر سے کسی قدر دور رشت کا بڑا قصبہ آباد ہے مسافران

ایران رشتہ میں لنگر انداز ہونے کا بیان عام طور پر اسی لحاظ سے کیا کرتے ہیں۔

## انزلی پہونچنے کا ذریعہ

انزلی میں رشتہ میں کاکیس اینڈ ٹرکری کمپنی کے دفانی جہازوں میں جو باکو سے روانہ ہوتے ہیں پہونچتے ہیں۔ یوروپ سے باکو تک پہونچنے کے کئی طریقے ہیں۔

اول۔ قسطنطنیہ تک ریل میں آسکتے ہیں اور وہاں سے (میسجیریز یا آسٹریا لائیڈ روسی دفانی کشتی میں سوار ہو کر باطوم پہونچ سکتے ہیں۔ جس میں تین یا چار دن لگیں گے اور پھر وہاں سے ریل میں سوار ہو کر فلس کے راستہ سے ۳۲ گھنٹہ میں باکو پہونچ سکتے ہیں۔ دوم۔ ریل پر سوار ہو کر برلن اور کراکو کی راہ سے اوڈیسہ اور وہاں سے روسی جہاز میں سوار ہو کر باطوم پہونچ سکتے ہیں۔

سوم۔ فلس میں سینٹ پیٹرسبرگ اور ماسکو سے والڈیکو کا س تک ریل پر اور وہاں سے مشہور سڑک داریل کی راہ سے جو ۱۳۶ میل لمبی ہے گھوڑے گاڑی کے ذریعہ سے گرجستان میں داخل ہو کر پہونچ سکتے ہیں۔

چہارم۔ باکو پہونچنے کا ایک اور بھی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ روس کی سرحد میں زارٹس سک جو دریائے والگا کے کنارے واقع ہے ریل پر آئیں اور وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر ندی ندی آسٹرخان تک آئیں اور پھر وہاں سے "کاکیس اینڈ ٹرکری کمپنی" کے کسی جہاز پر سوار ہو کر بحیرہ اخضر کے مغربی ساحل پر پیٹرا اور در بندہ سے گزرتے ہوئے جس میں اڑھائی دن

صرف ہونگے باکو پہونچنے شاید وقت کے اعتبار سے یہ نہایت قریب کا راستہ ہے۔ بہر حال کسی صورت میں مسافر کو یہ یقین نہیں ہونا چاہیے کہ اُسے لندن سے باکو تک پہونچنے میں آٹھ یا نو دن سے کم مدت لگے گی۔

## بحیرہ اخض کے جہازات

ہم سے نومبر تک "کاکس ایڈمر کری کمپنی" کے جہاز ہفتہ میں ایک دفعہ اور بعض اوقات دو دفعہ انزلی آتے ہیں اور باکو سے علی العموم یکشنبہ کی رات کو روانہ ہوتے ہیں۔ باقی مہینوں میں اونکی آمد و رفت کی قدر بے قاعدہ ہوتی ہے۔ لنکران کے روسی بندرگاہ (کسی زمانہ میں یہ ایران سے تعلق رکھتا تھا۔ اور استارا کے سرحدی گاؤں میں دو شنبہ کی دوپہر کو لنکرانے کے بعد انزلی میں جو ۱۹ بجری میلون کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ جہاز ۳۰ سے لیکر ۳۶ گھنٹہ کے اندر یعنی شنبہ کی صبح کو کسی وقت پہونچتے ہیں۔

## انزلی میں جہازوں کی لنکراندازی

لیکن یہاں پہونچ کر سفر ایران کی تکلیف دہ خصوصیات کا احتمال شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ریشلی جمال پر بسا اوقات لہرون کی طغیانی کی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ مسافروں کو کشمیر

۱۔ یہ جمال جہازوں کے لئے ایسی روکاوٹ ہے کہ جو جہاز پانچ فیٹ سے زیادہ پانی میں ڈوبے رہتے ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ وہ نہیں باہر رہتا پڑتا ہے ایران کی گورنمنٹ سے بار بار اتفاق کیا گیا ہے لیکن اس نے اس کی رستی کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی۔ شاہ کی چوٹی ملی وغانی کشتی الموسوم بہ "ناصرالدین" کا حال جو بالعموم مرعاب میں پکچ رہتی ہے۔ آگے چل کر ایک فصل میں جب کاغذوں بحری قوت سے مرع کیا گیا ہے۔

پر خشکی تک پہنچنا بالکل نامکن ہو جاتا ہے اور جاڑوں میں تو اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ناشا  
سیاح کئی کئی گھنٹوں تک منزل مقصود کو اپنی نظروں کے سامنے پاتا ہے مگر سوائے اسکے  
کہ موجوں کے تھپیڑے کھائے اور اوس سے کچھ نہیں بن پڑتا اور پھر اوسے الٹا باگو کو  
جانا پڑتا ہے جہاں ایک ہفتہ تک مٹی کے تیل کی بو سے دماغ پر اگندہ اور حواس کو مختل  
کرنے کے بعد اوسے پھر اپنے سابق کے تجربہ کے دہرانے کے لئے انزلی واپس  
آنا پڑتا ہے۔

## مرداب

اگر انزلی میں طوفان برپا نہ ہو تو مسافر کو ایک چھوٹی سی دخانی ناؤ میں سوار کر کر  
خشکی پر اتارا جاتا ہے۔ جہاں انزلی کا چنگی خانہ اور ایک کسیدر بوسیدہ  
مگر خوشنایب منزلہ گرمیوں کے رہنے کا بنگلہ جو شاہ کی ملک سے ہے واقع ہے۔ اس مکان پر  
آسمانی سرخ اور دہانی رنگ کا روغن چڑھا ہوا ہے۔ اور نیچے کے درجون سے اوپر کے  
درجون کی آرائشی حالت اچھی ہے۔ سب سے اوپر کا درجہ شاہ کجکلاہ کے ورود کے لئے  
مخصوص ہے۔ لیکن اس کا آرائشی سامان نہایت ویرانی کی حالت میں ہے اور اکثر تو  
ایک چٹائی کے غلاف کے چڑھے رہنے کے باعث جو اسے یہاں کی بے حدنی کے  
اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے اوڑھا دیا جاتا ہے۔ نظر ہی نہیں آتا۔ یہاں سے بذریعہ  
دخانی ناؤ کے مرداب کو جس کا پاٹ دس میل ہو گا۔ پونے دو گھنٹہ میں عبور کرتے ہیں۔ یہ  
جھیل جس میں ہوا کے طوفان چلتے رہتے ہیں اور جو زیادہ عمیق نہیں مشرق سے لیکر مغرب

تھک ۳۰ میل لمبی ہوگی اور شمالاً جنوباً اسکا زیادہ سے زیادہ عرض ۱۲ میل ہوگا۔ انواع و اقسام کے آبی جانور مثلاً ماہی خور۔ قاز۔ راج ہنس۔ بطین۔ جلیکوٹے۔ پنڈ بیان۔ چنیا بطخین۔ کلنگ۔ حواصل۔ بگلے اور چھے اس میں آباد ہیں۔ پانی کی سطح پر انکا ٹڈی دل چھاپا رہتا ہے اور چھوٹے چھوٹے جزیروں اور سر کنڈوں کے جھاڑوں میں انہوں نے اپنی مکین گاہیں بنا رکھی ہیں۔ اس آبی شکار کے علاوہ شکاری کو اوس شاداب قطعہ زمین میں جو سمندر اور پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جنگلی جانوروں کا شکار بکثرت ملتا ہے۔ جھیل کے جنوب کی جانب دھانی ناؤ کو چھوڑ کر ایک دیسی ساخت کی ناؤ میں سوار ہوتے ہیں۔ جو مسافر و نکو ایک کھارڑی کے رستہ سے پانچ میل تک لیجا کر پیر بازار کے ماہی گیر دن کے گاہین جاتا رہتا ہے۔

### پیر بازار

پیر بازار (جو غالباً پیلہ بازار یعنی ریشم کے بازار کا لگاؤ ہے اور جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں ریشم کا کام تیار ہوتا ہے) ایک کاروانسرا ہے چند مکانون اور چھوٹے پٹروں اور کچھ ماہی گیروں کے گھروں پر مشتمل ہے۔ ماہی گیر اس مقام پر پندی کے پاٹ میں قریب قریب لکڑیاں نصب کر کے ایک جنگل نما کھانچا لگا دیتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے ایک قسم کی مچھلی جو روہو سے مشابہت رکھتی ہے۔ بہ تعداد کثیر آسانی سے پکڑی جاتی ہے۔ ناقص اور بوسیدہ گاڑیاں یہاں موجود رہتی ہیں جنہیں تازہ وارد مسافر سوار ہو کر ایک نہایت ہی خراب سڑک کے راستہ سے جسر براے نام کٹائی ہو رہی ہے چھ میل کا فاصلہ جنگل میں سے طے کرتا ہوا رشتہ بین جاچو بختا ہے۔ دریا سے رشتہ جسے شاہ رود بار کہتے ہیں۔ بائیں جانب کو

بہتا ہوا سمندر میں جا ملتا ہے اور دائیں طرف نالیوں اور دلدلوں کی کچڑ پین سانپ اور کچھوے رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔

## رشت

رشت کے حالات میں ایک آئندہ فضل میں بیان کروں گا۔ جس میں ایران کے شمالی صوبجات کا ذکر ہے اور جس میں سے ایک صوبہ یعنی صوبہ گیلان کا یہ سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں اسکا حوالہ محض اسلئے دیا گیا ہے کہ یہ پھیلا شہر ہے جس میں داخل ہونے سے مسافر سرزمین ایران میں اول اول اپنا قدم رکھتا ہے اور جہاں سے ایران کے سفر اندرونی کے لئے وہ روانہ ہوتا ہے۔ اس شہر اور اسکے قرب وجوار کے منظر کو دیکھ کر مسافر کے دل میں ایرانی مناظر زندگی کے متعلق جو خیالات قائم ہوں گے اور انہیں اسے بہت جلد اپنے دل سے محو کرنا پڑیگا کیونکہ ایران کی عام خصوصیات میں اور ان میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ عدن اور وودر میں اور اس فرق سے آگے چل کر اسے افسوس کے ساتھ آشنا ہونا پڑیگا۔ رشت میں وہ سرخ کہیریل کے مکان۔ مسجدیں۔ بازار کھیتوں کے گرد درختوں یا جھاڑیوں کی باڑیں اور باغات پائے گا۔ جنہیں دیکھ کر اسکا تصور دوسری سرزمینوں کی طرف منتقل ہوگا۔ اور جنگلوں کی شادابی اور ندی نالوں کی روانی سے اسے ایرانی اراضیات کی زرخیزی کا ثبوت ملے گا۔ لیکن اسے چاہیے کہ ان دونوں تازگی بخش مناظر کی خوب جی بھر کر سیر کر لے کیونکہ رشت کی واجبی مگر دلکش شاعری شان بحیرہ احقر کے ساحل کے علاوہ اسے اور کہیں نظر نہ آئے گی اور جنگلوں اور دریاؤں

کے بجائے تھوڑی دیر میں سنگلاخ بیابان اور پہاڑوں کی بے شجر چوٹیاں نمودار ہوں گی۔

## انتخاب ذرائع طے مسافت سواری چاپار

شستین مسافر کو ایرانی مسافت کی اون کیفیتوں کا پہلا تجربہ حاصل ہو گا جنکی لذات و آلاام کے متعلق مجھے اثنائے سفر میں بہت کچھ کہنا پڑے گا۔ ایران میں سفر کرنے کے دو ہی علمی طریقے ہیں۔ یا تو اسے بذریعہ سواری چاپار یعنی سرکاری ڈاک کے گھوڑوں پر چوکی بچو کی سفر کرنا پڑتا ہے اور یا بار برداری اور سواری کا خود انتظام کر کے ایک تافلہ کی حیثیت سے منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ سرکاری ڈاک کے ذریعہ سے سفر کرنے میں گوتگان اور تکلیف تو بیکہ ہوتی ہے لیکن سفر بہت جلد کٹتا ہے اور اپنے طور پر سفر کرنے میں گواستی تکلیف اور بے آرامی نہیں ہوتی لیکن اس سے بے انتہا جی آگت جاتا ہے اور چونکہ روز بروز اوہ نہیں جانوروں پر سواری کرنی پڑتی ہے۔ اسلئے منزلیں اس قدر دیر میں کشتی ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک صورت میں تو مسافر کی حقیقت ذی روح رخت سفر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جو روانگی کے مقام سے منزل مقصود تک اس قدر سرعت کے ساتھ منتقل کر دیا جاتا ہے جو یا تو درمیانی اور بعض اوقات قابل نفرین حیثیت کے گھوڑوں کے اسکان میں ہو۔ یا جسکی تاب اس کی خواہش یا طاقت لا سکتی ہو۔ وہ اپنا سامان گھوڑے کی پیٹھ پر لا کر اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ چاپار خانوں کی چوکیوں میں جو راہ میں براہ برابر فاصلہ پواقع ہیں سوتا ہے۔ اشیاء خوردنی یا تو ہمراہ لے جاتا ہے یا رستہ میں خرید لیتا ہے۔ سواری اور ہالیش کا کر یہ مقررہ شرح سے ادا کرتا ہے۔ شاہ راہ سے ایک

ایچ نہ ادھر کو ہٹتا ہے اور نہ ادھر کو۔ اپنے پیچھے مڑ کر دیکھتا تک نہیں اور صرف ایک دہن  
ادسکے جی میں سمائی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ آگے بڑھا چلا جائے۔

### سفر بذریعہ کاروان



کا دوسرا طریقہ بہت کچھ دور اندیشی اور تیار سی کا محتاج ہے۔ اس کے  
لئے نیمہ و خرگاہ اور ساز و سامان خریدنا پڑتا ہے بار برداری اور سواری کے جانور کر ایہ پر لینے  
پڑتے ہیں اور انکی نگہداشت کے لئے نوکر رکھنے پڑتے ہیں اور ایک بڑے قافلہ سے  
جس قدر رقمہ داریاں متعلق ہوتی ہیں ان سب کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی  
یہ بات بھی ضرور ہے کہ مسافر کو اپنی نقل و حرکت پر پورا اختیار حاصل ہوتا ہے اور چونکہ وہ کسی  
حالت میں سرعت کے ساتھ نہیں کر سکتا کیونکہ بار برداری کے جانور دن پر بحساب اوسطاً ۲۵  
میل روزانہ سے زیادہ مسافت طے کرنے کا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اسکو تضرع  
اوقات کی خوب فرصت مل جاتی ہے پس اپنے مقاصد اور مذاق و رجحان طبیعت کے لحاظ سے  
مسافر کو سفر کے ان دونوں طریقوں میں سے ایک کے انتخاب کرنے میں بہت کم وقت  
کا سامنا ہوگا۔ اگر اوسکی یہ خواہش ہو کہ رستہ میں کہیں قیام کے بغیر آگے بڑھا چلا جائے  
اور وہ سفر کی صعوبتوں کے برداشت کرنے سے جھجکتا نہ ہو اور اچھا تو مند و مستعد بھی ہو تو  
وہ سواری چارہ کو ترجیح دیگا۔ بخلاف اسکے اگر اسکے ساتھ عورتیں ہوں یا پورا کنبہ ہمراہ ہو  
یا سواری کی اوسے زیادہ مشق نہ ہو یا تفحص و تحقیق کی غرض سے اوسے آہستہ سفر کرنا ہو یا  
اگر وہ شام سے کترانے کا خواہش مند ہو (کیونکہ ایران میں ڈاک چوکیوں کی سڑکیں



ایک درجن سے کم بہن اور خاص خاص شاہراہوں سے متعلق بہن) تو وہ کاروان کے ذریعہ سے سفر کرنا پسند کرے گا۔ دونوں صورتوں میں غالباً اوسکے لئے بھی امر قسین مصلحت ہوگا کہ طہران تک بہ سرعت مکتہ سفر کرے وہاں پہنچ کر آئندہ کے سفر کے متعلق وہ تجویزین قائم کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ یہ انتظام کر سکتا ہو کہ اوسکا کوئی دوست پایہ تخت سے ایک غلام کو بھیج دے جو اسے انزلی یا رشت میں آٹے تو اوسے اوس عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی جس میں بصورت آخری اوسے ایک اجنبی قوم اور ایک غیر زبان کے ساتھ ابتدائی کشمکش کرنے کے باعث مبتلا ہونا پڑتا اور ایرانی چا پار خانوں اور بارگروں سے سابقہ پڑنے کے جانکاہ امتحان کی سختی اوسکے لئے کسی قدر کم ہو جائے گی۔ اس رائے کی تائید میں جب ذیل دلائل بھی پیش کیج سکتی ہیں۔

اول یہ کہ اوسے رشت سے کوہ دم تک جو اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے گاڑی مل سکتی ہے اور اس لئے ہزار بہنیں کہ وہ سفر سواری اسپ کوہ دم سے پہلے شروع کرے۔ دوم یہ کہ رشت اور طہران کے درمیان ڈاک کی چوکیوں کی حالت ساز و سامان کے اعتبار سے دوسری رستوں کی چوکیوں کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

سوم یہ کہ ان چوکیوں کے گھوڑے ایسے تہ حال اور قابل نفرین نہین جیسے کہ دوسری چوکیوں کے بلکہ اوس سے بدرجہا بہتر ہیں۔

چهارم یہ کہ توہین پہنچ کر اوسے گاڑی مل سکتی ہے جس میں بارہم تمام وہ پایہ تخت تک باقی سوسل کا سفر یورپین طریقہ کی ایک ہی سڑک پر جو اس ملک میں پائی جاتی ہے سٹے

کر سکتا ہے۔

## سواری چار کا خرچ

س ضمن میں یہ بیان کرنا خالی از قاعدہ نہ ہو گا کہ ڈاک کے گھوڑوں کا کرایہ ایک گھوڑے کے لئے ایک "قران" (پنس) فی فرسخ (جسکے اندازاً ۳ میل سے لیکر چار میل تک ہوتے ہیں) ہوتا ہے کم سے کم تعداد گھوڑوں کی جو ایک مسافر کو مطلوب ہوتی ہے ایک تو اپنے لئے ہے ایک اپنے دلی ملازم کے لئے اور ایک چار شاگرد یا دیگر کے لئے جو مسافر کو دوسری چوکی تک پہنچا کر گھوڑوں کو اپنے آگے ہانکتا ہوا واپس لے آتا ہے۔ اگر مسافر کے ہمراہ بہت سا سامان ہو تو ایک اور یا دو کی بھی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس ٹیٹو کی شوخیان کچھ عجیب انداز کی ہوتی ہیں۔ ساریل ایسا ہوتا ہے کہ لگام اسکے منہ میں دیکر اگر لیجا چاہو تو چلتا نہیں اور جب ذرا موقعہ پاتا ہے تو ترنگ میں آکر دو لیتان جھاڑتا ہوا سڑک چھوڑ کر جنگل میں بھاگ جاتا ہے اور تعاقب و تلاش کے بعد اسے کوڑے مار کر واپس لانا پڑتا ہے اور اس سے سفر میں اس قدر ہرج اور طبیعت اس قدر برہم و آشفتہ ہوتی ہے کہ بہت کم شخص ایسے ہونگے جو اپنے سفر کو ایسے غیر محدود و بطور پر بڑھانے کے بجائے

۱۰ ہندوستان میں آج کل پاؤنڈ کا جو ہوا ہے اس کے حساب سے پنس ۷ کے مساوی ہوتے ہیں۔ (مترجم)

۱۱ بہترین اصول یہ ہے کہ اگر کاروان کے ذریعے سفر نہ کرنا ہو تو یہ بین ملازم ہمراہ نہ لے جائے۔ یہ حالت سفر ذریعہ کاروان اس کے ہمراہ لانے سے قافلہ میں صرف ایک متنفس اور بڑھ جاتا ہے حالانکہ اس کے وجود سے بہت کچھ قاعدہ اور آرام مل سکتا ہے۔

بہنایت خوشی سے اپنی سلمان مین اتنی کمی نہ کر دین کہ باربر۔ اری کے لئے علیحدہ ٹٹو کی ضرورت  
 ہی نہ پڑے۔ اسکے علاوہ جیسا کہ مین ابھی بیان کر چکا تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جن تین گھوڑے کا ذکر اوپر کیا  
 گیا ہے وہ اس قدر سامان کیونکر لے جاسکتے ہیں۔ ہر منزل کا کرایہ ”چاپارچی“ یعنی ڈاک منشی کو چاہا  
 خانہ مین جہاں تازہ دم یا بولے جاتے ہیں پیشگی دینا پڑتا ہے اور ہر منزل کے ختم ہونے پر  
 بارگیر کو جو تمبارے ہمراہ آیا ہو۔ اگر معمولی منزل ہو تو ایک قران اور اگر بہت لمبی منزل ہو تو دو  
 قران انعام کے طور پر دیتے پڑتے ہیں۔ مین نے بارہ سو میل سے زیادہ کا سفر انہیں  
 ڈاک کے گھوڑوں پر کیا اور ان بارگیر دن کو ہمیشہ انعام دیتا رہا لیکن ان حضرات کی رکھائی  
 اور بے اعتنائی کچھ ایسی ہے کہ انعام لینے سے جو سرت انگیز کیفیت دل میں پیدا ہوتی  
 ہے اس سے بھی یہ متاثر نہیں ہوتے اور ان مین سے کسی نے اتفاقی طور پر بھی اظہار  
 شکر و منت نہیں کیا۔ چونکہ ایرانی مسافروں سے انکو کبھی کچھ نہیں ملتا۔ اس لئے میرا خیال ہے  
 کہ جب کوئی یورپین انہیں انعام دیتا ہے تو وہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور  
 سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسکو خوب الو بنایا۔ چاہا خانہ مین جہاں مسافر شب باش ہوتا ہے اور  
 جہاں اسے باقی ایڈمن اور ممکن ہو تو دودھ اور انڈے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ڈاک  
 منشی کو صبح کے وقت روانہ ہونے سے قبل اسکی خدمت کی نوعیت کے لحاظ سے دو سے  
 لیکر چار قران تک دینے پڑتے ہیں۔ سوائے سلمان رسد کے خرچہ کو چورسہ مین دیہات  
 سے خریدا جاتا ہے باقی مصارف بس ہی ہیں۔ اور اسکے لئے کئی سو قران جو باکو مین ایک  
 قران یا دو قران کے سکون کی شکل میں مل سکتے ہیں۔ یا طہران سے منگوائے جاسکتے ہیں

ضروری ہیں۔ انہیں کیسوں میں ڈالکر سوار بالعموم اپنے قبور میں رکھ لیتا ہے اور اگر سفر  
 لمبا ہو تو انکی وجہ سے نہایت تکلیف ہوتی ہے لیکن اور کسی سکہ کا رواج نہ ہونے کے باعث  
 ادائیگی کی اور کوئی سبیل ممکن نہیں ہے۔ مسافروں کو ان ابتدائی ہدایات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو  
 سفر اوسکے سامنے ہے اگرچہ اوس میں آرام نہیں لیکن وہ سنا ضرور ہے۔ پس رشتہ  
 پاکوہ دم میں پہونچنے پر اوسے چارے سے کہ ڈاک گھر میں جا کر وہاں سے اپنا تذکرہ یعنی گھوڑوں  
 کی ڈاک کے ذریعہ سے سفر کرنے کا اجازت نامہ حاصل کر کے بجلیت ممکنہ روانگی کی تیاری  
 کر دے۔ کہیں وہ ایسا نہ کرے جیسا کہ میرے ایک دوست نے کیا تھا کہ ایک شروع  
 مزار کو طلب کر کے یہ کھا کہ سامان ہوٹل میں لیچلو۔ رشتہ میں ایک انگریزی اور نیز ایک روسی  
 قونسل متعین ہے۔ انگریزی قونسل کچھ عرصہ سے یہاں موجود نہ تھا لیکن حال میں ایک نیا انگریزی  
 قونسل مقرر ہو کر آگیا ہے پس اگر اعتماد ہی کی ضرورت پڑے تو ایک ہوٹل سے یا محکمہ پاسبان  
 کہ وہ سرکاری شان اور حیثیت رکھتا ہے چارہ جوئی کیجا سکتی ہے۔

### راستہ کی کیفیت

رشتہ اور طہران کا درمیانی علاقہ سرسری طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔  
 اول جنگل کا وہ قطعہ جو رشت سے پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے اور جو اوس گنجان جنگلوں سے  
 ڈھکے ہوئے وسیع طبقہ کا ایک جزو ہے جو مغرب میں تالیش سے شروع ہو کر مشرق میں

لے اسپرٹل تک کے حال میں بیگ فوٹ جاری کئے ہیں لیکن چونکہ انہیں صرف انہیں شہروں میں رہنا جاسکتا ہے  
 جہاں کہ ادھکا اجراعل میں آیا ہو اس لئے مجھے شہر ہے کہ آیا ڈاک کی جو کیون میں ہی فوٹ ہے لئے جاسکتے ہیں یا نہیں۔

اسٹر آباد تک چلا گیا ہے اور ساحل بحیرہ اخضر کی عریض دہاری میں چار سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔

دوم۔ کوہستان البرز کی وہ شاخیں اور اسکا وہ اصلی سلسلہ جکار تقاع درہ البرز کے بلند ترین حصوں میں سطح سمندر سے ۷۰۰۰ فٹ سے بھی زیادہ ہے۔  
سوم۔ وہ سطح مرتفع جو جانب جنوب واقع ہے اور جو قزوین سے ڈبلتی ہوئی طہران کو چلی جاتی ہے۔

رشتہ اور قزوین کے درمیان مفصلہ ذیل منزلیں ہیں۔

نام مقام	فاصلہ بحساب سرخ	فاصلہ بحساب میل (تخمیناً)
رشتہ سے کوہ دم	۶	۱۶
کوہ دم سے رستم آباد	۵	۱۸ $\frac{۱}{۲}$
رستم آباد سے منجیل	۵	۱۷ $\frac{۱}{۲}$
منجیل سے پے چنار	۵	۱۳
پے چنار سے مزرعہ	۵	۲۰
مزرعہ سے قزوین	۵	۲۱
میزان	۳۱	۱۰۶

۱۔ زمانہ حال کے مفصلہ ذیل مصنفوں نے سفر طہران براہ انزلی کی کیفیت تلمین کی ہے۔ ای۔ بی۔ ایسٹوک (۱۸۹۰ء) "جرنل آف اسے ڈپلومیٹ" (ایک بغیر کاروٹاچہ) جلد اول صفحہ ۲۹۳ الخ و جلد دوم صفحہ ۱۳ تا ۱۴۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۔ کرنل ویلیٹائن بیکر (۱۸۷۳ء) "کلاؤڈس" ان وی لیٹ، "رگھتاش شرق میں" (صفحہ ۱۲)  
 تا ۳۱۷ اسے آرٹیکل ۷۷ (۱۸۷۳ء) "تھریڈ پریشیا یانی کا ردان" (سفر ایران بذریعہ کاروان) جلد اول فصل ہشتم نمبر دوم  
 سفرنامہ اسے ایچ شندلر (۱۸۷۳ء) جلد چارم، جیمس میگلر (۱۸۳۵ء) "جرنی تہرہ و خراسان"، "د سفر خراسان"  
 جلد دوم صفحہ ۷۹ تا ۸۰ ای۔ اوڈا (۱۸۷۳ء) "دی مرو ادوس" (گلشن مرو) جلد اول صفحہ ۳۷ تا ۳۸ ای۔ آر سال (۱۸۸۲ء)  
 "لے کا کس اسے لا پارس" (از قاف تا بہ فارس) فصل یازدہم تا پانزدہم۔

۷۲ کل فرسخوں کو اگر چار سے ضرب دیا جائے تو کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ حاصل ضرب اصلی میلون کی تعداد کے سادگی  
 ہو جی کہ یہ سے کہ فرسخ چاریش کی اکائی ہے اور اس لئے اس کی محسوب نہیں ہوتی۔ مثلاً ۱۲ میل کے بھی  
 چار فرسخ ہوں گے اور ۱۶ میل کے بھی ۴ ہی اور اسی حساب سے ادھاکرا یہ دینا پڑے گا۔ اس کے علاوہ فرسخ کا طول ملک  
 کے مختلف حصوں میں زمین کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور اہل ایران ایک فرسخ کی قیاسی اوس  
 قاصد سے کرتے ہیں جو ایک لہا ہوا چتر ایک گھنٹہ میں طے کر لے۔ چنانچہ پہاڑی علاقہ میں فرسخ بالعموم تین میل سے  
 زیادہ نہیں ہوتا حالانکہ میدان میں بعض دفعہ چار میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ لفظ فرسخ جیسا کہ لکھے پڑے لوگ  
 جانتے ہیں قدیم فارسی لفظ پارہ سنگ کا معرب ہے جسے یونانی *Parasenos* لکھتے ہیں۔ اور خیال کیا  
 جاتا ہے کہ اس وجہ تسمیہ نگہ یعنی پتھر میں جو سرے کے کنارہ مقررہ فاصلہ پر طور نشان رکھ دئے جاتے ہیں جو میدان  
 کی مقدس کتاب زنداوت میں ایک مقام پر اس اصطلاح کی یہ خارج از تعین تعریف درج ہے: "فرسخ اوس  
 فاصلہ کہ کہتے ہیں جہاں سے ایک دور میں شخص ایک اونٹ کو دیکھ سکے اور یہ بتا سکے کہ وہ اونٹ سفید ہے  
 یا سیاہ"۔ بخلاف اسکے ارستان میں معیار فاصلہ کا تعین نظر کی وساطت سے نہیں کیا جاتا بلکہ آواز کے توسل  
 سے اور وہاں فرسخ سے مراد ہوتا ہے وہ فاصلہ جہاں سے نغارہ پر چوب پڑنے کی آواز سنائی دے سکے۔  
 حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اصل پارہ سنگ بابل کا ایک قدیم پتھر کا پیادہ تھا جو بابل کی رہبر مینی ہے جو ۱۲۳۵  
 میل کے سادی ہوتا تھا۔ لیکن زمانہ حالی کے فرسخ کو اس کے ساتھ اسی نسبت سے تعین کیا ہے جس نسبت  
 سے کہ آج کل کا رگ مختلف ہے۔ اسکی اوسط مقدار ۳۷۵ میل ہے جو بابل کے شاہی رگ کے مطابق ہے  
 دیکھو یادداشت متعلقہ طول فرسخ تہرہ جرنیل اسے۔ ایچ شندلر و مندرجہ "پروسیہ ٹگس آف دی رائل  
 جاگرفیکل سوسائٹی" سلسلہ جدید جلد دوم صفحہ ۵۸۲ الی ۵۸۸ مطبوعہ ۱۸۸۵ء

## رشت سے قزوین تک کا سفر



رشت سے روانہ ہو کر مسافر کو اول اوس طبقہ میں سے گزرنا پڑتا ہے جو کہنی  
 و رختون سے ڈھکا ہوا ہے۔ سڑک ایک جنگل کو کاٹتی ہوئی جاتی ہے جس میں اگرچہ  
 عفونت انگیز اجڑے اُٹھتے ہیں مگر شکار کثرت سے دستیاب ہوتا ہے۔ یہاں نہ صرف  
 خرگوش لومڑی قیتز اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے جانور جن سے ہم انگلستان  
 میں بخوبی آشنا ہیں۔ ہلکے ملتے ہیں بلکہ بھیڑے چرخ۔ گیدڑ۔ چیتے۔ شیر۔ سیاہ گوش۔  
 اور جنگلی سور بھی پائے جاتے ہیں۔ بحیرہ اخضر کے ساحل کے علاقہ کے شیر بالعموم آدم  
 خوار نہیں ہوتے ان میں سے اکثر کا قد بہت بڑا ہوتا ہے۔ میں نے ایک شیر کی کھال جو  
 رشت کی نواح میں مارا گیا تھا دیکھی اور ایک مشہور ہندوستان کے شکاری نے بیان کیا  
 کہ جب قند کہا لیں شیروں کی اوس نئے ہندوین دیکھیں ان سب میں یہ بڑی تھی۔ چونکہ جنگل  
 اس قدر گھٹنا ہے کہ اوس میں نفوذ ممکن نہیں اور اسلئے علاوہ یہاں کے اجرات فاسد  
 تپ اور ہیں۔ اسلئے یورپ کے قرب و جوار میں جو چند شکار گاہیں انگریزوں کی دستبرد سے  
 بچ رہی ہیں ان میں اسکا بھی شمار ہے۔ کوہستان البرز میں بلندی پر جا کر بڑے بڑے  
 جانوروں کا شکار جو مرتفع مقامات میں رہتے ہیں دستیاب ہوتا ہے۔ یعنی جنگلی بکریاں  
 پہاڑی بھیڑیں اور عظیم الجثہ ریچھ۔ بارہ میل کی مسافت کے طے کرنے کے بعد  
 چڑھائی شروع ہو جاتی ہے اور کوہ دم سے روانہ ہونے کے بعد بڑک بہت تیلد پہاڑی علاقہ  
 میں داخل ہوتی ہے۔ سڑک کے اس حصہ پر کسی زمانہ میں گول سنگریزوں کا فرش ہوتا

تھا لیکن ایران کی اکثر دوسری چیزوں کی طرح یہ سڑک بھی اب برباد اور ویران ہو گئی ہے اور ترختون بن اسکی حالت دلدل سے بہتر نہیں حسین مسافر پھنس جائے تو وقت سے نکل اور جہان پر اتار شروع ہوتا ہے وہاں اسکی شکل بجائے ایک تدریجی ڈھوان کے آئینہ سے مشابہ ہے۔ کوہ دم سے گذر کر سفید رود کا بایان کنارہ آتا ہے اور دلفریب منظر و زمین سے گزرتے ہوئے جہان جنگلوں کے درمیان سہانے مرغزار اور گھاٹیوں بکھرے ہوئی زمین دریا کے کنارے کنارے تمام آباد تک جاتے ہیں۔ یہاں سے بلندی شروع ہو جاتی ہے اور تہات کا وجود مفقود ہونے لگتا ہے۔ جنگل کے گجان درختوں کے بجائے زیتون کے پودے نظر آنے لگتے ہیں اور بالآخر چھوٹی چھوٹی کانٹے دار جھاڑوں کے کہیت دکھائی دیتے ہیں۔ نظارہ زیادہ وحشت افزا اور مہتمم بالشان ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ منجیل کی منزل پر پہونچنے سے کچھ دور پہلے دریا کو ایک ساتھ محراب والے پل کے ذریعہ سے عبور کرنا پڑتا ہے جو جا بجا ٹوٹا ہوا ہے اور جسپر بعض دفعہ ہوا درہ کی تنگی سے تنگ ہو کر غصہ سے سائین سائین کرتی ہوئی پھیل پھیلے مارتی ہے۔ منجیل اور پلے چنار کے مابین سڑک اول اوٹن کے پل تک شاہ رود کے کنارہ کنارہ جاتی ہے اور وہاں سے دریائے پلے چنار کے ساحل کا دامن تہاے ہوئے جو سفید رود سے ملتا ہے آگے بڑھتی ہے اور یہاں سے بعد وقت بخت نصیبت زانشیب و فرزان کے صدمے سہتی اور وحشت افزا چٹانوں اور کڑھاروں کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرتی آہستہ آہستہ درہ ضریران پر سطح سمندر سے ۵۰۰ فٹ بلند جا پہونچتی ہے جہاں کے موسم میں



یہ مقام نہایت خوفناک ہو جاتا ہے۔ کئی کئی دن تک برف اس قدر کثرت سے کہتی ہے اور جن اونٹوں اور چروں کی ہڈیوں کے ڈھیر اسکی سفاک و بیدرو سطح پر بکھرے پڑے ہیں۔ اون کی تعداد ان گنت ہوگی۔ پھر بھی اتنا غنیمت ہے کہ یہاں ایک گائون اور ایک بڑی کاروان سرا واقع ہے۔ یہاں سے اس سلسلہ کوہ کے زادیۃ الرا اس پر پہنچنے کے بعد دوسری طرف مزرعہ تک اتار ہی اتار ہے۔ مزرعہ ایک ایرانی گاؤں ہے جو اون نفرت انگیز کھٹلون کی وجہ سے مشہور ہے جنہیں ایرانی کہی غریب گز اور کہی شب گز کہتے ہیں اور جنکا علمی نام زبان لاطینی میں آرکاس پریکس ہے۔ سفر ایران کے جقدر مصائب و آلام ہیں اونہیں یہ کھٹل بھی ایک بڑی مصیبت ہیں۔ موضع آغا بابا سے گزرنے کے بعد ہوا زمین آجاتی ہے اور مسافر اپنے خستہ ماندہ گھوڑے کو مہینہ لگا کر بے اختیار پوہ میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ جلدی سے قزوین میں جو کسی زمانہ میں ایک بڑا آباد شہر ہوتا تھا اور جسکے وسیع انگوروں کے باغ اور میوون کے حدیقے اوس کی نظر کے سامنے ہیں۔ پہنچ جائے

## قزوین

قزوین جسکی آبادی چالیس ہزار بیان کیجاتی ہے۔ لیکن جو غالباً اس عدد کی دو تہائی سے زیادہ نہیں پہلا بڑا شہر ہے جس میں مسافر دار دہوتا ہے۔ اسکو دیکھ کر اوسکے دل میں ایران کے بطور نو نہ پیش کئے جا سکنے والے شہر کا جسکی مہبت سی مثالیں اوسے آگے چل کر ملین گی۔ تصور پیدا ہو سکے گا۔ ایران کے اکثر بڑے شہروں کی طرح قزوین کو بھی

اپنے زمانہ میں اصفہان شیراز۔ طہران۔ تبریز۔ سلیمانہ۔ اردبیل۔ نیشاپور اور مشہد کی طرح ایران کے پایہ تخت ہونے کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن اپنے اکثر ساکھوں کی طرح اسکی عظمت و شان کا آفتاب بھی اب غروب ہو گیا ہے اور غیر آباد عمارتیں اور بوسیدہ کھنڈر زبان حال سے اوس مقام کی داستان بیان کر رہے ہیں جس میں کبھی زندگی کی چھل بھل کی رونق نظر آتی تھی اور جو شہنشاہانہ تزک و احتشام کے زیور میں سرنا پیا عرق تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کی بنیاد پورٹانی ذوالاکتافؑ نے ڈالی اور یہ منجملہ اون مقامات کے تھا جنہیں مشنہ عین جن صباح اوس جماعت کے مشہور و معروف سردار نے جو حاشین کے لقب سے تعبیر کی جاتی ہے مسخر کیا۔ جن صباح کا عربی خطاب شیخ الجبل تھا جو عیسائی کے محاربات صلیبی میں شریک تھے اونہوں نے اس لفظ کا ترجمہ یورپ میں جا کر پہاڑی بڑھا کیا۔ چنانچہ یورپ میں جن صباح پہاڑی بڑھے کے نام سے مشہور ہے۔ اوس نے اپنی جماعت میں مریدوں کے جمع کرنے کا جو عجیب طریقہ اختیار کر رکھا تھا اوسے مارکو پولو نے

۱۵۔ اسٹوک (جلد اول صفحہ ۲۱۲) کہتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد سلیمان بن ہشام پورٹانی کی حکومت کا زمانہ مسلمانوں سے لیکر ۳۷۹ء تک کا ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قزوین کا بانی شاپور اول (۲۲۶-۲۷۲ء) تھا۔ تہا قدیم مورخین نے قزوین کے جو حالات لکھے ہیں اونکے لئے دیکھو تصانیف اصطخری (ڈبھی رگنوم) صفحہ ۲۱۱۔ یا قوت (ڈکشنری جاکوفیک) (نفات جغرافیہ) صفحہ ۴۳۵-۴۴۱) اور ناصر خسرو (سفرنامہ) صفحہ ۴۱۱۔ چارلس شفر نے سفرنامہ ناصر خسرو کو طبع کیا ہے اور اوس کے صفحہ ۱۲ پر قزوین کے مقامی مورخین کے ناموں کی فہرست دیج کی ہے جن میں سے بعض نے نہایت شہرت حاصل کی۔ اس صفحہ میں تاریخ قزوین مصنفہ بی۔ ڈی۔ مینارڈ (۱۸۷۸ء) بھی دیکھو۔

دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اوسکا ناقابل محاصرہ قلعہ الموت (یعنی آشیانہ عقاب) یہاں سے صرف تیس میل کے فاصلہ پر پہاڑوں میں واقع تھا۔ قزوین شاہان خاندان صفویہ کے زمانہ عروج میں اپنی شہرت اور عظمت کے نصف النہار پر پہنچا۔ اس خاندان کے دوسرے بادشاہ طہارپ اول (۱۵۷۶-۱۶۲۹ء) نے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا جسکی وجہ مورخین نے مختلف طور پر بیان کی ہے بعض کا قول ہے کہ وہ تہریز کو ترکوں کی دستبرد سے بچانے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے اوس نے اپنا دار السلطنت قزوین میں منتقل کر دیا اور بعض کی رائے ہے کہ وہ اردبیل سے جہان اوسکے خاندان کی فلاکت و رذالت کو سب جانتے تھے کچھ دور چلا جانے کا خواہشمند تھا اس لئے اوس نے قزوین کو اپنا دار الحکومت بنالیا۔ پچاس سال تک دار السلطنت رہ کر قزوین نے آخریہ دولت امتیاز اصفہان کے حوالہ کی کیونکہ شاہ عباس اعظم کو اپنے وسیع ممالک کے لئے ایک جنوبی پائنتیہ زیا وہ موزون اور بہتر مرکز معلوم ہوا۔ پیٹرو ڈیلا ویلی اطالیہ کا سیاح شاہ عباس کے حین حیات

۱۵ قلعہ الموت کو (جو فخر و وسوسہ کے بعد اسکے بھائی کو خان سفلی نے اوسے سزا اور منہدم کیا اور نو تعمیر کیا گیا) بعد کے زمانہ میں خاندان صفوی کے بادشاہوں نے بڑے درجہ کے معتبہ شخصوں کا قید خانہ بنا رکھا تھا جب اونکا وجود ناگوار گذرتا تو وہیں اوس بلند چٹان پر سے جیسر قلعہ بنا ہوا ہے نیچے گرا دیا جاتا۔ -  
دیکھو چارٹوں کی تصنیف (مطبوعہ انگلستان) جلد نم صفحہ ۱۱۵۔ حال کے زمانہ میں قلعہ الموت کے جو حالات لکھے گئے ہیں ادنیٰ کے لئے دیکھو سر جے شیل کا مضمون "طہران و الموت" (طہران سے الموت تک کا سفر) سندرہ رسالہ جاگرنیکل سوسائٹی جلد ہشتم صفحہ ۱۳۰۔

۱۶ دیکھو پیٹریز لاسٹ "فرانسس گمشدہ" باب دہم سطر ۳۳۳ تا ۳۳۶ مصنفہ ملٹن۔

۱۶۱۵ء میں عین یہاں تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ سوائے بادشاہ کے محل کے پہاٹک اور  
 بڑے میدان یا چوک کے اور مجھے یہاں ایسی کوئی شے نظر نہیں آئی جو شاہانہ سکونت  
 کی شان کے زیب دینے والی ہو۔ بخلاف اسکے سرٹاس ہر برٹ جو اس سفارت کے  
 ہمراہ بطور مورخ کے مقرر ہو کر آیا تھا جسے شاہ چارلس اول نے بہ سرکردگی سرٹاڈ مور کاٹن  
 عباس اعظم کے پاس بھیجا اور جو سربراہ برٹسٹرلی اور سرٹاڈ مور کاٹن کے ساتھ (بجائے اسکے  
 کہ ۱۶۲۷ء میں بمقام شرف شاہ ایران کے پاس اونکے باریاب ہونے سے کوئی مفید نتیجہ  
 نہیں پیدا ہوا) یہاں آیا بیان کرتا ہے کہ باستثنائے صفایانہ لٹخلت و شان کے لحاظ  
 سے قزوین سلطنت ایران کے دوسرے کسی شہر سے کم نہیں اس کی تفصیل کا دور رسات  
 میں اور اسکی آبادی دو لاکھ ہے۔ یہاں بیچارے سربراہ برٹسٹرلی نے اس عتاب کی  
 وجہ سے جکا او سے مور د بنایا گیا کٹرہ کٹرہ کر اور بادشاہوں کی تلون مزاجی کا خیال دلیں  
 لانے سے غم کہا کہا کہ ۱۶۳۷ء جولائی ۱۳ء کو جان دی اور اسے دروازہ کی دہلیز کے ستلے  
 دفن کیا گیا اور چند ہی دن کے بعد اسکا رفیق سرٹاڈ مور کاٹن بھی عرض پیش میں مبتلا ہو کر

۱۷ ہر برٹ نے ناموں کے سچ کرنے میں صحت کا خیال نہیں کیا بلکہ جو آوازا اسکے کان کو پہلی معلوم ہوئی اس کے  
 لحاظ سے اسنے اسکا تلفظ لکھنے میں ادا کیا۔ مثلاً جلع کا او سے جلیفینا بنادیا۔ طہران کا ٹائی روتان لیری جان آ  
 اور بادشاہ کا پاٹ شاگرتہ صدی میں انگریزی کا رخاۓ کے اہلکار شاہ طہاسپ کو شاہ ٹامس کر کے لکھتے تھے  
 انگلستان میں اس سوتیانہ نام کو سنکر بلاشبہ لوگ یہ کہتے ہو گئے کہ اسین تو کوئی شہنشاہ بادشاہ نہیں پائی جاتی۔

۱۸ میں ہر برٹ کی نرالی اور ان کی طرز تحریر کی مثال پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا وہ لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے وہ نام چنانچہ  
 ظہور میں آئیں۔ نہیں نہیں میں غلط کہا! سچے یون کہنا چاہیے ہوتا کہ یہی اس ناوک اہل کے لگنے کا باعث ہوا

انتقال کر گیا۔ چارڈن جو نصف صدی بعد ۱۷۴۷ء میں قزوین آیا بیان کرتا ہے کہ اسکی  
شہر پناہ کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں اور وہ تمام ساز و سامان جس سے ایک عالیشان دربار  
کا ترک و احتشام نمودار ہوتا تھا ناپید ہو گیا ہے لیکن پھر بھی اس میں بارہ ہزار مکانات اور ایک  
لاکھ کی آبادی موجود ہے اور امر و اعراس کے محلوں سے جو نسلاً بعد نسل باپ سے  
بیٹے کو ترکہ میں پہونچتے رہے ہیں ابھی تک اس میں ایک خاص شان پائی جاتی ہے۔<sup>۵۳</sup>  
۱۷۲۲ء میں افغانوں اور ۱۷۲۵ء میں نرگون نے اسکو فتح کیا اور اوس وقت سے لیکر اب تک  
نرگون کی وجہ سے اسے بہت بڑا نقصان پہونچتا رہا ہے۔ اس کے عہد سلف کی عظمت  
و شان کو وہ شاہی محل جسے طہماسپ نے تعمیر کیا تھا اور جس میں عباس اعظم نے تجدید و ترمیم  
کی یاد دلاتا ہے۔ یہ محل اب ویران حالت میں ہے لیکن اس کا عالیشان دروازہ جسے

نوٹ متعلقہ صفحہ ۷۷ جس نے اسکو آگے بڑھنے سے روک دیا کیونکہ ۱۳۱۳ھ کو اس نے اپنی مصیبتوں کے نازک  
رشتہ سے قطع تعلق کیا اور دنیا کے اس مرحلہ بے فحاش سے کوچ کر کے داعی اجل کو لبیک کہا ”سہم ایس ٹریول“ (چند  
سال کا سفر نامہ) طبع سوم صفحہ ۲۱۲۔

۱۷۷۱ء اسطرح کی بددیون اور مخالفت طبایع کی مخالفتوں اور چودہ دن تک مرض چش میں مبتلا رہنے کے باعث (جسکی  
وجہ میرے خیال میں حد سے زیادہ میوہ کا استعمال اور طارس کی ہوا کی حد سے زیادہ سردی تھی ہمارا متقی اور مؤثر  
سفیر سر ڈاؤ سور کاٹن ۲۳ جولائی کو اس دنیا سے فانی سے عالم عاودانی کی طرف رخصت کر گیا ”سہم صفحہ ۲۱۳

۱۷۷۵ء دیکھو سفر نامہ حصہ دوم صفحہ ۳۸۲-۳۸۸۔ نیز دیکھو قزوین کے حالات مرقومہ پاورسی جان کارٹ رائٹ مندرجہ  
”پرکاس پلگرس“ جلد ثانی باب ہفتم فصل چہارم جو اس نے سنہ ۱۷۷۱ء میں قزوین کے جان اسٹرایز نے بھی لکھا  
میں قزوین کے حالات لکھے ہیں جو اس کے سفر نامہ کی جلد ثالث کی چودھویں فصل میں درج ہیں۔

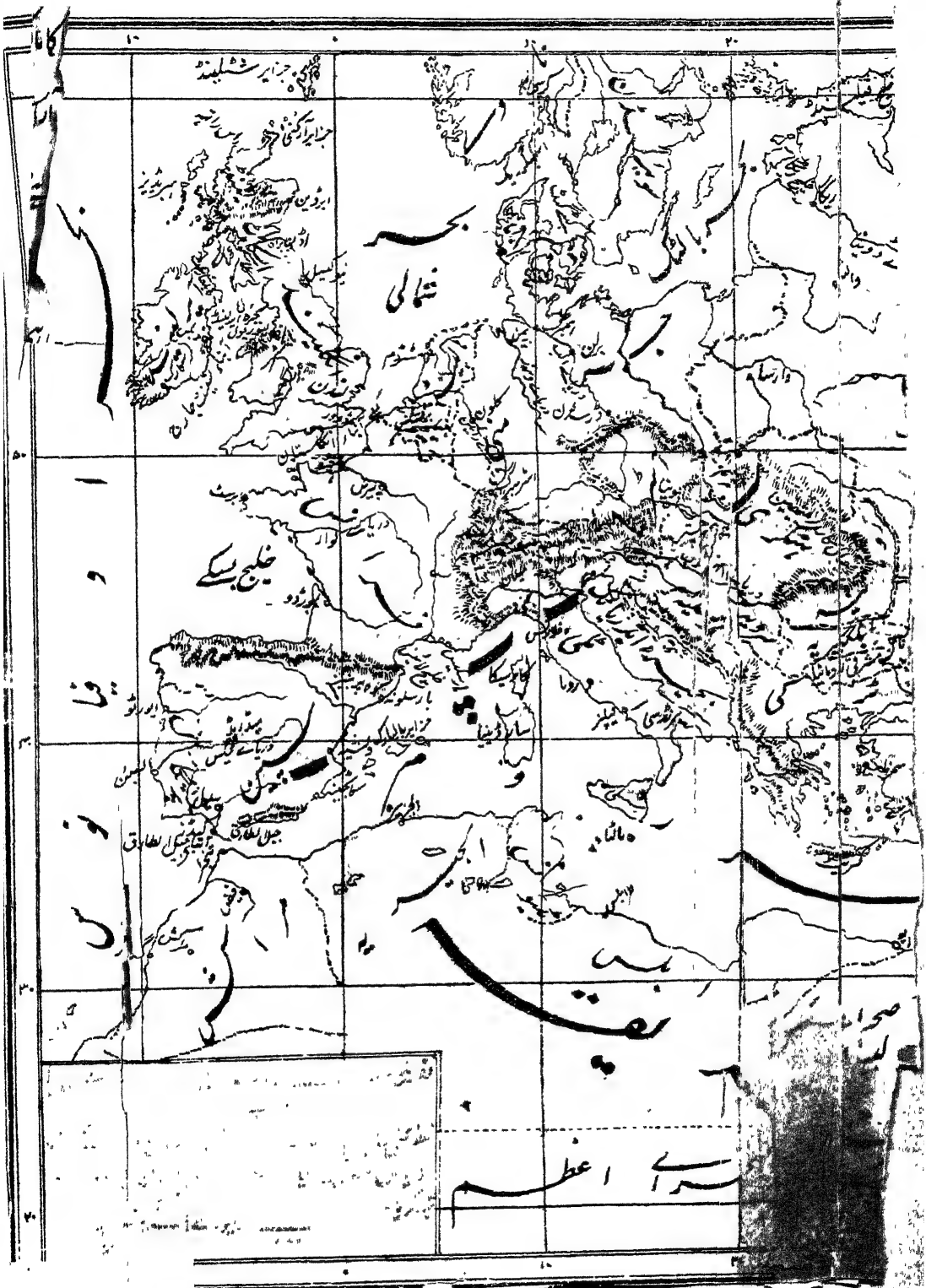
علیٰ کہی کھتے ہیں اصفہان کے محل کے رفیع القدر دروازہ کی طرح ابھی تک بحالت اصلی موجود ہے مسجد جامع جسے ہارون الرشید نے آٹھویں صدی میں ابتداً تعمیر کیا تھا ایک وسیع عمارت کی شکل میں دو آسمانی رنگ کے کھپرلے والے میناروں اور بڑے بڑے ویران صحنوں کو لئے ہوئے ابھی تک امتداد زمانہ کی مدافعت کر رہی ہے۔ لیکن سب میں بڑی مسجد مسجد شاہ ہے جسے آغا محمد اور فتح علی شاہ نے طہماسپ اور عباس کی قدیم مسجد کے آثار پر از سر نو تعمیر کیا۔ بہر حال گو قزوین کی وہ اگلی سی شان اب نہیں رہی تاہم کئی ایک اعتبار سے یہ اب بھی ایک ممتاز مقام ہے۔ رشت اور تبریز سے طہران کو جو سڑکیں جاتی ہیں اور نیز قم کو جو سڑک گئی ہو۔ ان سب کا اتصال قزوین ہی میں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کے انگور و ن کے باغ جن میں نہایت اچھا انگور پیدا ہوتا ہے اور پارچہ بانی کا کام جو یہاں بکثرت ہوتا ہے اسکی وقعت کو بڑھا دیتا ہے۔ اور انخطاط پذیرفتہ عظمت و جلال کے آثار کے ساتھ تجدید پذیر خوشحالی اور ترقی کے نشانات نظر آتے ہیں۔ شہر کے پہاٹک زمانہ حال کی طرز کے نہایت خوشنما بنے ہیں اور ایک نہایت ہی عمدہ سرائے (جسکے مقابل کی سرائے ایران میں اگر ہے تو ایک اُسے) یہاں موجود ہے۔ اس سرائے کی عمارت جسے مہان خانہ کہتے ہیں ڈاک کی چوکی سے ملتی ہے اور ایک بڑے باغ میں جو کشادہ خیابانوں سے معمور ہے واقع ہے یہ ایک دلکشادہ و منزلہ مکان ہے جسکے آگے ایک

۱۷ یہ وہ سڑک ہے جس پر سے اکثر سیاحوں مثلاً اسٹریٹرز چارٹون۔ لی برن وغیرہم نے سفر ہوئے اور اعجاز ہوئے  
صدیوں میں طہران کے پایہ تخت قرار دے جانے سے پہلے سفر کیا۔

سانبان ہے گہر زرد والی (قرز دین) جب کامکان یہاں سے تھوڑی دور پر ہے اس سہرا کا مالک ہے اور اس کی آمدنی اوسکے پاس جاتی ہے۔ سہرا کے کمرے ساز و سامان سے آراستہ ہیں اور کمانا بھی نفیس ملتا ہے اور مسافر کو عیش و راحت کے یہ لوازم تعجب میں ڈال دیتے ہیں قز دین میں ایرانی اور انڈو یورپین محکمہ جات تار برقی کا ایک مشترکہ دفتر بھی ہے۔ محکمہ ثنائی الذکر تار برقی طہران کو تبریز سے ملاتا ہے اور ایرانیوں کے زیر اہتمام وہ سلسلہ تار برقی ہی جو رشت تک گیا ہے۔

## گاڑی کی سڑک طہران تک

دین کے مہان خانہ سے مسافر کو یورپین وضع کی بے کمائی کی جو پیہ کشتی نما ٹکھی گاڑیاں جن میں جو کڑا لگتا ہے طہران تک باقی کا سو میل کا سفر طے کرنے کے لئے مل سکتی ہیں۔ اوسے چار بیٹے کہ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اوس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ جس سڑک پر سے اور کا گذر ہوگا وہ منجملہ صرف ان دو بنی ہوئی سڑکوں کے ہے۔ جو ایران میں موجود ہیں۔ اور جس با آرام طریقہ سے وہ سفر کرے گا اوس سے پھر کئی مہینوں تک استفادہ نہیں کر سکے گا۔ قز دین سے طہران پورے ۲۴ فرسخ یا ۹۶ میل ہے اور چھ منزلوں میں جو قریباً سولہ سولہ میل کی ہیں منقسم ہے۔ قیام کے مقام جہان اینٹ کی معقول عمارتیں بنی ہیں اور شب بانی کا سامان مناسب طور پر مہیا ہے۔ کاوان وہ کشکک یعنی امام۔ حصارک اور شاہ آباد ہیں۔ یہ فرض کر لینا غلطی میں داخل ہوگا کہ گاڑی کی اس سڑک کو کچھ بھی اوس شے سے مشابہت ہے جسے یورپ میں لفظ سڑک سے تعبیر کیا





جاتا ہے۔ یہ محض زمین کی ایک صاف شدہ عریض دھاری ہے جس پر سے بہتر کنکر بٹاؤ گئے ہیں مگر جس پر نہ تو کٹائی کی گئی ہے اور جسے نہ ہموار کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس کی نظیر شاہراہ پر ۶۴۰ پاؤنڈ (لکھنوی) فی میل کے حساب سے لاگت آتی بیان کی جاتی ہے۔

طهران میں اگر مسافر نے قیام یا فروکش کا انتظام پہلے سے نہ کر رکھا ہو یا اسے کوئی دوست ایسا نہ ملے جو اسے اپنے گھر لے کر آوے تو وہ دو چھوٹے ہوٹلون میں سے کسی ایک میں جا کر ٹھہر سکتا ہے جو بڑے میدان کے قریب ایسے موقع پر واقع ہیں جہاں سے سب مقامات قریب پڑتے ہیں۔ ان ہوٹلون کا مالک ایک فرانسیسی پر پو و نامی ہے جو پہلے شاہ کا طبیب تھا۔

## ڈاک کی سڑک

تدیم ڈاک کی سڑک جس پر (چاپار) اکاشیدائی جانا پسند کرے گا۔ گاڑی کی سڑک کے جنوب کو جاتی تھی اور چاپار خانوں کے نام عبد اللہ آباد، سفرخوہ (جسے سفر خواہ بھی کہتے ہیں) اور شکر آباد اور میان جب ہیں۔ اس راہ پر مقام کریمین جو دو موخر الذکر منزلوں کے مابین طهران سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر ہے ایک محل یا شکار منزل سلیمانہ نامی جو شاہ کی ملک سے ہے اور جسے اس کے پردادا فتح علی شاہ نے ۱۸۱۲ء میں تعمیر کیا تھا واقع ہے

۱۸۱۲ء میں سفرخانہ طهران سے ۱۸۱۲ء میں موریر کے ہمراہ اس راستہ سے واپس آیا (دیکھو موریر کا "موسم سفر" صفحہ ۱۹۹) تو یہ مکان بن رہا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا نام کردستان کے ایک صنعت سلیمانہ کے نام پر رکھا گیا جسکو فتح علی شاہ کے ایک بیٹے نے فتح کر لیا تھا اور جو مال غنیمت اس چڑھائی میں اسی سے اسکی تعمیر کا خرچہ ہوا

سیلیانیہ نہر کریمچ کے کنارہ پر جو کہ ہستان سے منگلتی ہے اور جبکہ مصفی اور پاکیزہ پانی فتح علیشاہ مشکون میں بھر داکر ہر روز طہران منگوایا کرتا تھا واقع ہے اور اس میں دو بڑی بڑی تصویریں آغا محمد علی شاہ اور اس کے بھتیجے فتح علیشاہ کے درباروں کی عبداللہ خان کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی ہیں جو ابتدائی شان قاجار کے دربار کا مشہور نقاش تھا۔

## کاروان کے راستے

ہے کہ جو لوگ کاروان کے ذریعہ سے سفر کرتے ہوں ان کے تے اور نہیں دوسرے راستوں سے جو قزوین اور پایہ تخت کے درمیان میں یہ جا میں اور اس انتخاب کا انحصار موسم اور چارہ کی قیمت پر ہوتا ہے اس قدر اختیاری راستوں کے موجود ہونے سے مسافر کو خود یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ وہ ایسے ملک میں ہے جہاں معمولی طریقہ کے مطابق سفر کین موجود نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کو جدھر سے جانا چاہے جاسکتا ہے۔ اراضیات کے درمیان حد بندی کے نشانات کے نہ ہونے آپاشی کی تالیوں کے سوائے قابل زراعت قطعات زمین میں باڑوں اور کھائیوں کے نہ پائے جانے۔ وسیع سنگلاخ میدانون کے ہر طرف میلون تک چلے جانے اور کہستانی سلسلوں میں بہت سے درون کے موجود ہونے کے باعث جن میں سے مسافر جسے چاہے اپنی راہ بنا سکتا ہے۔ مسافر کو ایران میں بمقابلہ دنیا کے کسی دوسرے آباد ملک

۱۵ اس طمران تک کی سڑک کے حال کے لئے دیکھو "جرنل آف اے ڈپلومیٹ" (ایک سفیر کار ورنامہ) مصنفہ ایسٹنگ جلد اول صفحہ ۲۱۳ الی ۲۱۷۔

کے نقل و حرکت کے اعتبار سے زیادہ آزادی حاصل ہے۔ گاڑی کی سڑک کے راستے سے جو عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے رشت سے طہران تک کے پورے سفر میں اوس سرعت رفتار کے لحاظ سے جو ابتدائی منزلوں کے بذریعہ سواری اسپ طے کرنے میں صرف ہوتین یا چار دن لگیں گے۔

## مسافت



ہاخضر سے ایران کے پایہ تخت کو آنے کا خاص اور آسان ترین راستہ بھی ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔ اگر صورت حالات موافق ہو اور ریل اور جہاز برابر ملتے جائیں تو لندن سے طہران تک پہنچنے میں پندرہ دن لگتے ہیں۔ لیکن اکثر صورتوں میں مسافر تین ہفتہ سے کچھ ہی کم میں لندن سے یہاں پہنچتا ہے۔ اب میں ان راستوں کا ذکر کرتا ہوں جو ایران میں شمال مغرب کی طرف سے داخل ہوتی ہیں اور جنگی اصلی منزل مقصود ایران کا تجارتی پایہ تخت تبریز ہے۔ یہاں سے ڈاک کے گھوڑوں کی ایک سڑک کے ذریعہ سے جس کا طول تبریز سے طہران تک ۳۶۰ میل ہوگا۔ براہ قریبین طہران پہنچے ہیں۔

## دوم راہ تربران و تبریز

یہ دورا سستے ہیں۔ ان میں سے ایک راہ تو وہ کاروان اختیار کرتے ہیں جو روسی مال کے سود و سہ مال تجارت لا کر لیجاتے ہیں اور باطوم کے پیش قرار جنگی کے محصول اور ماوراء النہر کی ریلوے کے کرایہ سے بچنے کے لئے تربران سے جو بحیرہ اسود کے شمالی و مشرقی گوشہ میں ایک ترکی بندرگاہ ہے۔ روانہ ہو کر پانسو میل تک ایک ایسے حصہ ملک

مین سے گزرتے ہوئے جس مین نشیب اور ڈھلوانین برابر چلی گئی ہیں۔ تبریز جا پہنچتے ہیں۔ یہ راستہ جیسا کہ مین آگے چلکر ایک فصل مین جس کا موضوع تجارت ایران ہے بیان کرونگا۔ گذشتہ پچاس سال سے انگریزی مال تجارت کی درآمد کا واسطہ بن رہا ہے بالخصوص ۱۸۳۷ء سے جب سے کہ روس نے علاقہ قاف مین سے اشیاء کے بلا محصول لیجانے کی اجازت کو روک دیا ہے۔ اور اسمین شک نہیں کہ یہ قریب ترین راہ ہے جس سے مال تجارت تبریز پہنچ سکتا ہے۔ لیکن احتمال اس امر کا مقتضی نہیں کہ مسافر اس راستہ سے آنا پسند کرے گا۔ مان اگر راستہ مین وہ ارض روم کے ترکی قلعہ کو دیکھنے یا کر دی یا رمنی معاملات کی مقامی طور پر متقیج کرنے کا خواہشمند ہو تو ممکن ہے کہ وہ بھی راستہ اختیار کرے۔

۱۵ اس راستہ کا حال مندر ذیل کتابوں میں درج ہے ”جرنل آف اے ریڈائنس ان نارورن پرشیا“ (شمالی ایران کے ایک معجم کا روزنامہ) صفحہ ۶۹، الی ۳۸، مصنفہ لفٹنٹ کرنل اسٹوارٹ (۱۸۳۵ء) ”تھالٹ آر مینڈا قارگ“ (زبان فرانسیسی) ہلد اول و دوم مصنفہ چارلس ٹیکسیر (۱۸۳۵ء) ”ٹریولس ان پرشیا“ (سفر نامہ ایران) جلد دوم و سوم حصہ سوم مصنفہ مسٹر ونگمر (۱۸۴۲ء) ”لائٹ اینڈ ڈیو پنچرز“ (حیات و سوانح غربت) مصنفہ ڈیمیری فصل چارم پنجم۔ دہنم (۱۸۶۲ء) اور ”پرشیادی لینڈ آف اماٹز“ (ایران یعنی سرزمین اسیمہ) مصنفہ جے میٹ فصل دوم (۱۸۶۷ء) بہترین اور تبریز کے درمیان کاروان کی منزلوں اور ہر ایک منزل کی مسافت جقدر گھنٹوں میں طے ہوتی ہے ہر ترکی گہنہ یعنی بیانہ وقت ایرانی فرسخ یعنی بیانہ مسافت کے بالکل سادی ہے (یعنی ایک لہ و جانور ایک گہنہ میں جقدر فاصلہ طے کرتا ہے اسکی فہرست حسب ذیل ہے۔

تبریزان سے جوزنک (۶) خمسی کوئی (۵) ارداسا (۸) گمش خانہ (۵) مراد خان (۵) قدرک (۵) بلے برت (۶) توپ دل خان (۶) آتش کا (۶) ایچا۔ (۸) ارض روم (۳) حسن کالہ (۶) امر اکرم (۵) دیلی بابا (۶) تیار (۵) ملا سلیمان۔ (۶) کارا کلیسا (۶) طاشلیچائی (۵) ویادین (۶) قزل دیزہ (۵) اواجک (ایرانی صحر)

## سوم راہ طفلس و تبریز

دوسرا ستودہ ہے جہان سے روسی تجارت کا مال درآمد و برآمد گذرتا ہے اور جسے اکثر شریاح بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ سڑک طفلس کی طرف سے روس اور ایران کے سرحدی مقام جلفا کو جو دریائے ارس پر واقع ہے عبور کرتی ہوئی تبریز آتی ہے۔ زمانہ سابق میں اس راہ پر سڑک سے آئینہ والے مسافر طفلس سے روانہ ہوتے تھے لیکن جب سے کہ خاکنائے قاف میں سے ریل کی سڑک گذری ہے اکتافا کا اسٹیشن جو طفلس سے ۵۰ میل جانب مشرق واقع ہے عام طور پر مسافروں کا مقام روانگی قرار پا گیا ہے۔ یہاں

نوٹ متعلقہ صفحہ ۸۴۔ (۵) کرینہ (۷) زروودہ (۶) پیرہ (۶) خوجی (۳) سید حاجی (۵) تسبہ (۶) ذرا خلیل (۷) میاند (۶) تبریز (۳) یہ کل ۷۲ گھنٹے یا تین میل فی گھنٹہ کی اوسط سرعت رفتار کے حساب سے ۵۱۶ میل ہوئے کرنل اسٹوارٹ نے ۱۸۳۵ء میں اس فاصلہ کے متعلق ۴۹۰ میل کا اندازہ لگایا تھا۔

۵۔ اس وہی معلوم ہوتا ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہیں ۵

اے صبا گر گیزی بر ساحل رود ارس بوسدن برخاک آن دادی مشکین کن نفس

۵۔ طفلس سے تبریز تک کے سفر کا حال مفصل ذیل سیاحوں نے بیان کیا ہے:- سر جے چارڈن (۱۸۱۶ء) مگر بریلو

(سفرنامہ) صفحہ ۲۳۸ الی ۲۵۲ جے۔ پی موریر (۱۸۱۶ء) ”کنڈجری“ (دوسرا سفر) صفحہ ۳۱۰ الی ۴۰۰ سید لطفٹ

کرنل اسٹوارٹ (۱۸۳۵ء) ”جرنل آف اے ریزیڈنس ان تاجران پرشیا شمالی ایران کے ایک مقیم کاروژ نامچے“

صفحہ ۱۴۵ الی ۱۶۹-۱۷۰ بی ایسٹوک (۱۸۳۵ء) ”جرنل آف اے ڈپلومیٹ“ (ایک سفیر کاروژ نامچے) جلد اول صفحہ

۱۴۵ الی ۱۶۸-۱۷۰ ایچ ہونسی (۱۸۳۵ء) ”جرنی مقروءی کاکیس“ (سفر قاف) صفحہ ۵۰ الی ۹۰-۱۷۰-۱۷۱

شندلر (۱۸۵۸ء) ”از ایران تا بربلن“ (زبان جرمنی) جلد تریڈیم ڈیو لافائے (۱۸۵۸ء) ”حالات ایران“

ریل چھوڑ دی جاتی ہے اور گاڑیاں یا گھوڑے کرایہ کر لئے جاتے ہیں۔ اکتافا سے جلفا تک قریباً ۲۵۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مسافر راہ میں ایوان کے دلچسپ شہر کے پیچھے گزرے گا جو روسی آرمینیا کا دار الحکومت ہے اور انجمنیہ زمین کی جو اریٹون کا مذہبی مرکز ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۵ (ریزان فرانسیسی) صفحہ ۱۲ الی ۳۳۔ ایچ بائینڈر (۱۸۸۳ء) حالات کرستان صفحہ ۱۱۷ الی ۱۵۱۔ مؤرخ الذکر کی طرح نے اس سفر کے موجودہ طریقہ طے مسافت کا حال محنت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی اکتافا تک بندہ سواری ریل اور وہاں سے جلفا تک گاڑی میں اور جلفا سے تبریز تک بندہ چارہ۔  
۱۵ فلس سے اکتافا تک ڈاک کی ریل میں ۲۴ گھنٹہ اور مسافر گاڑی میں ۵ گھنٹہ میں پہنچتے ہیں۔ اول درجہ کا کرایہ ۵ روپے ہے۔

۱۵ اس غرض کے لئے ایک تپہ دروہ جنا یا ڈاک کا پروانہ فلس میں لے لیا جاسیے۔ اس سے ڈاک کے گھوڑوں کو کرایہ پر لینا اور سڑک پر ڈاک جگلوں میں فروکش ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اکتافا سے جلفا تک (لیکن اس سے آگے کے لئے نہیں) ایک گاڑی (یا تو فٹن اور یا بے کمانی کی جو بی تین گھوڑوں والی گاڑی) تیس سے ہم روپے تک کرایہ پر مل سکتی ہے۔ ڈاک کے گھوڑوں کا کرایہ بحساب ۳ کوپاک فی ورست (۱۲ میل) ایک گھوڑے کے لئے لیا جاتا ہے اور اسکے ساتھ کوچان کوہر چوکی پر ۲۰ کوپاک کا مقررہ القام دینا پڑتا ہے۔ اکتافا اور تبریز کے درمیان جو منزلیں پڑتی ہیں اور ان میں جو فاصلہ بحساب ورست کے ہے انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اکتافا سے انضلی (۲۲) کاروانسراے (۱۷) برساچائی (۱۸)۔ دلی جان (۱۴)۔ سلیمانفکا (۱۸)۔ سلیمانفکا (۲۱)۔ انضلی (۱۷)۔ قاشیکا (۱۲)۔ ایلیار (۱۹)۔ اریوان (۱۵)۔ آقاہمدانی (۱۳)۔ قمرلو (۱۵)۔ دوالو (۱۸)۔ صدرک (۱۸)۔ بشووشین (۲۲)۔ ترشہ (۱۰)۔ کیورک (۱۹)۔ بیکدوسی (۱۲)۔ انجیوان (۲۱)۔ انجیوانی (۲۵)۔ جلفا (۱۳)۔ یہ کل ۳۶۳ ورست یا ۲۴۲ میل ہوئے۔ ان منزلوں میں سے اکتافا۔ دلی جان (جہاں سڑک کی ایک شاخ کارلس کو جاتی ہے) انضلی اریوان۔ صدرک اور انجیوان میں انڈو یورپین محکمہ تار کے دفاتر قائم اور تصدی مقیم ہیں۔

سیر کر سینگا۔ جلفا میں کشتی کے ذریعہ سے دریا کے پار اتر کر وہ ایرانی علاقہ میں داخل ہو گا  
جہاں چنگی خانہ سے بنٹنے کے بعد وہ چا پار خانوں اور بار گیر دن۔ مرل یا پون جہانی تکلیفوں  
اور قابل نفرین سڑک کے اوس نظارہ کو دیکھے گا جسے رشت اور طہران کی راہ کے سفر کے  
متعلق میں پیشتر بیان کر چکا ہوں۔ جلفا سے تہرہ تک قریباً ۸۰ میل کا فاصلہ ہے یا ایرانی  
حساب کے مطابق یوں کہیے کہ چار چار فرسخ کی پانچ منزلیں ہیں جنکے نام معہ فاصلہ کے  
درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

نام مقام	فاصلہ بحساب فرسخ	تخمینی فاصلہ بحساب میل
جلفا	۰	۰
ارندی بیل { گنہ کیا	۵	۲۰
مرند	۵	۲۴
سفیان	۵	۱۷
تہرہ	۵	۲۳
کل	۲۰	۸۴

### سفر طہران براہ تہرہ

تہرہ کے متعلق ایک دوسرے باب میں جو ایران کے شمالی مغربی صوبہ جات

کے حالات کے لئے وقت کیا گیا ہے مین نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ ناظرین اوکو پڑھ لیں۔ تبریز سے طہران تک کا راستہ ایران میں دوسرا راستہ ہے جس پر لوگ بکثرت سفر کرتے ہیں۔ بہت سے مشہور و معروف سیاح ایران میں اسی راہ سے آئے اور اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو جو دو سو سال کے زمانہ پر محیط میں قلمبند کرتے گئے۔ قزوین تک کی چوکیان اور ادنگا درمیانی فاصلہ ذیل کے نقشہ میں درج کیا جاتا ہے۔ سرک کا باقی حصہ جو قزوین اور پایہ تخت کے درمیان واقع ہے اس کا حال پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔

نام منزل	فاصلہ بحساب فرسخ	فاصلہ تخمینی بحساب میل
تبریز	.	.
صید آباد	۰ ۶	۲۰

۱۷ مین ان مین سے صفحہ ۳۷۰ کا نام لیتا ہوں۔ سر جے چارٹن (۱۸۶۶ء) "ٹریولز انٹو پرشیا" (سفر ایران) صفحہ ۳۷۰ الی ۳۸۲ + موسوٹیکائن (۱۸۶۶ء) "ٹریولز آف جرنی انٹو پرشیا" (داستان سفر ایران) باب ۱۰ اور جوہان مراسلہ + جے پی موریر (۱۸۶۶ء) "فٹ جرنی" (پہلا سفر) فصل چہارم + سولیم آوسلی (۱۸۱۲ء) "ٹریولز" (سفرنامہ) جلد سوم فصل ہفتم + سر آر کے۔ پورٹر (۱۸۱۹ء) "ٹریولز" (سفرنامہ) جلد اول صفحہ ۲۵۱ الی ۲۰۰ + جے۔ بی۔ فزیر (۱۸۳۳ء) "ونٹرز جرنی" (سفرنامہ) جلد اول مراسلہ ہشتم کرنل ڈیلو کے اسٹوارٹ (۱۸۳۵ء) "جرنل آف اسے رزیدنس ان نادران پرشیا" (نشانی ایران) کے ایک مقیم کاررو نامچ) فصل پنجم + ششم + ہڈی شیل "گلمپسنز آف لایف" (نظارہ حیات) فصل ہفتم + اے ایچ۔ مونی۔ (۱۸۶۵ء) "جرنی تھردی کا کیس" (سفر قاف) فصل ہشتم + ٹیول لافاے (۱۸۸۱ء) "حالات ایران" (زبان فرانسیسی) صفحہ ۱۶۶ الی ۱۱۹ +



نام منزل	فاصلہ بحساب فرسخ	فاصلہ تخمینہ بحساب میل
حاجی آغا	۴	۱۳
گجین	۵	۲۰
ترکمان چائی	۵	۱۹
میانه	۶	۲۴
جمال آباد	۳	۱۰
سرچم	۴	۱۲
عق مزار	۴	۱۳ $\frac{۱}{۲}$
نکی	۴	۱۲
زنجان	۶	۱۸ $\frac{۱}{۲}$
سلطانیہ	۶	۲۳ $\frac{۱}{۲}$
خیاباد یا حدج	۵	۲۰ $\frac{۱}{۲}$
کرده	۴	۱۹ $\frac{۱}{۲}$
سیاہ دہان	۵	۱۷ $\frac{۳}{۴}$
قرودین	۶	۱۸ $\frac{۱}{۲}$
کل	۷۲	۲۹۳ $\frac{۱}{۲}$

پس کل فاصلہ تبریز سے طہران تک ۴۰۳ میل اور جلفا سے طہران تک ۴۴۰ میل ہے

## ممتاز مقامات

راستہ کی اوپر تفصیل دی گئی ہے اوس میں چند مقامات خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ترکمان چائی ایک گاؤں ہے جہاں ۲۱ فروری ۱۸۲۸ء کو تپسکی وچ نے شہنشاہ روس اور عباس مرزا نے اپنے باب فتح علیشاہ کی طرے اوس مشہور عہد نامہ پر دستخط ثبت کئے جو روس اور ایران میں ہوا۔ اس عہد نامہ کی رو سے وہ لڑائی جو دو سال سے ہو رہی تھی ختم ہو گئی۔ ایران کے قبضہ سے آریوان اور خنجیوان نکل گئے اور مزید برآں پینتیس لاکھ پاؤنڈ اسے تاوان جنگ کے دینے پڑے۔ اس عہد نامہ نے انیسویں صدی کے شروع سے اس علاقہ پر گویا روس کی فتوحات کی مہر لگا دی اور شمال و مغرب میں اس کی جنگی قوت کا پہلے بے انتہا بھاری کر دیا اوس وقت سے لیکر اب تک دیو شمال برابر آذربائیجان پر آزد و حرص کے دانت پیدا کیا ہے۔

## میانہ کے کھٹل

میانہ اوس ہینٹناک موذی غریب گز کا صدر مقام اور شکار گاہ ہے جسکے کارناموں کی بیان نہایت وحشت انگیز اور خوفناک روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ میانہ کو اپنے بیداد کا خاص تختہ مشق بنانے کے لئے اسے تھوڑے ہی دن سے منتخب کیا ہے کیونکہ چارڈن بلکہ اوس سے بھی بعد کے زمانہ کے کسی سترہویں صدی کے سیاح نے میانہ کا حوالہ دیتے یا اود کا حال بیان کرتے وقت اس کھٹل کا

۱۵ اوس زمانہ میں بادند کی جو قیمت تھی اوسکے حساب سے تقریباً تین کروڑ پچاس لاکھ روپیہ۔ مترجم۔

مطلق ذکر نہیں کیا۔ اسکا ڈنک خطرناک ہوتا ہے اور اجنبیوں کے لئے بعض دفعہ  
 مہلک ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگ حاکمیت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ یہاں کے رہنے  
 والوں پر اس کے کاٹے کا کچھ اثر نہیں ہوتا حالانکہ وہ وقتاً فوقتاً اسکے طرز سے محفوظ رہنے  
 کیلئے علاج بالمثل کے اصول پر ایک طرح کا ٹیکا لگا دیتے ہیں اسکا طرز عمل یہ ہے کہ جب  
 کوئی اجنبی وارد ہوتا ہے تو اس سے ایک کھٹل روٹی کے ایک نوالہ مین لپیٹ کر کھلا دیا جاتا  
 ہے۔ یہ کیکڑا جکی کسی قدر مختلف قسمیں ایران کے مختلف حصوں مثلاً مرزہ شاہ رود وغیرہ  
 مین پائی جاتی ہیں یورپ کے کھٹل سے ذرا ہی بڑا لیکن رنگ مین گہرا خاکی ہوتا ہے اور اسکی  
 پیٹھ پر سرخ چتیاں ہوتی ہیں۔ جب کسی شخص کو کھٹل نے کاٹا ہو تو ایرانی طبییون کا معمولی  
 نسخہ یہ ہے کہ مریض کو بگڑے ہوئے دودھ کا ایک پیالہ پلا کر اسے ایک چوکی پر جو جہت  
 کے ساتھ بذریعہ سیون کی معلق ہوتی ہے بٹھا دیا جاتا ہے اور رسیو تکوبل دیکر اسے  
 خوب گھمایا جاتا ہے حتیٰ کہ مریض کو شدت سے چکرائنے لگتے ہیں اور اس نادر علاج سے  
 زہر کے اثر کا کلی طور پر زایل ہو جانا باور کر لیا جاتا ہے ایک اور علاج یہ ہے کہ مقام  
 گزیدہ کو تازہ زنج کئے ہوئے بیل کی گرم گرم کمال مین لپیٹا جائے۔ لیکن مقتضائے  
 انصاف ہوگا اگر یہاں پر یہ بیان کیا جائے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو میانہ کے  
 کھٹل کی بہادر نی کے قتل نہیں۔ ڈاکٹر کارلک جس نے اپنے باپ کی طرح ابران مین کئی  
 سال تک مطب کیا ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کھٹل کی نسبت جتنے قصے مشہور ہیں وہ سب

لغو اور مہل ہین۔ اسکے علاوہ ظریف الطبع مسافر جہنم میں آرام سے شب بکس ہونے کا اتفاق ہوا ہے اپنے بستر راحت سے صبح کو اٹھ کر یہ شعر گنگنا تے ہوئے سنے گئے ہین۔

بہت شور سنتے تھے ان کھٹلون کا جو دیکھا تو بیچا سے بڑھ کر نہ پایا  
لیکن اسکے ساتھ ہی میں ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو میانہ کے کھٹل کے ٹناکے  
اثر سے مہینوں بیمار رہے ہین اور پیدل سپاہیوں کی ایک رجمنٹ میں جو ماہ اپریل ۱۸۹۱ء  
میں تبریز سے طہران گئی ۱۳۰ جوان اسی وجہ سے رجوع شفا خانہ ہوئے۔ کوٹیز ہو ۱۸۹۱ء  
میں دو شخصوں کا حال بیان کرتا ہے جو کھٹل کے کاٹے سے منجر بہ ہلاکت ہوئے۔

### زنجان اور سلطانیہ

ب صرف زنجان اور سلطانیہ کا ذکر کرنا باقی رہتا ہے۔ زنجان ایک بڑا  
مقبضہ ہے جسکی آبادی نیٹل ہزار سے زیادہ ہوگی اور ضلع خمسہ کا مستقر ہے۔ ابتداً یہ بابیوں  
کے فرقہ کا ملجاء ماویٰ تھا اور باب کے تبریز میں قتل ہونے کے بعد ۱۸۵۷ء میں اس کے  
منتصب پیر دون کا یہاں قتل عام ہوا۔ سلطانیہ زمانہ قدیم میں ایران کا پایہ تخت ہوتا تھا  
تین صدیاں گذرتی ہیں کہ سیاحوں نے اسکے شاندار محلوں اور مسجدوں کی تعریف  
شہود سے کی اور اس کی بیرونی حالت اور اسکے گرد و پیش کی مقامات کے نقشے

۱۵ ان میں سے ایک تو انگریزی تونسلیہ تبریز کا انگریزی ملازم تھا اور دوسرا روسی سفیر ہین ریڈ کا  
روسی نوکر تھا۔ دیکھو "میزٹوآت" اسے جرنی" (ایک سفر کے حالات) صفحہ ۲۱۱۔

چھوڑتے گئے لڑائی زلزلہ زمانہ کے امتداد اور بادشاہوں کے تلون نے باہم ملکر اس کے  
 انحطاط میں حصہ لیا ہے اور سلطان خدا بندہ کے عظیم الشان مقبرہ کے پہلو میں یہ اپنی  
 قدیم عظمت و شان کا محض ایک سایہ رہ گیا ہے۔

### سفر طهران براہ چھارم مشہد سر



صنکہ شمال اور شمال مغرب کی جانب سے ایران میں داخل ہونے کے یہی  
 دو بڑے راستے ہیں۔ دو چوٹی راہیں طهران میں شمال اور بحرہ اخضر کی طرف سے آنے کی  
 اور بھی ہیں لیکن چونکہ انکی منزلیں بڑی کٹھن ہیں اور بار برداری کے ذرائع بھی عمیر الحصول  
 ہیں۔ اس لئے لوگ ان راستوں کو کم اختیار کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ رستہ ہے  
 جو سلسلہ کوہستان البرز سے گذرتا ہے جو مسافر اس راہ کو اختیار کرتے ہیں وہ مشہد سر کے  
 بندرگاہ سے جو بحرہ اخضر کے جنوبی ساحل پر پشت اور استر آباد کے مابین واقع ہے روانہ  
 ہو کر برفروش اور امول ہوتے ہوئے طهران پہنچتے ہیں۔ مشہد سر (جسکی وجہ تسمیہ کا ماخذ یہ ہے  
 روایت ہے کہ حضرت امام رضاؑ کے یہاں ابراہیم بیان سر قلم ہو کر شہید کئے گئے ہا زندان کا ایک

۱۵۔ انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں فتح علی شاہ نے سلطانیہ کو اپنا موسم گرما کا مستقر بنایا اور یہاں وہ گرمیوں میں  
 اپنی فوج۔ دربار۔ اور حرم کے ساتھ چلا جاتا تھا اور سیر و شکار میں وقت گزارتا تھا۔ لیکن جب روسی ۱۸۲۸ء  
 میں ”شہنشاہ عالم پادہ“ کے اس قدر قریب آگئے کہ ترکمان چائے تک پہنچ گئے تو اس بے وقوف اور بزدل  
 کے باعث اس نے سلطانیہ میں آنا چھوڑ دیا۔ مقبرہ خدا بندہ کے نقشہ اور تعمیر و تجدید کے لئے دیکھو چارلس ٹکسلی  
 کتاب ”حالات آرمینہ“ (بر زبان فرانسوی) کی پہلی جلد کی تصاویر ۵۴-۵۶-۵۸ اور نیز ”آثار جدیدہ ایران“  
 (بر زبان فرانسوی) مصنف پی کا سٹی۔

ہی بندرگاہ ہے لیکن لفظ بندرگاہ کی تعریف اسپر بھی اوسی حیثیت سے صادق آتی ہے جو اعتبار سے کہ ایران کے دوسرے بندرگاہ بندرگاہ کہے جاسکتے ہیں۔ یہاں ایک دریا بحیرہ اخضر سے ملتا ہے اور مغربی ہواؤں کی مدد سے مقام اتصال پر اوس جہاں کو پیدا کرتا ہے جسے سب جانتے ہیں۔ یہی اس کا بندرگاہ سمجھ لو۔ ”کاکیس اینڈ ٹمر کی کمپنی“ کے جو چار رشت سے روانہ ہو کر یہاں ٹھہرتے ہیں انہیں مجبوراً سمندر کے اوس حصہ میں دور کھڑا رہنا پڑتا ہے جہاں پانی کافی گھرا ہو۔ باعتبار مسافت یہ قریب ترین راہ ہے جسکے ذریعہ سے بحیرہ اخضر سے طہران پہنچ سکتے ہیں۔ مشہد سے برفروش تک ۵۰ میل اور وان سے امول تک ۳۸ میل اور یہ کھروان سے براہ دماوند طہران تک ۱۰۰ میل کا فاصلہ ہے یعنی بذریعہ قافلہ کے پانچ دن میں اس راہ سے طہران پہنچ سکتے ہیں۔ حال میں ایک متمول ایرانی نے ساحل کے ایک مقام سے جو مشہد کے قریب ہے واقع ہے امول تک اپنے خرچ سے ریل کا ایک ناقص سلسلہ جکائیں پھر ذکر کروں گا قائم کیا ہے۔ لیکن جیسی کہ توقع کیجا سکتی تھی اس کا خاتمہ ناکامی پر ہوا۔ مشہد

۱۔ اس راستہ کے تفصیلی حالات ذیل کی کتابوں میں درج ہیں۔ ”سفر سرا“ مصنفہ جے بی فریزر (۱۸۳۷ء) جلد دوم مراسلات پانزدہم شہزادہ ہیمبرائل جاگرفیل سوسائٹی کا روزنامہ ”مرتبہ کپتان آرنہیل نیپر (۱۸۷۷ء) جلد چہل و ششم صفحہ ۱۱۸ الی ۱۲۹۔ ”رکس شمس ان پرشیا“ (چہر مہینہ کا سفر ایران) مصنفہ میڈیم سی سیرنا (۱۸۷۷ء) فصل دوم۔ سوم۔ ہشتم۔ نہم۔ مصنفہ ای اسیٹک (۱۸۸۱ء) جلد دوم۔ فصل ہفتم و ہشتم۔ ”از قاف تا ایران“ (زبان فرانسیسی) مصنفہ ای ارسل (۱۸۸۲ء) فصل ہفتم و ہشتم

سر کی راہ سے البتہ روسی تجارت کا مال مازندران اور بعض دفعہ طہران کو بھی لیجاتے ہیں اور اسول سے طہران تک موجودہ شاہ کی ہدایت کے بموجب آسٹریا کے ایک انجینئر گستیہر خان نے اپنی نگرانی میں از سر نو سڑک تیار کرائی ہے۔ لیکن باوجودیکہ اون راستوں کی مسافت کم ہے پھر بھی وہ سہل المرور ہونے کے اعتبار سے اس راستہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو رشت اور طہران کے درمیان واقع ہے۔

### پنجم سفر طہران براہ گز

دوسرا راستہ گز سے جو بحیرہ اخضر کے منہاے جنوب و مشرق میں واقع ہے شروع ہوتا ہے یہاں سے ایک سڑک متذکرہ بالا راہ کے ساتھ برفروش میں جا ملتی ہے اور ایک علیحدہ راہ بھی ہے جو آسٹریا تک (۲۳۹ میل کا فاصلہ ہے) جا کر وہاں سے نہایت ڈھلوان گہائیوں کو عبور کرتی ہوئی ۶۵ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد شاہ رود پہنچتی ہے اور یہاں اوس بڑی کاروان اور ڈاک کی سڑک سے جا ملتی ہے جو طہران اور خراسان کے بیچون یہی گئی ہے۔ ان تمام مقامات سے مین آگے چل کر شرح و بسط کے ساتھ بحث کرونگانی الحال میں ان کے متعلق صرف اسی قدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ سرزمین ایران میں داخل ہونے کے یہ بھی مختلف راستے ہیں۔

۱۵۔ اس راہ کا حوالہ مفصل ذیل سفر ناموں میں پایا جاتا ہے ”ژیولوانٹو بخارا“ (سفر بخارا) مصنفہ سرے برنس (۱۸۳۲ء) جلد سوم صفحہ ۱۰۵ الی ۱۱۴۔ ایک سفیر کارورٹ نامیہ ”مصنفہ ای۔ بی۔ اسٹیوک (۱۸۴۶ء) جلد دوم صفحہ ۱۶۰ الی ۱۶۱۔ گھٹا مشرق میں ”مصنفہ کریئل و لینٹائن بکر (۱۸۴۳ء) صفحہ ۷۰ الی ۷۷۔

## ششم عشق آباد سے مشہد کا راستہ



ق کی طرف ماوراء النہر کی ریلوے نے جبکہ روس نے حال میں اپنے جدید سفوفہ ممالک میں (جو سرحد ایران کو شمال کی طرف واقع ہیں) تکمیل کو پہنچایا ہے اور اوس سڑک نے جو اس سلسلہ میں روس نے عشق آباد سے جواد کا انتظامی اور فوجی دار الحکومت ہے خراسان کی سڑک تک تعمیر کی ہے گزشتہ دو سال سے شمالی و مشرقی حصہ ایران میں داخل ہونے کا ایک نیا راستہ جو پہلے موجود نہ تھا یا موجود بھی نہ تھا تو غیر محفوظ تھا۔ کھول دیا ہے۔ یہ سڑک اب خراسان سے کوچان اور مشہد کی طرف بڑھائی جا رہی ہے۔ چونکہ خراسان کی اس نئی سڑک کا حال ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا اور اسکے علاوہ میری خود بھی یہ خواہش تھی کہ میں اس واقع علاقہ کے سرحدی مقامات کے حالات سے کس قدر آگاہی حاصل کروں اور اسکے دار الحکومت مشہد کی سیر کروں اسلئے میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اگر ممکن ہو اتو میں ایران میں اس رستہ سے ہی داخل ہوں گا۔ جو انگریزی عہدہ دار مشہد میں مامور ہے۔ اوہنیں ایک سے کئی مرتبہ اسی رستہ سے آنے جانے کی اجازت مل چکی تھی اور چونکہ میں گزشتہ سال ماوراء النہر کی ریل میں سفر کر چکا تھا اس لئے مجھے اُمید تھی کہ گورنمنٹ اس کو مکرر اجازت دینے میں تامل نہ ہوگا اور حقیقت میں کوئی معقول وجہ بھی انکار کی نہ ہو سکتی تھی۔ روسی سفیر متعینہ لندن کے اخلاق اور انگریزی سفیر متعینہ مسینٹ پیٹرز برگ کی عنایت آمیز امداد کے متفقہ اثر سے مجھے اس مقصد کے حصول میں کامیابی ہوئی اور ذیل کے صفحوں میں میں اپنے سفر کے حالات کو بھوکہ موقوفہ سے درج کرونگا۔



اس باب میں پیش از پیش اونکے اندراج کی ضرورت نہیں۔

## ہفتم۔ افغانستان کی طرف کے راستے



حتمال اس امر کا متقاضی نہیں کہ کوئی انگریزی سیاح آجکل ایران میں مشرقی سرحد کی طرف سے داخل ہو۔ ہندوستان اور ایران کے درمیان افغانستان کا حامل ہونا اور امیر عبدالرحمن خان کا اجنبیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے قطعی طور پر مخالفت کر دینا ایسی روکا ویٹن ہیں کہ انکی وجہ سے کوئی انگریز افغانستان کی طرف سے ایران میں جانے کا تصور بھی ذہن میں نہیں لاسکتا۔ ہم نے بہت سے پورپین سیاحوں کے حالات پڑھے ہیں جنہوں نے عہد سلف میں سلاطین مغلیہ کی ہندی سرحد کو قندہار کے رستہ سے عبور کر کے سرزمین ایران میں قدم رکھا اور اسی طرح موجودہ صدی کے نصف ابتدائی حصہ میں بھی حتیٰ کہ ۱۸۳۷ء تک بھی بہت سے انگریز مثلاً کپتان - ایچ - سی - مارش (جو آخری شخص تھا جس نے اس راستہ سے ہندوستان و ایران کا سفر کیا) کپتان آر تھر کوٹولی (۱۸۳۷ء) مسٹر مٹفورڈ (۱۸۴۰ء) اور سر لیویس بیلی (۱۸۶۰ء) ایران سے روانہ ہوئے اور مشہد سے گھوڑے پر سوار ہو کر ہرات اور قندہار ہوتے ہوئے افغانستان کے بچوں نے سچ ہندوستان میں جا پہنچے۔ لیکن جو کام کہ لوگ بلا خوف و ترس کر سکتے تھے گو کہ پھر بھی اونکا سفر خطرون سے خالی نہ تھا اوسے آج کے دن ہم نہیں اختیار کر سکتے اور اسلئے جماعت عامہ سے مامورہ تصفیہ سرحد کے اراکین اور اون لوگوں کے سوا جو محنت اور زحمت اٹھا کر دوسری غیر معروف اطراف سے ادھر کو آئے ہیں باقی شخصوں کے لئے

عام طور پر ایران کا مشرقی حصہ اور اسکے دوسرے طرف کی سرزمین ارض مالو تعریف احوالہا بن رہی ہے۔

## ہشتم۔ خلیج فارس اور بندر عباس کی راہ

س طرح ایرانی سرحد کا چکر لگاتے لگاتے ہم جنوبی ساحل کے سلسلہ اور خلیج فارس کی بندرگاہوں تک پہنچتے ہیں۔ مین آگے چکر ایک باب مین اون مختلف تجارتی راستوں کا حال لکھو نگا جو یہاں سے ملک کے اندرونی حصوں کی طرف جاتے ہیں اور جو مسافر کہ بندر عباس مین اترنے کا قصد کرتا ہو۔ اسے چاہیے کہ اس باب کو پڑھی۔ بندر عباس سے خاص تجارت کے راستے دو ہی ہیں جو کرمان اور یزد کو جاتے ہیں لیکن جو لوگ کہ بندر عباس سے مغربی سمت مین روانہ ہو کر شیراز پہنچنا چاہتے ہوں اون کی اطلاع کے لئے مین یہ کہہ سکتا ہوں کہ گویا ایران مین داخل ہونے اور وہاں سے روانہ ہونے کا یہ راستہ اب بالکل متروک ہے لیکن ایک زمانہ مین (یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شاہی خاندان صفویہ کا پایہ تخت اصفہان تھا اور جبکہ اول توہر خزاور بعد ازاں گبرون کا مشرق کی بڑے سے بڑی منڈیوں شمار ہوتا تھا) اسی راہ کو اکثر مسافر اختیار کرتے تھے اور بہت سے مشہور سیاحون نے جن مین یونیورسیر اور چارڈن ممتاز تر تھے اس راستہ کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

## نہم۔ بوشہر سے طہران کی راہ

یہاں مین اوس بڑے جنوبی راستہ کا ذکر کرتا ہوں جس کی طرف مینے اس باب کے ابتدائی حصہ مین یہ کہہ کر اشارہ بھی کیا ہے کہ رشت کے راستہ سے باعتبار عام پسند

ہونے کے یہ دوسرے دیہہ ہیں یعنی وہ راستہ جو خلیج فارس کے مقام لنگہ <sup>۱۱</sup> ازب (ہندوستان) کا لفظ استعمال کرتا ہے پھر گرگن گزرتا ہے (یوشتر سے روانہ ہوتا ہے) اس راستہ کو ہم ہندوستان سے آنے والے مسافر اختیار کرتے ہیں اور کابل انگریزی اور ہندو تجارت کا مال جب کالیانا اصفہان کو مقصود ہوتا ہے اور جس میں سے کسی قدر طریق کار بیان کیا گیا ہے۔  
 میں بھی کھپتا ہے اسی راہ سے جاتا ہے۔ ایران کے راجہ تون زین <sup>۱۲</sup> سے زیادہ کثیر المرور اور معروف ہے چونکہ میں نے اس راستہ کو مستند ذرائع سے <sup>۱۳</sup> پایا ہے۔  
 اور اُن کے چلکر میں اپنے مشاہدوں اور تجربوں کو بالتفصیل بیان کر دیتا ہوں۔  
 صرف اسقدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ راستہ شیراز۔ اصفہان۔ کاشن۔ درفم <sup>۱۴</sup> میں سے جوتا ہوا طہران پہونچتا ہے اور اس کا کل فاصلہ ۷۰ میل ہے۔ یوشتر اور شیراز کے درمیان پہلی ۷۰ میل کی مسافت ہے۔ ان کے ذیلیہ سے طے کرنی پڑتی ہے کہ کیا جنوبی کوہستان کے گرد اڑدوں اور زمینہ نما چٹانوں پر سے گزرنے کیلئے ڈاک کی کوئی سڑک موجود نہیں لیکن شیراز سے شمال کی طرف سوا مسقر تیز جا سکتا ہے جتنا کہ مہیر لگام اور گھوڑے کے سم او سے لیجا سکیں۔

### دہم مجمرہ سے طہران کی راہ

طن غالب ہے کہ زیادہ عرصہ متفق نہ ہونے پائے گا۔ کہ اس راستہ کو خطے اور تگلیغین جو کچھ کم نہیں ایک اور راستہ کے تیار ہو جانے سے رفع نہ ہو جائیگا کیونکہ اس لیے مقام سے شروع ہوگا جو یوشتر سے مغرب کی طرف جنوبی ساحل پر واقع ہے جسے طرح سے

ایران کی شمالی و مشرقی سرحد پر اوسکے سیاسی تفوق کا حاصل عشق آباد سے کوچان تک اوس سڑک کی تعمیر ہے جسکی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اسی طرح گمان غالب ہے کہ جنوب میں برطانیہ کلان کے رسوخ کا نتیجہ ایک نئی سڑک کی شکل میں مترتب ہو گا جو دریائے قارون سے شروع ہو کر براہ اہواز - شوسٹر - دزفل - خرم آباد - و برو جرو طهران پہونچے گی۔ ایران کے ایمپریل بینک نے اس کام کے انجام دینے کے لئے رعایتی اجازت نامہ مل کر لی ہے اور ۱۹۴۷ء کے موسم خزاں میں کام شروع بھی کر دیا گیا۔ اور اگر یہ سڑک کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہونچ گئی تو ہم دیکھیں گے کہ لوگ بوشہر کی راہ کو چھوڑ کر ایک ایسا راستہ اختیار کیا کریں گے جو باعتبار مسافت جہاز سے اُترنے کے مقام سے پانچتک تک بقدر ۲۵۰ میل کے کم ہے اس راستہ کے مزید حالات بھی میں آگے چلکر بیان کر دوں گا۔ فی الحال یہ راستہ جس کا خاکہ کھینچ کر بتایا گیا ہے مسافر کے لئے علیٰ تصور بہنہن ہو سکتا اور نہ ایک اجنبی کو اس کے اختیار کرنے کی صلاح دی جاسکتی ہے۔

### یازد ہم - بغداد سے طهران کی راہ

جو دو راہ کہ میرے ناظرین کو خلیج فارس کے منتہا اور دجلہ و فرات کے دہانہ تک لایا ہے اوس میں تہوڑی سی اور تو سب سے اونکو بغداد میں جا اُتارے گی۔ انگلستان میں اکثر لوگوں کو سنکر تعجب ہو گا کہ سرحد ایران اور ایران کے اندرونی حصوں کے سفر کیلئے بغداد ایک نہایت دلچپ روانگی کا مقام ہے۔ نہ صرف مال تجارت بمقدار کثیر ایران سے یہاں آتا ہے اور یہاں سے ایران جاتا ہے بلکہ ایران کے بعض نہایت ہی مشہور شہر

اور آثار قدیمہ یہاں سے اور بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ فقط یہیں سے روانہ ہو کر دیکھ  
جاسکتے ہیں۔ پس میں اول بغداد پہنچنے کے مختلف راستے بیان کرونگا اور پھر اس  
راستہ کا مختصر حال لکھوں گا جو یہاں سے سرحد ایران کو جاتا ہے۔

### بغداد پہنچنے کے ذرائع

سال پیشتر جبکہ میں بغداد کے سفر کا قصد کر رہا تھا تو اس شہر میں مختلف راہوں  
سے پہنچنے کے متعلق انگلستان میں صحیح و مستند اطلاع کے بہم پہنچانے میں مجھے  
برطانیہ وقت پیش آئی۔ چونکہ اسکے محل وقوع میں ایک خصوصیت ہے اس لئے میرے  
علم میں اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں ایک یورپین اتنے متعدد راستوں سے داخل ہو سکتا  
ہو یا جہاں پہنچنا مشکل بھی مجید ہو اور آسان بھی بدرجہ غایت لیکن اس آسانی کی صرف یہی  
صورت ہو کہ نسبتاً وقت بہت سا ضائع کیا جائے۔

### (۱) تربران اور سمسون کے راستے۔

بغداد میں بحیرہ اسود سے دور استون سے پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی یا تو تربران سے  
براہ دیار بکر۔ موصل و دجلہ اور یا سمسون سے براہ دیار بکر و دجلہ۔ آخر الذکر راستہ وہ ہے

۱۔ تربران سے ارض روم تک کے راستے کے حالات کے لئے علاوہ اُن مصنفین کے جن کا حوالہ  
پیشتر دیا جا چکا ہے دیکھو نوٹز آن اے جرنی (ایک سفر کی یادداشت) مرقوم ریچ۔ سوٹر (۱۸۳۵ء) و تصنفہ  
روزنامچہ رائل جاگرافیکل سوسائٹی جلد دہم صفحہ ۳۴۴ + "جرنیز ان پرسیا" (سفر نامے ایران) مصنفہ ستر بشپ  
(۱۸۹۵ء) جلد دوم۔ مراسلات بستان و چہارم دبستان و پنجم اور ارض روم سے دیار بکر تک کے راستے کے حالات  
کیسے دیکھو مراسلات مرتبہ جی ٹیلر و تصنفہ کارنامہ حیات رائل جاگرافیکل سوسائٹی جلد دوازدہم صفحہ ۳۰۲ +

جسپر ترکی ڈاک قسطنطنیہ کی آمدورفت سنچے اور ڈاک کی سرعت رفتار کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی معمولی مسافر تو اس چرب و تیز ذہنی نہیں بن سکتا۔ لندن سے روانہ ہوا کہ اس راہ سے پورے چوبیس دن بعد بغداد پہنچتے ہیں۔ بمسعودیہ و اسود کی ایک بندرگاہ ہے جہاں قسطنطنیہ کے جانے آنے والے جہاز بٹھرتے ہیں۔ ہر دو صورتوں میں تکرار صدر میں سال کے بعض حصوں میں بغداد کا سفر موصوم سے باز دیا کر کے بغداد و تکرار کے درمیان کے درجہ

اعمال میں اور بغداد کے درمیان حسب ذیل متر لکھ رہیں جو حسین بن جعفر داد کے تھے۔ یہ وہ گھنٹوں کی تعداد ہے جو ایک منزل سے دوسری منزل تک چوبیس گھنٹے میں کتنے دن کا رکھ کر۔ ایک ایک چھٹا خان (۶) غص (۷) اگت بازار (۶) ترخال (۷) تہبط (۷) بدراش (۹) بھر (۷) ابوالاسود (۷) کالی داس (۷) کنکریا گھل (۷) ادرخان (۷) حسن چلیوری (۷) حکیم خان (۷) اسرلی (۹) کش میدان (۹) اریخت (۷) خرپوت (۷) طافی (۷) باقردان (۹) ارقان (۷) بکلاش (۷) دیار بکر (۷) قادیان (۷) شجیان (۷) گیلہ یار دین (۷) درہ (۷) نصیبین (۷) اوتا (۷) دیروند (۷) جزیرہ (۸) نکلیان (۷) زاخر (۷) سمین (۷) علی ایکف (۷) موہم سل (۷) زوب (۱۰) اریل (۷) کش ہتی (۷) الطون کبری (۷) کرکوک (۷) توخ (۷) دوزخ مٹی (۷) سلاحیہ (۹) کاراپتی (۷) بیل عباس (۹) ہزدان (۷) بدیدہ (۷) بغداد (۷) سو اس اور بغداد کے درمیان اس راستہ کے اکثر حصے کو سرالیف گوڈاسٹ نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کتاب ٹیلیگراف اینڈ ٹریول ریکارڈ میں بیان کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۴۱۲ سے لیکراہ ہمک میں اور پھر اسے راستہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے پوٹنگٹن نے ۱۸۶۶ء میں اپنی کتاب "ہات وے راولڈ" دی رولڈ (آرمی وینا کا سفر) کی بارہویں فصل میں بیان کیا ہے۔

مین بیڑے پر جانے سے جلد تر طے ہو سکتا ہے لیکن یہ دو نون سفر صرف ایک زحمت کش مسافر کو اختیار کرنے چاہئیں۔

## (۲) اسکندرونہ اور حلب کا راستہ

ادین بحر روم کی طرف سے یا تو اسکندرونہ سے براہ حلب اور یا بیروت سے براہ دمشق پہنچ سکتے ہیں۔ اور ان دو نون صورتوں میں حلب اور دمشق سے روانہ ہونے پر مسافر اور کئی راستے انتخاب کر سکتا ہے۔ معمولی راستہ اسکندرونہ سے اول حلب جو چار منزل کا سفر ہے آتا ہے۔ اس سے آگے دیر آتا ہے جو دریائے فرات کے کنارہ واقع ہے اور وہ منزل کی راہ ہے۔ اس سے وشل منزل آگے جیٹا آتا ہے یہ بھی دریائے فرات کے کنارہ واقع ہے اور یہاں سے چار منزلین طے کرنے کے بعد بغداد پہنچتے ہیں۔ گویا کہ کل ۲۸ منزلوں کی مسافت ہوئی۔ اسکندرونہ سے حلب تک دو دن میں یا تو گھوڑے پر اور یا گاڑی پر آ سکتے ہیں حلب سے بغداد تک مسافر کو یا گھوڑا یا پر سینے پر طین گے اور جب قدر سامان اور سکے ہمارا ہو گا اوسے کے لحاظ سے یہ فاصلہ وہ چودہ سے لیکر سولہ دن تک میں طے کر لیا۔ حلب سے ایک اور لمبا راستہ بھی اختیار کر سکتے ہیں یعنی یہاں سے دیا بکر جائیں جو کہ گیارہ منزل ہے اور وہاں سے تیرہ منزلین طے کرنے کے بعد موصل پہنچیں اور وہاں سے بارہ منزلوں کی مسافت براہ خشکی طے کرنے کے بعد بغداد پہنچیں۔

اس راستہ کا ذکر سٹیم ایلیس نے اپنی کتاب ان سے ریفٹ اینڈ ترو دی ڈیجرٹ میں سفر نامہ

## (۳) دمشق کی راہ



مشق اور بیروت کو ایک ہنایت عمدہ گاڑی کی سڑک اور ایک روزانہ چلنے والی ڈاک گاڑی جو نو گھنٹہ میں فاصلہ طے کرتی ہے آپس میں ملاتی ہے۔ دمشق سے سفر مفصلہ ذیل دور استون میں سے کوئی سا ایک اختیار کر سکتا ہے یعنی (۱) براہ تدمور یا پالمیرہ اور دیر۔ یہ کل مسافت معمولی اونٹ ۳۰ دن میں اور ۳۰ سائڈلی ۱۳ دن میں طے کر سکتی ہے دوسری کوئی سواری اس راہ سے جا نہیں سکتی۔ اسکے علاوہ خطرون سے بھی یہ راہ خالی نہیں (۲) پرانے صحرا یا سائڈنی کی ڈاک کی راہ جو ریتیلے بیابانوں کے بچون بیچ ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ اس راہ کو معمولی مسافر قریباً ۵۰ گھنٹہ (جو ۴۵۰ میل کے مساوی متصور

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۰۳ و صحرا کی جلد اول میں کیا ہے حلب اور دیار بکر کی درمیانی منزلوں ج ذیل ہیں۔ اخبارین (۱) بیگزبگی (۲) سلم (۳) سطر (۴) براحیک (۵) ہواہ یا دیواک (۶) شمشیر (۷) سویراک (۸) قیناک (۹) قراباغیہ (۱۰) دیار بکر (۱۱) موصل سے بغداد تک کی راہ کا حال تھیلین نے ۱۸۷۲ء میں اپنی کتاب "سجری ان دی کاکیس" (سفر قاف وغیرہ) کی جلد دوم فصل ششم میں اور باینڈر نے ۱۸۸۴ء میں اپنی کتاب (حالات کرستان) کی فصل نهم میں بیان کیا ہے۔

۱۵ اس راستہ کا حال طرطرم ایلیس نے اپنی کتاب کی دوسری جلد میں لکھا ہے۔ دمشق اور دیر کے درمیان حسب ذیل منزلیں ہیں۔ جردو۔ قصیر۔ قرین۔ عین البادیہ۔ تدمور۔ رقا۔ سحنہ۔ البویب۔ بیرکباک۔ دیر۔ دیر اور یفاد کی درمیانی منازل کی تفصیل پہلے درج کی جا چکی ہے۔ موسووان تھیلین ۱۸۷۲ء میں کر بلا سے براہ پالمیرہ گھوڑے پر سوار ہو کر دمشق کو گیا۔ دیکھو "سفر قاف وغیرہ" جلد دوم فصل ہفتم۔



ہو سکتا ہے) یا پندرہ دن میں طے کر سکتا ہے لیکن ڈاک کا ہر کارہ اسے دس دن میں طے کرتا ہے۔ چالیس سال سے بھی زیادہ مدت تک انگریزی قونسل متعینہ بغداد نے اس سائنڈنی کی ڈاک کو اول اول ہندوستان کی گورنمنٹ سے ایک وظیفہ کی اعانت حاصل کر کے قائم رکھا۔ ابتداءً یہ ڈاک کا سلسلہ مہم فرات و فلانیلا (جنگی جہازوں کا بیڑا) کے متعلق قائم ہوا تھا لیکن گورنمنٹ ٹرکی نے ایک ڈاک کا سلسلہ اپنی طرف سے شرح محصول بابین الاقوام کے ساتھ جاری کر دیا جسکی رقابت کی وجہ سے سلسلہ اول الذکر منقطع ہو گیا۔ یہ راستہ ٹیلیفون اور زحمتوں سے پر ہونے کے علاوہ دلچسپی سے اس درجہ معرا ہے اور بسا اوقات خطرات کا امین اس قدر سامنا کرتا پڑتا ہے کہ سوائے اون لوگوں کے جنہوں نے آرام و آسائش کے خیال کو نظر انداز کرنے اور سلامتی کو معرض خطر میں ڈالنے کا مصمم قصد کر لیا ہو اور کوئی مسافر اس راہ کو اختیار نہیں کرتا۔

### (۴) خلیج فارس کی راہ

بالآخر بالکل تری کی راہ سے بھی بغداد پہنچنے کا ایک طریقہ ہے یہ راستہ گوبرٹے

اس ڈاک کے سلسلہ پر ماہ فروری ۱۳۳۸ء سے ماہ اپریل ۱۳۳۹ء تک مبلغ لکھ سو روپے خرچ ہوئے اسکے بعد بیس سال تک ایک مرتبہ کے آنے جانے کا خرچ آتا ہوا بند پڑتا رہا۔ لیکن اسکے بعد خطوط کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ یہ ڈاک اپنے مصارف کی خود کفیل ہو گئی۔ اس راستہ سے دمشق اور بغداد کے درمیان ٹھہرنے کے مقامات یا کنوئین حسب ذیل ہیں۔ اضمیر۔ ریشا۔ روماننا۔ التفت۔ ترکفت۔ اکارا۔ اداما۔ امسور۔ رجبی سابون۔ ایلیج۔ کسیرجہ۔ قبیسہ۔ اور حیط۔ ۱۲

چکر کا ہے اور اس میں وقت بہت صرف ہوتا ہے لیکن اس میں آسائش بھی بڑی ہے  
 برٹش انڈیا نیوگیشن کمپنی (ہندوستان کی جہاز ران کمپنی) کے آگيوٹ یورپ کے  
 پنڈولرائیڈ اور نیٹیل جہازوں کے سلسلہ میں بمبئی سے روانہ ہو کر براہ کراچی و خلیج فارس  
 بصرہ پہنچتے ہیں۔ یہاں مسافر جہاز سے اتر کر یوٹرمیس اینڈ ٹانگرس اسٹیٹ نیوگیشن  
 کمپنی (دجلہ اور فرات کی دفانی کشتی چلانے والی کمپنی) کی کشتیوں میں سوار ہوتا ہے جو دریا  
 کی حالت کی رو سے تین دن سے لیکر چار دن تک میں مسافر کو دجلہ کی راہ سے بغداد  
 پہنچا دیتی ہیں۔ اس راستہ میں اگر کوئی نقص ہے تو وہ یہ ہے کہ وقت بہت صرف  
 ہو جاتا ہے۔ لندن سے منزل مقصود تک پہنچنے میں پانچ ہفتہ سے زیادہ عرصہ لگتا ہے۔

### بغداد سے طہران تک کا سفر

کرہ بالا راستوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے مسافر کو بغداد میں پہنچا کر  
 اب میں اسے یہ بتاتا ہوں کہ سرزمین ایران میں وہ اس طرح داخل ہو سکتا  
 ہے اور راہ میں کیا کیا چیزیں اس کے دیکھنے میں آئیں گی۔ بغداد سے سرحد ایران تک  
 جو ترکی منزل خانیکن سے پانچ میل پرے سے شروع ہوتی ہے۔ نوے میل کا فاصلہ ہے  
 سڑک کا اکثر حصہ ایک ہوا صحرا میں واقع ہے اور قیام کے مقام حسب ذیل ہیں۔ نبی  
 سعدیا اور ناخان (۱۵ میل) بیٹھوبیہ (۱۴) شہر آباد (۲۶) قزل رباط (۱۸) خانیکن (۱۷)  
 ڈاک کا کوئی سلسلہ اس راہ پر قائم نہیں۔ مسافر کو بار بار داری کے لئے بغداد میں جانور  
 کرایہ پر لینے پڑتے ہیں اور خانوں میں جو کاروان سرائے کی ترکی مترادف ہیں اور مسافر

بنگلون میں قیام کرنا پڑتا ہے۔ سرحد ایران کے چنگی خانہ سے بنٹنے کے بعد مسافر کو حسب ذیل راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے:-

نام مقام	فاصلہ بحساب فرسخ	تختیانی فاصلہ باعتبار میل
خانیکن (۱۰۰۰ فٹ)		
قصر شیرین (۱۷۰۰ فٹ)	۶	۱۸
سہیل	۵	۱۸
کرند (۵۲۵۰ فٹ)	۸	۲۹
بارون آباد	۶	۲۰
ماہی دشت	۶	۲۲
کرمان شاہ (۵۰۰۰ فٹ)	۴	۱۴
بیستون	۶	۲۱
صحہ	۴	۱۶
کرنگادر *	۵	۱۸
سعید آباد	۶	۲۳
ہمدان *	۶	۲۵
میلاگرد	۷	۲۵

\* = دفاتر ماربرائی۔

نام مقام	فاصلہ بحباب فرسخ	تخمینی فاصلہ بحباب میل
ذره	۴	۱۶
نواران	۹	۳۶
شمیران	۴	۱۴
خوشکیک	۵	۱۹
خان آباد	۶	۲۲
رابط کریم	۸	۳۲
طهران (۳۸۰۰ فیٹ)	۷	۲۸

۴۱۲

۱۱۲

میزان

پس کل فاصلہ بغداد اور طهران کے درمیان ۴۰۸ + ۹۰ = ۵۰۰ میل ہے۔  
 کرمان شاہ اور طهران کے درمیان چار پار کی ڈاک اور چار پار خانے ہیں۔ لیکن خانیکن اور

۱۱۱ اس راستہ کو کلچل جزئی طور پر ہے۔ اس بنگلہ ہم نے ۱۸۱۷ء میں اپنی کتاب "ٹریولس ابن سیریا" (سفر سیریا) کی جلد اول فصل اول  
 ۱۱۲ ہم میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل سیاحوں نے اپنے سفر ناموں میں اس کا ذکر کیا ہے "پرسنل ٹریٹو"  
 (پرسنل ٹریٹو) فصل سیزدہم الی نوزدہم مصنفہ آنریبل جے کپل (۱۸۲۳ء) "ٹریولس ابن کرمستان" (زمفہ  
 کرمستان) جلد دوم مراسلات ہشتم الی دوازدہم مصنفہ جے بی فریزر (۱۸۳۳ء) "ارلی ایڈ ونچر" (ایستدائی  
 سرگزشت) جلد اول صفحہ ۲۰۱ الی ۲۵۲ مصنفہ سراج لیارد (۱۸۳۷ء) "گینڈیج" (خشکی کا سفر) جلد اول فصل  
 ۱۰ جلد دوم فصل ۱۔ مصنفہ ای۔ ایل۔ مٹھورڈ (۱۸۳۷ء) "میرٹو آت" اسے جرمنی نوڈی فریڈرٹز آف ٹرکی اینڈ پرسیا

کرمان شاہ کے درمیان صرف ایک ڈاک کی چوکی سرپل میں ہے جہاں ڈاک کے گھوڑے بدلے جاتے ہیں۔ اسلئے بغداد سے کرمان شاہ تک بذریعہ کاروان آنا پڑتا ہے۔

### پہاڑ، شہر اور آٹھارہ الصنادید

سفر تین اعتبار سے خاص طور پر دلچسپ ہے اولاً اگر اس کے عظیم الشان سلسلہ کوہ کو اس راستے سے خانیکن اور کرمان شاہ کے درمیان عبور کرتے ہیں۔ درہ



بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸۔ (سرحد ایران و مردم کی سیاحت کی داستان) مندرجہ "لمی ریکارڈس" مصنفہ کام فیکس جوز (۱۸۴۴ء) کاروان جرنیز (سفر نامے کاروان) صفحہ ۱۔ الی ۵۰ مصنفہ جے۔ پی فریڈ (۱۸۴۵ء) فرام دی انڈس ٹودی ٹانگریس (زراندس تاج و جہلم صفحہ ۴۱۳ الی ۴۶۹ مصنفہ ایچ ڈبلیو۔ بیلو (۱۸۴۲ء) حالات کرمان "فصل یازدہم الی سیزدہم مصنفہ ایچ بایندر (۱۸۸۴ء) بغداد سے طہران کو ایک اور راستہ محکم کی طرف سے ہی آتا ہے جسے کاروان بالہوم موسم سرما میں اختیار کرتے ہیں۔ گلگات سے متفرع ہو کر یہ راستہ حسب ذیل سمت میں جاتا ہے پیر سپاہ (۱۹ میل) پنج درہ (۲۵۰ ذرا آباد) سرک (۱۹) سیاوشان (۲۴) جیرود (۲۱) سلیمان (۱۶) رقم (۲۲) (دیکھو نیز ایران پر تاریخ و سفر و ایران نقشہ جلد اول مراسلات سوم الی ہشتم مصنفہ مسز ریشپ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ انیسویں ویں جو ایران میں اسطوطی کہلاتی تھی کبکی عام طور پر میٹیا۔ سوسانا اور کپیڈ و شیا میں پرستش کی جاتی تھی اس کے مندر کے کہنہ نگار میں موجود ہیں۔ دیکھو حالات آرمینا و غیرہ نقشہ جات ۱۶۲ الی ۶۸ مصنفہ سی ٹیکسیر۔ اور ایران قدیم "جلد اول نقشہ جات ۲۰ الی ۲۳ مصنفہ فلیٹن دکاسٹ۔ اس مندر کا پارٹین زمانہ میں تعمیر ہوتا ہے کیا جاتا ہے دیکھو "ایران کی قدیم صنعت" حقیقہ پنجم صفحہ ۱۱۱ مصنفہ ایم۔ ڈیو لاقاسے۔

کے سب سے زیادہ ڈہوان حصّہ کو جہنگ گرا کہتے ہیں اور جو سرپل اور کرند کے درمیان واقع ہے بوشہر و مشیراز کے راستہ کے "کوتلون" سے پوری تشبیہ دیجا سکتی ہے اور موسم سرما میں برف کی وجہ سے یہ درہ اکثر سد و درہتا ہے یہ چڑھائی مسافر کو اسیر یا اور کلدیہ کے ہوا رمیدانوں سے ایران کی اوس بڑی سطح مرتفع پر لے آتی ہے جسے مسافر ایران کو الوداع کہنے سے پہلے نہیں چھوڑتا مثلاً نیا ایران کے آباد اور پر رونق شہر کرمان شاہ اور ہمدان جبکہ حالات کے لئے ناظرین کو اس کتاب کا سولہواں باب پڑھنا چاہیئے اور جو نہایت ہی شاداب اور زرخیز قطعہ زمین پر واقع ہیں مسافر کے دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً آبیتون اور طاق بستان میں جو کرمان شاہ سے ہم میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہ ایران کے بعض نہایت ہی مشہور و معروف آثار قدیمہ کو پاتا ہے۔ چٹانوں کے ترشے ہوئے حصّے پتھر کی مورتیں اور بت اور کتبے جو پہاڑ کے تراشے ہوئے پہلوؤں پر اوسے نظر آتے ہیں اوسے نہ صرف عہد سلف کی عظمت و جلال کی داستان سناتے ہیں بلکہ وہ اُن مین اُون تاریخی کارناموں کو ثبت پاتا ہے جو دمیاط کے پتھروں سے بلحاظ وقوع اور اہم ہونے کے دور درجہ پر ہیں اور جبکہ آٹھ سو چودھ صدی نے حل کیا۔ جو مسافر تجس اور متحقق ہوں وہ ان کتبوں کو یہاں پڑھ سکتے ہیں۔

### خلاصہ

میں نے اب کس قدر تفصیل کے ساتھ اور جب قدر کہ اکثر لوگوں کو خیال ہوگا اوس سے زیادہ سابقہ محنت اور سعی کے ساتھ سرحد ایران کا دورہ ختم کیا ہے اور جو مسافر کہ سیاحت

ایران کا قصد رکھتے ہوں اونکے لئے ایسی معلومات بہم پہونچائیں ہیں جو انہیں کسی دوسری کتاب میں نہ مل سکیں گی لیکن میں نے ضروری خیال کیا کہ ایسی کتاب میں جسے اوس ملک کی معلومات کے متعلق جو کہ اوسکا موضوع ہے جامعیت کا دعویٰ ہے ایسے عام واقفیت کے امور بالتفصیل درج کئے جائیں۔

میں نے ایران میں شمال جنوب مشرق اور مغرب سے داخل ہونے کے طریقے بتا دیے ہیں اور جو راستے اور وسائل کہ اسکے لئے ضروری ہیں انہیں تفصیل و وضاحت کے ساتھ درج کر دیا ہے۔ اب اس باب کے ختم کرنے سے پہلے میرے لئے ساز و سامان کے متعلق اوس اطلاع کا بہم پہونچانا باقی رہتا ہے جو مشرق کے سیاح کیلئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ یورپ کی ریلوے پر ٹکٹ کا ہونا۔

### سامان قافلہ

ایران میں کاروان کے ذریعہ سے سفر کرنے کے لئے جو ساز و سامان مطلوب ہوتا ہے اوسکے متعلق میں ناظرین کو مفصل ذیل کتابوں کا حوالہ دینے سے بہتر کوئی اطلاع بہم نہین پہونچا سکتا۔ ”جرتی تہر و خراسان“ (سفر خراسان) مصنفہ سر چارلس ملگر گیر کی دوسری جلد کا ضمیمہ نشان اے۔ ٹکس منٹس ان پرشیا (چھ مہینے کا سفر ایران) مصنفہ مسٹر اے اسٹیک کی دوسری جلد کی تیرہویں فصل اور ڈاکٹر ولس کی دلچسپ کتاب ”ان دی لینڈ آف دی لائن اینڈ وی سن“ (شیر اور آفتاب کی سرزمین کی سیر) کا ضمیمہ نشان ج۔ کم لوگ ایسے ہونگے کہ انکو کاروان کے ہمراہ سفر کرنے کا پہلے کہیں اور تجربہ نہ ہو چکا

ہو اور وہ قافلہ کی زندگی کی ضروریات کے متعلق پہلے سے اپنی رائے نہ قائم کر چکے ہوں اور باوجود اسکے وہ ایران میں کاروان کے ذریعہ سے نیا نیا سفر کریں۔ خیموں کا عرض و طول بستر کی ہر کیت ہمارا لیجانے کے لیے سامان کی کمترین مقدار۔ گولی بارود کا ذخیرہ۔ ہمارا ہیون کی تعداد و اشیا خورد نوش یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنکے انتخاب کا انحصار ایک حد تک تو سیاح کے مذاق و مقاصد سفر پر ہوتا ہے اور ایک حد تک اوس وضع و روش پر جبکہ کہ رواج ہو اس لئے اگر زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ان امور کے متعلق ہدایات دی جائیں تو ممکن ہے کہ بعض لوگ انہیں زائد از ضرورت تصور کریں۔ یا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ دائرہ رواج سے خارج ہو جائیں۔ البتہ چار پار کے ذریعہ سے سفر کرنے والے سیاح کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ او سے غالباً انگلستان سے روانہ ہوتے وقت ذرا بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ آگے چلکر کیا پیش آئے گا اور اگر اُسے پہلے سے معلوم ہو کہ اپنے ہمراہ کیا لے چلتا اور کیا چھوڑ جانا چاہیے اور کن کن امور کا متوقع ہونا اور کن کن باتوں سے محترز رہنا چاہیے تو او سے نہ صرف بہت سی تکلیفوں سے دستگیری حاصل ہوگی بلکہ خرچ میں بھی کفایت ہوگی۔

### سامان سواری چار پار

یورپین وضع کے صندوق۔ بچے اور ٹوپی رکھنے کے صندوق۔ قچے ہمراہ لے جانے بے سود ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں ہمراہ لے بھی آیا تو یا تو راستہ میں اسے اونکو چھوڑ دینا پڑیگا اور یا وہ اس کے پیچھے پیچھے چوٹی کی چال خچروں یا کاروان کے اونٹوں پر آئینگے



اور آتے آتے انکے پرزے اڑ جائیں گے۔ جس اہل اصول پر چا پار سوار کو کار بند ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ رخت سفر کا ہر ایک حصہ کمیت کے اعتبار سے اتنا بڑا ہو کہ پوئہ پڑے ہوئے گھوڑے کے ایک طرف کو لٹکایا یا تسمہ سے باندھ لیا جاسکے۔ اور دوسرا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو رخت مسطور کے تمام اجزاء مساوی وزن اور یکساں جسامت کے ہوں۔ خفیف سی عدم مساوات بھی گھوڑے کو بہت گران گذرتی ہے اور اسے مین قدم قدم پر بٹھرنا اور بوجہ کو برابر کرنا پڑتا ہے۔ مین ایران مین دو اوسط درجہ کے گلیڈ اسٹون وضع کے تھیلے جنکا طول و عرض علی الترتیب ۲۲ انچ اور ۱۴ انچ تھا اپنے ہمراہ لیتا گیا اور چونکہ دوسرے مسافروں نے بھی جن سے مجھے سابقہ پڑا انہیں تھیلوں کے ساتھ سفر کرنا پسند کیا ہے اس لئے مین بلاتامل کر سکتا ہوں کہ یہ تھیلے سب مین عمدہ ہیں۔ ایران مین پہونچکر تم ہر ایک ایرانی قصبہ کے بازار مین دیسی زین کے خریطوں کا ایک جوڑا جنہیں یہاں خرچینین کہتے ہیں خرید سکتے ہو یا ایک دن مین فرمایش سے تیار کر سکتے ہو یہ خرچینین درمی اور چمڑے کو ملا کر بنائی جاتی ہیں۔ اپنے گلیڈ اسٹون تھیلوں کو ہر ایک خیمین مین ڈال لو اور اسے اپنے بار گیر کے گھوڑے کی پیٹھ پر لا دو۔ دونوں طرف کا وزن برابر ہوگا اور تمہیں پھر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ چونکہ بار گیر زین کا استعمال نہیں کرتا بلکہ جو سامان اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر لا دیا جاتا ہے اس پر ٹانگین پھیلا کر پیٹھ جاتا ہے اس لئے وہ اس کے علاوہ کمل کوٹ اور لیٹر جتھر چاہو لیجا سکتا ہے۔ تمہارا ایرانی ملازم جسے ضرور ہے کہ تم پہلے سے نوکر رکھ لو (کیونکہ بغیر ایسے نوکر کے سفر کرنا داخل

حماقت ہے) اپنے گہوڑے کی پیٹھ پر خربینوں کا ایک دوسرا جوڑا ڈال لیگا جس میں  
 چھوٹے چھوٹے تھیلے یا چیزیں کہنا پکانے کے برتن اور خود اسکا اپنا سامان بھرا  
 جاسکتا ہے۔ بالآخر تم خود اپنے گہوڑے کی قبور وں اور خربینوں میں سفر کی فوری  
 ضروریات یعنی شراب کا قابہ روپیہ۔ طینچہ۔ لوازم زینت اور کتاہیں وغیرہ ڈال سکتے ہو۔  
 گلکڈ اسٹونی تھیلوں کے علاوہ اپنے اپنے ہمراہ یہوڑے کے کوچ کے دو مضبوط تھیلے  
 لئے تھے جو نہایت مفید ثابت ہوئے۔ ان میں اگر کچھ بھرناسا تو بہت سی چیزیں  
 آسکتی ہیں۔ حالانکہ اگر ضرورت نہ ہو تو پیٹھ سے یہ ہٹوڑی سی جگہ میں آسکتے ہیں جو کچھ  
 میں نے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ جب قدر گہوڑے کا بوجھ ہلکا ہوگا اوس قدر جلد  
 تم منزل طے کر سکو گے۔

### سازو میراق

سازو میراق کے متعلق مجھے یہ کہنا ہو کہ ایرانی زمین جو تنگ اور اونچے کناروں کا ہوتا  
 ہے انگریزی زمینوں سے اس درجہ مختلف ہو کہ اگر ایک انگریز اوس پر سوار ہوگا تو اوس کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔  
 اوسے چاہیئے کہ ایک انگریزی کشادہ فوجی زمین مع قبور وں اور خربینوں کے اپنے  
 ساتھ لائے اور بہت سے قلابے باکندے بھی جنکے ساتھ تسلیے لگے ہوئے ہوں اپنی  
 ہمراہ رکھے کیونکہ ان کی راستہ میں بہت ضرورت پڑے گی۔ میں نے اپنے زمین کے  
 ایک قبور میں شراب کا ایک شیشہ جس میں ایک کوارٹس سے زیادہ شراب تھی اوچو کئی

۱۵ اندازاً سیر ہیر۔ مترجم

سوسیل کے سفر کی ضرورتوں کے لئے کافی تھی کہ لکھ لیا تھا۔ بعض دفعہ مسافر مسافر  
 حسد و ماندہ ہو جاتا ہے کہ کسی معین حرارت غریبی کا ساتھ نہ ہونا گویا اپنے منہ سے  
 آپ موت کا بلانا ہے۔ اور مجھے اوس بیچارے مسافر پر ترس آتا ہے جو ایران میں  
 چارپار کا سخت سفر اختیار کر کے چار نوشی پر اکتفا کرے۔ میں اپنے ساتھ ایک انگریزی  
 دمانہ اور دو باگ کی لگام لایا تھا اور انہیں کو میں نے برابر استعمال کیا۔ لیکن انگریزی دمانہ  
 کا استعمال علاوہ اوس صورت کے جب کہ گھوڑے کی حالت پر رحم کیا جائے اور کسی صورت  
 میں جائز نہیں۔ ایرانی قزئی اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور ایرانی گھوڑے اس سے  
 قابو میں نہیں آتے۔ اگر گھوڑا بڑھا اور ست ہوا۔ تو وہ اس قزئی کو ان جائے گا  
 لیکن اگر جاندار اور ایل کر نیوالا ہو تو سوار کو لیکر بہاگ جائیگا۔ بہر حال دیسی قزئی کا استعمال  
 عام طور پر بہتر ہے خواہ ایسا کرنا ظلم میں ہی داخل کیوں نہ ہو۔ زین کے ساتھ ایک منہ کا  
 عرق گیر بھی لے لینا چاہیے کیونکہ چارپار کے اکثر گھوڑوں کی پیٹھ زخمی ہوتی ہے۔ اور اگر

۱۵ سڑا مس ہر بڑ کو حب ذیل رائے ظاہر کئے ہوئے دوسو ستر سال کا زمانہ گذرتا ہے۔ ایرانی لوگ  
 اپنے گھوڑوں کی شوخی اور دم خم کو تیز قزئیوں سے جنہیں ایک آہنی حلقہ لگا ہوتا ہے کم کرتے ہیں اس میں  
 شک نہیں کہ اب بھی اسی قسم کی قزئی کا رواج ہے۔ اسکی شکل انگریزی حرف H کے مانند ہوتی ہے  
 بیچ کی سلاخ کے وسط میں سے ایک تیز بیج اوپر کو نکلی ہوتی ہے۔ اس بیج میں ایک قلابہ لگا ہوتا ہے جو  
 نیچے کے جبر سے کی طرف گزر کر نہایت زبردست دمانہ کی زنجیر کا کام دیتا ہے۔ اگر گھوڑا منہ کا ذرا بھی نرم  
 ہو تو خفیہ سے اشارے سے ہی وہ بیتاب ہو جائے گا۔ حالانکہ لگام کو زور سے کھینچتے وقت جیسا کہ ایرانیوں  
 کا اپنی شہسواری دکھانے کے لئے اکثر دستور ہے۔ بیچارے جانور کو سخت تکلیف ہوتی ہوگی۔

کوئی اور خیال نہ بھی ہوتا ہم انسانیت کا یہ ہی تقاضا ہے کہ اس احتیاط کو مد نظر رکھا جائے مین اپنی رکابوں کے گرد فلائین لپیٹ لیا کرتا تھا۔ کیونکہ شب مین اور علی الصبح سخت سردی پڑنے کے باعث لوہا بیخ ہو جاتا ہے اور اس ترکیب سے پاؤں ٹھنڈے سے محفوظ رہتے ہیں۔

## لباس

ارمی کے لئے مین ایک مضبوط نیکر باکر کے استعمال کا مشورہ دوں گا جو گھٹنے پر سترنگ نہ ہونی چاہیے کیونکہ اگر تنگ ہوگی تو کہنچنے سے جلد پھٹ جائے گی۔ مین نے ڈاکٹر ولس کے مشورہ پر کاربند ہو کر طفل سے روپی لمبے بوتون کے دو ڈھیلے جوڑے مول لئے۔ ان بوتون کو آسانی سے پہن اور اتار سکتے ہیں اور یہ نہایت لچکدار ہوتے ہیں اسکے علاوہ ڈھیلے ہونے کے باعث ان مین پاؤں گرم رہتے ہیں۔

ہندوستان کے انگریزی آفیسر بالعموم سواری کے وقت چھوٹے بوٹ اور پٹی کا استعمال کرتے ہیں اور بعض مسافر ونکو نیکر باکر کے بجائے پتلون پہن کر سواری کرتا زیادہ پسند ہے۔ شکاری بوٹ کی ایک جوڑی جسکے تلے مین میخین لگی ہوں سنگلاخ کو تلون اور درون مین پھرنے کے لئے مسافر کے واسطے ازبس ضروری ہیں اگر ہلکے جوتے ہونگے تو جلد اونکے تلون مین سوراخ ہو جائے گا۔ گوگوش (کفش پوش) ابھی ہمراہ لے لینے چاہئیں تاکہ امر

۱۔ پٹی غالباً ایک ایرانی الاصل لفظ ہے اور پائے تو اکا محقق سے جسے مازدران کے باشندے اپنی ٹانگوں کو گرد پلینے تھیں۔ ۲۔ گوگوش ایک انگریزی لفظ ہے جس سے مراد ہے وہ جوتا جو ایک دوسرے جوتے کے اوپر اس سے کچھ بڑا مین سے محفوظ رکھنے کے لئے پہنا جائے۔ ہمارے ملک مین چونکہ اس کا رواج نہیں اس لئے اسکے واسطے کوئی لفظ ہی نہیں مین اس کا ترجمہ کفش پوش کیا ہے گو اس لفظ سے کان آشنا نہیں لیکن نئے خیالات

و عائد سے ملنے جاؤ تو انہیں پہن لو۔ کیونکہ ان لوگوں کو اپنی قالینوں کی صفائی کا بڑا خیال ہوتا ہے اور وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص گرد آلود یا کچڑ میں بھرے ہوئے جوتی کا داغ اونکے فرش پر لگائے اور پنڈلی اور گھٹنے تک کی ادنیٰ جرابیں ضرور ہاتھ میں اور مہینز کی ایک جوڑی کا ہونا بھی لازمی ہے سواری کے وقت ہمیشہ فلائین کی قمیصیں پہننی پڑتیں گی گو کہ طہران کے نکتہ چین لوگوں کے جاسون میں پہن کر جانے کے لئے سوتی قمیصوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ سواری میں مجھے نارفاک وضع کو اکھرے کار اور بہت سی جمیوں والی جیکٹ (مرزی) کی وجہ سے بہت بڑا آرام ملا۔ سواری کے لئے میرے نزدیک اس سے بہتر لباس نہیں ہو سکتا اور میں ایک دوست کے شکریہ سے کبھی عہدہ برائے ہو سکو گا جسکے مشورہ پر عمل پیرا ہو کر میں نے کاتی ہوئی اون کی ایک کارڈیگن وضع کی داسکٹ (فتویٰ) اپنے ہمراہ لے لی گرمی کے وقت میں اسکو اٹار ڈالتا تھا اور سردی میں پہن لیتا تھا۔ اور سردی میں تو مجھے اس سے وہ آرام ملا کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر شاہی خاندان کے لوگوں اور صوبہ داروں اور وزرا سے ملتا ہو تو ایک سیاہ فزا ک کوٹ (کھلے یا بند گلے کا گھٹنوں تک کا کوٹ) بھی ضرور اپنے ساتھ رکھنا چاہیے جس شخص نے ایک کٹا ہوا کوٹ پہنا ہو ایرانی اسکو نہایت غیر مقلع خیال کرتے ہیں اور اگر اس وسیع دامن والے لباس سے جسے شاہ کچکاہ پہنتے ہیں ایرانیوں کے مذاق کا اندازہ لگایا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدن کا پیچھے کا حصہ بقدر زیادہ لمبوس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶ کو اپنی زبان میں لانے کے لئے کالون کو مجبوراً ایسی آوازیں سے اٹھانا پڑے گا۔ مترجم

ہوگا اوسی لحاظ سے اونکے نزدیک پنڈولے کا رتبہ اور درجہ بڑا ہوا ہوگا۔ بخلاف اس کے  
 اوہنین کے لباس کا چندان خیال نہیں ہوتا۔ اور ملک مین شاہی ایک ایسا شخص ہو  
 جس سے ملنے کے لئے ایک لمبی ہیٹ (انگریزی ٹوپی) پہنی واجباً ہے۔ سواری  
 کے مضبوط داستانے بھی سفر میں مطلوب ہونگے اور مجھے میگلر کے ساتھ اس امر  
 میں اتفاق ہے کہ ایک دہری ترائی ہیٹ کا اٹنا سفر میں استعمال کرنا چاہیے۔ ہیلیٹ  
 (انگریزی خود نما ٹوپی) کی طرح یہ ٹوٹ نہیں سکتی۔ دھوپ کی تیزی سے سر کو محفوظ رکھتی ہے۔  
 اور شہر میں داخل ہوتے وقت اگر تم اسکے بیرونی خول کو اتار دو تو وہ نئی نخل آتی ہے اور معلوم  
 ہوتا ہے کہ گویا تم ابھی بانڈا سٹریٹ (لندن کے ایک وضعدار محلہ کا نام) سے نکلے ہو  
 لیکن مدید تجربہ کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ اور کپڑوں کے علاوہ ایک ڈریس سوٹ  
 (کہانے کے کپڑوں کا جوڑا) ضرور ہمراہ رکھنا چاہیے۔ مجھے خواہ کل ہی لاسہ یا ٹمبکو کا سفر  
 اختیار کرنا پڑے تاہم ڈریس سوٹ ضرور میرے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ خواہ مین  
 حبشیوں کے بادشاہ کی حضور میں باریاب ہوں خواہ تہمت کے لالہ کے دربار میں جاؤں  
 ہر جگہ یہ ڈریس سوٹ میرے کام آئے گا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ مینے کسی سر  
 یسنا تھا کہ جرنیل گارڈن جب قاہرہ سے خرطوم کو روانہ ہوا تو وہ ڈریس سوٹ پہنے  
 تھا۔ اوپر کے لباس کے متعلق روزمرہ کے استعمال کے لئے مین ایک بالائی کوٹ۔  
 اگر برسات ہو تو ایک برساتی اور ایک ہنایت گرم اور کوٹ کے پاس رکھنے کا مشورہ  
 دوں گا۔ کیونکہ راتوں کو بعض دفعہ غشب کی کرکڑانی سردی پڑتی ہے۔

## بستر



یرانی چا پارخانوں میں پلنگ نہیں ہوتے۔ مسافر کے پاس اگر اپنا سفری پلنگ نہ ہوگا تو اسے فرش خاک پر سونا پڑے گا۔ سب سے بہتر طریقہ اس کی تلافی کا یہ ہے کہ مسافر اپنے ہمراہ ایک بڑا کر مچ کا تھیلہ لیتا جائے جو ساڑھے تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا ہو اور ایک طرف سے اس طرحیہ کہلا ہو کہ جب چاہیں اس سے بٹن لگا کر بند کر سکیں۔ ایران کے ہر ایک گاؤں میں جو کی کٹی جسے وہاں کاہ کہتے ہیں مل سکتی ہے۔ تھیلے کو اگر اس سے بھر کر فرش پر بچھا دیا جائے تو ایسا نرم اور گدگد اچھوٹا بن جاتا ہے کہ اس سے بہتر دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک ایرانی بازار میں رصا سیاں بکتی ہیں۔ ایک رصائی کہیں سے خرید لے اور کچھ عمدہ قسم کے کمل اور ایک تکینہ ولایت سے اپنے ہمراہ لیتے آؤ ایک موم جامہ کی چادر بھی مفید ثابت ہوگی جسے دن کے وقت بستر کے گرد لپیٹ سکیں اور اسے کوادب کے نیچے بچھا سکیں۔ میں اپنے ساتھ سوتی چادرین بھی لایا تھا لیکن کسی چا پارخانہ میں انہیں ایک دفعہ بھی میں استعمال میں نہیں لایا۔ سہمی نہایت شدت کی پڑتی تھی اور میں اس قدر تھکا ہوتا تھا کہ پورے کپڑے بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ غسل کرنے اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے ربرٹ کے تہ ہو جانے والے حمام اور ایک طشت کے ساتھ رکھنے سے نہایت آرام ملے گا۔ تو لئے بھی ضرور ساتھ لے لیئے چاہئیں۔ غسل کے جو معنی ہم سمجھتے ہیں ان معنوں میں ایرانی غسل نہیں کرتے اور اس لئے اونکے غسل کے سامان و لوازم پر تکلف نہیں کرتے۔ چونکہ چا پارخانوں کے جن کمروں میں مسافر قیام کرتے ہیں اونکے دو اور بعض دفعہ تین

دروازے ہوتے ہیں جو باہر کی طرف کو کھلتے ہیں اور یہ دروازے ہمیشہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور اکثر تو سرے سے ہوتے ہی نہیں اس لئے ہلکے پردوں کی ایک جوڑی اور کچھ کیلین اپنے ہمراہ رکھنی چاہئیں تاکہ باہر کی سردی ہوا کے جوہر کے جہان تک ممکن ہو اندر نہ آئے پائین۔

## کھانا اور پکانا

مسافر کہ گھوڑے پر کڑی منزلیں طے کرتا ہے اسے غالباً یہ بات معلوم ہوگی کہ اس کی غذا بہت کم ہے اور اس بارہ میں اس کی ضروریات آسانی سے پوری ہو جاتی ہیں۔ سر تک کے کنارہ جو گانوں واقع ہیں اون میں اور ڈاک کی چوکیوں سے روٹی اور انڈے ہمیشہ خریدے جاسکتے ہیں اور بعض دفعہ ایک آدھ بڈھی مرغی بھی مل جاتی ہے۔ دودھ ہر جگہ دستیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ گائیں یہاں زیادہ نہیں پالی جاتیں اور جب مینے دودھ کی جستجو کی تو مجھے اکثر ناکامی ہوئی۔ بکری کا دودھ یہاں عام طور پر گائے کے دودھ سے زیادہ ہوتا ہے ایک ماہی تو ایک چار کی کیتلی اور ایک چار دانہ ضرور اپنے ساتھ رکھنی چاہیئے۔ یہ تمام چیزیں ایران کے ہر ایک بازار میں مل سکتی ہیں۔ تاجیخنی کی کشتیوں گلاس۔ انڈے دان۔ چھریان۔ کانٹے اور ایک چھوٹا سا ایٹنا کے نشان کا لیمپ جس میں روح شراب جلتی ہے یورپ (باکو) سے ساتھ لانے چاہئیں۔ ٹینوں میں بند کئے ہوئے گوشت شربے اور بکٹ آج کل طہران اصغہان اور شیراز کے یورپین یا ازبکی سوداگروں کی دکانوں سے مل سکتے ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان چیزوں کو



اپنے ہمراہ لایا جائے۔ کراس اینڈ بلیکول کاٹھنوں میں بند کیا ہو اشور یا نہایت خوش طعم ہوتا ہے اور آسانی سے تیار کئے جاسکتے کے علاوہ پوری غذا کا کام دیتا ہے۔ قرص یا سفوف کی شکل میں تیار کیا ہو اشور یا اپنی قسم کی اچھی چیز ہے اور تھوڑی سی جگہ میں بہت سا آجاتا ہے لیکن اس کے پکانے اور تیار کرنے میں محنت اور وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ سارڈین مچھلی محفوظ کیا ہو گوشت۔ چاکولیٹ یا کوکالیلیگ کی بیف ٹی (ماء اللحم) اور عمدہ چار یا کافی مفید ثابت ہوں گی۔ ان چیزوں کو یورپ سے خرید لیتا چاہیے۔ دانہ دار شکر ایران کے چوٹے سے چوٹے گاؤں میں خریدی جاسکتی ہے اثنائے سفر میں اپنا کھانا ہمیشہ قریباً خود ہی پکاتا رہا۔ ایندھن سستا ہے اور آسانی سے خریدا جاسکتا ہے دو اینٹوں سے بڑا اچھا چولہا بنجاتا ہے اور اگرچہ دھوئیں کے نکلنے کے لئے دروازہ کے سوائے اور کوئی راستہ نہیں ہوتا پھر بھی اس باورچیگی میں وہ لطف حاصل ہوتا ہے کہ جس شخص نے دن میں اسی میں سفر کیا ہو وہی اس سے آشنا ہو سکتا ہے۔

### ادویہ

ایک چھوٹا سا ادویات کا صندوق اپنے ہمراہ رکھنا چاہیے۔ اجنبی کو خاص طور پر جن بیماریوں کے اندفاع کا انتظام کرنا ہوگا وہ بخار۔ اسہال اور پیش پین کلوروڈین اور کوئین اس صندوق کے اجزاء کا جزو اعظم ہونگی

### ہتیار اور گولی بارود

اگر سیاح کو شکار کا شوق ہے تو ظاہر ہے کہ وہ جس قسم کا شکار کرنا چاہتا ہے اسی کے

لحاظ سے اپنے پاس بندوق اور کارتوس وغیرہ رکھ لے گا۔ لیکن اگر محض ملک کی سیر  
 کیلئے وہ معروف شاہراہوں پر سفر کر رہا ہو تو مین اور کو بندوق اور کارتوس اپنے ساتھ  
 لیجانے کا مشورہ نہیں دیتا کیونکہ وقت صرف کئے اور محنت اٹھائے بغیر شکار آسانی سے  
 دستیاب نہیں ہو سکتا اور ان آلات کی وجہ سے اس کے سامان کا بوجھ بہت کچھ بڑھ جائیگا  
 دور از راہ مقامات میں شکار با فراطمنا ہے اور شکاری کے پاس ہدایات کے ساتھ اگر  
 صید افگنی کا سامان کافی دوائی ہو تو اسے بہت کچھ مل سکتا ہے طہران کی نواح میں  
 بہترین شکار گاہوں پر شاہ کا قبضہ ہے لیکن مین بامثال کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص شکار کا  
 خواہان ہو اور شاہی شکار گاہ کے کسی محافظ سے وہ دو چار ہو جائے تو ایک شکاری  
 کا انعام یا کردہ بڑی خوشی سے اسے شکار کے ہانکنے میں مدد دیگا۔ شمالی علاقہ میں  
 شیر اور جنوبی اور جنوبی مغربی حصہ میں شیر بہر پائے جاتے ہیں۔ اور جنگلی مرغ اور تیر تو جگہ  
 ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال کوہ میں انواع و اقسام کے ہرن اور چکارسے اور جنگلی  
 بہرہ میں اور بکریاں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ کوہستان البرز میں جنگلی ریچھ اور جنوبی دریاؤں  
 کے کناروں پر جنگلی سور دیکھنے میں آتے ہیں جو مسافر کہ عام طور پر شکار نہ کہیلنا چاہتا ہو  
 اس کے لئے قرین مصلحت ہو گا کہ ایک ریوالور (کئی فزبون کا پیچھے) اپنے ساتھ رکھے  
 ڈاکو اور لیٹرے محض اس خیال سے کہ وہ مسلح ہے اس کے نزدیک آتے ہوئے جھکیں گے  
 مین نے اپنے پستول سے اس سے زیادہ قاتلانہ کام نہیں لیا کہ باتو بہا گئے ہوئے  
 تیرن پر چھوڑا اور یا ایک دفعہ ایک لنگڑے گدے کو جسے اس کے مالک نے چھوڑ دیا

تھا اس مصیبت سے نجات دی۔

## خفیف امور کے متعلق مشورہ



ٹی ٹیچھوٹی چیزیں جو اثنائے سفر میں مفید ثابت ہوں گی لیکن جنکے افادہ کے زیادہ بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں یہ ہیں۔ مومی و یا سلائیان۔ تہ ہو جانے والے مومی تہیوں کے اکے (مومی بتیان ایران کے بازاروں میں ہر وقت مل سکتی ہیں) کرم کش سفوف۔ موم روغن (تداخل و تضاد آب و ہوا کی وجہ سے جلد پہٹ جاتی ہے) تمازت آفتاب کے اثر سے بچنے کے لئے ایک آسمانی رنگ کی عینک۔ ہوا سے بھرے جانیوے مکئیے ایک دور بین اور سب میں آخر لیکن باعتبار افادہ کے سب میں افضل خطہ ایران کا بہترین نقشہ جو روپیہ خرچ کرنے سے مل سکتا ہو۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس آخری خواہش کے پورا کرنے کے لئے اس کتاب کی خریداری کی ضرورت لاحق ہوگی تو مجھے امید ہے کہ میرا یہ قول گستاخانہ مستور نہ ہوگا۔

## سفر کا موسم

سفر ایران کے لئے بہترین موسم کے انتخاب کے دو اختیاری پہلو ہو سکتے ہیں یا تو موسم خزان کا آخری حصہ اور یا فصل بہار۔ موسم اول الذکر اکتوبر سے جنوری تک رہتا ہے اور ثانی الذکر مایچ سے شروع اور مئی میں ختم ہوتا ہے عام طور پر اواخر ماہ دسمبر میں طہران میں اور آذربائیجان میں اس سے بھی پہلے برت پڑتی شروع ہو جاتی ہے اور مرقع درون کو بند کر دیتی ہے اور مسافر کو اس کی وجہ سے سردی کی نہایت رحمت اٹھانی پڑتی ہے

مارچ میں برف پگھلنے لگتی ہے۔ موسم بہار کے سفر کا فائدہ یہ ہے کہ ہر طرف سبزہ زار نظر آتا ہے جو مسافر کو کسی دوسرے موسم میں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ پرندوں کو چہچہاتا ہوا سنتا ہے اور پہلوں کو کہلاتا ہوا دیکھتا ہے اور ایران کے قومی شاعری کے معنی کو انہیں کی وساطت سے حل کرتا ہے اور اس موسم کے سفر میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دن لمبے ہوتے ہیں جن سے لمبی منزلین آسانی سے طے ہوتی ہیں مگر ان تمام دلفریبیوں کے ساتھ یہ عذاب بھی لگا ہوا ہے کہ دوپہر کے وقت سخت گرمی ہوتی ہے اور رات کے وقت کھٹل پسوا اور چہرہ سستا ہے۔ بخلاف اسکے خزان اور جاڑے میں آب و ہوا توانائی بخش اور دلکش ہوتی ہے۔ میں نے ایک ہزار میل کا سفر گھوڑے پر طے کیا اور راستہ میں مینہ کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔ اور جو ملک کہ غلاظت کی وجہ سے مشہور ہے اوس میں ایک پسو نے بھی مجھے نہیں ستایا لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بات بھی ضرور تھی کہ نہ سبزہ کی دلفریبی تھی اور نہ منظر کی دلکشاؤں اور جون جون جاڑے پڑتے جاتے تھے دن گھٹتے جاتے تھے اور رات کے وقت شدت کی سردی پڑتی تھی۔ گرمیوں میں دن کے وقت سفر کرنا ناممکن ہے۔ مسافر پاتو سوتے ہیں اور یا آرام کرتے ہیں اور سفر چاند کی چاندنی اور تاروں کی چھاؤں میں رات کے وقت کیا جاتا ہے۔

۱۔ یہ ایک امریکین سیاح ہی کا حصہ تھا کہ اوس نے اول تو ایران میں موسم گرما میں سفر اختیار کرنے کی غلطی کا مرتکب ہو کر راتوں کو منزلین طے کیں اور پھر دوسری غلطی یہ کی کہ جو کچھ اوس کے دیکھنے میں نہ آیا تھا اوس کے متعلق ایک کتاب نگہ داری دیمونڈ ٹائیٹ مارچزان پریشیا (ایران کا سفر نیم شبی) مصنفہ ایچ بیلٹائن۔

# تیسرا باب

## لندن سے عشق آباد تک کا سفر

میں آتا ہوں مغرب سے مشرق کی جانب      سمت اپنا باد صبا کو بنا کر  
دکھاتا ہوں اون پستیوں کا تماشا      جو اس خاکدان میں ہوئیں تار گستر  
(شکسپیئر "ہنری رابع" حصہ دوم)

## پیرس سے قسطنطنیہ تک کا سفر

ادارہ ستمبر ۱۸۸۹ء میں پیرس سے نئی "اورٹنٹ اکسپرس" ریل میں روانہ ہوا جو پستھ پہنچ کر بلگریڈ۔ صوفیا اور ایڈریانوپل ہوتی ہوئی قسطنطنیہ آتی ہے۔ سرویا بلگریڈ اور ترکی میں اسکی رفتار نہایت ہی دہیمی پڑ گئی تھی لیکن پھر بھی میں قسطنطنیہ میں وقت پر پہنچا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سفر جس میں اب پورے ساڑھے اٹھتر گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور جسکی تکلیف دہ تاخیر کا اسکے بعد ایک دفعہ اور میں تجربہ کر چکا ہوں کم از کم سا آٹھ گھنٹہ کم میں طے کیا جاسکتا ہے لیکن ریلوں کے سلسلہ ہائے متعلقہ کے نظام کی سائنے اس تجویز کا پیش کرنا کچھ لاعاصل معلوم ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ میں پہنچنے اور روانہ سے روانہ ہونے کی تکلیفیں مشہور ہیں اور بہت سے مسافروں کو اونکا خمیازہ کینیچنا پڑا ہے۔

لیکن کشتی سے اترتے وقت کا عذاب جو رشوت دے دلا کر کبھی قدر کم ہو سکتا ہے ان  
 جانکاہ مصائب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو جنگی کے معائنہ کے وقت پیش آتی ہیں۔ ستنبول  
 کے جدید ریلوے اسٹیشن پر ترکی افسر جنگی کا معائنہ کرتے وقت مسافروں کے ساتھ  
 ایسی کج خلقی سے پیش آتے ہیں جو ادھنہیں کا حصہ ہے میرے پاس ایک پروانہ راہ داری  
 تھا اور ریلوے اسٹیشن پر سفارت کی طرف سے ایک "خواص" مجھے لینے بھی آیا لیکن اعتبار  
 اور اعزاز کی ان علامات کے باوجود مجھے جنگی خانہ میں سوا گھنٹہ تک روکا گیا۔ میرے  
 صندوق میں جو اسباب بھرتا ہوا ہے نہایت بے رحمی سے الٹ پلٹ کیا گیا جن چیزوں کو  
 احتیاط اور حفاظت کے ساتھ مینے سفر ایران کے لئے باندھا اور بند کیا تھا او نہیں کھول کر  
 ایک ایک کر کے دیکھا اور جانچا گیا اور ایک صندوق جس میں چند جلیبی گڑیاں تھیں جو میں ایران  
 میں لوگوں کو تحفہ دینے کے لئے لایا تھا اسے کھلو کر فخریہ طور پر اس امر کا اعلان کیا گیا کہ  
 میری نیت اس مال کو خفیہ طور پر بے محصول ادا کرنے کی بجائے کی تھی اور فوراً اس پر  
 محصول لگایا گیا۔ اگر جنگی کے محصول لینے کا یہی طریقہ یا یوں کہیے کہ اس طریقہ کے  
 نفاذ کا یہی طریقہ قائم رہا تو بجائے اسکے کہ مسافر اس راہ سے قطنطنیہ آنا پسند کریں۔  
 وہ اور اولٹے اس سے احتراز کریں گے۔

### پروفیسر (علامہ) ویمبری

پیرامین خوبی قسمت سے مجھے معلوم ہوا کہ جس ہوٹل میں مین مقیم ہوں اوسے مین  
 میرے دوست پروفیسر ویمبری بھی فرود کش ہیں۔ سلطان کے مدعو کرنے پر وہ ہنگری کی

ایک کمیشن کے صدر ہو کر آئے تھے تاکہ استنبول کے محمولوں کے تاریخی اور علمی خزانوں کا سرلغ لگائیں۔ جو سفر کہ مین اختیار کرنے والا تھا اور جس کے بعض حصوں کو دہائیس سال پہلے آج کل کے مقابلہ میں کم خوش آئند حالات میں ملے کر چکے تھے اس کے متعلق میری اون سے دیر تک نہایت دلچسپ گفتگو ہوتی رہی اس عرصہ میں خود ایران میں تو کوئی معتدہ انقلابات واقع نہیں ہوئے لیکن ایران کی ہمسایہ سلطنتوں کی حالت بہت کچھ بدل گئی ہے جو علاقہ کہ پہلے ترکمانوں کی تاخت و تاراج کی جولا کھاہ بن رہا تھا اور جہاں تاتاری لوگ پہنچے حکومت کرتے تھے وہاں اب روسی ستمبری کا پھر ہے اور ان وجوہ سے جو دلچسپی کہ اس خطے سے وابستہ ہے وہ دس حصہ زیادہ محویت انگیز ہو گئی ہے۔

### بحیرہ اسود کے ظرف دار آگبوٹ

چونکہ میرے لئے ایک تاریخ مقررہ کہ باطوم پہونچنا ضروری تھا تاکہ مین اس جہاز پر جو باکو سے چھوٹنے والا تھا سوار ہو سکوں اور گوڈن ہارن سے کوئی مسافر کشتی دہان اس عرصہ میں جانے والی نہ تھی اس لئے مین نے ایک آگبوٹ میں جس پر انگریزی پھر پرا اڑتا تھا اور جو نیو کیسل کی آر مسٹرنگ پھل اینڈ کمپنی کی ملک سے تھا باکو جانی کا انتظام کر لیا یہ آگبوٹ اون تھی قسم کی دفائی کشتیوں میں سے ہے جو آجکل بہ تعداد کثیر بحیرہ اسود کی موج پتائی کرتی ہیں اور ٹینک اسٹیٹم (ظرف دار آگبوٹ) کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں باطوم سے مٹی کا تیل بھر کر لانے کے لئے خاص ترکیب سے تیار کیا گیا ہے۔ اس قسم کے تیل آگبوٹوں کا ایک بیڑا موجود ہے جن میں سے اکثر انگلستان میں تیار ہوئے ہیں اور بینش سے مزید

انگریزی تاجرون کے قبضہ میں ہیں۔ باطوم اور لندن۔ لیورپول۔ وینس۔ ٹریسٹ۔  
 ہیمبرگ۔ رائڈم۔ اینڈورپ اور براعظم یورپ کے دوسرے بندرگاہوں کے درمیان  
 یہ آگبوٹ چلتے رہتے ہیں ہندوستان چین اور جاپان کو جہان دفعۃً بہت سامان  
 جانے لگ گیا ہے تیل ظرف دار آگبوٹوں میں نہیں لے جاتے بلکہ ڈبوں میں بند  
 کر کے لیجاتے ہیں جنہیں اطراف و اکناف ملک میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ظرف دار  
 آگبوٹ علیحدہ علیحدہ آہنیں ظرف کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے جن میں باطوم کے  
 حوضوں سے تیل براہ راست بند لینل کے پہونچا دیا جاتا ہے اور باطوم میں باکو سے  
 ظرف دار ریل گاڑیوں میں بھر کر لایا جاتا ہے۔ ان آگبوٹوں میں سے بعض تو پرا نی مال  
 بھر کر لیجانے کی کشتیاں ہیں جنہیں موجودہ صورت میں بدل دیا گیا ہے۔ لیکن نئے آگبوٹوں  
 کی ترکیب اور ساخت میں دن بدن زیادہ اصلاحیں ملحوظ رکھی جا رہی ہیں۔ حال میں کچھ  
 آگبوٹ ایسے بنے ہیں کہ ۴۰۰۰ ٹن (۱۲۰۰۰ من) تیل اون میں بھرا جاسکتا ہے اور  
 امید ہے کہ آگے چل کر اس سے بھی بڑے جہاز تیار ہو سکیں گے۔ جس آگبوٹ ”لکس“  
 نامی میں میں سوار تھا وہ اوس وقت خالی تھا لیکن باطوم کو وہاں سے نیا مال لانے کے

۱۵ اب ہندوستان میں ہی تیل آہنیں ظرف دار جہازوں میں آنے لگا ہے اور ہندوستان کی  
 بندرگاہوں میں بڑے بڑے نی کے تیل کے حوض بنادئے گئے ہیں۔ جن میں تیل آگبوٹوں میں سے  
 بذریعہ نی کے کپنچر بھر دیا جاتا ہے اور پھر وہاں سے ریل کی ظرف دار گاڑیوں میں جو خاص اسی مقصد کے  
 لئے تیار کی گئی ہیں۔ بھر کر ملک کے مختلف حصوں میں بکریا جاتا ہے۔



لئے جارہا تھا اس کے ظروف میں دو ہزار ٹن تیل سما سکتا ہے۔ یہ آگہوٹ اگرچہ مسافروں کی آمد و رفت کے لئے خاص طور پر نہیں بنائے گئے ہیں لیکن جس مسافر کو جلدی ہو او سے ان میں سوار ہونے سے یہ فائدہ ہے کہ یہ قریباً تمام مسافر آگہوٹوں کی طرح۔ اینبولی۔ سینوپ۔ سمسون اور تربزان کے ترکی بندرگاہوں میں ٹھہرتے نہیں ہیں بلکہ سیدھے باطوم کو جاتی ہیں جہاں نوٹاٹ (جہازی میل) فی گھنٹہ کی رفتار سے قسطنطنیہ سے تین دن سے بھی کم میں پہنچ سکتے ہیں۔

## باطوم کا شہر اور اسکی آبادی

یہاں ایک سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ مجھے باطوم میں ایک دفعہ پہلے بھی پانچ دن تک اون عظیم الشان طوفانوں میں سے ایک کی باعث جنگلے لے بے بحیرہ اسود ہمیشہ سے

۱۵ دوسرا سال ہو تو میں کہ مشہر سیاح سر جان چارڈن نے بحیرہ اسود کی جہاز رانی کے خطرات کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔ دوسرے سمندروں کے مقابل میں یہاں طوفانوں کے زیادہ شدید اور زیادہ خوفناک ہونے کا یہ باعث ہے کہ اسکا پانی ایک محدود تنگنا کے اندر مقید ہے اور نکلنے کا کہیں راستہ نہیں۔ آبنائے باغورس بوجہ زیادہ سیدھی ہونے کی اسکا مخرج نہیں ہو سکتی اور اسلئے جب طوفان کی وجہ سے پانی میں سخت توج برپا ہوتا ہے اور ساحل سے گھرا ہوا ہونے کے باعث اسے نکلنے کو کہیں راستہ نہیں ملتا تو موجیں بلند ہوتی ہیں اور ہر طرف دھماکتا تمام جہاز کو تھپیڑے مارتی ہیں اور ہر طرف سے آکر اس کے پہلوؤں پر ٹکراتی ہیں۔ ”ٹریولرس انٹوپیشیا“ (سفر ایران) صفحہ ۱۵۶۔

مشہور چلا آیا ہے ٹھہرا ہوا پڑا بحیرہ اسود پر بائرن نے جو مشہور نظم لکھی ہے وہ ہم کو یاد ہے لیکن اس کے اقتباس کی یہاں پر ضرورت نہیں) لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اس سمندر کی خوبصورت مگر غیر دلاویز شکل اس قدر جلد بچھ دیکھنے کا موقع مجھے ملیگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس ایک سال کے وقفہ میں روسیوں نے اس شہر کی حالت کو سدھارنے اور اسے مستحکم کرنے میں بے حد مستعدی سے کام لیا ہے گیارہ سال پہلے ہوتے کہ عہد نامہ برلن

۱۵ ہزار کلسنی لارڈ کرزن بالقابہم نے اس نظم کا اقتباس اس مقام پر اسوجہ سے درج نہیں فرمایا کہ انگریزی دان لوگ بائرن کی مشہور نظم سے بخوبی واقف ہیں لیکن چونکہ اردو دان ناظرین قدرتی طور پر اس نظم کے مشتاق ہو گئے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ میرا اس نظم کا ترجمہ یہاں درج کرنا ان کے لئے باعث سرور دلچسپی اور اس لحاظ سے حجم کتابت میں اضافہ نہ کرنے کی خطا کیلئے میرا شفیق ہوگا۔ مترجم

بے جا اے ہم نریت و عینق و تیرہ دا خضر	تجھے بیڑوں کی کیا پروا جہازوں سے تجھ کیادڑ
زمین کو گھیر کر تاسے تیرہ اور پائمال انسان	تفوق اس کا مست جاتا ہے ساحل پر مگر آکر
تری ہر موج طوفان خیر ہے منشور بربادی	حکومت ہے تو ہو تیری ہی ملک آب پر یکسر
نہیں رہتے یہاں آثار باقی اس کی عادت کے	غیبت بلکہ انسان خود یہاں ہے اور تو غارتگر
اوسے تو غرق کر دیتا ہے مثل قطرہ پہنا سے	صبا آہ کی دستار موج آب کی چسار
نہ گراؤ کو میسر ہے نہ حاصل ہو کن اس کو	نہ پرسان ہے کوئی اوس کا نہ کوئی بوجھ خوان اوپر
تری راہوں پر انسان کے قدم جم ہی نہیں سکتے	نہیں وہ جہین سکتا تیرے میداؤں سر مال و زر
تو ختم آلودہ ہو کر اور جہنملا کر جو آٹھتا ہے	تو نہیں ہوتی ہے اس کو بس تری موجوں کی اکاٹھ
اوسے حاصل ہے جو طاقت زمین برباد کر لے کو	مچاتا ہے وہ جکے زعم میں ہر روز رشور و شر
تجھے لغت ہی اس سے اور تو فرط حقارت سے	لگاتا ہے او سے سیلاب ریت ناک کی ٹھوکر

کی رو سے روسیون کو باطوم میں اول قدم رکھنے کی جگہ ملی اور ساڑھے تین سال گذرتے ہیں کہ انہوں نے نقص عہد کر کے اوس مقام کا جو اس وقت تک ایک عام بندر گاہ تھا۔

نہیں رہتا تو اوس کا باقی ہو کے سرگردان  
اد سے اس کیسی میں اپنے یاد آتے ہیں اب معبود  
کی ساحل پہ اوس کو پہنچ دیتا جو تو آخر کار  
وہ بیڑے جو چمکتے اور گر جیسے ہیں دم پیکار  
ملائے ہیں جو شہر و قلعہ سنگین کو مٹی میں  
ہر اسان ملک ہیں جن سے لرزاتی ہیں زمین و آسمان  
تہنگ چوب انہیں کہیں کہ جن کا صانع خاکی  
انہیں کھلے یہ وہ یہ دعویٰ یہودہ کرتا ہے  
کہلو نے ہیں یہ تیرے اور چلی کر بارہا تو نے  
کیا تو نے ہی سر نہ چاغہ رور آدمیل اکا  
خزے ایک ایک ساحل پر ہے اک اک سلطان  
ہوئی کیا عظمت یونان ہوئی کیا شوکت بابل  
زمانہ جب موافق رہا بنایا تیری لہروں نے  
بہت سے خاصہ رون اور جباروں کو ان پہ ٹولایا  
تغیر اس قدر لایا زوال اور انحطاط ان کا  
نہیں ممکن مگر اسے بحر تجہ میں انقلاب آنا  
ترا حسن اس بلا کا ہے نہین قدرت زمانہ من  
نظر آیا تھا صبح کن نکلان کو جس طبع لیرینہ  
وہ جب کہتا ہے تیرے بڑھ کر داسٹین پیکر  
وہائیں مانگتا ہے ادن سے ہو کر عاجز و مضطر  
پڑا رس زمین پر مٹا اٹھا اے ابن آدم سر  
لسان شعلہ برق و مشال نالائش در  
مٹا لے ہیں جو نقش بارہ و برج و فصیل و در  
بڑے مہیت سے جن کی کانپتے ہیں تاج و تہر  
عبث نازان ہو اوس شہر بنا جسکی ہر پانی پڑ  
کہ تو اوس کا ہے محکوم اور وہ تیرا حاکم و داور  
انہیں توڑا ہے موج آسمان پیکر سے ٹکرا کر  
گیات تیرے ہاتھوں سے ہی سامان ٹوٹے فلک  
بجز تیرے ڈھلین تفسیر کے ساچرہ میں سب اہر  
کہان ہے کار تہج کی شان کہان روہا کا کوثر  
تجارت کا انہیں مرکز حکومت کا انہیں مصدر  
بنین وحشی کی یہ اور غیر کی حلقہ بگوشش اکثر  
اجرا کر ہو گئے صحرا جہان آباد تھے کشور  
نہ ہو گا حشر تک ہی ختم تیرا نیلگون وقت  
کڑا لے جڑیاں تیری جبین لاجور دی پر  
اوسی انداز سے اب تک چمکتا ہے ترا ساغر

الحاق کر لیا۔ باطوم اس وقت ایک بڑا قصبہ ہے جسکی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر صحیح  
 شمار معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ روس میں شمار اعدادی کے صحیح طور پر حاصل ہونے کی توقع نہیں  
 کیجا سکتی لیکن باطوم کی آبادی تخمیناً تیس ہزار ہوگی جس میں سے غالباً ایک تہائی روسی ہیں  
 اور باقی مختلف قوموں کے لوگ بستے ہیں۔ مثلاً ترک۔ گرجستانی۔ سرکیشیائی۔ منگریائی۔  
 ایرانی۔ ارمنی۔ یونانی۔ لیونٹینی۔ یہودی۔ انگریز۔ جرمن۔ فرانسیسی۔ آسٹریں۔ عرض  
 کیورپ کی ہر قوم و ملت کے لوگ مشرق الاقصیٰ میں کسی نہی اہم گین نو آبادی کی عام طور پر  
 جو ابتدائی اور اتفاقی صورت ہوا کرتی ہے وہی اس قصبہ کی بھی شکل ہے۔ عالیشان عمارتوں  
 کے پہلو میں جو نیٹریان دکھائی دیتی ہیں اور وسیع بازار اور کوچے دلدلون اور سڑکیں کے ڈھیر  
 پر جا کر منتہی ہوئے ہیں۔ اصولی حفظان صحت کے اعتبار سے اس مقام کی حالت ناگفتہ بہی  
 اور رہنے کے مکان نہایت ہی بودے ناپائیدار اور ناقص ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں

شبیہ قاتی دیچون دبے ہوتا ہین تجہ مین  
 توج تجہ مین بیدار تلام تجہ مین برپاچو  
 توڑڈاپے روت سے قطب شمالی و جنوبی گو  
 ہر اک حالت مین تو بے انتہا ہے اور پایاں  
 ازل تیر شہستان سپہ بدر ہے مکتا تیرا  
 تجہ کہیے خدا کے چہرہ اور اکرام کی سند  
 دم طوفان نظر آتی ہے اسے آئینہ انور  
 سکون کا یا خموشی کا ہو تو پہننے ہوئے زیور  
 دیا کہینچے تو خطا استوا پر نیل کا مسطہ  
 فراخی تیرا سساک اور وسعت ہے تیرا مشعر  
 بقا تیری روا ہے اور پہنائے فضا بستر  
 تجہ کہیے خدا کی عظمت و احوال کا منظر

۱۔ سپر ماؤنٹینی پیران کو جاتے وقت ۱۸۶۵ء میں باطوم خیرے تو ادھون نے اسکے متعلق یہ بیان کیا کہ اس وقت  
 باطوم کی یہ حالت تھی کہ سوائے چند میل پہلی جو نیٹریان کے اور یہاں کچھ دیکھنے میں نہیں آتا

یہاں کے پچاس فیصدی باشندے بیماری کی وجہ سے ازکار رفتہ ہو جاتے ہیں اور بہت کم ایسے ہونگے جو ان بھی انجروں کے متعدی اثر سے محفوظ رہیں جنکا اس شہر کی نواح مولد و منفذ ہے اور جو ایک دو سال کی سکونت کے بعد جسم میں پیوست ہو کر قوائے جسمانی میں اخطا پیدا کر دیتے ہیں۔

## روزانہ زندگی

ن متعدد ہوٹل فرانسیسوں کے موجود ہیں اور ان سب میں اچھا ہوٹل دی فرانس ہوٹل ہے۔ ٹیٹل امپیریل، مین طبقہ اعلیٰ کے لوگ اور روسی افسر باہم ملکر کھانا کھانے اور اُس وقت کو جو کام کاج سب سے رہتا ہے باطوم کے بے خودی پیدا کرتے والے حوالیات سے کنارہ کش ہو کر آپس میں بات چیت کرنے اور تفریح میں گزارنے کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ معمولی سرکاری یا تجارتی کاموں کے علاوہ یہاں اور کوئی دلبستگی یا تفریح کا سامان نہیں۔ گفتگو کا خاص موضوع آجاکر دکانداری رہ جاتا ہے اور مٹی کا تیل جو یہاں خاص لین دین کی چیز ہے مشام تقریر کو رہ کر اپنی خوشبو سے معطر کرتا ہے۔ اطراف و جانب کا منظر اگرچہ بدرجہ غایت خوش نما ہے لیکن وہاں اور کوئی ایسی شے نہیں جسکی کشش اہل باطوم کو اپنی طرف کھینچ لائے نہ کار بڑی محنت سے ملتا ہے اور اگر دور گئے تو اس میں خرچ بہت پڑتا ہے۔ سرکلین اس قدر موجود نہیں کہ سواری کا لطف حاصل ہو سال کے اکثر حصہ میں دوپہر کے وقت گرمی شدت سے پڑتی ہے اور ہاتھ بالعموم ہستار ہوتا ہے۔ غرض کہ جو شے اتنے آدمیوں کو اس ڈراؤنی جگہ میں لائی ہے وہ طمع زر ہے۔ دولت یہاں حیرت انگیز عجالت کے ساتھ

کمانی جاسکتی ہے اور کمائی گئی ہے اور کم باشندے یہاں کے ایسے ہو گئے جنکا یہ مصمم قصد نہ ہو کہ روپیہ خوب حاصل جائے تو باطوم سے ایسے بھاگین کہ پیڑمڑاؤس کی طرف دیکھیں تک نہیں۔

## مٹی کے تیل کی تجارت

ہ اسود کے مشرقی ساحل پر باطوم ہی ایک ایسا بندرگاہ ہے جسے عمدہ کہا جاسکتا ہے اور گوروس نے فوجی ضرورتوں کے تقاضے پر اس اعتبار سے اس پر قبضہ کر لیا لیکن جیسا کہ مین ظاہر کر چکا ہوں جس چیز نے مٹی باطوم کو بنا دیا ہے وہ مٹی کا تیل ہے جو اسکی روح ہے۔ خلیج کے کنارہ کنارہ اور اوس سطح اور بنجارا لودہ قطع زسن پر جو باطوم کو عظیم الشان شجر پوش پہاڑیوں سے جدا کرتا ہے مٹی کے تیل سے بھرے ہوئے حوض اور اون مختلف تجارتی کوٹھیوں کے کارخانے نظر آتے ہیں جو اس نفع رسان تجارت میں مشغول ہیں۔ باکو اور باطوم کے درمیان ۵۰۰ سے اوپر ظرف دار ریل گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ سب بڑے کارخانے نوبل اور اس چائلڈ کے ہین جنمین سے اول الذکر نے اوس تجارتی بلند ہستی کے اقتضا سے جسکے لئے اسکا کارخانہ عرصہ سے مشہور ہے و شوار گزار کوہ سورم پر پیلوے لائن کے ساتھ طفلس کے قریب نل کا ایک سلسلہ قائم کرنے کی رعایتی اجازت حاصل کی ہے چنانچہ اون کی ظرف دار گاڑیوں میں جو باکو سے صاف

۱۔ باطوم میں ۸۵ حوض ہیں جن میں ۱۳۸ ٹن تیل سما سکتا ہے (۱ ٹن = ۲۸ من)  
 ۲۔ کارخانہ نوبل کے نل کے سلسلہ کا طول یکلو د سے کویرلی تک ۴۰ میل ہے اس نل کے دو قطر  
 ۳۔ بیچ ہے اور اسکے زریعہ سے ۷۰۰ ٹن تیل آ سکتا ہے۔

شدہ تیل بھر کر آتا ہے وہ نل کے ذریعہ سے طفل تک آجاتا ہے اور یہاں سے گاڑیوں میں پھر بھرا جا کر باطوم پہنچتا ہے۔ اس طرح سے زیادہ مسافت طے نہیں کرنی پڑتی۔ انجنوں اور گاڑیوں کے پرے زیادہ فرسودہ نہیں ہوتے اور جو غیر معمولی چڑھاؤ اور اتار راستہ میں آتے ہیں ان پر جو دقت صرف ہوتا وہ بچ جاتا ہے۔

## روسی جنگی جہاز

یڈٹا کے کانٹینٹل ریلوے گائیڈ "دستور العمل ریلوے برائے براعظم یورپ" میں جو چند سطریں باطوم کے حالات کے متعلق لکھی ہیں ان میں یہ درج ہے کہ "یہاں جنگی کام حصول نہیں لیا جاتا جس شخص نے یہ فقرہ لکھا ہے اس سے حقیقت اس وقت معلوم ہو جب وہ سمندر کی راہ سے باطوم کو جائے اور یہی وثوق آمیز فقرہ مہذب مگر ناشنوا روسی جنگی کے افسر کے سامنے دہرائے جو اسے خشکی پر اترنے کی اجازت دینے کے قبل جہاز میں آکر اس کی تلاشی لے لیتا ہے۔ افسر مزبور کی سختی کے کم کرنے کا اگر کوئی طریقہ ہو تو وہ یہ ہے کہ رخت سفر نیا ہونے کے بجائے کہنہ یا مستعل ہو۔"

## تجارت اور بندرگاہ

طوم سے بیرونی ممالک کو جو قدر مال تجارت جاتا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۸۹ء میں ۴۱ غیر ممالک کے جہازات یعنی وہ جو کہ روسی نہیں تھے بندرگاہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ۲۱ انگریزی جہاز تھے جنکی رجسٹری شدہ کمیت ۴۸۰۲۱۳ ٹن میں سے ۲۶۸۶۸۱ ٹن تھی کل مقدار مٹی کے تیل کی جو ۱۸۸۹ء میں

باہر پہنچی گئی بمقابلہ ۲۵۰۳۲۶ مئی ۱۸۸۵ء لکھنؤ پاؤنڈ سال گزشتہ کے ۶۴۹۰۸۵  
 ٹن قیمتی غٹھ پاؤنڈ تھی۔ ۱۸۹۰ء میں جب قدر مال ہندوستان چین اور جاپان کو گیا  
 جسکا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں اسکی قیمت ۱۸۸۵ء کے مال برآمد شدہ کی قیمت کے مقابلہ میں  
 جو نسبتاً کچھ بھی نہیں تھی بڑھکر ۱۸۸۵ء پاؤنڈ ہو گئی۔ اس میزان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا  
 ہے کہ انگلستان کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اگر ممکن ہو تو بلوچستان ہندوستان  
 اور برہما میں تیل بہم پہنچانے کے متعلق خود اپنے ذرائع کو ترقی دے۔ روسیوں  
 کی نگرانی میں باطوم کی بندرگاہ جس میں اب تک سوائے اسکے اور کوئی خوبی نہ تھی کہ ساحل  
 کے قریب پانی یہاں نہایت گہرا تھا جلد جلد بہت کچھ ترقی کر رہی ہے۔ گزشتہ سال شمالی بند  
 کے اندر کی طرف کو ایک پشتہ تعمیر کیا گیا تھا اور اب اسکے انتہائی کنارہ پر ایک برجی قائم  
 کر کے اسے مستحکم کیا جائیگا۔ ساحل کے کنارہ کنارہ ستون بٹھائے جا رہے تھے یہاں  
 اب ایک سنگین گھاٹ بنایا جائیگا اور سب سے آخر میں روشنی کے مینار سے جو جنوب کی طرف واقع  
 ہے ایک اور بند شروع کر کے اس گھاٹ تک لیجانے کا قصد ہے جو شمال کی طرف  
 ہے۔ بندرگاہ کی ان کل تعمیرات پر تخمیناً پانچ لاکھ پاؤنڈ صرف ہوں گے جو گورنمنٹ روس  
 ادا کرے گی۔ حال میں (اکتوبر ۱۸۹۰ء میں) اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ تجارتی بندرگاہ  
 پونی ٹین منتقل کی جانے والی ہے۔ جہاں وسیع معیار پر گھاٹ تعمیر کئے جائیں گے اور  
 باطوم میں بری اور بحری فوج اور سامان جنگ رہے گا۔ لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔



## روس کی فوجی تیاریاں

اس میں کچھ شک نہیں کہ باطوم میں جنگی ضروریات کی طرف بہت کچھ توجہ مبذول کی جا رہی ہے اور ان کے متعلق اس قدر جانفشانی اور عزیمت سے کام لیا جا رہا ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ روس اپنی قات کی سرحد کی اس بحری کلید کو نہایت اہم اور موقع سمجھے ہوئے ہے۔ پانچ بڑے بڑے قلعے جن میں سے بعض ابھی تکمیل کو نہیں پہنچے ساحل کے استحکام کا ثبوت دے رہے ہیں اور بیٹش سے زیادہ سنگین نال کی توپیں اونپر چڑھی ہوئی ہیں۔ بڑا توپ خانہ جو شہر کے وسط میں واقع ہے اور جسکی کہ بندرگاہ فوری مد نظر ہے بارہ توپوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کا وزن اٹھارہ سے لیکر بائیس ٹن تک کا بیان کیا جاتا ہے۔ تمام اجنبیوں حتیٰ کہ محکمہ دیوانی کے روسی عہدہ داروں تک کو اس کی حدود میں داخل ہونے کی سخت ممانعت ہے۔ جہن کہ میں روانہ ہوا تو کرمچ کی چانداریوں پر جو سمندر میں لگا دی گئی تھیں نشانہ کی مشق ہو رہی تھی۔ بندرگاہ کی پشت پر پھاڑوں کا جو سلسلہ واقع ہے اونکے پہلوؤں یا چوٹیوں پر چار اور توپخانے تعمیر کئے جا رہے ہیں جو زیادہ تر پھٹنے والے گولوں کی توپوں سے مسلح ہوں گے۔ باطوم میں مستقل طور پر ہزار ہزار جو انون کی تین پلٹین رہتی ہیں۔ جو ہر وقت حرکت میں لائی جاسکتی ہیں۔ جب میں باطوم میں پہنچا تو چار پیل فوج کی پلٹین قرب وجوار میں ایک فوجی سڑک کی تیاری میں مصروف تھیں۔ یہ سڑک ملاک کے اندر دنی حصہ کی جانب ایک گھاٹی کے اوپر سے گزرتی ہوئی جاتی ہے۔ اگر غنیم سمندر کی طرف سے حملہ کرے تو حاجب پھاڑیوں کے باعث سڑک کا یہ حصہ اس کے اثر سے محفوظ رہے گا۔ ان

تفصیل سے واضح ہو گا کہ روس اپنے تئیں حاصل کئے ہوئے علاقہ کے اہم ہونے کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اگر کوئی جہاز دن کا بیڑا مخالفانہ نیت سے براہِ باغفورس بیان پہنچے تو وہ روس کو باطوم مین اونگھتا ہوا نہیں پائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں برمانہ انعقاد برلن کانگریس بعض انگریزی مدبروں نے باطوم کے متعلق جو رائے زنی کی تھی اسکی وقت طفلانہ زائرخانی سے زیادہ نہ تھی۔

### باطوم سے طفس تک کی ریل

باطوم سے طفس تک جو ریل کی سڑک لگئی ہے اس کے مناظر کی دلکشائی اور جانفزائی بیان سے باہر ہے باطوم کے جنوبی حصہ سے شروع ہو کر قصبہ کے گرد نصف دائرہ بنائی ہوئی شمال کی جانب ساحل کے کنارہ کنارہ پوٹی کے سمت مین تیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ سڑک وادی رائن مین داخل ہوتی ہے۔ یہ رائن وہی دریا ہے جو زمانہ قدیم میں فیئرس، کہلاتا تھا جسکی موجوں کو کہنی "آرگو" نامی مشہور جہاز نے جسکا افسانوں میں ذکر ہے قطع کیا تھا۔ اس پر فضا وادی مین نباتات کی شادابی کی وہی حالت ہے جو منطقہ حارہ مین دیکھنے میں آتی ہے۔ جو انشید کے تمام اقطاعات میں بولی جاتی ہے اور پہاڑیاں سر لیکر پاؤں تک سبز اور گھنے درختوں کی ایک چادر اوڑھے نظر آتی ہیں۔ ہر ایک اسٹیشن پر جہانِ ریون کے موڑ موجود ہیں۔ طرفِ دارتیل سے لدی ہوئی گاڑیوں کی لمبی لمبی قطاریں عظیم الجثہ آہن پوش ٹیلوں کی طرح رنگیتی ہوئی نظر آتی ہیں اور کچھ دور جا کر نگاہ سے غائب ہو جاتی ہیں۔ ہر ایک دیو ہیکل کیڑے کے پیٹ مین اس قدر دولت بھری ہوئی ہے کہ

زیرین پشمینہ کی دولت اور اس کے سامنے بیچ تھی زمانہ حال کے بہت سے "آرگو" اس کے مقناطیسی اثر سے کینچ کر فیزش میں آتے ہیں۔ اور اگرچہ میں یہاں کے عجائبات کو دیکھ رہا ہوں

۵۔ زیرین پشمینہ کی حکایت منجملہ اون دلچسپ افسانوں کے ہے جن سے عہد قدیم کے سفارت مند ہر ایک اسکی اصلیت غالباً اس سے زیادہ نہیں کہ چند یونانیوں نے دولت کی تلاش میں جہاز کا سفر اختیار کیا اور اس سرزمین پر آکر وارد ہوئے جہاں ذکر لارڈ کرڈن نے یہاں کیا ہے لیکن زمانہ قدیم کے یونانیوں میں جتنے معبودوں کی تعداد ہندوؤں کے دیوتاؤں سے بھی بڑھی ہوئی تھی اور جو اپنے ہر ایک کام اور ہر ایک بات کو اپنے معبودوں کی فوق الفطرت مداخلت کے رنگ میں ڈوبا ہوا تصور کر کے اوسکی لیا نکات سے اوسکو بیان کرتے تھے زیرین پشمینہ کی روایت اپنی اوس پر اسرار رمانی وسالت کی شان لئے ہوئے ایک دلاویز معنی کی شکل میں مشہور تھی۔ چونکہ اوسکا ذکر کرنا ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا اس لئے اسکا میں اس مقام پر اقتباس کرتا ہوں۔ اوس عظیم الشان جنگ سے کچھ عرصہ پہلے جسے ہومر مشہور یونانی شاعر نے اپنی یادگار زمانہ کتاب الیڈ میں جسے گویا یونانی کی مہابھارت کہنا چاہیے بیان کیا ہے۔ کچھ یونانی بیاد اپنے جہاز "آرگو" نامی میں بہر کرہ کی حمین ایک عجیب و غریب مہم پر روانہ ہوئے جہاں کو اس کے چچا پیلیاس شاہ آیاکس نے اس مہم پر اس غرض سے مامور کیا تھا کہ وہ کالجس میں حکمرانین ٹیڈرکس کو جو حکامی نظا ایک اثر دہا تھا جس طرح بن پڑے لے آئے۔ چنانچہ جہاں میں نے اپنے چچا کے ارشاد کی تعمیل میں کرجس کے بیٹے آگرس نامی ایک کاریگر کو ایک پچاس چوٹوں کے جہاز کی تیاری کا حکم دیا جب جہاز تیار ہو چکا تو اس نے پچاس یونانیوں کو جو شجاعت اور بہادری میں یونان بہر میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے اپنے ہمراہ لیا اور ننگر اٹھایا۔

یہ لوگ انواع واقسام کے خطرے برداشت کرتے اور تکلیفیں چیلتے آخر کار دریائے فرسوس کے کنارے پر جو کالجس میں ہے پہنچے۔ کالجس کے بادشاہ ایڈیٹر نے جہاں سے وعدہ کیا کہ میں تمکو درین پشمینہ دوں گا۔ لیڈرکس تم میرے دو بیلوں کو جیکے تنہوں سے آگ کے شعلے نکلے ہیں اور جیکے کہ پتیل کے ہیں ہل میں جوت دو اور جس اثر دہے کے دانت کیڈمس رومانان روایت کے مطابق فینیشیا کے بادشاہ ایگنیار کا بیٹا تھا۔ جب جو بطع مہادوتا اوسکی بہن پروردہ کو اغوا کر کے لے گیا تو وہ اوسکی تلاش میں نکلا اور ڈلفی میں دیہی سے غل نکلوانے گیا ڈلفی کی

تو ایسا مبہوت ہو جاتا کہ کاپچیا کی شہزادی کے جادو کی یاد بھی اس کے دل سے محو ہو جاتی۔  
ریل کی سڑک جون جون ندی کے کنارے کنارے اوپر چڑھتی ہے۔ حتیٰ کہ ندی کے  
سینچ تک پہنچ جاتی ہے جو اس قافلہ میں ہے جو بحیرہ اخضر کے طاس کو بحیرہ اسود کے  
طاس سے جدا کرتا ہے تو نظارہ ایک زیادہ مہتمم بالشان شکل اختیار کرتا ہے۔ پہاڑ آسمان سے  
باتین کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور گاڑی آہستہ آہستہ عظیم الشان درون اور گھاٹیوں

دیسی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ ایک گائے تمہارے استہین آئے گی تم اس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ اور جہاں  
وہ ٹہر جائے وہاں ایک شہر کی بناؤ۔ چنانچہ اس نے شہر تعمیر کیا (تعمیر زمین چوڑا یا متا زمین میں بود۔  
یہ پہل جادو کے تھے اور جو شخص اس کے قریب جاتا تھا اسے وہ اپنی شعلہ بارسانس سے جلا ڈالتے تھے اور اڑھ  
کے دانتوں کی یہ تاثیر تھی کہ جب ادھنین زمین میں بوجاتا تھا تو ہوا زمین میں سے ایک ایک دانہ کے  
جگہ ایک ایک مسلح جوان نمودار ہو جاتا تھا اور بولنے والے کو یہ ہتھیار بند کھیتی کی طرح کاٹ ڈالتی تھی۔  
لیکن بادشاہ کی بیٹی میڈیا نے جو جیس پر عاشق ہو گئی تھی جادو کے زور سے اس کو ان بلاؤں پر غالب کیا۔  
اسی طرح کی اور جوان جو فی فرایشین بادشاہ نے کین ادھنین بھی جیس نے میڈیا کی مدد سے پورا کیا۔  
لیکن بادشاہ یہ نہ چاہتا تھا کہ زمینیشین جیس کو دے اسے جیس نے اس عظیم المثل خزانہ کو قابو پا کر خود  
لے لیا اور رات کے وقت میڈیا کو اس کے بھائی امسرٹ سمیت اپنے ساتھ لیکر اپنے جہاز میں روانہ ہو گیا۔  
ایشین نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن میڈیا نے اپنے بھائی کو مار ڈالا اور اس کی نقش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے  
سمندر میں ڈال دیے۔ ادھر ایشین اپنے بیٹے کی لاش کے ٹکڑوں کے جمع کرنے میں مصروف ہوا اور ادھر میڈیا  
اپنے عاشق سمیت فرار ہو گئی۔

منہجم

کو طے کرتی ہے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم پر وحشی اور ناشائستہ گرمستانی لڑکوں کا ایک جم غفیر جن پر کانٹا بنا مارا اشدین الجبال کا قول صادق آتا ہے انکوں کے خوشے اور اخروٹ ہاتھ میں لئے نظر آتا ہے تاکہ مسافروں کے ہاتھ بیچ کر کچھ پیسے کمایا جائے۔ شاندار ریشائیل آدمیوں کی تشکیل اسٹیشنوں پر کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جو چرکس "یعنی سرکیشیا کی کمر پر سے چینی ہوئی چست عبا کو پہننے بھیڑ کی مرغولہ دار اون والی کہاں کی ٹوپی اوڑھنے مختصر سے دھشتی ہمتیار لگائے گاڑی کی آمد اور روانگی کے موقعہ پر فوجی باقاعدگی کے ساتھ آتے ہیں اور نہایت منانت اور وقار کے ساتھ اس نظارہ کو دیکھتے ہیں۔

### تعمیر سرنگ سورم

طوم سے طفس تک جو ۲۲ میل کا فاصلہ ہے یا کم از کم پوٹی سے طفس تک کئی سال سے ریل جاری ہے لیکن روسی کچھ عرصہ سے ریل کی سرنگ کے اوس حصین جو رائن اور کیلیوو کے اسٹیشنوں کے مابین واقع ہے اور جہاں کوہ سورم کی بلندی پر سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلند ریل کو چڑھنا پڑتا ہے ایک وسیع معیار پر ترمیم کر رہے ہیں اس ترمیم کا مقصد نہ صرف پہاڑ کے بچوں بیچ ایک تین میل لمبی سرنگ کالیجنا ہے بلکہ کئی میل تک ریل کی پٹریوں کا از سر نو بچانا اس میں نئے پلون کے بنانے کی ضرورت داعی ہوگی۔ اور کھدائی عمارت اور پشتہ بندی کا بہت بڑا کام کرنا پڑے گا۔ جب میں ایک سال قبل یہاں سے گزرا تو بہت سے مزدور اس کام پر لگے ہوئے تھے۔ ایک سال کی عرصہ میں کام کا بڑا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ اندازہ یہ لگایا گیا تھا کہ ۱۹۰۷ء کے موسم بہار میں

کل کام ختم ہو جائیگا لیکن کہیں اکتوبر کے مہینے میں جا کر سرنگ کا افتتاح روسی طریقہ کے مطابق مذہبی رسوم کے ساتھ ہوا اور پھر بھی کل کام ختم نہیں ہوا۔ گورنمنٹ روس اس علاقہ میں پانی کی طرح روپیہ صرف کر رہی ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ روس نہ صرف اسی امر کو ضروری خیال کرتا ہے کہ قاف میں ریل کا سلسلہ پوری طرح قائم ہو جائے بلکہ اوسنے اس امر کے اہم ہونے کو بھی محسوس کیا ہے کہ سلسلہ مسطورہ سرلیج السیر اور سہل المرد <sup>۱۵</sup> ہو۔ مین نے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ کام وسیع پیمانہ پر عمدہ طرح سے کیا جا رہا ہے اور نہایت پختہ اور سنگین ہے سو ہم کی سرنگ یورپ کی تمام دوسری سرنگوں سے باعتبار اپنے دہانہ کے بڑی ہے۔ سینٹ گاتھرڈ کی سرنگ کا دہانہ صرف ساٹھ مربع میٹر ہے۔ حالانکہ سرنگ سو رم کا منہ ۹۰ مربع میٹر ہے۔ باطوم سے باکو تک ریل کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ درج اول کے ایک ٹکٹ کی قیمت ۱۴ روپے ۵۰ میل کے فاصلہ کے لئے دینی پڑتی ہے۔ گویا ایک میل کا کرایہ درپنس سے بھی زیادہ ہوا لیکن غالباً اس کرایہ کی زیادتی کی وجہ اوس خرچ کی زیادتی ہے۔ جو اس سڑک پر ہوا۔ باطوم اور باکو کے درمیان انجنوں میں کوئلے کے بجائے روغن نفت جلتا ہے۔ جسے یہاں استامبلی کہتے ہیں اور جو باریک پنوار کی شکل میں بھیٹی کے اندر ڈالا جاتا ہے اور اسی کی طاقت سے انجن چلتے ہیں۔ سو رم کے پہاڑ کی چڑائی پر ایک انجن گاڑی کے آگے لگتا ہے اور ایک اوسے پیچھے سے دھکیلتا جاتا ہے

۱۵ اسکے بعد ۲ نومبر ۱۹۰۹ء میں اس کا اعلان کیا گیا کہ گورنمنٹ روس نے ایک فوجی ریلوے کی قیام کی اجازت دی ہے جو کارس کے قلعہ کو برلن سڑک سے ملائے گی۔

باکو پہونچنے میں جتنا وقت پہلے صرف ہوتا تھا اس سے اب تین گھنٹہ زیادہ دیر لگتی ہے۔ اس دیر کی وجہ دریافت کرنے پر مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ پہلے توریل کی مالک ایک کمپنی تھی مگر اب سلطنت نے اسے خرید لیا ہے۔ جن لوگوں کو گورنمنٹ روس کی کارروائی کے طریقہ معلوم ہیں ان کے لئے یہ فیہ کافی ہے۔

## طفس

کے حالات سے سیاح ایسی اچھی طرح واقف ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کرنی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اسکا عامیانہ حسن جس میں پھر بھی شاید ایک طرح کا نرالا پن پایا جاتا ہے اور جو مشرقیت کی اداؤں سے ہر سال معاہوتا جاتا ہے غالباً اوہنیں لوگوں کو فریفتہ کر گیا جنہوں نے مشرق کی سیر پہلے کبھی نہیں کی۔ جب میں یہاں پہونچا تو زراعت اور صنعت و حرفت کی ایک نمائش کا شہر میں چرچا ہو رہا تھا۔ یہ پہلی ہی نمائش تھی جو علاقہ قاف میں منعقد ہوئی اور شہر کے باہر ایک کھلے میدان میں چوبی شامیانوں کے تلے اس کا سامان آراستہ کیا گیا تھا۔ کاشتکاری۔ باغبانی۔ انگورون کی زراعت۔ پالی ہوئی مچھلیوں۔ ساونگہا شے کے ہوئے جنگلی درختوں کی پیداوار اور قاف کی پارچہ بانی اور کارہائے صنعت و حرفت کے نمونے اور نیز وسط ایشیا اور ماوراء النہر کی چیزیں یہاں جمع تھیں۔ پارچہ بانی یادداشت کے کام کے متعلق مقامی ساخت کی اشیا مختلف الاقسام اور خوش وضع تھیں لیکن عام حیثیت نمائش کی انگلستان کے کسی قصبہ کی نمائش سے بڑھ کر نہ تھی اور جو لوگ یہاں آتے تھے اونکا مقصد اس قدر چیزوں کا خریدنا نہ ہوتا تھا جتنا کہ باجہ سننے اور ناؤ نوش میں مصروف ہونکا

## لاندے کا ہوٹل



لاندے کا ہوٹل واقع طفلہ مختلف الاصل اور مختلف الاقوام لوگوں کا مشرق  
 میں شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز مرجع ہے یورپ اور ایشیا کی حد فاصل اور اوس  
 شاہراہ پر واقع ہونے کے باعث جو مشرق کی دور دراز سرزمین کی طرف جاتی ہے ان  
 و لفریب اقطاع کا تقریباً ہر ایک مسافر آتے اور جاتے وقت اسکی مہمان نواز چار دیواری کے  
 اندر تھوڑی دیر کے لئے فروکش ہوتا ہے۔ مشرق کا سیاح اس نامعلوم سرزمین میں داخل  
 ہونے سے پہلے یہاں آخری مرتبہ تہذیب و تمدن کا منہ دیکھتا ہے اور سفر سے پلٹ کر  
 غالباً کئی مہینوں کے بعد پہلی مرتبہ سفید چادر والے بستر کا لطف اڑاتا ہے اور اپنی تحالیت  
 و آلام کو شمیمین کے ایک مفرح ساغر کے پینے سے بھول جاتا ہے۔ مثلاً جب میں یہاں  
 وارد ہوا تو ایک نوجوان فرانسیسی امیر زادہ جو سر منگو لیا کے کوہستان ٹیان شان سے شکار  
 کھیل کر واپس آیا تھا۔ ایران کے انگلو یورپین محکمہ تار کا ایک اعلیٰ عہدہ دار ساوار النہر کے  
 محکمہ ریلوے کا ایک آر لینیڈ کارہنے والا انجینئر پو لینڈ کا وہ ٹھیکہ دار جس نے دریائے جیحون  
 پر مشہور چوبی پل باندھا تھا۔ دو انگریز جو قاف کے برفستان سے سیر و شکار سے ابھی لوٹ کر  
 آئے تھے کچھ روسی۔ کئی ایک ارمنی اور بہت سے مختلف الاقوام اور مختلف الالہ  
 لوگ جو بقیہ تمدن کے ہمیشہ عاشیہ طرز پائے جاتے ہیں۔ یہاں موجود تھے مذہبی مرتبہ  
 سیاحوں کے ہمراہ جن لوگوں نے بطور ترجمان یا بدرقہ کے سفر کیا ہے وہ ہوٹل کے  
 دروازہ پر اون فرسودہ سفر چھٹیوں کو پیش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں جو انکو بطور



صدافت نامون کے سیاحان مٹور سے ملی تھیں۔ انگلستان میں بیٹھے ہوئے اس کتاب کے لکھتے وقت مجھے تامل و توفیق کی وہ کیفیتیں خوب یاد پڑتی ہیں جنہیں اپنے دل میں پہلو بہ پہلو جگہ دئے ہوئے میں ایک سے زیادہ مرتبہ ٹھوٹل دی لاندرس سے روانہ ہوا۔ اور اوس اطمینان و فارغ البالی کی یاد بھی میرے دل میں تازہ ہے جو مجھے اوس وقت میسر ہوئی جبکہ مینے

طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری      لندالمر ٹھکانے لگی محنت میری  
کہہ کر کچھ عرصہ کے بعد اسکی دہلیز کے اندر قدم رکھا۔  
طفلس سے روانگی

دن کے قیام کے بعد میں طفلس سے روانہ ہوا۔ ریل کے اسٹیشن پر کسی عیار طفلسی نے ایک کیسہ جس میں مینے دس پاؤنڈ کے روپل پہنوا کر ڈال لئے تھے اڑالی لیکن اس لحاظ سے کہ ریل کی روانگی کا وقت آدھی رات کا تھا اور مسافر کو اچلون اور اٹھائی گیارون کے ایک ہجوم میں دو گھنٹہ تک انتظار کئے بغیر روانہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ مجھے حق روانگی کی قیمت کچھ زیادہ نہیں ادا کرنی پڑی۔ دس پاؤنڈ کہو ہی میں سمجھا کہ چلو سستا بیچھا چھوٹا اور بغیر کسی قسم کی کاوش کے مینے مغرب کی دلبستگیوں سے متہ موڑا۔

باکو

طفلس سے جس دن میں روانہ ہوا اوسکی شام کو باکو پہونچا کون ہے جو اس شہر کے نظر کو ایک دفعہ دیکھ کر بھولا ہو۔ اس کے دو دوش اور حوض اور مٹی کے تیل کے صفا کرنے

کے کارخانے۔ اسکی ریل کی سرٹکین جو اسٹیشن کے اطراف میں دور تک پہیلی اور تیل بہرنے کی گاڑیوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ اسکی داغ آلودہ گلیاں جن پر گویا مٹی کے تیل کا چھڑکاؤ ہو رہا ہو اسکے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے تار برقی کے کھجے اور کھر کھڑائی ہوئی ٹریم گاڑیاں۔ اسکی دکانیں جن میں دنیا جہان کی چیزیں موجود ہیں۔ اسکے ایرانی کہنڈر۔ اسکے طرز جدید کے ایک منزلہ مکانات۔ اسکے میلے کچیلے مختلف الاتو ام باشندے۔ اسکی سیاہ رنگ ہنڈر گاہ۔ اسکا گھٹا ٹپ دھوان اسکی ہر جگہ سراپٹ کرنے والی بو۔ ایسی نہیں کہ کسی شخص کے دل سے اسکی یاد محو ہو سکے۔ میں باکو میں پہونچا تو اسے پہلے سے بڑا پہلے سے زیادہ تلخ و تند اور پہلے سے زیادہ غیر خوش آئند پایا۔ اسکی آبادی تخمیناً نوے ہزار بتائی جاتی ہے جو پیشی کہ اس میں ہوئی ہے وہ صرف گزشتہ پندرہ سال کے اثنا میں ہوئی ہے اور سڑکیں کچیل کی تجارت سے ہی اسے مشوب کیا جاسکتا ہے۔ جب میں نے دریافت کیا کہ یہ اندازہ کس حساب پر مبنی ہے تو مجھے جواب ملا کہ یہ محض قیاسی اور تخمینی مردم شماری سے روس میں صحیح یا سرکاری شمار اعدادی کا کیا ذکر مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ روس میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ گورنمنٹ روس کی طرف سے اگر کوئی صحیح اور قابل وثوق نقشہ شمار اعدادی کبھی شائع ہوا ہے تو وہ اس امر کے متعلق تھا کہ داؤ کا صرف روس میں کس قدر ہوتا ہے اور افراد قوم کی حیات و ممات پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے پہراو ہوں نے بیان کیا کہ اس پر نقشہ میں آبادی تین جماعتوں پر منقسم تھی یعنی اعدال سے پینے والے حد سے زیادہ پینے

۱۳۶ ایک قسم کی شراب جو روس میں تیار ہوتی ہے۔ مترجم

والے اور بالکل اجتناب کرنے والے اور اذروے اعداء یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ جہاوت  
اول الذکر کے افراد کو طویل العمر ہونے کے لحاظ سے دوسروں پر تفوق حاصل تھا چنانچہ اس  
نتیجہ کے معلوم کرنے سے مینوشون کو تو جو خوشی اور اطمینان حاصل ہوا وہ ظاہر ہے لیکن محکمہ  
آبکاری نے بھی کچھ کمسرت کے ساتھ اس نتیجہ کو نہیں سنا۔ یہ روایت اگر صحیح نہیں تو اتنا تو  
ضرور ہے کہ گھڑی خوب لگی ہے۔

### بحیرہ اخضر کا عبور

کو سے اذن ادا تک سینے بحیرہ اخضر کو ٹہنی ٹھکتا نہیں بنے ہوئے جہاز "باریاٹنر کی" نامی پر عبور کیا جس میں بیڑ گزشتہ سال اسی حصہ بندہ کو طے کیا تھا اگرچہ جہاز پرانا ہو گیا تھا مگر کپتان کیسٹنڈر کی کپتانی کے بہترین جہازوں میں سے ہے۔ کل تعداد اذن جہازوں کی جو بحیرہ اخضر کی مختلف بندگاہوں کے درمیان چلتے ہیں پندرہ ہے اور ڈاک اور فوج کے لیجانے اور جنگ کی حالت میں باربرداری کے کام آنے کے معاوضہ میں سلطنت کی طرف سے کپانی مسطور کو ان جہازوں کے لئے ایک بڑی رقم ہر سال ملتی ہے۔ ان میں سے ایک جہاز باکو سے ہفتہ میں دو دفعہ یعنی چہار شنبہ اور جمعہ کے دن ۵ بجے شام کے اذن ادا کروانہ ہوتا ہے۔ ہمارا سفر بخیر و خوبی طے ہوا کیونکہ ایک دس دن کے مسلسل طوفان نے بحیرہ اخضر کی برہمی و شغفتگی کو کچھ عرصہ کے لئے فرو کر دیا تھا۔ اور اس پیچ و خم کہانی ہوئی آبنائے سین سے ہوتے ہوئے جہاز درنگت کے ریتیلے ٹیلوں میں کاٹ کر بنائی گئی ہے دوسرے دن سہ پہر کے ڈھائی بجے اذن ادا ہونے لگے۔

## جرنیل اینٹکاف



سن زمانہ میں جرنیل اینٹکاف اذن ادا میں مقیم تھے۔ وہ میرے ساتھ اپنی سمرہ مہمان نوازی سے پیش آئے اور اون مفید نتائج کا ذوق و شوق سے ذکر کرنے لگے جو انکی مجوزہ ریل سے حال میں مترتب ہو رہے تھے اور آئندہ چلکر پیدا ہو گئے۔ اور اپنے ان مشہور و معروف خیالات کی تشریح کرنے لگے کہ اگر روس سے لیکر ہندوستان تک ریل کا سلسلہ قائم ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو اور اگر انگلستان فرانس اور روس کے درمیان ایک اتحاد یا ٹکنگ قرار پا جائے تو کیا ہی عمدہ بات ہو۔ اسکے بعد اونہوں نے ایک جلسہ میں میرا جام صحت نوش کیا کیونکہ گوانکے و نوثق آمیز خیالات میں میں اون کا ہمدستان نہیں تھا پھر بھی میں نے سابق کے ایک موقع پر ماوراء النہر کی ریل کے فوائد کو تسلیم کیا تھا اور اسکے قائم کر نیوالون کو توقیر اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اذن ادا باعتبار وسعت و آبادی کے گزشتہ سال میں کسی قدر ترقی کر گیا ہو۔ اور بندر گاہ اور ساحل پر دور دور تک روٹی کے بورے جہازوں پر لہنے کیلئے اس کثرت سے پڑے ہوئے تھے کہ تل رکھنے کو جگہ نظر نہ آتی تھی۔ جرنیل اینٹکاف نے مجھ سے یہاں کیا کہ سر قند سے تاشقند تک ریل کو توسیع دینے کی منظوری گورنمنٹ صادر کر چکی ہے اور امید ہے کہ آئندہ موسم گرما میں میں اس کام کو شروع کر دوں۔ اور عنقریب اسے آسکے لیکر

۱۵ ماہ اکتوبر ۱۸۸۹ء میں یہاں کی آبادی ۱۶۵۰ تھی۔

۱۶ ماہ میں اس کتاب کے مطبع میں بھیجے جانے کے وقت یعنی ۱۸۹۱ء کے موسم سرما تک یہ کام شروع نہیں کیا گیا۔

ٹامسک تک کے اوس مجوزہ ریل کے سلسلہ سے ملا دون جو سائبریا میں سے ہوتا ہوا۔  
 ولاڈی ٹاک کو جائیگا۔ جرنیل موصوف نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ ایک وقت وہ بھی آئینہ الاس سے  
 جبکہ وہ مرد پختہ اور ہرات کی راہ سے قندھار تک ریل کا ایک سلسلہ قائم کر کے مشرق  
 اور مغرب کو باہم دوستانہ تعلقات سے مربوط کر دیں گے۔

### دلیسی مسافر

ذات ادا میں دلیسی مسافروں کی تعداد جو ٹکٹ گھر کی ایک ہی چھوٹی لمسی کھڑکی پر  
 ٹکٹ لینے کے لئے جمع تھی اس قدر کثیر تھی کہ وقت معینہ کے کہیں دو گھنٹہ بعد گاڑی اسٹیشن  
 سے روانہ نہ ہوئی۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ چونکہ مغلطہ یا دوسرے متبرک مقامات سے حج اور  
 زیارت کرنے کے بعد واپس آرہے تھے۔ بخارا کے ازبک۔ سمرقند اور تاشقند کے سرت  
 کلبہ کے چینی مسلمان۔ ترکمان اور افغان غرضکہ مختلف بلاد و امصار کے مسلمان ان میں  
 شریک تھے۔ مشرق کے ان ہٹ دھرم ساکنوں کو نہ تو اس بات کا یقین آتا تھا کہ ٹکٹوں  
 کی قیمت مقررہ ہے جو ٹکٹ بڑھ نہیں سکتی اور نہ وہ اوس فرانسیسی طریقہ کے مفہوم کو سمجھتے  
 تھے جسکی رو سے مسافروں کی ایک جماعت کو ٹکٹ لینے کی پہلے اجازت دیجاتی ہے  
 اور اوس کے بعد دوسری جماعت کی باہی آتی ہے۔ اس چھوٹے سے دریچہ پر وہ آپس میں  
 لڑتے اور ایک دوسرے کو دھکے دیتے تھے اور جب ٹکٹ دینے والا انہیں قیمت  
 بتاتا تھا تو وہ سچے ایشیائی طریقے کے مطابق قریباً نصف قیمت اس امید پر پیش کرتے  
 تھے کہ جگہ گڑے اور تکرار کے بعد سودا ٹیک ہو جائیگا۔

## صحرا



دوسری صبح کو مطلع صاف تھا اور سورج کی چمکتی ہوئی شعاعوں میں میں نے دوبارہ قراقم کے کف دست بیابان اور قرن دلغ کے تنگ درون کو دیکھا۔ اکثر ریل کے اسٹیشنوں پر بہت کچھ اصلاح اور ترقی نمایاں تھی۔ درختوں کی بہتات تھی۔ پانی کی افراط تھی اور عام طور پر آرام کا سامان زیادہ تھا۔ گیاک پتی میں ساڑھے گیارہ بجے دن کے ہمارا گزر ہوا اور مجھے اتنا وقت مل گیا کہ میں اس مشہور قلعہ کے کہنہ درون کو جا کر دیکھ آؤں جس کا ذکر میں نے اپنی سابق کی تصنیف میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اسکی کچی مٹی کی ٹھوس دیوار زمین بہت کم فرسودگی نمایاں ہے اور اگر مصنوعی طور پر انکو زمین کے برابر نہ کر دیا جائے تو کم از کم ایک سال تک نظر آتی رہیں گی۔ اسکے بعد یعنی نومبر ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ روس نے اس امر کا اعلان کیا کہ گیاک پتی میں علاقہ قافس کے اون مجرموں کے لئے جہنم قیدیاں مشقت کی سزا دی جاتی ہے اور جو سائبیریا کی شدید سردی کی تاب نہیں لاسکتے۔ ایک مجلس قائم کیا جائے گا۔ ابھی دس سال کا عرصہ بھی منقض نہیں ہوتا کہ دیسی لوگ روسی قیدیوں کو جنگ میں مار ڈالتے تھے۔ اب روسی مجرموں کا اونہیں میں مصروف کار ہونا نیزنگی قسمت کا ایک شعبہ ہے جسے حوالیات سے پوری مطابقت ہے وقت مقررہ سے دو گھنٹہ بعد (کیونکہ ملائی مافات کی ریل نے کوئی کوشش نہیں کی) اور اذن ادا سے روانہ ہونے کے انیس گھنٹہ بعد ہم عشق آباد کے اسٹیشن پر پہنچے عشق آباد اور ارالنہر کا دار الحکومت ہے اور بحیرہ اخضر کے ساحل سے تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں مجھے ریل

کو چھوڑنا پڑا اور دو ہزار میل کا وہ لمبا گھوڑے کی سواری کا سفر جو ایران کی سیاحت کے  
 خاتمہ تک میرے پیش نظر تھا مجھے اختیار کرنا پڑا۔ انجن سیٹی دیکر روانہ ہوا اور مین حسرت  
 بھری نگاہوں سے اسے غایب ہوتا ہوا دیکھتا رہا گویا کہ مین کسی پرانے اور وفادار رفیق  
 کو الوداع کہہ رہا ہوں۔



# چوتھا باب

## ماوراء النہر

دیکھتا ہوں دور سے اٹھتا ہوا مین کچھ غبار  
 ہے یہ پہلی موج اس انسانی سمندر کی مگر  
 اس مین مین پہنان مگر آئندہ نسلوں کے سوار  
 ٹھاٹھ مار گیا یہاں رہ رہ کے جو بے اختیار  
 سلطنت کے وہ مبادی مین یہاں بکھر چڑکے  
 منتقل ہو دیگا جمعیت مین جن کا انتشار  
 خلعت صورت ہوئے اگر رہا ہے یہ مین  
 ڈھل رہی سانچہ مین ہے اک کارگاہ شاندار  
 "آن این اکیس کوئل" (بال عقاب) مصنفہ جی بی بی

## جدید ترین معلومات

اپنی سیاحت کے حالات کے بیان کرنے سے پہلے مین ایک مختصر فصل مین  
 ماوراء النہر اور ماوراء النہر کی ریلوے کے متعلق جدید ترین معلومات درج کرنا چاہتا ہوں  
 تاکہ اسکی ترقی اور نشوونما کے اس وقت تک کے واقعات جہاں تک ممکن ہے معلوم  
 ہو سکیں۔ جو ناظرین کہ خطہ ایران مین فوراً ہی داخل ہونا چاہتے ہیں وہ اگر چاہیں تو اس  
 باب کو نہ پڑھیں۔ مین نے اپنی سابق کی تصنیف الموسومہ "بررسیایان سنٹرل ایشیا" اور  
 ایشیا مین روس کا طرز عمل مین ماوراء النہر کی ریل کی تاریخ ۱۸۸۹ء کے موسم خزاں تک بیان کی



تھی۔ اس مضمون پر بعد میں اور مصنفوں نے بھی طبع آزمائی کی لیکن ہماری معلومات کے ذخیرہ میں انہوں نے بہت کم مواد ایذا دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر کسی انگریز کو یہ دعویٰ ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ دفعہ اس ریلوے پر سفر کیا ہے تو وہ میں ہوں اور اس لئے یہ بات جن معلومات پر مشتمل ہے وہ ممکنہ اطلاعات مندرجہ تصنیف متذکرہ بالا مقصور ہونی چاہئیں۔ اس کے علاوہ یہ مضمون ایک ایسی تصنیف ہے جس کا موضوع بالکل ایران و معاملات ایران ہوا غیر متعلق نہیں سمجھا جاسکتا علی الخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ جرنیل اینکف کی ریلوے تین سو میل تک پانچ سو میل حد ایران کے متوازی اور اس کے قریب قریب چلی گئی ہے اور اس سے ایران کے شہر صوبہ خراسان کی تجارت اور مذاہیر مملکت پر بہت قوی اثر پڑ چکا ہے۔ اور آگے چل کر بہت کچھ پڑیگا اور جبکہ جنگی پہلو سے اس امر کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ اس ریل کو سرحد ایران کے جنوبی پہاڑوں کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہے۔ ان میں سے بعض معنائیں پر آگے حل کر میں علیحدہ ابواب میں بحث کروں گا۔ اس باب میں میں صرف ان ترقیات کا ذکر کرتا ہوں جو فن عمارت۔ سیاست اور تجارت کے متعلق ملاحظہ ہو۔

میں اس زمانہ کو خطہ میں آئی ہیں جبکہ میں اول اول یہاں آیا تھا۔

۱۵ کپتان اے۔ سی۔ میٹ کے دو دلچسپ معنائیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک مضمون جس کا عنوان ”ہاشقند کی شہر کی تائیس“ تھا۔ سال ۱۸۹۰ء میں پبلش ہوئی۔ اس کا جارج فیکل سوسائٹی“

بابت ۱۸۹۱ء میں چھپا اور دوسرا مضمون ”سفر ہاشقند“ کے عنوان سے ”جرنل آف دی اسکیچ جارج فیکل سوسائٹی“ میں شائع ہوا۔

## بحیرہ اخضر کے دخانی جہاز



اذن ادا میں نہ صرف ”کاکیسس اینڈ ٹرکری کمپنی“ کا جہاز ہفتہ میں دوسرے باکو سے آتا ہے بلکہ باکو سے دوسری کمپنیوں کے جہاز بھی یہاں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک جہاز استراخان سے آیا کرتا ہے جو ۱۸۹۵ء میں جاری کیا گیا تھا۔ پس انگلستان سے وسط ایشیا کو جانے کا قریب ترین اور سب سے زیادہ سہل اور راستہ زارٹسن اور استراخان کی راہ سے ہے اور اگر استراخان سے اذن ادا کو براہ راست جانے کے لئے جہاز نہ بھی ملے تاہم وہ جہاز جو بحیرہ اخضر کے مغربی ساحل کو طے کرتا ہوا باقاعدہ طور پر باکو آتا ہے اور وہاں سے بحیرہ اخضر میں سے گزر کر دوسری طرف جا پہنچتا ہے مسافر کو ماوراء النہر میں اتنی ہی جلدی پہنچا دیکتا جتنی جلدی کہ زارٹسن کی راہ سے پہنچتا۔ یہ بات بھی میرے سننے میں آئی کہ آئندہ موسم سرما سے دخانی کشتیوں کی آمد و شد باکو میں رخصت ہو کرے گی۔ ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا تھا کہ ماوراء النہر کی اس آبی راہ سے مسافروں کی اور مال کی آمد و رفت یوں فیو ما تر تہی کر رہی ہے۔

## کراسنواؤسک کو منتہا بنانیکی تجویز

جب میں اذن ادا میں پہنچا تو اذن ادا کے بجائے کراسنواؤسک کو ریل کا منتہا

۱۵ ”کاکیسس اینڈ ٹرکری کمپنی“ کے علاوہ اور کمپنیاں اپنے جہاز بحیرہ اخضر کی روسی بندرگاہوں اور اذن ادا کے درمیان چلاتی ہیں وہ جب ذیل ہیں۔ ”کینڈا سٹیمپ کمپنی“ ”کے سیٹین اینڈ ڈرویدینا سٹیمپ کمپنی“ ”میسن سٹیمپ کمپنی“ ”مرس کیمسلی دیر اور ان“ ”یکو سس اینڈ پرافیلکٹاس کمپنی“

بنائے جانے کا مسئلہ سپر بہت کچھ بحث ہو چکی تھی ابھی تک زیر غور تھا گو کہ سینٹ پیٹرس برگ  
 سے ایک خاص کمیشن بطور خود اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جرنیل ایننگٹن کا  
 کی خواہش کے برخلاف بھیجا گیا تھا چنانچہ اس کمیشن نے کچھ عرصہ کے بعد ایک رپورٹ  
 پیش کی جو اس تبدیلی کی موید تھی اور وزارت حربیہ نے اسے منظور بھی کر لیا ہے۔ اس میں  
 خراشک ہینن کہ مسئلہ مذکور کا اسطرح حل ہونا ایک لازمی امر تھا کیونکہ کراسنوداؤسک  
 میں ہمدرد کی گہرائی گھاٹ پر زیادہ ہے یعنی ۱۲ سے لیکر چودہ فیٹ تک ہونے کے  
 بجائے بیس سے لیکر پچیس فیٹ تک ہے اور میٹھا پانی یہاں زیادہ افراط کے ساتھ  
 دستیاب ہو سکتا ہے اور اسکے علاوہ ترمی کی راہ سے باکو یہاں سے زیادہ قریب  
 پڑتا ہے۔ مزید برآں ان امور کو مد نظر رکھنے کے بعد کہ تجارت میں یقینی طور پر ترقی ہوگی  
 اور ماوراء النہر کی ریلوے کے متعلق فوجی ضروریات غالباً داعی ہوں گی۔ اور باکو کی  
 روز افزون ترقی کے باعث بحیرہ اخضر کے تجارتی جہازات کی تعداد پہلے ہی بڑھ چکی ہے  
 اور اگر پیٹرفسک کے بندرگاہ کو جہاں باکو کی طح پانی عمیق ہے ریل کے ذریعہ سے یورپ  
 سے ملا دیا جائے تو اس کے اور زیادہ بڑھنے کا احتمال ہے۔ یہ فرض کر لینا بالکل لغو اور  
 مہمل تھا کہ اذن ادا کی ایشیائی بندرگاہ اور ریل کے منتہا کو مستقل طور پر ایک پایاب  
 خلیج میں قائم رہنے دیا جاسکتا ہے جو جاپے کے موسم میں برف سے جم جاتی ہے اور  
 جہاں مال تجارت کے جمع رکھنے یا جہاز پر لاوے یا فوجوں کے اتارنے کے لئے زیادہ  
 آسانی نہ ہو لیکن جرنیل ایننگٹن کو اذن ادا سے ویسی ہی محبت تھی جو کہ ایک باپ کو

اپنے اکلوتے اور دائم المریض بیٹے سے ہوا کرتی ہے اور اس کے انداز سے مجھ کو اس  
 بات کا یقین تھا کہ وہ اس تبدیلی کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے گا۔ اس نے  
 مجھ سے سوال کیا کہ چوبیس فیٹ عمیق پانی کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے درحالیکہ جو جہاز مطلوب  
 ہیں وہ پانی میں چودہ فیٹ سے زیادہ ڈوبنے والے نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے  
 مجھ سے یہ بھی کہا کہ اذن اس کے چوبی گہاٹ سے بہتر گہاٹ اور کہیں نہیں ہو سکتا اور  
 جب میں نے رومی کے بورڈن کی طرف جو ہر سمت میں بکھرے پڑے تھے اور جہازوں  
 پر لادے جانے والے تھے اشارہ کیا تو جرنیل انٹکاف مجھ سے کہنے لگا کہ بھلا اس سے  
 بہتر موقعہ ان بورڈن کے رکھنے کا اور کہاں ہوگا۔ اس تبدیلی کے خلاف میں اگر مجھ کو کوئی  
 دلیل معقول نظر آئی تو وہ یہ تھی کہ اذن اوپر جو بیش قرار سرمایہ صرف کیا جا چکا تھا اس کی  
 رائیگان جانے کے علاوہ نئی بندرگاہ پر بہت کچھ لاگت آئے گی اور ۵۳ میل لمبی ریل  
 کا پھنچ اور برداشت کرنا پڑے گا جس کے باعث اسی نسبت سے کرایہ بڑھ جائیگا۔ لیکن تاجرون  
 کے لئے اس زیادتی کی تلافی غالباً وہ کمی کر دے گی جو مال کے باکوٹک کے محصول  
 میں ہوگی۔ اذن اس سے باکوٹک اس وقت محصول کی شرح ۱۰ کوپک فی پاؤڈر ہے۔ لیکن  
 بیان کیا جاتا ہے کہ کراسنواؤسک تک محصول کم ہو کر ۵ کوپک فی پاؤڈرہ جائیگا۔ ریل  
 کے اس جدید سلسلہ کا خط انحراف جیسا کہ فیصلہ ہو چکا ہے ملاکاری کے اسٹیشن سے  
 جو اذن اس سے بتیس میل ہو شروع ہوگا اور پچاسی میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کراسنواؤسک  
 سے جائے گا۔

## مزید ترقیات

نے سنا تھا کہ بالا اٹم اور قزنجاک کے اسٹیشنوں کے درمیان سائیکل ٹرک ریل کی سڑک مجدد ایتیار کی گئی ہے لیکن چونکہ سڑک کے اس حصہ پر میراگزرات کیوفت ہوا اس لئے مین ہین کہہ سکتا کہ سڑک ازسرنو تیار کی گئی تھی یا محض پٹریاں ہی دوبارہ ڈالی گئی تھیں۔ بالا اٹم کے مٹی کے تیل کے چہ بچون مین سے جہاں تک ریل کا ایک سلسلہ ابتداء قائم کیا گیا تھا اب تیل نکالا نہیں جاتا کیونکہ بحیرہ اخضر کے مشرقی ساحل پر صاف کرنے کے کسی کارخانہ کے نہ ہونے کے باعث باکو کے مخازن سے تیل منگوانے مین جب قدر خرچ پڑتا ہے اس سے زیادہ یہاں تیل کے تیار کرنے مین ہو جاتا ہے۔

## کارخانہ واقع قزل اروات اسٹیشن موریان اوپل

قزل اروات مین جو اذن ادا سے ۱۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک انگریزی انجنیر یہ مقیم سیٹ پیٹرس برگ نے ۵۰۰۰ پاونڈ کی لاگت سے ایک بہت بڑا کارخانہ انجنون کی مرمت اور ساخت اور ریلوے لائن کی عام میکانیکی ضروریات کے سبب ہم پہونچانے کی غرض سے قائم کیا ہے۔ اسے اس کارخانہ مین غیر علاقہ کا مصالحہ اور غیر علاقہ کے کاریگروں کو استعمال مین لانے کی قطعی طور پر مانعت کر دی گئی تھی۔ جب یہ کارخانہ تکمیل کو پہونچ جائیگا تو ۶۰۰ آدمیوں کو مستقل طور پر اس مین ملازمت مل سکیگی۔ کارخانہ کی عمارات مین ابھی سی برقی روشنی نظر آ رہی تھی اور دریائے آمو پر بھی اس کا انتظام ہو گیا تھا اسکے علاوہ یہ تجویز تھی کہ مسافر گاڑیوں مین بھی عنقریب بجلی ہی کی روشنی کی جائے اس مین شک نہیں کہ وسط

ایشیا کے ریگستانوں میں برقی نور سے جگمگاتی ہوئی ریل گاڑی کا مرحلہ بنائی کرنا اون کو تیرا  
اور حیرت انگیز نوافض میں جن سے کہ یہ تعجب خیز مسر زین بھری پڑی ہے۔ ایک اور اعجب  
ایزا د کر دیکھا۔ ریل کی لائن کے بعید ترین حصوں پر اسٹیشن کھل ہو چکے تھے اور جن ہنگامی  
تعمیرات کو میں نے ۱۸۸۸ء میں دیکھا تھا اون کے بجائے اینٹ یا پتھر کے صاف ستھری  
مکانات بن گئے تھے۔ ایران کے پھاڑوں سے دفعۃً زور کے مینہ برسنے کے بعد جو  
سیلاب اچانک آکر تباہی پھیلایا کرتے ہیں اون کے نحاس کے لئے گزشتہ سال نے پل  
اور موریان تعمیر کی گئیں۔ جن پر بہت کچھ روپیہ صرف آیا ہوگا۔ لیکن با این ہمہ قزل اروات  
کے قریب جولائی کے مہینے میں تین میل تک ریل کی سڑک کو ایک طوفان پھر ہالے گیا تھا  
ریل کی سڑک کے اس حصہ کی حالت بلوچستان کی بولان ریلوے کی طرح (جسکی حالت اور  
بھی زیادہ اندیشہ ناک ہے) ہمیشہ مخدوش رہتی ہے اور یہ خدشہ ایسا ہے کہ کبھی کامل طور  
پر اسکا اندفاع نہ ہوگا۔ مسٹر بلینسکی ٹھیکہ دار متوطن پولینڈ جس نے دریائے جیچون کا بڑا  
چوبی پل تیار کیا تھا اور نیز تجند اور مرغاب پر پل باندھے تھے اسی جہاز میں سوار تھا  
جس میں میں سوار تھا اسکو تجند کے لکڑی کے پل کے بجائے ایک لوہے کا پل تیار  
کرنے کا تیس ہزار پاؤنڈ میں ٹھیکہ ملا تھا۔ اور اسکے بعد مرو میں دریائے مرغاب کے چوبی پل  
کو اسی لاگت سے آہنی پل کی مکمل میں منتقل کرنے کی تجویز تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان  
دونوں مجوزہ تبدیلیوں میں سے ایک بھی عمل میں نہیں لائی گئی۔ البتہ قراگل میں دریائے  
زر افشان پر ایک جدید لوہے کے شہتیر دن کا پل تیار کیا گیا ہے۔ دریائے جیچون کا

مشہور چوہی پل واقع چار جوئی (جو اس لحاظ سے کہ سودن کے اندر تیس ہزار پاؤنڈ کی لاگت میں تیار ہوا تھا۔ نہایت ہی سستا تھا) کچھ مہینے ہوئے کہ پھر ٹوٹ گیا تھا اور ندی کے غیر معمولی چڑھاؤ یا اس کے بہاؤ کے رخ کے بدلنے کی حالت میں ہمیشہ یہ یونہی ٹوٹتا رہا۔ بھر خال کسی دوسرے زیادہ قیمتی قسم کے پل کے مقابلہ میں یہ چوہی پل یہاں کے لئے زیادہ موزوں ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً مرمت کے ہوتے رہنے اور دریا کے رخ بدلنے کی حالت میں توسیع کرتے رہنے سے یہ برابر کام دے چلا جائیگا۔ میں نے سنا ہے کہ دریا کے بہاؤ کا رخ نصف میل سے زیادہ مشرق کی سمت میں پلٹ گیا ہے اور پل کو بھی اتنا ہی بڑا دیا گیا ہے۔

### دریا بے جیون کا میڈا

اوس وقت سے لیکر جب کہ میں پہلے ادھر سے گزرا اب تک چار جوئی سے اوپر دریا بے جیون کی جہاز رانی کے مسئلہ میں کوئی نمایاں ترقی عمل میں نہ آئی تھی۔ جو دو بڑی کشتیاں مال بھارت یا فوج کے لئے جانے کیلئے تیار کی گئیں تھیں اور نہ ہی ندی کے پیچ و خم کھانے کے باعث دو دفائی کشتیاں "زار" اور "زارٹا" نامی اوپر کو کھینچ کر نہیں لیجا سکتی تھیں۔ معز پران اوس وقت کر کی پہونچنے میں جو صرف وہم و گمائل ہے دو دفائی کشتیوں کو معمولی طور پر ایک ہفتہ لگتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اوس کے بعد سے بہاؤ کے مقابل جانے کی حالت میں یہ سفر اب چار دن میں طے ہونے لگا ہے اور بہاؤ کی سمت میں جلتے وقت اوس میں تین دن صرف ہوئے ہیں لیکن رات کے وقت سفر نہیں کیا جاتا۔ دریا بے جیون کی کشتی بانی تجارت کا

مال افغانستان کو لیجانی اور وہاں سے لانے کے لئے تجارتی لحاظ سے اس وقت تک زیادہ مفید نہیں ثابت ہو سکتی جب تک کہ اس میں اور بہت سی اصلاحیں نہ کی جائیں۔ حالانکہ وسط ایشیاء میں روس کی حملہ آوری کی طاقت میں مدد و معاون بننے کے لئے اسکو ابھی بہت عرصہ چاہیئے۔

## مرو کی آبپاشی اور سلطان بند



و کے متعلق اور اون ان تہک کو مشنوں کے بارہ میں جنہیں ایک سال قبل دریائے مرغاب میں اوس مقام سے جہان آجکل مروداق ہے ۵۳ میل کے فاصلہ پر سلطان بند کے از سر نو تعمیر کرنے سے ریگستان مرو کی سیر حاصل حصہ آراضی میں تازہ جان ڈالنے کے لئے سینے عمل میں آتا ہوا دیکھا تھا اور نیز اوس قطعہ زمین کی آبپاشی کے متعلق جسکا خرچ زار روس اپنی جیب خاص سے ادا کرتے ہیں۔ میںے مایوس کر دینے والے شخص سے جن سے مترشح ہوتا تھا کہ ان امور میں انجام کار کامیابی کی حالت مشتتبہ ہے۔ میںے لوگوں کو یہ رائے ظاہر کرتے تھا کہ مرغاب میں اس قدر پانی نہیں کہ وہ کسی وسیع پیمانہ پر آبپاشی کے لئے کفایتی ہو یا اوس سے شہرین کاٹی جائیں۔ اور بند کے اوپر تال میں جو پانی جمع ہو گا اوسکی مقدار بتجیر کے باعث بہت ہی کم ہو جائے گی۔ بخلاف اسکے ایک انگریزی انجینئر نے جس نے کچھ عرصہ کے بعد اس کام کو جا کر دیکھا کہ نیل کا زل ناگھسکی روسی انجینئر کی

لے دیکھو ایک دلچسپ مضمون مرقومہ کرنل ایچ ہائل۔ ویس۔ رائے انجینئر سر رے وہی انگریز انجینئر ہے جسکا متن میں ذکر ہے جو رسالہ "اکٹرنل پیپر ڈاٹ وی رائل انجینئر" کی پندرہویں جلد میں ۱۸۸۹ء میں چھپا۔

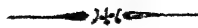


کی دستگاہ اور اُس کام کی نسبت جو تیار ہو چکا تھا نہایت اطمینان ظاہر کیا مزید برآں کرنیل مسٹر کو اپنی تجویز کی کامیابی میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ لیکن ضرور ہے کہ قانچ کو ایک حد تک غیر

۱۵ جو اطلاع کہ مجھ کو ملی تھی اور جو شکوک کہ مجھ کو پیدا ہوئے تھے اونکی صحت کا اندازہ اس سے ہو سکتا۔ جیسے کہ مشہور کے موسم خزاں میں یہ راز آشکارا ہو گیا کہ کرنیل کا فلسفہ کا مشہور چند دریا سے مراد۔ میں ایک طوفان آنے سے پہلے گیا کہ انکم بہت کچھ ٹوٹ گیا۔ اور زار روس نے درحالیہ وہ انگریزوں کو ماوراء النہر سے خارج کر رہے تھے مجبور ہو کر گورنمنٹ انگریزی سے ایک انگریزی افسر سر کالین مانکرلیف ۱۶ کی خدمات مستعار طلب کیں جس نے دریائے نیل کی آبپاشی کے کام کے متعلق بہت کچھ شہرت حاصل کی تھی۔ یہ بھی کیسے مزے کی بات ہے کہ مردہ میں روسیوں نے جو غلطیاں کیں ہوں ان کی اصلاح کے لئے ایک انگریز طلب کیا جائے۔ سر کالین مانکرلیف نے جو پورٹ پشیش کی اوس کی بنا پر کرنیل کا فلسفہ کی تجویز ترک کر دی گئی مین اور آبپاشی کی ایک نئی تجویز اب اختیار کی گئی۔

۱۷ غالباً یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میں سر کالین اسکاٹ مانکرلیف جنہوں نے وسط ایشیا میں اپنی اعلیٰ درجہ کی انجینیری قابلیتوں سے انگلستان کا پایہ اعزاز روسی مدبروں کی نظر میں اس درجہ بڑھایا وہ ہمارے بیدار مغرور روشن ضمیر و ایسراے لارڈ کرزن کی بے نظیر قوت اقتداء کی دستگیری سے آجکل ہندوستان کے اوس خاص کمیشن کے پریزیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں جو تمام ہندوستان کے ذرائع آبپاشی کی حالت موجودہ کی تحقیقات اور اوس کی آئندہ کی توسیع کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے بیٹھا ہے۔ اور اس وقت جبکہ میں یہ حاشیہ لکھ رہا ہوں کمیشن مذکور جنوبی ہند کا دورہ کر کے حضور ہندگان عالی مقامی مدظلہم العالی کے ممالک محروسہ میں آنے والا ہے۔

مستحکم



یقینی خیال کیا گیا ہو جسکی توجیہ اوس تناقض سے ہوتی ہے جو قابل زراعت رقبہ آراضی کے اودن اعداد میں پائی جاتی ہے جنہیں روسی حکام نے وقتاً فوقتاً سرکاری طور پر شائع کیا۔ اول اول یہ ظاہر کیا گیا کہ ..... ۸ ایکڑ زمین کی آبپاشی کا انتظام کیا جائیگا۔ اس کے بعد یہ اعداد کم ہو کر ..... ۳۰ ایکڑ رہ گئے اور ..... ۳ سے پھر جو کم ہونے شروع ہوئے تو ..... ۱۸ ایکڑ تک آپہونچے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ آخر الذکر تخمینہ اوسی قدر کم ہو جس قدر کہ اول الذکر زیادہ ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اگر آبپاشی کا انتظام مناسب طور پر کیا جائے تو عمدہ نتائج مترتب نہ ہوں کیونکہ ازمینہ وسطی میں حتی کہ اب سے ایک صدی قبل جبکہ جدید بند سے پہلے کا بند اہل بخارا نے لڑائی میں توڑ ڈالا تو یہ اسی کا اور نیز اسی طرح کے دوسرے نذرانے آبپاشی کا باعث ہوتا تھا کہ مرو کا ضلع اپنی زرخیزی اور شادابی کے اعتبار سے مشرق میں لائٹانی شمار ہوتا تھا۔ اگر ایک وسیع قطعہ زمین فلاح کے دائرہ اثر میں داخل ہو جائے تو بلاشبہ یہاں کی آبادی بہت بڑھ سکتی ہے۔ کرنیل کلفسکی کا خیال ہے کہ اس سیر حاصل بقعہ میں دس لاکھ آدمی بہ فراغت تمام آباد ہو سکیں گے۔ کلچرل سائنس ڈیپارٹمنٹ (چینی مسلمانوں) اور تریچون (ترکی مسلمانوں) کے ایک سو خاندان مرو میں تجربہ ایک نو آبادی قائم کرنے کے لئے منتقل کئے گئے ہیں اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کئی سو اور خاندانوں کو (جو غالباً یورپ زاہین) زار کی جاگیر میں آباد ہونے کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ صرف ایک اور قطعہ زمین ایسا ہے جس میں آبپاشی ہے۔ بعد ایک بڑے محیار پر ایک نو آبادی قائم ہونے کی امید کیجاتی ہے۔ یہ قطعہ زمین دریائے آمو اور دریائے

زرافشان کے درمیان دریائے اول الذکر کے دائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اور گورنمنٹ  
روس دریائے بے جھون سے ایک نئے یہاں کاٹ کر لانے کے متعلق ابھی پورا سے خط و  
کتابت کر رہی ہے۔

## ریل گاڑیان

ورار النہر کی ریلوے اس وقت جس قدر گاڑیوں پر مشتمل ہے اس کے اعداد  
مختلف فیہ ہیں لیکن مفصلہ ذیل میزائین تقریباً صحیح تصور ہو سکتی ہیں۔ ریل کی تمام لائن پراچینوں  
کی تعداد ۲۰ سے لیکر ۳۰ تک ہو گی۔ اور باقی ہر قسم کی سواری اور مال لادنے وغیرہ  
کی گاڑیاں کل ۲۰۰۰ ہوں گی۔ پانی یا مٹی کے تیل کے لئے طرف دار  
گاڑیوں کی تعداد اس وقت ۵۰ بیان کی جاتی ہے۔ ان اعداد سے واضح ہو گا کہ سلسل  
اور متصل ترقی عمل میں آرہی ہے گو کہ تجارتی اور فوجی ضروریات کے لحاظ سے جو معیار مطلوب  
ہے وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ جرنیل اینیکاف کا کفایت شعاری کا شوق اور موازنہ میں  
معقول گنجائش دکھانے کی خواہش اگرچہ فی نفسہ عمدہ باتیں ہیں لیکن انہوں نے ریلوے  
کے مناسب نشوونما کو ایک درجہ تک روک دی ہے۔

## تار برقی

ریل کے ساتھ ساتھ ایک تہری تار برقی بحیرہ اخضر سے سمرقند تک اور وہاں سے  
برابر تاشقند تک چلی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تار برقی کی متعدد شاخیں حسب ذیل مقامات  
کے درمیان قائم ہیں۔ قزل اروات سے بجنزو اور بجنزو سے چکشیلار اور استر آباد

تک۔ کاری بنت سے سرخس تک۔ قرو سے تختہ بازار (پنجہ) تک۔ چار جوی سے  
 خیمو اتک۔ بخارا کے اسٹیشن سے شہر بخارا تک۔ اور مین نے یہ بھی سنا کہ چار جوی سے  
 کرکی کی چوکی تک جو دریا بے جیون کے کنارہ پر واقع ہے تار کا سلسلہ قائم ہے۔  
 ایک اور مقام پر مین نے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر مقامات کے درمیان نامہ بر کہو ترڈاک  
 لیجا تے ہیں۔ روسی سلسلہ تار برقی کو سرخس یا تختہ بازار سے ہرات اور قندہار ہوتے ہوئے  
 افغانستان کی راہ سے ہندوستان کے سلسلہ تار برقی کے ساتھ ملانے اور اسطرچہ  
 یورپ سے ہندوستان تک تار برقی کی ایک دوسری شاہ راہ قائم کرنے کے  
 مسئلہ پر انگلستان اور ہندوستان کے بعض حکام نے غور کیا ہے لیکن اول تو یہ تجویز قرین  
 مصلحت نہیں اور دوم موجودہ حالات ایسے نہیں کہ اسکے عملی صورت اختیار کرنے کے  
 موید ہوں۔

## سرعت رفتار اور ریل کی روانگی کے اوقات

جب مین ۱۸۸۸ء پہلی مرتبہ ماورالونہر آیا تو اذن ادا سے سر قند تک جو ۹۰۰ میل کی مسافت  
 ہے ۲ گھنٹہ میں سفر طے ہوتا تھا۔ اس فاصلہ کو اب مسافر اور ڈاک گاڑیاں جو موسم کے  
 لحاظ سے ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ روانہ ہوتی ہیں ساٹھ گھنٹہ سے کچھ ہی زیادہ عرصہ میں  
 طے کرتی ہیں اور اس میں سے دس گھنٹہ اسٹیشنوں پر ٹھہرنے میں صرف ہوتے ہیں  
 ملی ہوئی مسافر اور مال گاڑیاں جبکہ رفتار سست تر ہے روزانہ آتی جاتی ہیں اور اس  
 فاصلہ کو پندرہ گھنٹہ زیادہ میں طے کرتی ہیں۔ متوسط درجہ کا خوردنوش کا سامان اب

گاریوں کے ہمراہ رہتا ہے اور کہانے پینے کی چیزوں کے حصول کے متعلق اسٹیشن پر جو تکلیف مسافروں کو ہوتی تھی وہ نہیں رہی گوکہ بڑے اسٹیشنوں پر اب بھی چپقلشیں ہوتی رہتی ہیں۔

### آمد و خرچ

وراء النہر کی ریلوے کی آمد و خرچ کا حساب جو بعض دفعہ سرکاری طور پر شائع کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ اخباروں کے نامہ نگاروں کو جرنیل اینکاف کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض دفعہ خانگی ذرائع سے دریافت ہوا ہے ایسا ہی متناقص ہے۔ جیسا کہ وہ مختلف تختے جو تعمیر کے اصل خرچ کے متعلق متعدد بار انہیں ذرائع کی بنا پر مرتب کئے گئے ہیں۔ ۱۸۸۷ء میں ریل کے چلانے کے اخراجات آمدنی کے مقابلہ میں بقدر ۳۰۰۰۰ پاؤنڈ کے زیادہ تھے۔ اور ۱۸۸۸ء میں بیشی کی مقدار ۳۰۰۰۰ پاؤنڈ تھی۔ ۱۸۸۹ء میں بھی آمدنی کے اسی قدر کم ہونے کی توقع کی جاتی تھی لیکن اخبار ”نوروی ورمیا“ نے اس سال کی آمد و خرچ کا جو نقشہ شائع کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخراجات کی مقدار ۳۱۷۴۲ پاؤنڈ تھی اور آمدنی کی مقدار اس سے بقدر ۷۰۰۰ پاؤنڈ کی زیادہ۔ لیکن جب میں اذن واد میں تھا تو جرنیل اینکاف نے میرے سامنے اس سے بھی زیادہ عظیم الشان اعداد پیش کئے تھے۔ مسٹر وشننگٹن کیسکی جس کے مشیر مال نے جو حیرت انگیز قابلیتوں کا شخص تھا اور جو ۱۸۸۷ء کے موسم خزاں میں خود ماوراء النہر گیا اپنے موازنہ میں ماوراء النہر کی ریلوے اور وریا کے بیچیمون کے بیرٹے کا خرچ ۱۸۸۹ء کے لئے

۲۸۴۲۳۵ پاؤنڈ بتایا ہے اور یہ اعداد ایسے ہیں کہ ”نودوی درمیا“ کے اعداد سے  
 جکا اپراقتباس کیا گیا ہے غیر مطابقت نہیں ہیں۔ بخلاف اسکے مشیر موصوف نے ۱۸۹۰ء کی  
 بابت جو اندازہ مرتب کیا ہے اوسین ریلوے اور ٹرے کے اخراجات بابت سنہ ۱۸۹۰ء  
 کے متعلق ۴۴۲۰۱۲ پاؤنڈ کی مزید رقم یعنی کل ۴۴۸۲۰۷۰ پاؤنڈ شامل ہیں۔ اسکے بعد میرے  
 سنسنین آیا کہ ۱۸۹۰ء میں ۲۹۰۰۰ پاؤنڈ کی بچت ظاہر کی گئی ہے۔

### مال کی آمد و رفت

حال ایک امر کے متعلق ٹوکونی شہر نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہے کہ ریل کے  
 ذریعہ سے جو مال جاتا اور آتا ہے اس کی مقدار بہت بڑھ گئی ہے اور آگے چل کر بے انتہا  
 بڑھ جائیگی۔ کل وزن اوس مال کا جو ۱۸۸۹ء میں ریل پر بار ہو کر گیا ۲۱۷۴۱۸۸۰ پوڈ یا  
 ۳۵۰۶۷۵ ٹن تھا اس میں سے وسط ایشیا کی مقامی پیداوار اور سامان غیر ترکیب دادہ  
 کا وزن ۹۰۶۹۰۸۱ پوڈ یا ۱۴۶۲۷۵ ٹن تھا اسی سال مصنوعہ ایشیا اور شکر کی قیمت  
 جو ریل کے ذریعہ سے ماوراء النہر، بخارا اور ترکستان میں لائی گئیں ۱۸۸۸ء کے مقابلہ میں  
 ۹۴ فیصدی زیادہ تھی اور جو مال روئی، اُون ریشم، خشک میوہ اور غلہ کی قسم سے  
 وسط ایشیا سے روس کو بذریعہ ریل بھیجا گیا اوس کی قیمت میں ۱۲۷ فیصدی کی بیشی  
 ہوئی۔ مال برآمد میں جو اسطرح ریل کے ذریعہ سے باہر بھیجا گیا سب سے زیادہ بیشی

۱۵ لیکن ماہ فروری ۱۸۹۱ء میں ”نودوی درمیا“ نے بچت کی مقدار ۳۲۳۷۱۰ پاؤنڈ بتوٹا بیان کی  
 جکا میں اعتبار نہیں کر سکتا۔

رومی میں جو ایشیا کے یونانیوں نے دے گئیں وہ حاصل ہوئے نہایت سے  
 اور یہ بیٹی ابھی اپنے منہ سے کمال کو نہیں پہنچ سکی تھی۔ ۱۸۸۹ء میں جو مال ریل پر گیا اس کی  
 مقدار ۲۴۳۱ پوڈ یا ۵۹۶۵ ٹن تھی۔ ۱۸۸۹ء میں ۲۰۰۰۰ پوڈ یا ۴۵۸۳ ٹن  
 ہو گئی۔ اور ماہ جنوری ۱۸۹۰ء میں ۲۵۲۴۶۰ پوڈ یا ۴۴۴۰ ٹن تھی (جس میں سے  
 ۲۲۹۳ پوڈ یا ۱۱۶ ٹن بخارا سے آئے) آخر الذکر اعداد سے واضح ہوتا ہے کہ  
 سال گذشتہ کے مقابلہ میں ۱۸۹۰ء کا مالانہ اوسط بہت بڑا مارا گیا کہ جنرل انٹیکاف کی امیدوں  
 کو ان اعداد نے پورا نہیں کیا۔ جنرل موصوف نے محمد سے کہا تھا کہ سال بھر کی میزان  
 ۴۰۰۰۰ پوڈ ہوگی۔ البتہ جون کے مہینے میں اذن ادا کی بندرگاہ پر ڈھائی لاکھ پوڈ  
 مال کا جہازوں پر بار ہونے کے لئے پڑا ہوا بیان کیا گیا اور روزانہ مقدار اس مال کی جو ریل  
 پر آتا تھا ۲۰۰۰ پوڈ ہونا بتائی گئی۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء کے پہلے پانچ مہینوں کی آمد مال  
 برآمد کی زیادتی کے باعث گذشتہ سال کے اسی عرصہ کے مقابلہ میں بقدر ۵۰۰۰۰ پوڈ  
 کے بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ چھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ افغان تجارت نے ریلوے کے اختتام  
 کے بعد چار جوئی کو روٹی کے کئی سو بورے بھیجنے سے اس کے ساتھ اپنا تعلق پہلی مرتبہ  
 اور اراکھ کی ریلوے کی تعمیر سے پہلے کل سالانہ مقدار رومی جو وسط ایشیا سے روس کے اس  
 حصہ میں جو یورپ میں واقع ہے بذریعہ اونٹ کے کاروانوں کے براہ اور نہ برگ بھی جاتی تھی  
 ۹۶۸ ٹن بنی تھی۔

براہ راست قائم کیا

## چنگی خانوں کا قیام



وسیع پھیلتا ہوا ریل کو اغراض تجارت کا مطیع بنایا گیا ہے اور چاروں طرف سے مال کے پشتارے جو اسکی طرف برابر چلے آ رہے ہیں اسکی وجہ سے اس امر کی ضرورت داعی ہوئی ہے کہ ماوراء النہر میں باقاعدہ طور پر چنگی خانے قائم کئے جائیں۔ انکا قیام اوس عام روسی طرز عمل پر مبنی ہے جسکی رو سے ممالک غیر کے مال کو سجدار مکان مقامی مال کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ رعایا کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے اور مقامی پیداوار اور مقامی ساخت کی اشیاء کی حمایت کی جاتی ہے۔ صد چنگی خانہ اذان میں ہے لیکن قزل اروات عاشق آباد۔ ارتیک۔ کاکہ۔ دیشک۔ تہجد۔ سرخس۔ مہر۔ یوکتان اور تختہ بازار میں بھی چنگی کی چوکیاں قائم کی گئی ہیں۔ ۲۰ فیصدی محصول بہ اعتبار قیمت تمام ممالک غیر کے مال پر جو سمندر کی راہ سے درآمد کیا گیا ہو لگایا جاتا ہے۔ اسی قدر محصول بازار کے بہاء کے حساب سے یورپ۔ ایران یا ہندوستان کی تمام ایسی چیزوں پر بھی لگایا جاتا ہے جو خشکی کی راہ سے ماوراء النہر میں لائی جائیں خواہ اونکی کہیت یہ ہیں ہو۔

۱۸۹۰ء میں عرض کہ روسی سوداگر وسط ایشیا میں روسی کی کاشت اور پیداوار کو اور زیادہ ترقی دین مشیر مال نے ۱۸۹۰ء میں اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا کہ وسط ایشیا کی مجلس تجارت و صنعت و حرفت کو ۱۷۰۰۰ ایکڑ زمین ترکستان میں نوے سال کے لئے ہیرہ دے دی جائے اور پہلے پندرہ سال کا محصول نہ لیا جائے۔



خواہ وہ بخارا۔ خیو یا ترکستان جاتی ہوں۔ اس قسم کو تمام مال پر اگر وہ اذن ادا سے یورپی روپے یا علاقہ قاف کو بھیجا جاتا ہو ۵ فیصدی کا مزید محصول باعتبار قیمت مال لگایا جاتا ہے اور جو محصول کہ پہلے لیا جا چکا ہو وہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ بخلاف اسکے جو مال بخارا۔ خیو۔ اور ترکمانیہ سے یورپی روس یا قاف کو جاتا ہے اسے اذن ادا سے بلا محصول گزر جاتا دیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کل ایرانی مال جو یورپ کو جانے والا ہو اس پر محصول نہیں لیا جاتا بشرطیکہ وہ عاشق آباد یا ماوراء النہر ریوے کے کسی دوسرے اسٹیشن کے راستہ سے بھیجا جائے۔

### عظیم الشان آئندہ تجارتی ترقی

ان واقعات کے اور نیز ان تمام باتوں سے جبکہ دیکھنے یا سننے کا مجھے اپنے دوسرے سفر میں اتفاق ہوا۔ میری اس سابقہ پیشین گوئی کی تاکید ہوتی ہے کہ ماوراء النہر کی ریل کے آگے تجارت کا ایک وسیع میدان کھلا پڑا ہے۔ یہ ریل ایسے ملکوں کے بیچ میں سے اور ایسے خطوں کے دامن کو چھوتی ہوئی گزرتی ہے جن میں پیداوار کی بلندی بہت بڑی ہے گو ابھی تک اس نے کامل نشوونما نہیں پائی۔ اسکے علاوہ ماوراء النہر۔ خراسان۔ بخارا۔ شمالی افغانستان اور روسی ترکستان کا مال برآمد و درآمد سب اسی پڑتا جاتا ہے جو چیزیں کہ روس میں پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ان ملکوں کو لاتی ہے اور ان کے بدلے یہاں سے روئی۔ ریشم۔ اون اور پوستیں لے جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ چند ہی سال کے عرصہ میں یہ ریل پورے وسط ایشیا کی بھرپان بیچائے گی جس میں نصف

براعظم کا خون موجزن ہو گا اور جو مشرق و مغرب کے رجحانات کو جو پہلے ہی نیم مغلوط سے ہو چکے ہیں پوری طرح برہم مٹا دے گی۔ ایشیا کے مسخر کرنے کیلئے روس کے ہاتھ میں یہ ریل ایک ایسا زبردست آلہ ہے کہ نصف درجن گیارہ پتی یا درجن بہرہ منجہ بھی اس کی برابری نہیں کر سکتے۔ اس کے ذریعہ سے خوزیری اور جنگ و بدل کے بغیر ملک کے ملک روس کے مطیع و منقاد ہوتے چلے جائیں گے۔ جرنیل انیکاٹ نے اس ریلوے کے قیام میں جس ان تہک مستعدی اور جانفشانی سے کام لیا ہے اس کے لئے وہ نہایت تعریف و تحسین کا مستحق ہے۔

### انگریزی سیاحوں کے لئے آسانیاں

انگریزی سیاحوں کو اس ریلوے کے قیام سے جو آسانیاں ہو سکتی ہیں ان کی متعلق یہ بات میرے سننے میں آئی کہ جب قدر مزارحت سابق میں اجنبیوں کے یہاں آنے پر کجباتی تھی اور مقدار اب نہیں کجباتی اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دعویٰ کی بناء عام خیال پر ہے نہ کہ مسئلہ واقعات پر۔ لیکن مسافروں کی اس لائن پر ایسی کثرت ہے کہ ایک غیر ملک کے باشندے کا اپنی طرف توجہ منعطف کے بغیر اس پر سفر کرنا بعید از قیاس متصور نہیں ہو سکتا مگر اس میں شک نہیں کہ اگر اس کے پاس سینٹ پیٹرز برگ کا جاری شدہ خاص پروانہ راہداری نہ ہو گا تو معلوم ہونے پر وہ متنبہ کے جانے یا واپس لوٹا دئے جانے کا مستوجب قرار پائے گا۔ ممکن ہے کہ جن جن زمانہ گزرتا جائے یہ سختیاں کم ہوتی جائیں۔ بہر حال بعض انگریزی مسافروں نے جن میں ایک خاتون بھی شریک تھی اور جنہیں میرے

بعد اس ریلوے پر سفر کرنے کا اتفاق ہوا اسکے متعلق اچھی رائے ظاہر نہیں کی گئی  
لوگوں کے ساتھ شبہ کی بنا پر کچھ خلقی سے برتاؤ کیا گیا اور ایک انگریزی سفارت کے  
اعلیٰ سکرٹری کو جو ان میں شریک تھا ایک فرضی الزام کی بنا پر گرفتار کیا گیا روسی  
عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے بعد میں سنا کہ اس شریفانہ برتاؤ کا مقصد ان  
صحیح صحیح اور بالکل کم و کاست خیالات کا جواب دینا تھا جو وسط ایشیا میں روس کے معاملہ  
اور طرز عمل کے متعلق میں نے ظاہر کئے تھے۔

۱۷ سیاق و سباق میں اس امر کے اظہار کی ترغیب دیتا ہے کہ کسی انگریزی مصنف کو ایسے معاملات میں  
جو روسیوں اور انگریزوں کی باہمی سیاسی یا قومی رقابت سے متعلق ہوں روس کی نسبت مہفوفانہ یا فیاضانہ  
خیالات ظاہر کرنے کی تحریک نہیں ہو سکتی۔ میں نے ایک ایسی کتاب لکھی تھی جس میں نہایت انصاف کے ساتھ  
دونوں ممالک اور مقاصد کا ذکر کیا گیا تھا جو وسط ایشیا میں روس کے مد نظر ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عام طور پر لوگوں  
کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ کتاب حال کی کسی دوسری تصنیف کے مقابلہ میں زیادہ تر انصاف و حق پرستی کے اصول  
پر مبنی ہے۔ پھر بھی روسیوں نے اگر اس کی کوئی قدر کی تو وہ یہ تھی کہ اول تو ایک مشہور و معروف روسی  
نامہ نگار نے جسکے مضامین انگریزی اخباروں میں چھپتے ہیں ایک طعن اور طعنے سے بہرہ اہوا مضمون کتاب کے  
غلاف لکھا اسکے بعد کتاب کے جن فقرات میں روسیوں کی تعریف نہ تھی انکو سرکار روس کے افسر  
محکمہ نے جسکے تفویض مضامین غلاف اغراض سرکار کی اشاعت کی ممانعت کی خدمت سے پیش دیا۔ اور اسکو  
علاوہ روس کے ایک سربراہ آردہ اخبار نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر وسط ایشیا میں اہل روس جسکے محاسن  
کا ایک انگریز اس درجہ مداح ہو سکتا ہے تو روسی بڑے ہی بے وقوف ہونگے۔ اگر وہ انگریزوں کے  
بہترے پن سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائیں گے۔

لما کاری سے کر آسنو واڈسک تک ریل کی ایک شاخ نے جانیکی تجویز کا جواب منظور ہو چکی ہے مین پیشتر ذکر کر چکا ہوں۔ چار جوئی سے کر کی تک دریائے آمو کے بائیں کنارے پر جس شاخ ریلوے کے قیام کرنے کی تجویز تھی اور جس کا سلسلہ ۱۸۹۵ء کے موسم بہار میں جبکہ جنگ افغانستان کا خدشہ لگا ہوا تھا بڑے شد و مد سے ذکر کیا جاتا تھا وہ اب پیش نظر نہیں رہی اور احتمال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب تک پیش قدمی کا خیال مرکز خاطر نہ ہوگا اس وقت تک اس شاخ کا قیام پھر سنسنین نہ آئیگا۔

### ماوراء النہری ریلوے کی توسیع

خلاف اسکے سمقند سے جو کہ ریل کا موجودہ منہا ہے تا شقند تک ریل کے بڑھائے جانیکی تجویز جس کی نسبت مین نے سابق مین پیشین گوئی کی تھی کہ اس کا معرض نفاذ مین آنا بعد از احتمال نہیں اب علی صورت اختیار کرنے کے زیادہ قریب پہنچتی جاتی ہے۔ چنانچہ جرنیل انیکاف نے یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ ماہ مئی ۱۸۹۵ء مین کام شروع ہو جائیگا اسکے بعد اس امر کا اعلان کیا گیا کہ زار روس نے اس تجویز کو پسند کر لیا ہے جو سائبیریا کے عظیم الشان سلسلہ ریلوے کے قیام کے متعلق ایک خاص جماعت نے مرتب کی

۱۵ کپتان اے۔ سی۔ ہیٹ جو ایک انگریزی سیاح ہونے کے اعتبار سے آخری مسافر ہے جس نے ماوراء النہری ریلوے کے ذریعہ سے سفر کیا (اکتوبر ۱۸۹۴ء) اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ روسیوں کا اب یہ خیال ہے کہ سمقند سے ریل کا سلسلہ شروع کر کے قوقند تک پہنچایا جائے تاکہ دریائے سیر پر پل باندھنے کے مصارف کی ضرورت داعی نہ ہو۔

تھی جسے اسی غرض کے لئے نامور کیا گیا تھا۔ اس تجویز کی رو سے سائبیریا کی ریڈیو  
دلاڈی واسٹاک پر ۴۸۵ میل کے مسافت طے کرنے کے بعد بحر الکاہل سے جا ملیگی۔  
اس سلسلہ ریل کی تیاری میں دس سال لگیں گے۔ اور اسکی لاگت کا تخمینہ دو کروڑ پچاس  
لاکھ پاؤنڈ سے لیکر چار کروڑ پاؤنڈ تک کا کیا گیا ہے۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا گیا تو زیادہ  
مدت نہ گزرنے پائے گی کہ ماوراء النہری ریڈیو جسکی توسیع اسوقت تک ناممکن تک  
ہو چکی ہوگی اور آگے بڑھادی جائیگی حتی کہ وہ سائبیریا کی ریڈیو کی شاہراہ سے  
جا ملیگی اور یورپی روس کے دور کو نکسلیں کو پہونچائے گی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان

۱۷ ایک عرصہ دراز تک ان تجاویز پر بحث ہونے کے بعد کہ آیا سائبیریا کا سلسلہ ریڈیو غیر مسلسل رہنا چاہیئے  
(یعنی یہ کہ جہاں خشکی ہو وہاں ریل قائم کی جائے اور جہاں راستہ میں تری تھے اسے کشتی کے ذریعہ سے عبور  
کرنے کا انتظام کیا جائے) یا وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہیں بڑھنے نہ پائے آخر کار ۱۹۹۱ء  
میں تجویز موخر الذکر فیصل قرار پائی۔ سلسلہ زبور مقام زلاطوت سے جو اس ریڈیو کا موجودہ مقناطیس ہے جو سمرا  
اور اڈاس کے درمیان قائم ہے شروع ہو کر میاسک اور چیلیا بنسک کے بعد فی اصلعین سے گزرے گا  
(۴۸ میل) یہاں سے توچا بنسک۔ کینسک۔ میرینسک۔ کراسنایا سنسک اور کانسک کو طے کرتا ہوا۔

بخئی اور فکسٹن پہونچیکا (۴۳۴ میل) اس حصہ کی لاگت کا مجموعی تخمینہ ۵۰۰۔۱۸۰ پاؤنڈ یعنی ۶۵۰۰ پاؤنڈ  
فی میل کے حساب سے کیا گیا ہے۔ بخئی اور سنسک سے سلسلہ زبور پہونچیکا ہوگا۔ اور اکسکیا۔ ارکٹسک۔ جیبل  
ریکال۔ ستریٹسک اور ہسبارو کا مین سے گزرتا ہوا دلاڈی واسٹاک پہونچے گا (۴۹۶۵ میل) اس سلسلہ کا کل  
طول ۴۸۵ میل اور مجموعی خرچ کا تخمینہ ۴۵۰۰۰۔۳۴۶ پاؤنڈ یا بحساب ۸۰۰۔۶۴۸ پاؤنڈ فی میل ہے۔ کام  
نوں سرون پر سے شروع کر دیا گیا ہے اور کچھ میل سڑک جلدی سے دلاڈی واسٹاک میں تیار کر دی گئی تھی  
تا کہ ۱۹۹۱ء کے موسم گرما میں ولیعہد روس رسم افتتاح ادا کر سکے۔

دونوں ریڈن کا مقام اتصال اوسک قرار دیا گیا ہے۔ خود ماوراء النہر میں ریلوے کی ایک نئی شاخ کے قیام کے متعلق آج کل تذکرہ ہو رہا ہے جو کاری بہت سے جو دریائے تجند کے کنارے واقع ہے۔ سرخس تک جائے گی۔ اس شاخ کے قیام کرنے سے روس اتسی میل اور ہرات کے قریب پہنچ جائے گا۔

### یورپی روس میں دو سلسلہ ہائے ریلوے کی توسیع

روپ پر جہان قاف کی ریلوے ماوراء النہری ریلوے کا لازمی نتیجہ اور مکمل ہے نظر ڈالنے سے ہلکے معلوم ہوتا ہے کہ بہت کچھ تاخیر و توقف کے بعد لاڈی کا کاس سے پٹر افک تک کے سلسلہ ریلوے کے قیام کی منظوری زار نے دی ہے۔ گو کہ اس تجویز کے بھی متعدد مدعی ہیں کہ ساتھ ہی پٹر افک اور زارٹسن کے مابین ریلوے کا ایک سلسلہ قائم کر کے وسط روس کے سلسلہ ہائے ریلوے اور دریائے والگا کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے۔ معہذا ایک جماعت اس غرض سے مامور کی گئی ہے کہ موقع کے معائنہ اور دیگر حالات پر نظر غائر ڈال کر اس امر کی نسبت رپورٹ پیش کرے کہ آیا لاڈی کا کاس یا کسی اور قریب کے مقام سے ایک ایسی سرنگ کہو دی

۱۵ یہ سلسلہ ۴۰ میل لمبا ہوگا اور اس کی لاگت کا تخمینہ ۱۲۰۰۰۰۰ پاؤنڈ کیا گیا ہے۔ روس کے موازنہ مال میں جو سال ۱۹۱۶ء کے متعلق ہے ایک لاکھ پاؤنڈ کی رقم کی گنجائش تعمیر کے مصارف ابتدائی کے لئے رکھی گئی ہے اس کے علاوہ ایک اور شاخ کے قیام کا مسئلہ بھی زیر بحث ہے جو پٹر افک سے باکو تک جائیگی اور طول میں ۱۲۰ میل ہوگی۔

جانی ممکن ہے جو سلسلہ کوہ قاف کے بطن میں سے گزر کر کسی اسٹیشن پر جو باطوم و طغس کی لائن پر واقع ہو جائے۔ اس کے علاوہ آدجی کابل کے اسٹیشن سے جو اس سلسلہ ریلوے پر واقع ہے جو باطوم اور باکو کے مابین قائم ہے اتارا واقع سرحد فارس تک بھی ایک جدید سلسلہ ریلوے قائم کرنے کی تجویز ہے اور اس کی پیمائش بھی ہو رہی ہے۔ ان تمام سلسلہ ریلوے کی تیاری جو ایک ساتھ عمل میں لائی جا رہی ہے اس امر کی شاہد ہے کہ روس نے اپنے مقبوضات واقع یورپ اور بحیرہ اخضر کو ریل کے ذریعہ سے ملا دینا میں نہایت دور اندیشی سے کام لیا ہے کیونکہ بحیرہ اخضر کے مشرق کی طرف اگر کبھی کسی فوجی کارروائی کا موقعہ آ پڑا تو اس کے لئے ملک اور سامان رسد بہم پہنچانے کے لئے لازمی طور پر مغرب کی سمت سے ہی ہتھیار و اسلحہ کو روانہ کرنا پڑے گی۔

### ماوراء النہرین روسیوں کی اخلاقی حالت

ماوراء النہر سے میں نے اخبار "ٹائمز" کو حسب ذیل تحریر بھیجی تھی :-

یہ بات متواتر میرے سننے میں آئی ہے کہ ماوراء النہر میں جو روسی فوج مقیم ہے وہ کمین سازش - ادباشی - مشربخواری - قمار بازی اور دوسری طرح طرح کی بدکرداریاں پھیلی ہوئی

ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی لائن ریل کی شاہراہ سے کسی ایسے اسٹیشن سے جو لاڈی کا دھاس کے جانب شمال واقع ہو گا مشرق جو کردہ کی زمین سے ہو کر سلسلہ کوہ قاف کو طے کرتی ہوئی ایک سنگین سے جتنا طویل پانچ میل سے کم ہو گا گزرے گی اور ۱۱۳ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گورس کے اسٹیشن پر جو طغس ریلوے پر واقع ہے جا ملے گی۔ لیکن اس پر ٹانگ بے انتہا آئے گی۔

ہیں۔ سبکی گورنمنٹ روس کو خبر نہیں۔ ان روایات کا پے درپے سننے میں آنا اور سنا تھری  
 اونکا تناقض سے معرا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ان میں ضرور بہت کچھ حصہ سچائی کا ہو گا۔  
 جو نوجوان یورپی روس میں بے احتیاطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں یا ادب و باشتی میں  
 اپنا رویہ صنایع کر دیتے ہیں یا اور بری عادات اختیار کرتے ہیں انہیں گورنمنٹ روس  
 بطور کفارہ ذنوب وسطا روس میں کچھ عرصہ کے لئے جلا وطن کر دیتی ہے تاکہ وہ ان اوٹکی  
 اخلاقی حالت کی اصلاح ہو جائے۔ لیکن یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اس کا لے پانی میں زندگی  
 کا دوبہر ہونا سچائے اسکے کہ قدیم حرم کے ارتحاب مکر کو مانع آئے اور اولٹا اوسکا معین  
 و محرک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسطایشیا کی ہر ایک روسی فوجی چادنی میں ہینرم کشی۔  
 عیب جوئی اور لگاؤ کا بازار خوب گرم رہتا ہے۔ کوئی ذی امتیاز شخص ایسا نہیں جسکے دشمنوں  
 کا ایک جم غفیر موجود نہ ہو جنکا یہی کام ہے کہ اوسکی تخریب اور بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا  
 نہ رکھیں۔ پابندی ضوابط کا نمائشی طبع بے قناعتی۔ بد باطنی اور بد کرداری فرس پر چڑھا ہوا  
 نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سرزمین کی جانفرسا آب و ہوا اور یہاں کا نفرت انگیز  
 طرز زندگی ان خرابیوں کا بہت بڑا باعث ہے۔ مگر اس موقع پر سوال یہ پیش آتا ہے کہ  
 جس سلطنت نے اپنی حالت وسطایشیا میں ایسی بنا رکھی ہے آیا اخلاقی لحاظ سے  
 اوس کے تفوق کا قایم رہنا قرین احتمال ہے اور کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب وہ اپنی قوت کو  
 کسی دشمن کے خلاف عمل میں لائے تو اسے معلوم ہو کہ ایک کہنہ نامور نے اوس میں  
 ضعف پیدا کر دیا ہے اور بعد از خرابی بصرہ خواجہ بیدار شدہ والا مضمون ہو۔



## انتظامی تبدیلیاں



اگنان سے کہ میری یہ تحریر جو مین نے بے سوچے سمجھے قلب بند نہن کی تھی روسیوں کو ناگوار گذری ہوگی لیکن اس کا حق بجانب ہونا ہٹوڑے ہی عرصہ کے بعد ثابت ہو گیا کیونکہ ابھی چند مہینے ہی نہ گزرنے پائے تھے کہ عیب جیمنی - غلط کاری اور فتنہ پردازی کا ایک ایسا طوفان برپا ہوا کہ مادر اور النہر کی فوجی سوسائٹی کو اوسنے بھیج دیا۔ ہلاڈالا اور اوس وقت تک نہ تھا جب تک کہ وہاں کے عہدہ داروں کو بد فکر اور نکی جگہ نئے آدمی از سر نو مقرر نہ ہوں گے۔ نفس واقعہ کو جو غیر خوش آئند ہے یہاں درج کرنے سے مین استرا کرتا ہوں۔ لیکن اس کل شور و شعلہ کا حاصل یہ ہوا کہ جنرل لرونچین اب جنرل کامروف کی جگہ مادر اور النہر کا گورنر جنرل ہے اور کرنیل علی خانوف جو مرومیں ایک ذمہ داری کی خدمت پر مامور تھا وہاں سے علیحدہ کر کے قاف میں بھیج دیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی فاضل اکمل موسیو چاریکاف کی جگہ جو دربار بنجارا میں روس کی طرف سے بطور سفیر کے متعین تھا میرے دوست موسیو لیسار کا تقرر ہوا ہے جو مسئلہ تصفیہ سرحد افغانستان کے متعلق سند شرت حاصل کر چکا ہے اور حال ہی میں روس کی طرف سے لور پول میں تونس جنرل تھا۔ مشرق کی سمت میں اگر نگاہ دوڑائی جائے تو جنرل روزنباش تا شقند کا گورنر جنرل نظر نہیں آتا۔ بلکہ بجائے اس کے جنرل دروسکی جو سابق میں اڈیسہ میں پولیس کا افسر علی تھا مقرر ہوا ہے۔۔۔ جنرل ایٹکاف بھی اس عالمگیر طوفان کی زد سے نہیں بچا لیکن ابھی تک اس کے الزام لگانے والوں کو اوس

پر پورا غلبہ حاصل نہیں ہوا۔

## ماوراء النہر کی خود مختاری



تبدیلیاں جنکا نتیجہ خیز ہونا لازمی تھا۔ ماوراء النہر کی گورنمنٹ کے از سر نو ترکیب دئے جانیکا باعث ہوئیں اور چونکہ ایک عرصہ سے یہ تجویز گورنمنٹ عالیہ کے مرکز خاطر تھی اس لئے اسکا انجام کار عملی صورت اختیار کرنا ایک قدرتی امر تھا۔ بتاریخ ۲۹ مارچ ۱۸۹۹ء سینٹ پیٹرز برگ میں یہ سرکاری فرمان صادر ہوا کہ ماوراء النہر کے نظم و نسق کے لئے علیحدہ انتظام عمل میں آئے۔ چنانچہ اس تاریخ سے باستثنائے بعض خاص خاص امور کے صوبہ ماوراء النہر انتظامی حیثیت سے گورنمنٹ قاف کے ماتحت نہیں رہا بلکہ ایک حد تک ترکستان کی طرح خود مختار ہو گیا ہے اور اسے یہ اقتدار حاصل ہے کہ سینٹ پیٹرز برگ کے فادرن آفس (محکمہ خارجہ) سے براہ راست خط و کتابت کرے۔ یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جسپر ایک عرصہ سے بحث ہو رہی تھی اور اسکا عمل میں آنا ماوراء النہر کے روز افزون سیاسی امتیاز اور قدر و قیمت کی وجہ سے حق بجانب ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرو کے چارون حان جنکا ذکر میں نے اپنی سابق کی تصنیف میں کیا ہے اون انتظامی اقتدارات سے جو اونکو اپنے جرجون کے متعلق حاصل تھے محروم کروئے گئے ہیں لیکن ایک سو بیس پانڈ سالانہ سالانہ کا وظیفہ عمر بہر کے لئے اون کی ذات

۱۵ مارچ ۱۸۹۹ء میں اس امر کا اعلان کیا گیا کہ جرنیل انیکات ریوے کے ہارکڑ ہونے کی حیثیت سے ماوراء النہر واپس نہیں آئیگا کیونکہ یہ میوزجرنیل کروٹکن کے تفویض کیا گیا ہے۔

کے لئے بدستور قائم ہے۔ اس سے زیادہ قومی ثبوت اوس کامیابی کا اور کیا مل سکتا ہے جو روس کو مفتوح ترکمانوں کے باہمی قومی تعلقات اور رسوم و رواجات کے قدیم اثر کو مٹا دینے میں حاصل ہوئی۔ یہ وہی ترکمان ہیں جو دس سال سے کچھ ہی مدت پہلے جان توڑ کر روسیوں سے لڑے تھے اور اب وہی ہیں کہ اپنے فاتحوں کی غلامی کا دم رصنا و عجز سے بھرتے ہیں۔

### جرنیل کروٹیکن



وراء النہر کے نظم و نسق کی تجدید سے بھی زیادہ معنی خیز اگر کوئی شے ہے تو وہ اس صوبہ کے نئے گورنر کا شخص اور سیرت ہے۔ ایک امن پسند اور غیر جنگجو عالم کے بجائے جسے کیڑوں مکوڑوں کی علمی تقسیم میں اپنی فوج کا معائنہ کرنے سے زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا اب ماوراء النہر کا گورنر ایک ایسا شخص ہے جو اسکا بیلٹ کا دست و بازو اور گویا اوس کے قالب میں ایک دوسرا شخص ہے۔ اس سے گورنر کا نام جرنیل کروٹیکن ہے اور فن سپر گری میں اوسکا شمار وسط روس میں طبقہ اعلیٰ میں ہوتا ہے۔ کروٹیکن ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں فوج ترکستان میں بھرتی ہوا اور محاصرہ فتح سمرقند کے موقع پر وہ موجود تھا۔ ۱۸۷۸ء میں اسٹاف کالج کے امتحان میں سب سے اول نکل کر وہ ایک سال تک الجزائر میں رہا جہاں فرانسیسوں کے ساتھ شریک ہو کر وہ مہم صحرائے اعظم میں گیا اور اس معرکہ کے متعلق اوس نے اپنی پہلی تصنیف لکھی۔ اس کے بعد وہ وسط ایشیا کو واپس آیا اور جنگ قوقند میں اسکا بیلٹ کے ساتھ رہا۔ اس

لڑائی میں وہ زخمی بھی ہوا جسکے صلہ میں اوسکو متغہ صلیب سینٹ جارج عطا ہوا۔ ۱۸۶۶ء میں وہ ایک خاص سفارت پر یعقوب بیگ والی کاشغر کے ساتھ ایک معاہدہ قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس سے روسینکا مقصد اوس انگیزی سفارت کے اثر کا زایل کرنا تھا جو بے سرکردگی فارستھہ کاشغر کو روانہ کی گئی تھی۔ ۱۸۶۹ء سپرکروچکن نے اپنی دوسری کتاب لکھی۔ جنگ روم و روس میں وہ اسکا بیلٹ کے اسٹاف کا صدر تھا اور جب جنگ ختم ہوئی تو وہ جنرل اسٹاف کے ایشیائی حصہ کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اوسنے اس جنگ پر ایک تیسری کتاب لکھی۔ ۱۸۶۹ء میں اوس نے فوج ترکستانی کی سپہ سالاری کے عہدہ پر سامور ہو کر پھر وسط ایشیا کو مراجعت کی اور سال آئندہ اپنی فوج کا کچھ حصہ لیکر وہ یلفار کے ساتھ صحرائے ترکستان کو طے کرتا ہوا اسکا بیلٹ سے گیا کہ پتی پر جالما اور عین وقت پر پہونچ کر فوج کے تین دستوں میں سے ایک کے ساتھ اوسنے غنیم پر حملہ کیا۔ اس وقت سے لیکر اب تک وہ سینٹ پیٹرس برگ کے صیغہ جنگ میں وسط ایشیا کے تمام انتظامی مسائل متعلقہ فن تدبیر ملکی و سپہ گری میں بطور مشیر خاص کے رہا ہے اور اب عین جوانی کے عالم میں ایک ایسے حصہ ملک کا کارفرما ہو کر آتا ہے جسکے حالات اوسکو کسی دوسرے روسی جرنیل کے مقابلہ میں زیادہ معلوم ہیں۔ فن سپہ گری کے متعلق اوسکی قابلیت اور اوس کی مالی ہوائی بہادری اور جرارت ایسی چیزیں ہیں جن سے اوسکا تقرر نہایت نتیجہ خیز ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ یہ امر بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ صیغہ راز کی وہ مشہور زیادہ اخلاقی اوس کی مرتب کی ہوئی ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ ہندوستان

پر روس کیونکر حملہ کر سکتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ روس کے تمام اہل سیف کو اس یادداشت  
 کی نسبت عام طور سے یہ خیال ہے کہ اس میں روس کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی  
 سب سے زیادہ خیر خواہانہ اور عملی تجویز مندرج ہے۔ اس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔  
 جرنیل کروٹکن نے آتے ہی اپنی قابلیتوں کا پورا ثبوت دیا (۱۹۱۱ء) اور ماوراء النہر کی  
 اب صورت ہی کچھ اور ہے۔ جدھر دیکھو فوجی مشقوں اور فوجی نقل و حرکت کے سوائے اور  
 کچھ نظر نہیں آتا۔ جرنیل موصوف کی تنخواہ چودہ سو پانچ سو سالانہ ہے اور آٹھ سو پانچ سو  
 بطور لوازم اعزاز کے اسے ملے ہیں گویا کہ کافر و نیک کے مقابلہ میں اسے چھ سو  
 پانچ سو ملے جاتے ہیں جبکہ تنخواہ بقدر اس مقدار کے زیادہ تھی موصوف کی شاید کسی  
 دو سو زندہ روسی کے مقابلہ میں وسط ایشیائی اور سرحدی مسائل پر انگریزی اور روسی  
 پہلو سے زیادہ تبحر کے ساتھ حاوی ہے جرنیل دروسکی کا میلان جنگ کی طرف زیادہ  
 ہے۔ حالانکہ جرنیل روزنباش جسکی جگہ وہ مقرر ہوا ہے ایک صلح پسند شخص تھا جس  
 ان تین تقررات کے ایک ساتھ عمل میں آنے سے انگریزوں کو اس امر کا یقین ہونا چاہیے  
 کہ گو وسط ایشیا کے سیاسی مسئلہ پر عنقریب جنگی کشاکش کا اثر نہ پڑے تاہم اس سرزمین میں  
 روس کی اغراض و مقاصد کی نگہداشت غیر معمولی تقید اور جانفشانی سے کی جائیگی۔ اس تحریک  
 کے قلمبند کر چکنے کے بعد میں نے سنا ہے کہ جرنیل کروٹکن نے آتے ہی اپنے بھجان  
 طبیعت کا عملی ثبوت دیا ہے یعنی ماوراء النہر کی گورنری کی خدمت کا جائزہ لیتے ہی اپنے  
 اپنے صوبہ سے تمام مالک غیر کے لوگوں کے اخراج کا حکم دیدیا ہے اور اس میں وہ انگریز

بھی شریک تھا جکائین پیشتر ذکر کر چکا ہوں۔

## وسط ایشیائین روسی طاقت کا اجتماع

۱۸۸۵ء میں بات کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ روس نہایت دور اندیشی اور عاقبت شناسی سے کام لیکر اپنے نئے ممالک محروسہ میں باقاعدہ طور سے اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے امن و اطمینان کے موجودہ زمانہ سے استفادہ کر رہا ہے نئی فتوحات میں اسے اپنی طاقت سے غیر معمولی کام لینا پڑا جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ عارضی طور پر اس کی قوت میں فتور آگیا۔ ۱۸۸۵ء کے نازک وقت میں روس حملہ کیلئے ہم سے بھی کم تیار تھا۔ لیکن اس پانچ سال کے عرصہ میں روس نے بہت بڑی ترقی کی ہے جسکی قدر قیمت کا اندازہ کافی طور پر لگایا نہیں جاسکتا۔ اور جو بڑے بڑے اصلاحی کام اس نے اختیار کئے ہیں۔ اون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی امیدیں اور آرزوئیں ابھی تکمیل کے منتظر ہیں۔ گو سون دور ہیں۔ روس کے اس زمانہ کی اصلاحات و ترقیات پر جو بحیرہ اسود سے لیکر دریائے جیچون تک عمل میں آئیں جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ سوم کی سرنگ کے کہو دے جانے سے ٹرین کاکیشن (آن روے قاف) ریلوے کی سو مندی بہت کچھ بڑھ گئی ہے۔ قاف کے شمال سے طفلس کے جنوب یا پیٹر اسک واقع ساحل بحیرہ اخضر تک جدید سلسلہ جات ریلوے کے قیام کی تجاویز درپیش ہیں۔ بحیرہ اخضر کے جہازوں کے بیڑہ میں بہ تدریج اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ریلوے کا منتہا بدل کر اسنو ڈاسک قرار دیا گیا ہے۔ ناوارا النہر کے سلسلہ ریلوے پر گاڑیوں

کی تعداد بڑھادی گئی ہے اور اسے بہت کچھ ترقی دی گئی ہے۔ ماوراء النہر کی گورنمنٹ کو  
 آزادانہ حکومت عطا کی گئی ہے اور ترکمانوں کے قومی رابطہ اتحاد کو زیادہ توڑ دیا گیا  
 ہے۔ مرو۔ دریائے آمو۔ کرکی اور دیگر مقامات میں نئی فوجی باریکین تیار کی گئی ہیں اور  
 مختلف مقامات علی الخصوص شیخ جنید متصل کرہیتی واقع سرحد افغانستان میں فوجی چھان بین  
 قائم کی گئی ہیں۔ روسی افسروں اور غیر کمیشن یافتہ افسروں کا تقریر فوج بخارا میں  
 کیا گیا ہے۔ اور سرخس اور تاشقند تک ریل کے بڑھانے کی تجویز پیش نظر ہے۔ ان میں  
 سے ہر ایک کا ردائی بجائے خود اہم اور نتیجہ خیز ہے لیکن اگر یہ سب ملکر ایک ساتھ عمل میں  
 لائی گئیں اور کوئی وجہ نہیں کہ یہ باور نہ کیا جائے کہ غرقیب ایسا ہی ہوگا تو روس کی طاقت  
 ۱۸۸۵ء کے مقابلہ میں بے انتہا بڑھ جائیگی۔ اسکے ساتھ ہی روس نے اپنی ایشیائی رعایا  
 کے لئے روسی مدرسوں میں تعلیم پانا لازمی کر دیا ہے اور ماوراء النہر میں پروانہ راہداری  
 کے اس طریقہ کو جو یورپی روس میں رائج ہے تنقید کے ساتھ جاری کیا ہے۔ اگر ہم  
 بیج کروں پانچ سو میل کے فاصلہ پر سے پہلانگ تباہین جو نقشہ بین افغانستان کے  
 نام سے درج ہے اور جو کچھ اس پر سمر ارض خط فاصل کے ہندوستانی پہلو پر ہو رہا ہے اس پر  
 نظر دوڑائیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہمیں بھی اپنی جانب ویسا ہی اطمینان ہے جتنا روسیوں کو  
 اپنی طرف۔ دونوں طرف جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ لیکن جنگی تیاریوں کا نتیجہ بالعموم تطویل امن  
 ہوا کرتا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ دو ملک جنہوں نے لڑائی کے لئے برابر کی تیاری کی

ہو اور مین لڑائی چہرے نے کا اتنا احتمال نہیں ہوتا جتنا کہ ایسے دو ملکوں میں جو جنگ کے لئے ہتھیار طور سے تیار نہ ہوں یا جتنا کہ ایسے دو ملکوں میں جن میں سے ایک نے زیادہ تیاری کی ہو اور دوسرے نے کم اور اول الذکر ثانی الذکر کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا دل سے آرزو مند ہو۔

### زمانہ آئندہ

گر مجھ سے اس وقت سوال کیا جائے کہ وسط ایشیا کا عنقریب کیا سیاسی حشر ہونے والا ہے (کیونکہ کوئی ایسی پیشین گوئی کرنی جو زمانہ درانی سے تعلق رکھتی ہو لہذا محض ہوگی) تو میں یہ جواب دوں گا کہ آثار اور شگون تو ابھی تک امن ہی کے ہیں۔ زمانہ قریب کے ذہن میں یہ بات ممکن کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اگر انگلستان اور روس میں لڑائی ہوئی تو وہ کسی مختصر سے رقبہ یا تھوڑی سی مدت تک محدود نہ ہوگی بلکہ اس کے نتائج نہایت وسیع ہونگے جنکی نسبت کوئی شخص پیش بندی نہیں کر سکتا۔ موجودہ زار کی امن پسندی تو مشہور ہے اور اس کی طبع کا یہ رجحان اس مسئلہ کے تصفیہ کا جزو اعظم ہے مگر روسی سوسائٹی کی پریشان حالت کو مد نظر رکھ کر اس پر زیادہ وثوق کے ساتھ بھروسہ کرنا سہل روی کے اصول کے خلاف ہوگا۔ البتہ یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ولیعہد روس جنہوں نے

۱۵ یہ مسودہ مطبع کو چھپنے کے لئے جا رہا ہے کہ ہمارے سننے میں یہ یوین کر دینی والی خبر آئی کہ روسی پامیر اور دوسرے مقامات کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زیادہ تشویش تاک زمانہ ہمارے دیکھنے میں آئے۔



حال میں ملکہ منظمہ کی سلطنت ہند کا سفر کیا ہے اپنے والد ماجد کی طبیعت میراث میں  
 پائین گئے۔ افغانستان اب بھی گذشتہ پچاس سال کی طرح اس قتل کی کلید ہے۔ اگر  
 روس اپنے عہد پر ثابت قدم رہا اور اس نے اپنے ہمسایوں کی حدود میں مداخلت نہ کی تو  
 کچھ عرصہ تک روسی کا سک اور ہندوستانی سپاہی باوجود دوری کے ایک دوسرے  
 کے دوست رہ سکتے ہیں۔



# پانچواں باب

عاشق آباد سے کوچان تک کا سفر  
وحشیان جنگجو غارتگران تند خو آئے نیشاپور کے فیروزہ زاکہ سار کی

دختر اسان کا نقاب پوش مدعی نبوت یا مور۔

## ورود بہ عاشق آباد

عاشق آباد کے اسٹیشن پر ایک ایرانی نوکر مجھے بلا جسے کرنل سٹوارٹ نے  
ازراہ عنایت مشہد کے انگریزی قونسل خانہ سے میری آسائش کیلئے بھیج دیا تھا۔ مجھے یہ بھی  
معلوم ہوا کہ کرنل موصوف نے میرے لئے خیمہ و خرگاہ اور نوکر چاکر وغیرہ بھی روانہ کئے ہیں  
مگر وہ سرحد ایران پر عاشق آباد سے تین میل کے فاصلہ پر مجھے ملیں گے چونکہ روسی  
حکام متعینہ مشہد انگریزی رعایا کے مقیم ایران کو سرحد سے گزر کر روسی ماوراء النہر میں داخل  
ہونے کی اجازت دیتے ہیں پس وپیش کرتے ہیں لہذا یہ لوگ جو سفر آئندہ میں میرے  
ہمراہ رہنے والے تھے مجھ سے عاشق آباد میں مل نہیں سکے۔ البتہ ایرانی سے یہ مخالفت  
متعلق نہ تھی اور اسلئے وہ اس غرض سے میرے پاس بھیج دیا گیا تھا کہ مجھے میرے کیپ  
تک جو سرحد ایران پر میرا انتظار کر رہا تھا پہنچا دے۔ لیکن شومی قسمت سے یہ حالت تھی کہ

زمین سمجھوں زمان اوس کی نہ وہ سمجھے زبان میری

اور ایسا شخص ملنا مشکل تھا جو ہر جانی کا کام دیکھے۔ غرض کہ میں گاڑی میں سوار ہو کر گردوغبار کو دم گھونٹنے والی بادلون میں سے گزرتا ہوا گورنر جنرل کے مکان کو گیا۔ لیکن وہاں پہونچکر مجھے معلوم ہوا کہ جنرل کا مروت جُھ سے ایک دن پہلے عاشق آباد سے جا چکے تھے اور اس لئے میں اون کی گزشتہ سال کی ملاقات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ اس کے بعد میں اردن قائم مقام سے جا کر ملا کر چونکہ ان صاحب کو میرے متعلق کوئی ہدایت نہیں پہونچی تھی لہذا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ سینٹ پیٹر برگ سے بذریعہ تار ہدایت حاصل کر لیں گے۔ اور مجھ سے کہا کہ اوس وقت تک آپ عاشق آباد کی سیر سے اپنا دل بہلائیے۔ چونکہ مجھے سابق کے تجربہ سے معلوم تھا کہ عاشق آباد کے مناظر ایسے دل فریب نہیں کہ باعث قنوت طبع ہو سکیں۔ کیونکہ سوائے ایک معمولی سے دیسی بازار۔ چند روسی دکانوں۔ روسی دیوانی اور فوجی عمدہ داروں کے مکانات اور فوجی چھاونیوں کے سوا جو ایک کف دست اور غیر خوش آئند صحرا پر واقع ہیں اور ہمیشہ گردوغبار کے ایک بگولے میں لپٹی رہتی ہیں۔ وہاں کی کوئی چیز قابل دید نہ تھی۔ لہذا میں نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور

۱۸۸۱ء میں جب روسیوں نے ماوراء النہر پر حملہ کیا تو عاشق آباد ایک ترکمانی بسی تھی جس میں پانچ سو گھر آباد تھے روسی دار الحکومت جو جانے پر اسکی حالت بہت جلد بدل گئی اور اس کی حدود بہت وسیع ہو گئیں۔ ۱۸۸۳ء میں اس کی آبادی ۳۰۰۰۰ تھی۔ ۱۸۸۶ء میں فوج کو نکالکر اس کی آبادی دس ہزار ہو گئی۔ اوس زمانہ کے بعد۔ سے لیکر اب تک یہاں کی آبادی دس ہزار سے کسی قدر زیادہ رہی ہے۔

یہ خواہش ظاہر کی کہ میں فوراً ہی یہاں سے روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ چونکہ میری یہ خواہش عاشق آباد کے فوجی موقفہ کے امتحان کرنے کے کسی خفیہ منصوبہ سے تطابقت نہ رکھتی تھی لہذا مجھے روانگی کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن نہ تو مجھے کوئی مدد دیکھی اور نہ کوئی مدد پیش ہی کی گئی حالانکہ اس وقت میں اپنے انتظام سفر کی دقتوں کے رفع کرنے کے متعلق اعانت کا بہت کچھ محتاج تھا۔ بات اصل میں یوں ہے کہ روسی فوجی حکام انگریزوں کا عاشق آباد میں آنا پسند نہیں کرتے اور متعدد مرتبہ انہوں نے ایسے مواقع پر ایسی بے رحمی اور کج اخلاقی ظاہر کی ہے جو روسیوں جیسی خلیق قوم میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

### روانگی کی جانب سرحد

خرکار دو شخصوں کی ترجمانی کے واسطے سے مجھے اپنے ایرانی ملازم کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملا اور اپنے سامان کو از سر نو ترتیب دینے اور اسے خچروں پر لادنے میں چند گھنٹے صرف کرنے کے بعد غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے میں عاشق آباد سے رخصت ہوا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ دامن کوہ تک تو درویشی چھین سوار ہو کر جاؤں اور وہاں سے گھوڑے پر جسے ایرانی اپنے ساتھ لایا تھا سوار ہو کر باقی کا فاصلہ طے کر کے کیسپ تک پہنچ جاؤں۔ لیکن چونکہ ہماری گفتگو کے سلسلہ میں ضرورت سے زیادہ حلقے تھے اس لئے کچھ غلط فہمی سی واقع ہو گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ میرا سامان تو رات بھر مارا مارا پھرا اور کہیں دوسری صبح کو جاگ اٹھا اور ایرانی کو پندرہ میل پیدل چلنا پڑا اور مجھے سواری اسپر لے کر درویشی ایک قسم کی گاڑی کا نام ہے۔ مترجم۔

تن تنہا آدھی رات کے وقت سرحد کی طرف جا بٹھا۔ جہاں پھونچ کر مین ادھر ادھر بھٹکتا رہا یہاں تک کہ حسن اتفاق سے رات کے ایک بجے کے قریب مجھے اپنی خیمہ گاہ کا نشان مل گیا۔

## عاشق آباد سے کوچان تک کی سڑک کی نتائج

سڑک پر مین نے سفر کیا اور جب کا حال مین اب بیان کر نیوالا ہوں اور سب سے بہت بڑا امتیاز حاصل ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے روس کو خراسان کے دل بھانے والے صوبے مین داخل ہونے کا ایک بنا بنایا رہتا ہے۔ بلکہ ان کو ۱۸۸۱ء میں مسخر کرنے کے بعد اوس نے فوراً ہی یہ کارروائی شروع کی کہ سرحد ایران پر اپنی طاقت کو مستحکم کرے اور اوس تفوق سے فائدہ اٹھائے جو فتوحات کے باعث اوسے اپنے کمزور اور ڈرپوک جنوبی ہمسایہ پر حاصل ہو گیا تھا۔ اصول فن حرب کے لحاظ سے تو روس کو پہلے ہی وہ تفوق حاصل ہو چکا تھا جس کے بغیر اوس کے جدید ممالک مفتوحہ تھے۔ اور ایک سرحدی معاہدہ کی رو سے جو ان فتوحات کے بعد روس اور ایران کے درمیان قرار پایا۔ روس نہ صرف قدامت کو پر مسلط ہو گیا بلکہ خاص خاص ذرائع آب رسانی اوس کے قابو میں آ گئے اور اسطرح تفوق مسطور اور بھی زیادہ ارفع ہو گیا۔ جرنیل انیکات کی ریلوے کے قیام نے روس کی تجارتی فوقیت کو بھی یقینیات مین داخل کر دیا ہے بشرطیکہ روس کا تجارتی مال بحفاظت و سہولیت سرحد سے گزر سکے۔ ترکمان اٹک (اٹک سے مراد دامن کوہ ہے)

لے کتب خانہ ان مشل بشیا اور وسط ایشیا مین روس کا طرز عمل مین انکی فہرست بطور ضمیمہ کے چھپ چکی ہے۔

اور خراسان کے درمیان کوئی اچھی سڑک موجود نہ تھی اور چوتھی کہی وہ سرحدی اقوام کی وحشیانہ اور خونریز چپقلشوں کی وجہ سے قریباً مسدود ہو گئی تھی۔ چنانچہ روسیوں نے ایک جدید محفوظ اور سیدھا راستہ نکالنے کی غرض سے عاشق آباد سے سرحد ایران تک ایک فوجی سڑک بنانی شروع کی اور ایرانی اس امر پر رضامند ہو گئے کہ وہ اپنی سرحد کی طرف ایک اسی طرح کی سڑک تیار کریں گے جو روسی سڑک سے جا ملے گی اور بالآخر عاشق آباد کو ایک شاہراہ کے واسطے جو جس پر گاڑی چل سکیگی کو چان اور مشہد سے ملا دیگی۔ اس سڑک کے ایرانی حصہ کی تیاری جرنیل گیتچرفان آسٹریا کے ایک انجینئر افسر کے سپرد کی گئی جو شاہ کا ملازم ہے۔ ۱۸۸۸ء کے اختتام سے پہلے سڑک کا روسی حصہ جو طول میں تینتیس میل تھا سرحد تک پہنچ چکا تھا لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ایرانی حصہ ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے آغاز و انجام کے آثار ہی نظر آتے تھے۔ ایک تو اس تاخیر و درنگ نے روس کو برم کیا اور دوسرے فوائد کی برافروختگی کا باعث ہوئی جو اس کے خیال میں برطانیہ کلات کو ۱۸۸۸ء میں رعایتی حقوق متعلقہ قارون کے حصول میں ایران سے پہنچنے تھے۔ ان دونوں امور سے متاثر ہو کر روس نے دربار ایران پر دباؤ ڈالنا شروع کیا اور ایک خفیہ معاہدہ کی شرائط میں جبکارا زاب طشت ازبام ہو چکا ہے اس شرط کے منوال پر بھی اصرار کیا کہ ایران فوراً عاشق آباد سے کوچان تک کی سڑک تیار کر دے۔ شاہ کو کجلاہ کو یہ تقاضا مغرب نہ تھا مگر سوائے تسلیم کے اور کیا چارہ تھا۔ انہیں جبراً و قہراً روس کی بات ماننی پڑی چنانچہ جرنیل گیتچرفان اپنی خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ریکوئٹ

اوسکی نسبت یہ مشہور ہوا تھا کہ خراسان کے گورنر جنرل کے ساتھ اوسکا تانہ بزم ہو گیا ہے اور خضیہ طور پر وہ روسیوں کے ساتھ خط و کتابت کرتا ہوا پایا گیا ہے) اور سڑک تیاری کا ٹھیکہ مشہد کے ملک التجار کو دیا گیا جس نے ایک سال کے عرصہ میں تیرہ ہزار پاؤنڈ کی لاگت سے کام تیار کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے معاوضہ میں ملک التجار موصوف کو تمام مسافر خانوں اور کنوئیں کے حقوق جو اس سڑک سے متعلق ہونگے مل گئے اور اسکو علاوہ تمام سڑک پر محصول وصول کرنیکا حق بھی حاصل ہو گیا۔ القصہ جب میں نے اس سڑک پر ماہ اکتوبر ۱۸۸۹ء کے شروع میں سفر کیا تو صورت حالات یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔

### اس سڑک کا روسی حصہ

شق آباد سے شروع ہو کر یہ سڑک جنوب کی طرف میدان میں سے ہوتی ہوئی پہاڑوں کی طرف جاتی ہے۔ عرض اس کا ہر جگہ برابر ہے یعنی ۲۵ فٹ۔ اور اگرچہ شق آباد کے قریب اس میں جا بجا گڑھے پڑے ہوئے تھے لیکن آگے جا کر اسکے ڈھلوان سے ڈھلوان حصہ بھی ایسے ہیں کہ تو پچانہ باسانی اوس پر گزر سکتا ہے۔ آٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے یہ سڑک دامن کوہ میں پہنچتی ہے اور وہاں سے ایک بغلی داوی کو جو سلسلہ کوہ کویت داغ کے محور کے متوازی ہے چکر کاٹتی ہوئی قطع کرتی ہے اسکے بعد چڑھاؤ شروع ہوتا ہے اور سڑک لہراتی اور پہاڑ کے پہلوؤں پر چڑھتی ہوئی پندرہویں میل پر ایک تنگ کوہستانی درہ میں داخل ہوتی ہے جسکی تین ایک میل کی پتہ ملی گزرگاہ ہے جب میں یہاں سے گزرا تو یہ نالاشک تھا مگر بغاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس زمانہ میں برف

پگہنتی ہوگی یا مینہ زور کا پڑتا ہوگا تو اس میں دفعہ پانی جوش و خروش کے ساتھ آتا ہوگا  
 سڑک نالے کو متعدد مقامات پر پل کے ذریعہ سے نہیں بلکہ پتھر کے ایک پشتہ نما راستہ  
 کی وساطت سے جو خود نالی میں سے گزرتا ہے اور کئی جگہ سے ٹوٹ چکا ہے اور بہہ بھی گیا  
 ہے جو رکتی ہے۔ چونکہ اس سے کسی مفید عملی نتیجہ کا مترتب ہونا مقصود نہیں اس لئے  
 اسے روس کی کفایت شکاری پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے۔ اسکے بعد پیدیسون میں کے  
 قریب چڑھاؤ کا ایک اور لہر آتا ہوا سلسلہ شروع ہو کر ایک ویران مرتفع وادی میں داخل ہوتا  
 ہے جسکو یہ سڑک ملے کر کے پھر پہاڑیوں میں سے گزرتی ہوئی انجام کار روسی گاؤں  
 باج گیر مین (جسکے انوی معنی محصول لینے والے کے ہیں) جو بزمانہ سابق امدان کے  
 نام سے مشہور تھا جا پہنچتی ہے۔ اس گاؤں سے روانہ ہو کر ایک میل کے فاصلہ پر  
 مسافر کا اوس قلعہ کوہ پر گزر رہوتا ہے جو روسی اور ایرانی علاقہ کی سرحد ہے۔ اگرچہ عاشق آباد  
 میں اسٹانکے افسر اعلیٰ نے مجھے ایک حکم نامہ دیا تھا تاکہ اگر راستہ میں کوئی روسی  
 سپاہی مزاحم ہو تو اسے دکھا کر میں گزر سکوں لیکن نہ تو راہ میں اور نہ سرحد پر ہی مجھ کو کوئی  
 روسی سپاہی ملے حقیقت یہ ہے کہ روس کو اپنی ایشیائی سرحد کے اس حصہ پر پہرہ مقرر کرنا  
 کی ضرورت چندان پیش نہیں آئی کیونکہ ایران کی طرف سے کسی دستبرد کا عمل میں آتا تو خارج  
 از بحث ہے اور روسیوں اور ڈیسیوں کے مابین دوسری طرف کوئی اور شخص جاتا  
 نہیں۔ البتہ صووک کے قریب سرحد سے تھوڑے سے فاصلہ پر میں نے ایک وسیع  
 مستطیل پتھر کی عمارت تیار ہوتے دیکھی جو میرے خیال میں پہریل چوکی اور مسافر خانہ کا





ایرانی باج گیرها

مشرک کام دے گی۔ ایرانی باج گیر با جس میں ایک چنگی خانہ واقع ہے جہاں عاشق آباد کی طرف سے آنے والے کاروانوں پر محصول لیا جاتا ہے کچی مٹی کے جہونپڑوں کا ایک جہونٹا سا گاؤں ہے جو سرحد سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک وادی میں پہاڑی کے پہلو سے ملا ہوا واقع ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں میں اپنے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھام پابادہ حسن اتفاق سے اپنے کیمپ میں آ پہنچا تھا۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور ماتھے پر تیری چڑھائے ہوئے سنگلاخ منظر پر اپنا دلفریب پر تو ڈال رہی تھی اور اسی کی رہنمائی سے منزل مقصود تک میری رسائی ہوئی۔ خاکستری رنگت کی عربان پہاڑیوں پر سبزہ نام کو نہ تھا اور پر سوائے ایک آدھ قافلہ کے جسکی فریاد جس البتہ خاموشی کو چیرتی ہوئی راہ میں میرے کانوں میں پڑی زندگی کی اور کوئی علامت میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔

### سرحدی کوہستان

سلسلہ کوہ کوہین نے اب تک طے کیا تھا اور جسکی چٹانوں اور پہاڑیوں میں کوہان پہونچنے سے پہلے مجھے اور دودن صرف کرنے پڑے اور جس کی وحشت زام مشرقی شاخوں میں بچھے ابھی اور دس دن باد پہنچائی کرتی تھی وہ خود مشرقی شاخ ہے اوس عظیم الشان سلسلہ کوہ البرز کی جو سنگ خارا کی ایک دیو قامت دیوار کی طرح ایران کی پوری شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ مغرب میں اس سلسلہ کا تعلق کوہستان قاف کے ساتھ ہے اور دوش سے لیکر تین میل کے فصل سے یہ سمجھو اخضر کے جنوبی ساحل کے سوا کو مستحکم کرتا اور راستہ میں دماوند کی رفیع الشان چوٹی کو جبکہ ارتفاع ۱۴۴۰۰

فیٹ ہے آسمان کا مد مقابل بناتا ہوا انجام کار تھوڑی دیر کے لئے گرگان کی دادی  
 مین استر آباد کی دوسری جانب بہ شکل نشیب ستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔  
 لیکن تازہ دم ہونے سے اس مین اصل قوت پہر عود کرتی ہے اور یہ اون پیچ در پیچ  
 کہارون کی شکل اختیار کرتا ہے جو سلسلہ در سلسلہ ایک دوسرے کے پیچھے پیدل فوج  
 کی قطاروں کی طرح صاف آراہین اور جنگا محور شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی طرف اویسی  
 درمیانی ضلع مین سے ہو کر گزرتا ہے جو ترکمانی میدانوں اور ایران کے بڑے پھول کے  
 شمالی دامن کے امین واقع ہے۔ آگے چل کر ہرات کے قریب غیر صحیح الاسم سلسلہ کوہ  
 پیر و پھمین سے جو خود ہندوکش کی مغربی شاخ ہے یہ کوہستان جہاں ملتا ہے۔ جس کو ہستانی  
 طبقہ سے اس وقت بحث کی جا رہی ہے اس مین پہاڑوں کے شمالی سلسلے قرن داغ اور  
 کوپت داغ کے نام سے مشہور ہیں اور وسطی اور بلند تر سلسلہ جو جنوب کی طرف دادی اتر  
 کا محیط ہے اعلیٰ داغ اور بناو داغ کے نام سے موسوم ہے۔ ان متوازی سلسلوں  
 کے درمیان جو مرتفع دادیاں چھپی ہوئی ہیں اون کی بلندی کا اوسط چار ہزار فیٹ ہے اور  
 جو قلم ہائے کوہ ان دادیوں پر سایہ افکن ہیں اونکا ارتفاع آٹھ ہزار سے لے کر گیارہ ہزار  
 فیٹ تک ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فقط خراسان ہی مین ایسی ایسی بلند سولہ چوٹیاں  
 ہیں۔ ان کی سنگلاخ عریانی اور سنسانی کا سامان ایسا ہے کہ اس سے زیادہ وحشت انگیز  
 تصور کسی شے کا ذہن مین نہیں آسکتا یہ خاکستری رنگ کے کوہستان جیسے اجڑا، ترکیبی چولے  
 کے پتھر سے مشابہت رکھتے ہیں اور جو سولے جو نیپر نامی ایک خود رو بوٹی کے کوہ بھی

شاو اب اور کثیر الوجود نہیں سبزہ سے سحر چشموں کی فراوانی سے محروم اور قابل کاشت زمین سے تہی دست ہیں اپنی لکھو کہا سال کی طبقات الارضی مرکز شست غیر مہمان نواز نہ مگر راستہ باز نہ بیباکی کے ساتھ سنا رہے ہیں۔ آج سے دس سال پہلے ان کمساروں میں قتل اور غارتگری کی جو کمین گاہیں موجود تھیں انہوں نے گویا اوس سہر و مہری اور بنی رحمی کی آڑ لے رکھی تھی جس سے یہ سنگلاخ طبقہ تصف سے ترکمان لیٹرے ان پہاڑوں کے وحشت خیز درون میں شعلہ آتش کی طرح لپکتے ہوئے آتے تھے اور شمشیر و تفنگ سے اون گاؤں اور ریوڑوں پر آپڑتے تھے جنہوں نے اون کی پلے در پلے غارتگری کے بعد بھی زندہ رہنے کی جسارت کا ارتکاب کیا تھا۔

### ریل کی سڑک کی تجویز

روسیوں نے عاشق آباد سے کوچان تک والی سڑک تیار کرنی شروع کی تھی تو بیان کیا گیا تھا کہ اونکا قصد ہے کہ اس سڑک پر آئندہ چکر ریل یا دخانی ٹریک لگائے کہ اس کی پٹری پچائیں تاکہ اسکے ذریعہ سے مشہد پہنچنا آسان ہو جائے لیکن ایک انگریزی افسر محکمہ تعمیرات نے جس نے اس سڑک کا معائنہ کیا ہے مجھ سے کہا کہ ایسا نہیں

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹۴-۱۵۱ جو نیز ایک جہاڑی کی شکل کی سدا بہار بوٹی ہے جسکے پتے گاؤں بان کی شکل کے اور پھول گچوں میں ہوتے ہیں اس کا پہل جو ہر پیری کے پیر کے برابر اور رنگ میں نیوگن ہوتا ہے۔  
دو سال میں پکاتا ہے اور کہانے کے کام ہی آتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کا اردو یا فارسی نام کیا ہے۔

مترجم

ہو سکتا کیونکہ پہاڑوں کے عبور کرنے میں اس سڑک نے جو چلکے کاٹے ہیں وہ بحالت موجودہ ایسے ہیں کہ دنیا میں کوئی ریل کی سڑک اونسٹکے پیچ و خم کی تاب نہیں لاسکتی اور باج گیر ہا اور کوچان کے درمیان کی سڑک کے ایرانی حصہ کے بعض موڑوں پر بھی یہی قول راست آتا ہے۔ کوچان سے مشہد تک صاف اور ہموار میدان ہے اور اسلئے ان دونوں مقامات کے مابین ریل کی پٹری آسانی سے بچھ سکتی ہے لیکن ایسی سڑک کے قائم کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور جیسا کہ آگے چلکر ظاہر ہوگا قومی تر احتمال اس امر کا ہے کہ اگر روسیوں کو مشہد تک ریل کا لانا مقصود ہے تو وہ سمت مقابل سے لائیں گے۔

باج گیر ہا سے کوچان تک براہ درہم و امام قلی دو چوٹی ٹچوٹی منتر لین ہیں۔ فاصلہ بارہ فرسخ یعنی اندازاً ۴۸ میل بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن میں نے منزلوں کا حساب عاشق آباد سے حسب ذیل کیا ہے۔

عاشق آباد سے باجگیر ہا تک ۳۰ میل

باجگیر ہا سے ایرانی باجگیر ہا تک ۲ میل

ایرانی باجگیر ہا سے امام قلی تک ۲۱ میل

امام قلی سے کوچان تک ۲۳ میل

متذکرہ بالا سڑک کا ایرانی حصہ

سرحد ایران اور کوچان کے درمیان اس وقت اونٹ اور چمچ کا جو راستہ موجود ہے اوس پر مجوزہ فوجی سڑک پورے طور سے منطبق نہ ہوگی۔ ثانی الذکر او غازی راہ سے

چکر کاٹی اور چوڑا ہوا یا مشکل مقامات ہیں اون سے بچتی اور کتراتی ہوئی جا نیگی۔ تاہم راستہ میں مجھے اس سڑک کے ناتمام حصوں سے جا بجا گزنا پڑا۔ کہیں کہیں سڑک کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تیار ہو چکا تھا کہیں ابھی صرف داغ بیل لگائی گئی تھی اور کہیں مزدور کام کر رہے تھے۔ میں نے صد ہا مزدوروں کو بارود سے پتھر اڑاتے یا پل تیار کرتے دیکھا۔ مگر یہ پل ایسے کمزور تھے کہ غالباً پہلے ہی طوفان میں بہہ جائیں گے۔ ایک جرمن انجینئر اس کام کو زیادہ اصولی طریقہ پر تیار کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا لیکن تقرر کے ایک ہی مہینے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اب فقط دیسی مہار سڑک تیار کر رہے ہیں مگر امید نہیں کہ اون کا کام دیر پا اس کے علاوہ جن مزدوروں کو میں نے دیکھا وہ بہت ہی سستی سے کام کر رہے تھے اور اگر اس طرح سے ملک التجار نے اپنا ٹھیکہ مدت معینہ سے دگنے زمانہ میں بھی ختم کر لیا تب بھی بڑی تعجب کا مقام ہو گا۔

### دریدم و امام قلی

موجودہ راستہ باج گیر ہا سے جنوبی و مشرقی سمت میں ایک وادی کو قطع کرتا ہوا چھتر ٹیکرون اور گہاٹیون میں سے ہو کر گزرتا ہے جنہیں دیکھ کر مجھے فلسطین کا وہ سونا اور غیر قطع زمین یاد آ گیا جو یروشلم اور سامریہ کے درمیان ملتا ہے۔ کچھ دور آگے جا کر ہم ایک تنگ درہ میں داخل ہوئے جو اس قدر ڈھلوان تھا کہ مجھے مجبوراً گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنا پڑا۔ دونوں طرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھوٹے چھوٹے برج عقاب کے اشیانہ

کی طرح بنے ہوئے تھے اور پھر کی ایک بہدی سی دیوار چورہ کے عرض میں حایل ہوتی تھی تاکہ  
 تاخت و تاراج کے اوس زمانہ کی یاد تازہ کرتی تھی جو ابھی تک فراموش نہیں ہوا تھا۔ درہ  
 کے ختم ہونے پر ہم ایک چھوٹے سے دور میدان میں آ گئے جس میں موضع درہ دم ایک  
 پہاڑی ندی کے کنارے واقع ہے۔ یہاں میں نے پہلی مرتبہ ایک مربع حصار جسکی اوپنی  
 اوپنی کچی ٹی کی دیواریں تھیں اور یکے پر دوسرے پر ایک برج تھا دیکھا۔ اسکے بعد جس گاؤں میں میں  
 گزر ہوا اوس میں اس قسم کے حصار میرے دیکھنے میں آئے۔ جس زمانہ میں ترکمانوں کا  
 دور دورہ تھا تو ہر ایک گاؤں میں جو اون کی سرحد سے سو میل کے اندر ہوتا تھا اپنی فوجی  
 قوت کے مستحکم کرنے کے لئے اس طرح کے حصار اونہوں نے بنوائے تھے چودہ  
 میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں درہ دم میں کچھ دیر سستانے کے لئے ٹھہرا اور  
 درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے دری بچھا کر میں نے ناشتہ کیا۔

جس درہ میں سے دریاے ستریک نکل کر وادی میں داخل ہوتا ہے اور جس میں نئی  
 سترک کو کئی جگہ ندی سے عبور کرنا اور طغیانی کے زمانہ میں بہ جانے کا خطرہ برداشت کرنا  
 پڑیگا۔ اوس میں سے ہوتے ہوئے ہم پہلے میدان میں آ گئے اور اون دو گاؤں میں  
 سے پہلے کے پاس سے ہو کر گزرے جو امام قلی کے نام سے موسوم ہیں۔ جو گاؤں  
 اول آیا وہ ہماری بائیں جانب واقع تھا۔ ایک تیز حال جھونپڑی میں نالہ و شیون کی صداب بلند  
 ہوتی ہوئی سنکر اور عورتوں اور بچوں کے ایک جم غفیر کو جھونپڑی کے دروازہ پر گریہ و زاری  
 کرتے ہوئے دیکھ کر میں وہاں گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ اس گاؤں کا ایک عیالدار شخص

اوس درہ میں جسے میں نے ابھی ابھی چھوڑا تھا نئی سڑک پر مزدوری کے کام پر لگا ہوا تھا اور بارود سے پتھر اوڑانے میں مصروف تھا کہ ناگاہ اوپر سے ایک پتھر اوسکے سر پر گرا اور وہ وہیں مر گیا۔ مصدوم کی لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی دلیزیں پڑی تھی۔ میں نے ان بچاروں کو کچھ قرآن دے دیا کہ وہ نہایت ہی مفلوک اور تہہ حال نظر آتے تھے۔

گاؤن سے کچھ دور سڑک کے کنارے پتھروں کے درمیان میں نے ایک کنکر لیا اگر مٹھا کھدا ہوا یا جس میں اس بکس شخص کی لاش دفن کی جانے والی تھی۔ سپہر کے تین بجے کیے قریب وادی کے ایک وسیع تر اور فراخ تر حصہ میں جہاں کچھ کچھ دور پر سفید سے بھٹکتے ہوئے پانی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ میں امام قلی خاص میں پہنچا۔ یہ گاؤن بھی ایران کے تمام کوہستانی دیہات کی طرح پہاڑی کے پہلو پر واقع ہے اور اس کے مکانات جو غلیظ کچے چھوڑے ہوئے پر مشتمل ہیں اور جن میں ایک تنگ اور پست منفذ دروازہ کا کام دیتا ہے تلے اوپر قطار اندر قطار بنے ہوئے ہیں۔ گاؤن کے چودھری نے مجھ سے کہا کہ آپ میرے مکان میں شب بیاں ہوں لیکن ٹخیمہ کے اندر زیر سما جاؤ۔ میں ٹھٹھ نازیر سقف کھٹلون سے نقلی طور پر دست گریبان ہونے کے مقابلہ میں بہتر تھا اور اس نے میں نے اپنے ڈیرے میں ہی رات بسر کرنی پسند کی۔ یہاں ایل خان یعنی سردار کوچان کا ایک قاصد مجھ سے آکر ملا جسے اوس کے آقا نے جسکے دار الحکومت میں کل میرا گزرتا تھا اور جسے میرے آئینی خبر ہو گئی تھی میرے پاس بھیجا تھا۔ یہ قاصد ایک معمر اور سفید ایش شخص تھا اسکی ڈاڑھی پر چنکا چنکا خضاب تھا لیکن ایسا ناقص کہ بالوں



کی سفیدی کی جھلک حنا کی سرخی کی چلن میں سے برابر نظر آرہی تھی۔ اوس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو چان میں کس وقت وارد ہونے کا قصد رکھتے ہیں کیونکہ میرے آقا کی یہ خواہش ہے کہ شہر کے باہر آکر بطور مناسب آپکا استقبال کریں۔ اس کے جواب میں میں نے اوس سے کہا کہ میں دوپہر کے وقت کو چان پہنچوں گا اس پر اوس نے کہا کہ اگر آپ ایک کامل دن امام قلی میں قیام فرما ہوں تو مناسب ہو۔ لیکن اوسکی اس تحریک کا مقصد میری آسائش نہ تھا بلکہ اس سے اوسکی غرض یہ تھی کہ بہ فراغت و اطمینان اوسے کو چان میں جانے اور خان کو میری اطلاع کرنے کے لئے کافی وقت مل جائے۔ میں اوس کے اس مقصد کو سمجھ گیا اور ہنس کر میں نے اوس سے یہ کہا کہ کو چان کی دلفریبیان کچھ ایسا کشش مقناطیس کا سا اثر رکھتی ہیں کہ میں یہاں رک نہ سکوں گا بلکہ بے اختیار کہنچا چلا آؤں گا۔

### ازدویران تائبہ کو چان

جب میں دوسرے دن صبح کے سات بجے امام قلی سے روانہ ہوا تو میں نے زائرین کے ایک قافلہ کو جو رشت سے براہ اذن ادا و عاشق آباد آیا تھا اور مشہد کو جاتا تھا۔

اسے مسلمانوں کے دونوں فرقوں (یعنی سنی اور شیعہ) کے زائرین اپنی مقدس زیارت گاہوں کو جاتے آتے وقت ماوراء النہر کی ریلوے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وسط ایشیا کے سینوں کو کم (مظلّمہ) کے دروازے سے سفر کے اختیار کرنے میں اس ریل کی وجہ سے بہت کچھ آسانی ہو جاتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس جو شیعہ کربلا سے آتے اور نجف اشرف کے عازم ہوتے ہیں ان کے لئے بھی اس میں بہت بڑی آسانی ہے۔ ایران کے شیعہ اہل سمت مغرب کے مسلمان زائرین خاتقاہ حضرت امام رضا علیہ السلام واقع مشہد کو جاتے وقت اسی ریل کے ذریعہ سے سفر کرتے ہیں۔

کہ ہوں پر سوار گاؤں سے نکلے دیکھا۔ یہ لوگ بہ آواز بلند حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسینؑ اور مذہب اثناعشریہ کے دوسرے اماموں کی منقبت پڑھتے جاتے تھے۔

دادی وادی تو تین شاہراہ پر گیا لیکن اسے ملے کرنے کے بعد مین نے سمت جنوب و مغرب میں ایک پگڈنڈی کا قریب تر راستہ اختیار کیا جو اون پہاڑیوں کے سلسلہ کے اوپر سے ہو کر گزرتا ہے جو شمال کی طرف اٹک اور جنوب کی طرف کوچان کی سمت میں بہنر والی ندیوں کا نکاس ہے۔ بائیں طرف دو گھاٹیوں کے درمیان موضع قلات شاہ محمد جسے ایک زمین دوز نہر سیراب کرتی ہے اور اس سے کچھ دو آگے چلکر موضع قلات ملا محمود واقع ہے۔ ویران پہاڑیاں باوجودیکہ اب وہ پست ہو چکی تھیں اور اونہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بہتر کی موجوں کا ایک سلسلہ دوڑ تک چلا گیا ہے اور اون کے پہلوئیں پر جابجا کاشت کیلئے ہل بھی چلا ہوا تھا لیکن بائیں ہند اختلاف رنگ کی کیفیت اون پر نمایاں نہ تھی۔ جہاں تک گاہ کام کرتی تھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا خاکی ڈیل زمین کا فرش وادی کی کھار پر بچھا ہوا ہے لیکن یہ لباس گویا ہمارے سپاہیوں کے لئے گرم ملکوں میں مفید اور باعث آسائش ہو مگر اس منظر کے لئے ہرگز موزوں نہ تھا۔ زویران (۵ میل) کا نام اگرچہ فراوانی کا مراد ہے لیکن اسکے دیکھنے سے مجھے تو بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوا کہ اس میں سنگ و حشمت اور گردوغبار کے علاوہ اور بھی کوئی چیز فراط کے ساتھ موجود ہے۔ البتہ آب مصفی کا تھا سا تو ایک چھوٹے سے پوکہ کو بھر کر چند کپہرے ہوئے سفید وں اور بیدوں کو سیراب کرتا ہے۔ کوچان پہونچنے میں ابھی دوپے فرسخ اور باقی تھوڑی

اور جب مین و مان پہونچا تو دوپہر داخل چلی تھی۔ تقریباً گھنٹہ بھر پہلے سے مچھ کو کچان کا قصبہ اور اس کے باغات ایک وسیع وادی میں جو بہت نشیب میں واقع تھے اسطرح سے نظر آنے شروع ہوئے تھے کہ گویا ریت کے فرش پر کسی کے مسخ مٹی سے بھر دی ہوئی پاؤں کا نقش ثبت ہے۔ قصبہ کے اطراف و جوانب کی شاداب زراعت کی حدود نمایان طور پر فاصلہ تھیں اور کل منظر کو دیکھ کر دل میں یہ تصور پیدا ہوتا تھا کہ گویا کسی دیو نے زمین پر سے گرد رتے وقت اپنا ایک عظیم الشان قدم روئے زمین کے اس دیران گوشہ میں رکھا ہے اور کہنے کے ساتھ ہی اس کے جادو بھرے اثر سے سبز و گل نمودار ہو گئے ہیں اس وادی کے شمال اور جنوب کی طرف پہاڑیاں واقع ہیں جبکہ سلسلہ پیچ و خم کہلاتا ہوا غربا شروان اور شر قاً مشہد کی طرف چلا گیا ہے۔ جب کو کچان دو میل رہ گیا اور میدان میں داخل ہونے سے پہلے پہاڑی کا آخری اُبھار ختم ہوا تو مجھے شاہراہ پھر مل گئی۔ اور میں گہوڑے کو پو پو ڈال کر تیزی کے ساتھ شہر پنپاہ کی طرف بڑا فصیل سے ایک میل کے فاصلہ پر اتر گیا کی ندی پر جو اس وقت خشک تھی ایک پل بندھا ہوا ہے۔ اس پل کی ایک ہی اونچی

۱۵ میرے خیال میں اس میں زراعت نہیں کہ اتریک کی خاص ندی یہی ہے۔ یہ ندی مبارک کی گھاٹی سے جو سلسلہ کوہ امداکبر کے ختم پر واقع ہے کو کچان سے جانب جنوب ۲۰ میل کے فاصلہ پر نکلتی ہے اور بعض دفعہ کو کچان تک مبارک کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ ویٹنٹائن میکر کو یہ دعویٰ ہے کہ اس نے اس کے مہلک منہج کا سراغ لگایا جو شروان کے قریب ایک تالاب ہے جسے قراقرن (دیگ سیاہ) کہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس ندی کے حصہ بالائی کو اس نے نظر انداز کر دیا کیونکہ اس زمانہ میں ضرور ہے کہ یہ خشک ہو۔

محرابے ہاوردونوں طرف حفاظت کے لئے کوئی جنگلا موجود نہیں۔ ندی کی خشک  
تہ میں بکریوں کا ایک ریوڑ کھڑا ہوا تھا اور جو تھوڑا تھوڑا سا پانی ڈابروں میں جا بجا جمع تھا  
اوسے پی رہا تھا۔ اس کنارہ پر سفیدے کے چند غبار آلودہ درخت کھڑے تھے لیکن  
دوسری طرف زراعت عام اور سبزہ کی بہتات تھی۔ آرڈوئن۔ شہتوتوں۔ لوکاٹوں  
اور اناروں سے درخت لدے ہوئے تھے۔ مکانات کی چار دیواریوں میں انگوروں کی  
بیلین گہری آبپاشی کی منڈیروالی نالیوں پر دونوں طرف سے پریشان اور بے قاعدہ طور  
پر چڑھنے کے لئے رکشکشی میں مصروف تھیں اور ان کو دیکھ کر یہ تقاضائے تقابلی تصور اوس  
صفائی اور پاکیزگی کی طرف منتقل ہوتا تھا جو فرانس میں بورڈو کے تاکستانوں میں پائی جاتی تھی  
معلوم ہوتا ہے کہ کوچان کے لوگ صنعت و دست کاری کے متعلق اپنی تمام مساعی خست  
شراب پر صرف کرتے ہیں اور جس قدر شراب یہاں بنتی ہے اوسکے استعمال پر بھی کچھ کم توجہ  
مبذول نہیں کی جاتی۔ باوجود پرستی کے بارہ میں اہل سنت و جماعت نے جس شدید رہبانیت  
کو موعی رکھا ہے اوس سے شیعہ فرقہ کے مسلمانوں نے اپنے آپکو ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

۱۵ اہل تسنن اور فرقہ اثنا عشریہ میں جو اختلافات مذہبی پائے جاتے ہیں اولکواکولات و مشروبات کی حلت و حرمت سے  
چندان تعلق نہیں اور شراب کی قطعی حرمت تو دونوں فرقہ کے نزدیک مسلم ہے اس میں شک نہیں کہ ایران میں شراب  
کا رواج خزانہ زیادہ ہے لیکن اسکا باعث زیادہ مردمان کے لوگوں کی رنگین مزاحی قراویاں جاسکتی ہے۔ نہ مذہبی اجابت  
عالمی اسی کثرت رواج کو دیکھ کر مصنف مبعوضہ کی تعلق عام رائے قائم کی ہے۔ ورنہ ہندوستان میں جہاں کی آب  
ہوا رجحان میخواری کی منافی ہے شیعوں میں شراب کا ایسا عام استعمال نہیں اریوں پرینے کو تو شیعہ سنی بھی پیٹے ہیں  
احکام مذہبی کی تعمیل کے لحاظ سے اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ مترجم

## کوچان میں میرا استقبال



بسیحہ ہنایت تعجب ہونا شروع ہوا کہ باوجودیکہ فارس کے صوبوں میں گورنمنٹ کی طرف سے معزز مہمانوں کا استقبال کیا جاتا ہے اور باوجودیکہ کل اسکے متعلق اس شہر کے ساتھ تیاریوں کا ہونا مترشح ہوتا تھا پھر بھی خان کوچان کی طرف سے نہ تو اب تک میرے لئے کوئی گاڑی آئی اور نہ استقبال کے لئے کسی شخص ہی کو شہر کی طرف سے مین اپنی طرف آئے دیکھا۔ مجھے اس وقت یاد آیا کہ اسی الہانی کے زمانہ میں جب کرنل سیکر کا ۳۸، ۳۹ مین یہاں گزر رہا تھا تو اس کے ساتھ بھی ایسی ہی بے پروائی کا برتاؤ کیا گیا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ خان جھٹو خاں خرمرو و شین کے اثر کو لمبی تانے زایل کر رہے تھے۔ چونکہ بادہ نوشی کے یہ جلسے اکثر ہوتے رہتے ہیں اس لئے احتمال اس امر کا متقاضی تھا کہ اب میرے استقبال کے متعلق بھی کسی انتظام کے نہ کئے جاسکے کی یہی وجہ قرار دی جائے گی۔ لیکن چونکہ مشرقی آداب کے مجھے واقفیت تھی اس لئے میں جانتا تھا کہ جب کسی غیر ملک کے شخص کے استقبال کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اعلیٰ کی خاطر مدارات اور حسیت سے کیجاتی ہے جس حسیت سے کہ خود وہ شخص اس پر مہر ہو۔ اور اگر وہ اپنے ہمدرد اور خطاب کی شان کی برقرار رکھنے میں تکلیف سے کام لے تو اسکا یہ طرز عمل شرمیلے پن سے منسوب نہیں

۱۵ استقبال اصطلاح فارس میں سواروں کے ایک جوتہ کو کہتے ہیں جو ایک موقر اور معزز مہمان کی ہر کاری کے لئے بھیجا جاتا ہے اور یہاں داراوس افسر کا نام ہے جو والی صوبہ یا شاہ کی طرف سے نووارد کی پیشوائی کرتا ہے۔

کیا جاتا بلکہ کمزوری پر وال سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس خیال کی بنا پر مین شہر پناہ کے باہر  
 ٹھہر گیا اور اس کس مہر سہی کی حالت میں مین شہر کے اندر داخل ہونے سے انکار کیا۔  
 اپنے افغان جمعدار اور جو ترکمان سوار میرے ہمراہ تھے ان میں سے ایک کو مین نے  
 خان کے مکان پر یہ پیغام دیکر بھیجا کہ مین وقت مقررہ پر یہاں پہنچنا اور مجھے تعجب ہے  
 کہ شہر کے باہر ایک کاروان سرائے میں ٹھہرنے کی خفت مجھے اٹھانی پڑی میرے  
 قاصدوں کو گئے ہوئے قریب دس منٹ کے گزرے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی  
 آواز سنائی دی اور ہڑوڑی دیر میں آہٹے دس سوار گھوڑے ڈپٹاتے ہوئے آئے اور  
 اومکے پیچھے ایک کسیدار سا بخورہ نیم بردم گاڑی جس میں دو سبز گھوڑے جستے ہوئے  
 تھے اور ان میں سے ایک گھوڑے پر ایک سوار بیٹھا تھا کاروان سرائے کے دروازہ  
 پر آ پہنچی۔ سواروں کے افسر نے بیان کیا کہ خان کو آپ کی ناراضی کی وجہ سے جبکہ اظہار  
 حق بجانب ہے بڑی ندامت ہوئی اور ان کا قصد تھا کہ جب قرار داد دیر ذہ آپ کی پیشوائی کو  
 خود آتے لیکن اوس ابلق ڈاڑھی والے بڑے نے جو امام قلی سے آپ کا پیغام لیکر  
 آیا تھا یہ کہا کہ آپ ٹھیک ایک بجے تشریف لائیں گے۔ خان آپ سے معذرت

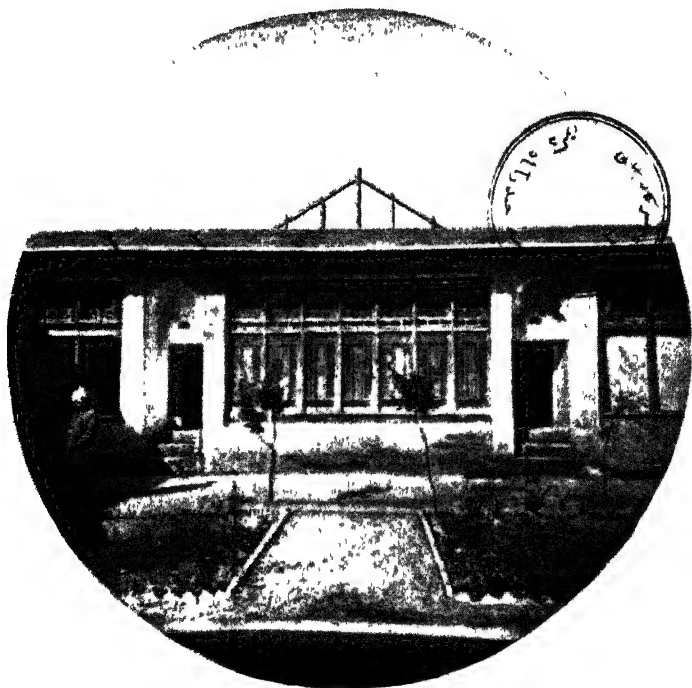
ایران کے غایہ اکثر اس طریقہ سے اپنے ہمازن پر اپنا رعب جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن  
 ان کا مقصد اس سے یہ نہیں ہوتا کہ ان سے بے غلطی سے پیش آئیں۔ بلکہ اس سے انہیں اپنی نفیست  
 اور امتیاز جملانا مقصود ہوتا ہے۔

ان کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

چاہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اب تشریف لاکر اوس مکان میں جو آپ کے لئے تیار کیا گیا ہے فروکش ہو گئے۔ میری خود داری کے زخم کے لئے یہ کافی مرہم تھا چنانچہ میں گاڑی میں سوار ہو لیا۔ میرا گھوڑا آگے آگے ہٹا اور بد رفتہ پیچھے پیچھے اور خان کے سوار بہ سرعت تمام بازاروں اور گلیوں میں راستہ صاف کرتے جاتے تھے۔

### خان کو چان کی مہمان نوازی

ایک پست پہاڑ میں سے جو کچی ہٹی کی دیوار میں جس پر کچی مٹی ہی کے برج تھے بنا ہوا تھا شہر میں داخل ہو کر بہت سی تنگ اور پیچ در پیچ گلیوں کو طے کرتے ہوئے ہم آخر کار ایک مکان کے دروازہ پر جا ٹھہرے جسے خان نے ساز و سامان سے آراستہ کر کے میرے رہنے کیلئے مقرر کیا تھا۔ اس مکان میں تین نفیس کمرے تھے جن میں فرش بچھا ہوا تھا اور دیواروں پر قلعی کی ہوئی تھی۔ دیواروں میں جا بجا طاقے موجود تھے۔ سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس کے وسط میں پیولون کی کیاریوں سے گھرا ہوا ایک فوارہ دار حوض تھا۔ متول اور خوشحال ایرانیوں کے مکانات اندر سے بالعموم اسی قطع کے ہوتے ہیں۔ میز پر ایک روسی ساخت کا سادار رکھا ہوا تھا جس میں چار جوش کہا رہی ہتی اور میز کے چاروں طرف بید کی بنی ہوئی کرسیاں جو ہر ایک ایرانی امیر اپنے یوروپین مہمانوں کے لئے رکھتا ہے بچھی ہوئی تھیں۔ بیچ کے بڑے کمرے کی بلخ کی رخ والی دیوار گویا ایک بہت بڑے دیپچہ کی چوہٹ تھی جس میں مرد و عورت ایرانی وضع کے مطابق رنگین آئینے لکڑی کی جالی میں خوشنما طور پر چڑے ہوئے تھے۔ دوسرے کمرے میں چوتھا گام



مہمان خانہ کوچان



کے لئے مقصود تھا ایک ایرانی ساخت کا چھوٹا سا لوہے کا تنور رکھا ہوا تھا اور دیواروں میں جس قدر طاق تھے ان سب میں اوس قسم کی روسی تصویریں رکھی ہوئی تھیں جو انگلستان میں کرگس کے دنوں میں یا تو تجارت پیشہ لوگوں کے اشتہاروں میں اور یا کسی خاص موقع پر باتصویر اخباروں میں نکلا کرتی ہیں مثلاً روسی شاہی خاندانوں کے اراکین کی نگین شہیدین اور کالے بالوں والی خوبصورت عورتوں کی خوشنما تصویریں جنکے گلے طوقہائے فاخرہ سے مزین اور جنگی سینے اور بازو زبورعیانی سے محلے تھے۔ چار بڑی بڑی شہیدین زار روس اور اوسکی ملکہ کی تھیں اور خاص خاص تاج پوشان عالم کا ایک رنگین مرقع تھا جسکے وسط میں زار کی تصویر جو قد میں دوسری تصویروں سے دگنی تھی آویزاں تھی۔ اسکی دہنی طرف قیصر جرمنی اور بائیں جانب شہنشاہ آسٹریا کی قد کے لحاظ سے قسم دوم کی نقوشیں لگی ہوئی تھیں۔ قسم سوم کی تصویروں کی ایک قطار کے وسط میں ملکہ وکٹوریہ کی شبیہ ایک سُرخ ریشمی لباس میں جلوہ افروز تھی۔ ان آرایشوں کے ساتھ کچھ رنگین اور نہری مذہبی تصاویر بھی موجود تھیں۔ مثلاً مریم عذرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کلیسا یونان کے متعدد اولیاء کی تصویریں۔ اور ان کو دیکھنے کے بعد جب خلعت پوش بادشاہوں اور درباریان کرشمہ سنج کے تبسم زائچہ روں پر نظر پڑتی تھی تو تقابل کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اس کمرے کے طرز آرایش سے ان بیرونی اثرات کا صاف اندازہ ہو سکتا تھا جن سے متاثر ہونے کی خان میں بہت کچھ استعداد موجود ہے اور ضرور ہے کہ یہ طرز ابتداء ایک مختلف قوم کے مہمانوں کے لئے نکالا گیا ہو اس وقت خان کی طرف

سے بڑی بڑی کشتیوں میں سفید اور گلابی رنگ کی مٹھائیاں میرے واسطے آئیں اور خان نے مکر معافی مانگ کر یہ پوچھ ہیجا کہ میں کس وقت اوس سے ملاقات کرنے آؤں گا اور یہ بھی دریافت کیا کہ امام قلی سے جو سُرخ ریش قاصد میرا پیغام لایا تھا اور کرد ہونے کے باعث میرے ترجمان کی بات اچھی طرح سے سمجھ نہ سکا تھا آیا اوسکی خطامعات کرنے پر میں رضامند ہوں یا نہیں۔ میں نے ملاقات کا وقت پانچ بجے مقرر کیا اور غلطی کی تقصیر سے بخوشی درگزر کی۔

### عام کوایت

اسکے کہ میں کوچان سے آگے روانہ ہوں میں اس اہم سرحدی صوبے کے باشندوں کی سیرت اور اُس کرد سردار کے تشخص کے متعلق جسکا میں مہان تھا اور جس عنقریب میری ملاقات ہونے والی تھی۔ کچھ خیالات ظاہر کروں گا۔

### کردوں کی نوآبادی اور اونکی طاقت

تین سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ ایران کی شمالی و مشرقی سرحد تاتاریوں کے تاخت و تاراج کی ایسی ہی جو لالنگاہ بن رہی تھی جیسی کہ دس سال قبل افغان ترقی ترکمانوں کی شمالی صحرا سے جتنا باندھ کر یہ لوگ پہاڑی درون اور گھاٹیوں پر بلائے ناگہانی کی طرح آنازل ہوتے تھے اور جو کچھ سامنے آتا تھا اوسکو جلاتے اور پامال کرتے اور بوٹتے مارتے ہوئے جس سرعت اور بیباکی سے آتے تھے اوسی طرح واپس چلے جاتے تھے۔ شاہ عباس اعظم نے اپنی جہلی دانشمندی اور عظمت سے کام لیکر اپنے سرحدی مقامات کے

استحکام کے لئے پیک تجسس کو کسی اور طرف دوڑایا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ایسے ڈرپوک لوگ جیسے کہ ایرانی ہیں بذات خود حملہ آوروں کی تاب مقاومت نہیں لاسکتے چنانچہ جس طرح اس نے اپنے نئے دارالسلطنت میں تجارت کو فروغ پر لانے اور اس کو خوشحالی اور کامیابی کا مرکز بنانے کے لئے اپنے شمالی و مغربی صوبوں سے اہل آرمینیا کی ایک جماعت کثیر کو لا کر اصفہان میں بسایا تھا۔ اسی طرح جنگجو کرد اقوام کی ہر ایک جماعت کثیر کو اسی حصہ ملک سے لا کر اس نے خراسان کی پہاڑی وادیوں اور مرتفع میدانوں میں آباد کیا۔ اس حکمت علی سے اس نے ایک وقت میں دو کام کئے کیونکہ نہ صرف مشرق میں اسکی قوت کو استحکام حاصل ہو گیا بلکہ جو بے امنی کہ مغرب میں کرد اقوام کے آئے دن کو خوریزہ معرکوں اور خانہ جنگیوں سے پیدا ہوتی رہتی تھی اسکا بھی استیصال ہو گیا۔ جو قومیں کہ یہاں لا کر بسائی گئیں انکے نام شاہ دلو۔ ظفران لور۔ کیوان لور۔ اور امان لور ہیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ گو شروع شروع میں شاہ عباس کا یہ ارادہ تھا کہ چالیس ہزار گھریاں لا کر بسائے جائیں لیکن بعض قبائل کے سرداروں کی مخالفت کی وجہ سے یہ تعداد کم ہو کر ۵۰۰۰ رہ گئی۔ غرض کہ ان کردوں کو اسٹر آباد اور چناران کے درمیان

۱۵۔ بعض مصنفین نے ابتداء اس نوآبادی کا قیام شاہ اسمعیل بانی خاندان صفوی سے منسوب کیا ہے لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔

۱۶۔ لیکن مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے کسی جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک لاکھ قبیلے کرستان سے خراسان میں لا کر بسائے گئے۔ مگر غالباً یہ چہا پے کی غلطی ہے۔ مراد اصل میں ایک لاکھ نفوس سے ہوگی نہ کہ ایک لاکھ قبائل سے۔

کو ہتائیں لاکر آباد کیا گیا اور قسم اول کا محصول یا خراج ان نئے علاقوں پر اون سے  
 اس بنا پر نہیں لیا گیا کہ سرحد کی حفاظت اور بادشاہ کی فوج کیلئے ضرورت کے وقت  
 سوار و فوجی ایک جمعیت ہم ہونچانیکی ذمہ داری کے لحاظ سے وہ سلطنت کی فوجی خدمت پر مامور  
 ہیں۔ البتہ کوچان چونکہ بہت ہی زرخیز علاقہ تھا اسلئے اس کے حکمران پر سیکرہ زرفند  
 بطور خراج بعد میں عاید کیا گیا۔ بخنجر کا علاقہ ایسا شاداب نہیں اور اس لئے اسکے والی سی  
 برائے نام کوئی سوغات سال بہ سال لے لی جاتی ہے۔ چونکہ یہ نازہ وارد لوگ خود مختار تھے  
 اور اسکے علاوہ موروثی طور پر اون کی فطرت میں حکمرانی کی ہوتھی۔ لہذا انکے سرداروں نے  
 تہوڑے عرصہ میں اپنے اقتدارات کو نہایت وسیع اور اپنے تشخص کو نہایت دقیق بنایا  
 ان میں سے کوچان کو شروع ہی سے دوسرے دن پر تفوق حاصل تھا اور اسکے والی کو  
 ایلمانی (یعنی سردار ایل یا قبایل) کا خطاب عطا کیا گیا۔ اس خطاب کے عطا کئے جانے کی  
 وجہ یہ تھی کہ خان کوچان درجہ کے اعتبار سے دوسرے سرداروں پر فوقیت رکھتا تھا  
 اور یا جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں اسکا باعث یہ تھا کہ اسے ذاتی طور پر باقی تمام  
 سرداروں کی اطاعت گزاری کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ بہر حال کردنو آبادی خفیہ یا علانیہ  
 طور پر بغاوت کا علم ہمیشہ بلند کرتی رہتی تھی اور اگرچہ نادر شاہ نے ایلمانی کی بیٹی سے شادی  
 کر کے اون سے رابطہ اتحاد و مصالحت بڑھانا چاہا لیکن جب وہ ہندوستان گیا تو اسکی  
 غیبت سے فائدہ اٹھا کر وہ پھر خود مختار ہو گئے۔ اسپر نادر شاہ ایسا جہنم لایا کہ اوتکے  
 کامل استیصال کا عہد کر کے اوس نے خراسان کا رخ کیا اور شہر کی دیوار تک وہ پہنچ

ہی گیا تھا کہ ۱۷۷۷ء میں وہ اپنے خیمہ میں مار ڈالا گیا۔ اسکے بعد موجودہ صدی میں کوچان نے فتح علی شاہ کے برخلاف کھلم کھلا بغاوت کی اور جب برنس ۱۷۸۳ء میں وہاں تھا تو عباس مرزا ولیعہد کی فوج جس کے توپخانہ کا اہتمام انگریزی افسروں کے سپرد تھا ایک طویل محاصرہ کے بعد شہر کو ابھی ابھی سر کر چکی تھی۔ موجودہ شاہ کے عہد میں البتہ بغارت نہیں ہوئی اور گزشتہ ۲۰ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ کے اثنا میں علی الخصوص اس زمانہ سے جب سے کہ روسیوں نے شمال کی طرف پیش قدمی کی ہے اور اس لئے وہ خاص ضرورت جس پر کردہ کی وقعت و طاقت بنی تھی رفع ہو گئی ہے نہ تو کردوں میں وہ پہلی سی طاقت ہی باقی رہی اور نہ اس کے سرداروں کا وہ اقتدار ہی قائم رہا۔

### اون کی سیرت

اسان میں جو پانچ کردی ریاستیں ابتداءً قائم کی گئی تھیں اون میں سے اب صرف تین یعنی کوچان، جیمز و۔ اور درگز باقی رہتی ہیں۔ جب یہ لوگ اول اول اس ملک میں لا کر آباد کئے گئے تو چونکہ اون کی عادات سادہ اور وحشیانہ ہیں اور خود مختاری سے متمتع تھیں اسلئے ان کے شورش آمیز طرز زندگی اور اون مواقع نے جو غارتگری کے متعلق ان کو ہاتھ آتے رہتے تھے بہت جلد اون پر اپنا خرب اثر ڈالنا شروع کیا۔ چنانچہ جن سیاحوں کو ترکمانوں کے سرحدی مقابلوں اور مجادلوں کے زمانہ میں اس طرف گزرتے اتفاق ہوا اور جنہوں نے دونوں فریق کے طرز عمل کو مشاہدہ کیا وہ راوی ہیں کہ قتل و غارت کے لحاظ سے اگر ایک کو سگ نر د کہا جاسکتا ہے تو دوسرا بھی شغال کہلانے کا مستحق ہے۔

تاخت و تاراج اور لوٹ مار میں جب ان کو موقع ملتا تھا ان دونوں میں سے کوئی کمی نہ کرتا تھا۔  
 کرد ترکمان کو اپنا جائزہ شکار خیال کرتا تھا اور ترکمان کر دیکھ اس میں شک نہیں کہ ترکمانوں کی حملہ  
 آوری اور تاخت و تاراج علاقہ ایران کے خوفناک نتائج کا ذکر بمقابلہ اون نتائج کے جو کردوں  
 کے حملوں سے ترکمانوں کے علاقہ کے متعلق ظہور میں آئے۔ ہم نے زیادہ سنا ہے۔  
 لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کسی اجنبی کو ترکمانی درشت میں جانے کی جرات نہیں ہوتی حالانکہ  
 سیکڑوں آدمیوں نے خراسان کے دیران اور برباد شدہ دیہات کو چپٹم خود دیکھا ہے۔ شکل  
 صورت اور لباس کے اعتبار سے کردوں کی شبابہت ایرانیوں سے بہ آسانی متمیز ہوتی  
 ہے۔ کردوں کی قوم ایک تنومند اور مردانہ قوم ہے۔ ان کے چہرے فرخ اور کشادہ نقش  
 خوب نمایان رنگ مایل بہ صباحت اور وارڈ ہی اور سر کے بال بے ترشے ہوئے ہوتے  
 ہیں۔ اونہوں نے اپنے لئے ایرانی لباس کے خاص خاص اجزاء اختیار کر لئے ہیں لیکن  
 بجائے ایرانی کلاہ کے وہ سر پر پیٹری کی کمال کی ٹوپی پہنتے ہیں اور پیٹری کی کمال کا ایک لمبا  
 فرغل یا پوتین اونکے بدن کا لباس ہے۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اپنے سرداروں  
 کی اطاعت گزاری کے اوصاف سے متصف ہونے کی وجہ سے مشہور تھے اور ان کے  
 سردار حکومت عالیہ کے خلاف جب کبھی سراٹھاتے تھے تو وہ اونکا ساتھ دینے کیلئے  
 ہر وقت آمادہ رہتے رہتے۔

## ایلمانی کے اقتدارات

نواب ایلمانی ہمیشہ ایک قزاقانہ منہور و فی ظہیر پر منتقل ہوتا چلا آیا ہے کہ کہ برائے

نام اس کے لئے شاہ کے استصواب کی ضرورت ہوتی تھی۔ دولت ایران نے باوقات مختلفہ اس خدمت پر اپنے عہدہ داروں کو مامور کیا مگر اس کا نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا کہ دونوں نے بغاوت کی اور مغل ہونے والے عہدہ دار کو طوعاً و کرہاً وہاں سے نکلنا پڑا۔ موجودہ شاہ کے تخت نشین ہونے کے زمانہ سیرالیون کہیں کہ گزشتہ ۲۵ سال کے عرصہ سے جب سے کہ شاہ نے عمان اقتدار اپنے ہاتھ میں لی ہے کہ دونوں نے خاندان قاجار کو برابر غاصب خیال کیا ہے۔ پہلے وہ اپنے ہی فرمانبرداروں کے زیر حکومت تھے اور انہیں شاہ ایران سے کچھ سر و کار نہ تھا۔ ایلیانی طہران سے استہدا کے بغیر اپنے نام سے قانون اور انصاف نافذ کرتا تھا یہاں تک کہ سزا سے موت صادر کرنے اور جان بخشی تک کے اقتدار اسے حاصل تھے لیکن ایک واقعہ سے جو کوچان میں سیر پھونچنے سے کچھ ہی دن پہلے ظہور میں آیا اس تبدیلی کی بخوبی توضیح ہو سکے گی جو اہل میں آئی ہے۔ کوچان کے وزیر رمضان خان نامی پر ایک شخص نے بہ نیت انتقام ذاتی حملہ قاتلانہ کیا۔ رمضان خان گولی کے لگنے سے زخمی تو ہوا لیکن مراہٹین۔ اسپر ایلیانی نے طہران سے ہدایت طلب کئے بغیر اقدام قتل کے اس مجرم کو مر وادالا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عذابہائے گوناگون میں مبتلا کر کے اس شخص کو قتل کیا گیا۔ شاہ نے اسے اپنے حقوق شاہی میں ایک نا واجب دست اندازی سے تعبیر کیا اور مجھ اس میں ذرا شک نہیں کہ سن رسیدہ ایلیانی کو اس کے لئے معتد بہ تاوان ادا کرنا پڑا ہوگا۔



## حکمران خاندان



ندان ایلمانی کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔ پہلا سردار جسے ایلمانی کا خطاب ملا محمد حسین خان تھا جس کا صد مقام گزشتہ صدی کے آخر میں مشروان تھا۔ اوس کا بیٹا امیر گنا خان موجودہ صدی کے اوایل میں کوچان چلا آیا اور ترکمانوں کے ساتھ اکثر اوس کی لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۸۱۵ء میں اوس کے بیٹے رصنا قلی خان نے اوسے معزول کر دیا اور خود پچاس سال کے قریب حکومت کی۔ ۱۸۲۲ء میں جب فریئر کوچان آیا (جسے وہ کیوشان یا کوچون کہتا ہے) کیونکہ کوچان مخفف ہے کیوشان کا) تو رصنا قلی خان ہی ایلمانی کہلا رہا تھا۔ فریئر نے اوسکی نسبت لکھا ہے کہ رصنا قلی خان ایک راستی پسند اور ایماندار شخص ہے لیکن باوجودیکہ شاہی قوت کے مقابلہ میں اوسنے اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا ہے تاہم وہ زیادہ جری یا قابل نہیں۔ ایک دفعہ رصنا قلی خان کی غیبت سے فائدہ اٹھا کر فتح علی شاہ نے جو باوجود فتوحات کے شوق کے ذاتی طور پر جرات اور جنگجوی سے معرا تھا کوچان پر چڑھائی کی لیکن شہر کو مسخر نہ کر سکا اور مجبوراً کچھ دنوں کے لئے صلح کا عہد و پیمان کر کے واپس چلا آیا لیکن بعد میں جیسا کہ میں پہر بیان کر چکا ہوں عباس مرزا نے اس مقام کو فتح کر لیا اور رصنا قلی خان کو طوعاً و کرہاً اطاعت قبول کرنی پڑی۔ پہلے تو قید ہو کر وہ طہران گیا اور پھر تبریز لیکن راستہ میں بوٹے دھت بہت مقام میانہ غم اور غصہ کہا کر مر گیا۔ اوس کی جگہ اوس کا بیٹا سام خان حاکم مقرر ہوا۔ موجودہ ایلمانی رصنا قلی خان کا چھوٹا بیٹا ہے اور اوسکے جہد سے بیان کیا کہ مجھے اپنے بھائی کا جانشین ہوئے چوبیس سال کا ہوا ہے۔



## موجودہ ایٹحانی



۷۰۰ میزبان امیر حسین خان نے جسے شاد کی طرف سے امیر الامر اور شجاع الدولہ کے عظیم الشان خطابات عطا ہوئے ہیں اپنی شخصیت سالہ زندگی میں زمانہ کا بہت کچھ سرگرم دیکھا ہے۔ اول اول ۱۸۵۶ء میں وہ جنگ ہرات میں شریک ہوا اور اسکے بعد ۱۸۶۰ء میں اوس نے اوس چڑھائی میں بھی حصہ لیا جو ایرانیوں نے مردپر کی لیکن جسکے نتائج ایسے برباد کن نکلے خود پسندی، جاہ طلبی اور اعتدال سے زیادہ کبر و نخوت کے امراض میں تو وہ مبتلا تھا ہی لیکن اپنے بھائی کا جانشین ہوتے کے بعد اوس نے یہ بیوقوفی بھی کی کہ حاکم خراسان سے عداوت پیدا کر لی۔ جب اوسے حاکم موصوف نے اپنی غلط کاریوں کا جواب دینے کے لئے کشمیر میں طلب کیا تو اوس نے وہاں جانے سے انکار کیا اور اوس وقت تک سرکشی سوزا رہا۔ جب تک کہ ایک ایرانی فوج جو اوس کی تنبیہ و تادیب کے لئے بھیجی گئی تھی کو چان کی شہر پناہ کے قریب نہ پہنچ گئی۔ اس وقت باہمی مصالحت کے طور پر اس تنازعہ کا قطعہ ہوا۔ اور شاہ کے خزانہ میں تاوان کی ایک مقدار کثیر کے داخل کرنے پر جسکی تعداد تین ہزار سے لیکر سات ہزار پاؤنڈ تک بیان کیجاتی ہے اسکا قبضہ برقرار رہتا رہا۔ لیکن اس کے بعد پھر اوس نے یا تو بغاوت کا ارتکاب کیا اور یا اوس کی نسبت بغاوت کرنے کا شبہ پیدا ہوا۔ اس دفعہ وہ طہران میں لایا گیا اور معزول کر کے قید کر دیا گیا اور اوسکا بیٹا اوسکی جگہ ایٹحانی مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد غالباً تاوان کی ایک مزید اور کثیر رقم ادا کرنے کے معاوضہ میں اوسکو رہائی ملی اور وہ اپنی خدمت پر بحال کر دیا گیا۔ اوس وقت سے لیکر

اب تک بغیر کسی مزید خرخشہ کے وہ کوچان پر قابض رہا ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کہ اوسر موجودہ شاہ کی نسبت۔ یہ بات خوب معلوم ہو گئی ہے کہ اوسر کے عہد میں ایک سرحدی علاقہ کے حاکم اعلیٰ کے لئے بھی بغاوت کرنا جالب منفعت کا محرک نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اپنے کروڑی جگہوں کی قوت کے ضعف کے باعث جو عرصہ دراز تک امن کے قائم رہنے سے پیدا ہو گیا ہے اور موجودہ شاہ کی طاقت کے استحکام کی وجہ سے اپنی طاقت کے کمزور ہو جانے اور نیز سلطنت کے تمام حصوں میں قیام تابرتی کی وجہ سے کل طاقت کے حکومت عالیہ کی مٹھی میں آجانے کے باعث خان کوچان کے بہت سے قدیمی حقوق اور اقتدارات زایل ہو گئے ہیں پھر بھی وہ سلطنت ایران کا ایک ہنایت زبر دست باجگزار ہے اور اگر اوسر کے شخص سے قطع نظر کیا جائے تو شاید اس حیثیت سے اوسر کی ذات بہت کچھ دلچسپیوں کا مرکز ہے کہ وہ ایک ایسے طبقہ کا آخری زندہ رکن ہے جو معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

### اوس کا فرزند

اپنے بڑے بیٹے ابوالحسن خان سے جبکی عمر اس وقت چھتیس سال کے قریب ہوگی اوس کی ہمیشہ سے ناچاقی رہی ہے۔ ابوالحسن خان ایک زمانہ میں شروان کا حاکم تھا جو صوبہ کوچان میں دوسرا بڑا شہر ہے۔ اوس کے باپ نے اوس سے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ آج کل وہ چاربان میں رہتا ہے اور شاہ کے حکم سے اوس کے لئے کچھ معاش مقرر ہے۔ کچھ دن ہوئے کہ اوس کی شادی وزیر خراسان کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ لیکن یقینی



میں دیکھا۔ کوچان سفید شراب کے لئے مشہور ہے اور خان کو برانڈی اور ٹھٹھڑے اور دوسری کافی طور پر نشلی شرابوں کی جٹ بھی لگی ہوئی ہے۔ جرنیل گراڈیکاف کو جسے جرنیل اسکابیلٹ نے ۱۸۸۱ء میں شاہ کے علم سے روسی فوج کے لئے جو اس وقت ماوراءالنہر میں تھی ترکمان کے خلاف مصروف پیکار تھی خراسان میں رسد خریدنے کے لئے بھیجا پہلے سے کوچان کے کردسوار کے رجمان خاص کا حال خوب معلوم تھا۔ چنانچہ جو خدمت اس کے تفویض کی گئی تھی اس کا حال سرکاری اطلاع کے لئے سپرد قلم کرتے وقت وہ راستبازی کے ساتھ ان تدابیر کا ذکر کرتا ہے جو اس نے اپنے پیالہ نوش میزبان کے خوش کرنے کے لئے اختیار کیں۔

”چونکہ ہکویہ معلوم تھا کہ وہ شراب کا رسیا ہے اس لئے ہم نے شراب انگوری اور واداک اور دوسری متعدد قسموں کی شراب کی چند بوتلیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ شجاع الملک نے تھوڑی سی دیر میں مختلف شرابوں کے کئی گلاس بھر بھر کر پیئے اور اسکے بعد اپنے گویوں اور سازندوں کو بلایا۔ جو لوگ اس کے ساتھ آئے تھے ادھون نے اور نیز اس کے طبیب اور مقررین دلی خان اور رمضان خان نے بھی اتنی شراب پی کہ بدست ہو گئے۔ اسکے بعد جلد کارنگ اور گہرا ہو گیا اور ان لوگوں نے دل کہو لکڑا دھم مچایا اور رنگ لیاں منائیں۔ دو سکر دن میں خان کے پاس گیا اور اس سے اپنے کاغذات دکھائے ابھی تک شراب کی بوتلیں اس کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ خمار کی کیفیت اس وقت مجھ پر طاری ہے۔ مگر اسے توڑنے کی فکر کر رہا ہوں۔ اثنائے گفتگو

مین اوس نے براڈ ٹی ایفون - حشیش - اور شراب کا دور جاری رکھا اور وہ پہر تک بالکل بدست ہو گیا۔ اسی دن شام کے وقت اوسے ہمیں یورپین کھانے کی دعوت دی اور پھر اتنی پی کہ اوسے ہوش نہ رہا۔

لیکن اسکے بعد جب معاملہ کے متعلق بات چیت ہوئی تو جرنیل گراڈیکاف کو کبھی تو اطمینان کی دانشمندی اور معاملہ فہمی پر تعجب ہوتا تھا اور کبھی اوس کی نشہ بازی سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ جس شخص نے جرنیل موصوف کی کتاب کو اپنے حواشی کے ساتھ طبع کیا ہے اوسکا بیان حسب ذیل ہے۔

”خان کو چان کی صحبت میں تین دن تک رہنے سے کرنل گراڈیکاف کو معلوم ہو گیا کہ خان موصوف کے تمام تو اے ذہنی صحیح تھے اور یہ کہہ کر کہ ہم مال کیشن پر خریدنے آئے ہیں ہم اوسے دھوکے میں نہ لاسکے۔ اور اگرچہ وہ نشہ میں چور رہتا تھا پہر بھی ہر ایک بات اوسکو یاد تھی۔“

لیکن ایک دوسرے موقع پر وہ اسطرح ج ناقابل ہے۔

”خان کے ساتھ معاملہ کے متعلق کارروائی کرنا سخت ہی مشکل ہے۔ اوس کے ساتھ

شراب پینی پڑتی ہے۔ اوس کی بدستی کے عالم کی تقریروں کو سننا پڑتا ہے اوس کے مے پرستی کے جلسوں میں شریک ہونا پڑتا ہے اور بالاین ہمہ یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ تنفر کی کوئی علامت نہ ظاہر ہونے پائے ورنہ اس وحشی کی آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھتی۔ کرنل گراڈیکاف نے جرنیل اسکا بلیف کو تار دیا تو اوس میں ظاہر کیا کہ دنیا میں ایسے اجداد اور وحشی شخص بھی کم پیدا ہوئے ہونگے جیسا کہ یہاں کا خان ہے۔“

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خان نے کثرت میں نوشتی کو اپنا شعار محض اس لئے مقرر کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنی ذات کو دوامی طور پر برقرار رکھے۔ کیونکہ اوس نے اپنے خلف الرشید کزاق میں بھی جکا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں وہی ذوق بادہ نوشی منتقل کیا ہے جو خود اسے اپنے باپ سے ترک میں ملا تھا کیونکہ جب فرریز ۱۸۲۳ء میں رصنا قلی خان کا ہمراہ ہوا تو اس وقت کے چشمدید واقعہ کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ میں نے خان اور اوس کے کل دربار کو بدست و مدہوش دیکھا۔ لہذا اس خاندان کے اراکین کے اوصناع و اطوار میں ایک خاص قسم کا رنگین و خوش آئند تسلسل پایا جاتا ہے۔

### دو ملاقاتیں

خیال کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ مجھ کو امیر حسین خان کے حالات سابقہ سے اس حد تک واقفیت پیشتر سے تھی اور اگر خان موصوف کو معلوم ہو جاتا کہ میں اوسکے لچر خوب جانتا ہوں تو غالباً اوسے سخت صدمہ ہوتا ہے لہذا میری جو ملاقات اوس سے ہونیوالی تھی اوسکو میں کسی قدر تشویش و تردد کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ القصہ میں اپنا فراک کوٹ (جو ترائی وضع کی ٹوپی کے ساتھ غیر موزون سا معلوم ہوتا تھا) اور کفش پوش پہن کر اور جب قدر ذاتی ملازم ممکن تھے اپنے ہمراہ لیکر ان چھ آدمیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا جنہیں خان نے میرے پاس

ایرانی آداب معاشرت کا یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جب تم کسی سے ملنے جاؤ تو تم کو چاہیے کہ خواہ سواری پر جاؤ خواہ پیدل لیکن جب قدر ذاتی ملازم ممکن ہوں اپنے ساتھ لیتے جاؤ کیونکہ ملازمین کی تعداد و قلعے کے رتبہ کی معیار تصور ہوتی ہے۔

اس لئے پہچانتھا کہ وہ اس کے محل تک جو قریب ہی تھا میرا استقبال کریں۔ داخل ہوئی کہ پہلا مکان کے اوپر سے مکان کا روکار ایک تھرے محراب کی صورت میں نظر آتا تھا جس میں اطالیہ کے مکانوں کی وضع کے مطابق سفید پلستر کا خوشنما ابھروان کام ہو رہا تھا۔ اس محراب کے پیچھے چھت کے اوپر ایک چھوٹا سا پاکیزہ کوشک بنا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پہلا مکان میں سے جہاں بہت سے سنتریوں کا ہجوم تھا گزر کر میں ایک وسیع اور کشادہ صحن میں داخل ہوا جو طول میں عرض سے دو چندان تھا۔ اس صحن کے حصہ زیریں میں پہلوئوں کی کیاریاں تھیں اور وسط میں ایک حوض اس صنعت کے ساتھ بنا ہوا تھا کہ پانی اس کے لیون کو بوسہ دیتا ہوا ایک نالی میں جاوے چاروں طرف تہی کرتا تھا۔ اس قسم کے حوض تمام آسودہ اور خوشحال ایرانیوں کے مکانات میں پائے جاتے ہیں۔ پرلی طرف ایک چوتراہ پر کوئی تیس آدمی حوض کی طرف پشت اور صحن کے حصہ بالا کی جانب جہاں مجھے ایک اونچی کرسی کرایوان کا اندرون حصہ نظر آ رہا تھا رخ کے کھڑے تھے۔ اس ایوان کو ایک مشبک دریچہ جس کے وسط کا حصہ کھلا ہوا تھا صحن سے جدا کرتا تھا۔ ایک چھوٹے سے کمرہ میں جو دہنی جانب کے گوشہ پر واقع تھا داخل ہو کر میں نے اپنے نقش پوش اتار دئے اور حاجب کی وساطت سے وسطی منزل میں داخل ہوا۔ اس کمرے کے وسط میں دو میزین رکھی ہوئی تھیں جن پر رنگین بلورین ظروف اور کھلونے۔ آرائش کے طور پر چنے ہوئے ہوا اور ایک طرف لوہے کا ایک کمائی دار پلنگ مع تو شک کے بچھا تھا۔ شیشہ کے اس آرائشی سامان سے طبقہ اعلیٰ کے اہل ایران کے اس مذاق کا اندازہ ہوتا ہے جو

سمجھ میں نہین آتا لیکن عام طور سے پہیلا ہوا ہے اور دوسرے کے پتنگ سے اس بات کا ثبوت ملتا تھا کہ اہل ایران نے نئی مغربی تہذیب کو کامیابی کے ساتھ اپنی معاشرت کا جز بنا لیا ہے جس کمرہ کی سیر میں میں اس وقت میں مصروف تھا اوس کی پشت پر ایک اور کمرہ تھا جس میں خان ایک میز لگائے بیٹھا تھا اور جہاں سے وہ مجھے خوش آمدید کہتے کے لئے اٹھا۔ جب تک وہ ترجمان کو افتتاح۔ ملاقات کے ابتدائی مراتب کی تفہیم کرتا رہا میری نظر اوسکی شکل و صورت اور وضع و قطع کے مطالعہ میں مصروف رہی اور اثنائے ملاقات میں جس میں کامل دو گھنٹے لگے ہوئے تھے مجھے اس مطالعہ کا کافی موقع ملا۔

### امیر حسین خان کی شکل و شباهت

عالمک کی شکل و شباهت ایسی نہین کہ جس کی اوس پر نظر پڑے وہ اوس سے متاثر نہ ہو لیکن خوشنود اوسکو نہین کہا جاسکتا جس مکان میں اوس نے مجھے بطور اپنے مہمان کی اٹھارا اوس میں اوس کی ایک عکسی تصویر آویزاں تھی۔ یہ تصویر بعد میں میں نے اوس سے مانگ لی اور مقابل کا صفحہ اسی تصویر کی نقل سے مزین ہے۔ اسکے متعلق اوس نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ چونکہ یہ شبیہ ایک ایرانی مصور کی تیاری کی ہوئی ہے اس لئے یہ اصل کے بالکل مطابق نہین اور اوس کے (یعنی خان کے) خال و خط اور وجاہت ظاہری کی صحیح کیفیت تصویر سے مترشح نہین ہوتی۔ خان کی اس نکتہ چینی پر میرا بھی صادم ہے کیونکہ گو وہ بڑا شکل ہے لیکن اوس کی نسبت یہ ہرگز نہین کہا جاسکتا کہ وہ کریہ المنظر ہے۔ برخلاف اسکے حکومت و وجاہت اور فہم و فراست کی ایک شان اوس کے چہرہ پر ہو پیدا تھی۔





ایلمانی کوچان

اگرچہ اوسکی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چلی تھی پھر بھی اوسکی داڑھی اور سر کے بال کچھ سیاہ تھے جبکی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ وہ خضاب کرتا ہے۔ اوس کے خال و خط ایسے نہ تھے کہ جبکی نظرون پر پڑے وہ بے اختیار اون سے متاثر نہ ہو اور اوس کا رنگ بہت ہی زردی مائل تھا۔ جس وقت میں اوس سے ملا تو وہ سیاہ رنگ کا کوٹ اور پانچا ہم پہنے ہوئے تھا۔ اوسکے کوٹ میں ہیرے کے تھکے ہوئے تھے اور ایک الماس کے قبضہ کی تلوار اوس کی کمر سے لگی ہوئی تھی۔ اوسکے سر پر ایک سیاہ اون کی کلاہ تھی جو اس قدر کھلی تھی کہ کانوں تک آتی تھی۔ اوسکے ہاتھوں میں سوتی داستانے تھے اور پاؤں میں سوتی جرابیں اور ولایتی روغنی چمڑے کا جوتا تھا۔ کوتاہ نظر ہونے کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑی نیلگون عینک لگائے ہوئے تھا۔ بات کرتے وقت اوسکے انداز اور طرز ادا سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص حکومت کا عادی ہے۔ ترجمان کو فرمائش کئے وقت اوس نے بہت کچھ جوش ظاہر کیا اور جب وہ اپنا قلیان منگواتا تھا یا کوئی اور حکم دیتا

۱۷ مہرٹ ایک صدی کا عرصہ گزرتا ہے کہ خاندان قاجار نے کلاہ کو ایران میں بطور قومی لباس سر کے رواج دیا۔ اس سے پہلے عام طور سے لوگ عام استعمال کرتے تھے۔ کلاہ کے رواج پانے کے بعد بھی بعض دفعہ اسکے گرد شال لپیٹ لی جاتی تھی مگر یہ امتداد شاہ اور شاہی خاندان اور سلطنت کے بعض خاص خاص اراکین کے لئے مخصوص تھا۔ اب مہرٹ شاہی دربار کے موقع پر یہ صورت دیکھتے ہیں آتی ہے۔ کلاہ کی شکل بھی بہت کچھ بدل گئی ہے۔ صدی کے شروع میں یہ کوئی ڈیڑھ فٹ اونچی ہوئی تھی اور اسکی دیواریں بتدریج ڈھلتی ہوئی اور پرجا کر ایک چوٹی پر ختم ہو جاتی تھیں۔ اب عام طور سے کلاہ کا ارتفاع چہرے سے یکسر نسل تک ہوتا ہے اور اسکا چندرا ہمار ہوتا ہے۔

پنی جائین گے۔ ہمارے پاس آدمیوں کی ایک دیوار موجود ہے اور ایسی دیوار پتھر کی دیوار سے زیادہ مضبوط ہو کر تھی ہے۔

اگرچہ خان کے اس دعا کو میں نے بہ ادب تمام سنا لیکن مجھے اس کا بھی مفہون پڑتا ہی کہ اس وقت مجھے نہ صرف اون آر ایشون کا خیال گذرا جن سے اس مکان کی دیوار میں مزین بہتین جہان سے میں ابھی ابھی آیا تھا بلکہ ایک خط کا ایک خاص فقرہ بھی مجھے یک یک یاد آ گیا جو خان مدوح نے بایں بہمد و عوا کے ہمدردی قوم و حب وطن گراڈیکاٹ روسی کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں خان والا شان نے ایک مقام پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات صرف ایک ایسی ذات ہے جس پر تمام ربانی برکتیں اور رحمتیں نازل کی گئیں تاکہ وہ آسمان سے اتر کر ایک ایسی قوم کو پیدا کریں جیسی کہ روسیوں کی قوم ہے یہ بہر حال میں نے مضمون بدل دیا اور خان سے پوچھا کہ ایران میں ریل کی ترویج کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اگرچہ اس نے عمر بھر ریل کی سرنگ تک نہ دیکھی تھی لیکن تمام ملک میں ریل کے رواج دئے جانے کی ہامی بھر کر اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا اور اس بات پر اس نے تعجب ظاہر کیا کہ ابھی تک ریلوں کا بنایا جانا کیوں شروع نہیں ہوا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ ملکہ وکٹوریہ نے پچاس سال سے زیادہ حکومت کی ہے اور حال میں اپنی جوہیل کا جیش مٹایا ہے۔ امیر افغانستان نے کئے جیلانہ طرز عمل کی طرف اشارہ کر کے اسے بیان کیا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کیوں وہ اپنے علاقہ میں اجنبیوں کو داخل ہونے نہیں

۱۰ چہا چہ کو جسے غارتی میں ماست یا آب دہے کہے ہیں ایرانی اور کردوگ بڑی رغبت سے پیتے ہیں۔

دیتا اور جب میں نے اوس سے کہا کہ کسی اجنبی کا کوچان میں آنا اتنا مشکل نہیں جتنا ہرات میں داخل ہوتا تو اوس نے جواب دیا کہ مجھے یہ باور نہیں آتا۔ لیکن خان کے دائرہ معلومات کی تنگی اوس وقت نمایان طور پر معلوم ہوئی جبکہ میں نے اوس سے بیان کیا کہ لندن سے امریکہ جانے میں آٹھ دن لگتے ہیں۔ اسکے جواب میں اوس زیادہ سے زیادہ منزل سے استدلال کر کے جسے مسافر ایران کے خشکی کے سفر میں ایک دن میں طے کرتا ہے فوراً ہی اوس نے مجھ سے یہ دریافت کیا کہ کیا لندن سے امریکہ تک ۸۰ فرسخ (یعنی ۲۰ میل) کا فاصلہ ہے۔ میرے سفر کی اغراض و مقاصد کے متعلق جو سوالات اوس نے کئے اور میں بھی اوسکی خصوصیات اور اس بارہ میں اپنے آباؤ اجداد کے طرز عمل کی رعایت کی جہدک نظر آتی تھی۔ اوس کے باپ رضا قلی خان نے یہی سوالات فریزر سے کئے تھے اور خود اوس نے میرے آنے سے سترہ سال قبل یہی سوالات بیکر سے دہرائے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ اوس نے مجھ سے پوچھنا شروع کیا کہ ”آپ کو چان کس لئے آئے ہیں؟ آپ کیا

۱۔ یہ سوال جو جغرافی معلومات کے متعلق اہل ایران کی عام لاعلمی کا نمونہ ہے۔ مجھے فتح علی شاہ کا وہ قصہ یاد دلاتا ہے۔ جو مورٹ نے اپنی کتاب ”فرسٹ جرنی“ (پہلا سفر) کے صفحہ ۲۱۵ پر بیان کیا ہے۔ فتح علی شاہ کو امریکہ کے حالات دریافت کرنے کا بڑا اشتیاق تھا چنانچہ اوسنے سربارڈ فورڈ جوئس سے پوچھا کہ امریکہ کس قسم کی جگہ ہے؟ وہاں پودے پختے کیسے پڑتے؟ کیا وہ طبع زمین کے نیچے واقع ہے؟ اسی قسم کا ایک دلچسپ قصہ ایک ایرانی سفیر متعینہ لندن کی نسبت پچاس سال بعد بیان کیا گیا ہے سفیر مذکور جس جہاز پر سفر کر رہا تھا اوسکے متعلق جب اوس سے یہ نہ بیان کیا گیا کہ وہ پانٹو گھڑوں کی طاقت کا جہاز ہے تو وہ خوش ہو کر بدلا۔ ”ان گھڑوں کا اصطیل کواں ہے مجھے دکھاؤ“

چاہتے ہیں؟ کیا انگریزی سرکار آپکو سفر خرچ دیتی ہے؟ اور دیتی ہے تو کس قدر دیتی ہو؟  
 اگر نہیں دیتی تو تو آپ کے سفر کے مصارف کا کفیل کون ہے؟" حقیقت یہ ہے کہ ذوق  
 سیاحت اور شوق الکتاب معلومات بلا مزد ایسے جذبات ہیں کہ مشرقی سمجھادوں کی قدر و قیمت  
 کے اندازہ سے قاصر ہے۔

اوس کو اپنے پیشہ اور اپنے خاندان کی حیثیت کے سمجھانے میں بھی مجھے بڑی وقت  
 پیش آئی۔ پارلیمنٹ کا اوس نے کبھی نام بھی نہ سنا تھا اور جب میں نے اوس سے کہا کہ  
 میں ایک بڑی مجلس کارکن ہوں تو جواباً اوس نے مجھ سے پوچھا کہ "کیا تم سپاہی ہو؟ ایک  
 انگریزی امیر کے رتبہ یا درجہ کی نشان کا خیال اوس کے دل میں پیدا نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ معقول  
 اور نتیجہ خیز باتیں اوس نے مجھ سے دریافت کیں کہ "کیا تمہارے والد کے پاس بہت سے  
 سپاہی ہیں؟" اور یہ کہ "تمہارے والد کو اپنی جائداد کا مالک کس نے بنایا؟" جب میں نے  
 جواب دیا کہ ہمارے خاندان کی جائداد آٹھ سو سال سے ہمارے ہی خاندان کے قبضہ میں  
 چلی آئی ہے تو اوس سے بڑا تعجب ہوا۔ لیکن اسکے جواب میں اوس نے قریب قریب

یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ انسان کو تفریح و تفرج کی غرض سے یا باقصدانے شوق تحقق ہی  
 سفر اختیار کرنا چاہیے۔ وہ دیلے پیش کرتے ہیں کہ کسکو پڑوسی ہے کہ محض حصول معلومات کے لئے قطع نظر  
 مصارف سفر کے ایک طویل سفر کی زحمتیں اور صعوبتیں خود اپنی مرضی سے برداشت کرے پس اگر  
 بادی النظر میں سفر کا کوئی مقصد معلوم نہ ہوتا ہو مثلاً یہ کہ اس سفر کو تجارت یا کاروبار کی غرض سے اختیار  
 کیا گیا ہے تو وہ فوراً کوئی ایسی غرض اوس سے منسوب کر دیتے ہیں جو اودن کے نزدیک ترین قیاس ہو۔ "سفر  
 خراسان" مصنفہ فریئر۔ صفحہ ۵۷۹۔

وہی جواب دیا جو سٹر ہارڈ کیل "نئی اسٹیس ٹوکانکر" میں دیتا ہے اور پھر سمجھائے کہ من کی ایک ایسی تقلید کو مرغی رکھ کر جب کا معرف ہوے بغیر میں نہ رہ سکا اوس نے کہا کہ فرنگستان بوجہ اپنی قدامت کے ایک عظیم الشان ملک ہے۔ قدامت سے جیسا کہ اوس نے بیان کیا اوسکی مراد شخصی اقتدار سے تھی۔

### مین خان کو ایک تحفہ دیتا ہوں

یزر نے مجھ سے ستر سال پہلے میرے میزبان کے باپ کو ایک چاندی کی جیبی گھڑی تحفہ دی تھی۔ میں نے بھی اس بارہ میں اوس کا اتباع کیا اگرچہ مجھ کو اس وقت خیال نہ تھا کہ میں اوس کی تقلید کر رہا ہوں۔ خان کو جاننے میں میری جو خاطر اور تواضع کی تھی اس کے شکریہ کے اظہار کے طور پر میں نے ایک جیبی گھڑی اوسے پیش کی جیسے گھنٹوں اور منٹوں کا اندازہ گردشی سوئیوں سے نہ ہوتا تھا بلکہ وقت اعداد کے ذریعہ سے جو ایک حلقہ میں نمودار ہوتے رہتے تھے معلوم ہو جاتا تھا۔ وہ صنعت کے اس عجیب نمونہ کو دیکھ کر نہایت ہی محظوظ ہوا لیکن چونکہ اعداد اوسکی سمجھ میں نہین آ سکتے تھے کیونکہ وہ معمولی رومانی اعداد سے جنہیں اوس نے پہلے دوسری گھڑیوں پر دیکھا تھا مطابق نہ تھے لہذا میں نے اوسے ایک نقشہ کہنچ دیا۔ جس میں معمولی اعداد ایک سے ساٹھ تک اور اون کے مقابل

+ یہ کتاب انگلستان کے مشہور بزرگ مصنف گولڈ اسمتھ کی تصنیف ہے۔ مترجم

۱۵ بجے دہی چمیزین مرغوب بین جو پرانی ہوں بہ پرانی کتاب۔ پرانی شراب۔ پرانے احباب۔ پرانے

رسم و آداب۔ پرانا زمانہ۔

کے رومانی مترادف وچ تہہ اسکا ترجمہ اوس کے سکرٹری نے فابی مین کر دیا۔ شجاع الملک نے گھڑی لے لی لیکن لینے کے بعد اوس نے مجھ سے یہ پوچھا کہ اس گھڑی کی کیا قیمت ہوگی۔ مجھے جو حیرت بنا دیا۔ اگر کوئی یورپین یہ سوال کرتا تو اوس کی اس قسم کی حرکت بڑی تمیزانہ تجسس پر محمول کیجاتی لیکن ایٹانی کے سوال کے خوا کو مین نے اسکی اس مشرقی خواہش سے منسوب کیا کہ معطلی کو اس کے ارمغان کی قیمت کے برابر کی کوئی چیز معاوضہ کے طور پر دی جائے۔ کیونکہ ایٹانی کے مشہور بجل کی وجہ سے یہ امر خراج از بخت تھا کہ وہ میرے تحفہ کی قیمت سے ایک دھیلا بھی مجھے زیادہ دیتا۔ لیکن جو تحفہ کہ وہ معاوضہ میں مجھے دینے والا تھا اوس کی کیفیت یا قیمت مجھے کبھی معلوم نہیں ہوئی کیونکہ گو دوسرے دن جب وہ باز دید کو آیا تو اس کے ساتھ ایک بقیچہ تاجس میں (جیسا کہ میں نے بعد میں سنا) کچھ قالینیں باز لبنت تھی۔ لیکن تحفہ مجھے وہ دینے نہیں پایا جسکی وجہ یہ تھی کہ اوس کے بعض نوکروں نے بقیچہ کا بقیچہ غائب کر دیا۔

## خان اپنے مطبخ سے میرے لئے کہا ناہ میجٹا ہے

جان کے مہم سوار سے میری ملاقات کے خاص واقعات یہی تھے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ میرے لئے باعث مسرت ہے کہ گو مین اور بیانات کی تردید نہیں کر سکتا جو اوس کی عادات و خصایل اور اس کے کمالات کے متعلق سے پہلے کے سیاحوں نے نقل کیے تھے۔ لیکن پھر بھی میں کم از کم اوس کی سیرت، کے ایک دوسرے پہلو پر جو محاسن سے زیادہ تر تکلیف ہے روشنی ڈال سکا ہوں۔ سر چارلس نیلگرنگ

جوشہ اوعین یہاں آیا اوسنے خان کو چان کے متعلق یہی رائے قائم کی کہ خان موصوف کے عادات و اطوار ایک شان مناسبت لئے ہوئے ہیں اور فہم و فراست کے لحاظ سے وہ ممتاز ہے۔ شام کے وقت مجھ ایرانی طباطبائی کی شناخت اور خود خان کے باورچی خانہ کے مطبوخات کی کیفیت کا اندازہ کرنے کا موقع ملا۔ میرے لئے خان نے جو کھانا بیجا اور جو میرے کمرے کے فرش پر قابون مین لا کر چن دیا گیا وہ اتنا تھا کہ ایک فوج کے لئے کافی ہوتا۔ شور بارہ تین طرح کے پکے ہوئے مرغ۔ حلوان کی پیہنی ہوئی مسلم ران۔ کباب۔ خاکینہ۔ پلاؤ۔ اور دوسری انواع و اقسام کے کھانے جنکا مجھے نام معلوم نہین۔ غرض کہ سبھی طرح کی نعمتیں موجود ہئیں۔ جن جن چیزوں کو مین نے کھایا وہ نہایت عمدہ کی ہوئی تھیں علی الخصوص پلاؤ اور چلاؤ تو ایسے تھے کہ پیرس کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ باورچی بھی ویسا نہین چکا سکتا۔ پینے کے لئے کو چان کی شراب تھی جو نہایت ہی بزمہ تھی۔ چھاچھ بھی موجود تھی مگر جب تک کام و زبان اوسکے عادی نہ ہوں اوس وقت تک اوسکا مزہ بھی ایسا نہین کہ مرغوب ہو۔ البتہ شربت جو آیا وہ لطیف تھا اور اگرچہ اوسکے اجزاء زیادہ تر شکر اور برت کا پانی ہی تھے لیکن وہ ایک نہایت ہی خوش ذائقہ اور مفرح شے تھی۔ ناشپاتی کے لکڑی کے نازک اور سفید و عفتا چھچھے شربت کے پیالے مین تیر رہے تھے اور نہایت ہی بہلے معلوم ہوتے تھے۔

اس مقام پر صنف ایک طویل نوٹ اپنے انگریزی ناظرین کے لئے جو ان کہاؤن کی اسیت سے واقف نہین اونکی ترکیب کے متعلق درج کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لئے ان کہاؤن مین سے ایک ہی ایسا نہین جسے نیا کہا جاسکے۔ اس لئے مین نے نوٹ کا ترجمہ مزوری نہین خیال کیا۔ مترجم



اسکے علاوہ انگورون کے خوشے بھی تھے۔ مجھے اسکے بعد ایک سے زیادہ دفعہ ایرانی  
کہانا کھانے کا اتفاق ہوا لیکن میرا خیال ہے کہ گو خان کو چان کا کھانا باعتبار کیت حد اعتدال  
سے متجاوز تھا لیکن کیفیت کے لحاظ سے اس سے بہتر کہانا کسی مشرقی ملک میں نے  
نہیں کھایا۔

## شہر کوچان

ایک دن میں شہر کوچان اوس کے حوالیات کو دیکھنے کے لئے سوار ہو کر نکلا۔  
دریافت کرنے پر مجھے یہ اطلاع ملی کہ اس شہر کی موجودہ آبادی بارہ ہزار ہے لیکن اس تخمینہ کو میں  
مبالغہ سے معز نہیں پاتا۔ شہر پناہ جسکے گرد میں پھرا اور جسے معہ خندق کے مودہ ایلخانی کے  
باپ اور دادا نے تیار کیا تھا اوسکی مرمت عباس مرزا کے توپخانہ کی گولہ باری کے وقت سے  
نہیں ہوئی۔ اسکے علاوہ زلزلہ کے متواتر صدموں علی الخصوص اوس زلزلہ سے جو ۱۲۵۷ھ میں  
آیا تفصیل بہت کچھ منہدم ہو گئی ہے ۱۲۵۷ھ میں میگلیگر کا بیان ہے کہ یہ شہر ایسا ویران  
ہو رہا ہے کہ اگر میں روس کا کوئی حال بیان نہ کروں تو میرا ایسا کرنا حق بجا فب مقصور ہو سکتا  
ہے۔ تفصیل کی اب اکثر مقامات پر یہ حالت ہے کہ مٹی کے بے شکل تودوں سے زیادہ  
اون کی حقیقت نہیں۔ شہر کے باہر اینٹوں کے بہت سے روئے ہیں اور کئی برف کے  
محزن ہیں جو شہد کی لمبی کے چھتے کی طرح ایک گڑھے پر جس میں برف کا ذخیرہ رہتا ہے  
پکچی مٹی کے بلند محزو طہائے مستدید کی شکل میں بنے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑا  
میوے کا باغ بھی دیکھا جو خان کی ملک سے ہے۔ اس باغ میں جب کا رقبہ دس بارہ ایکڑ

ہوگا۔ انگور۔ سیب۔ ناشپاتی۔ الوچے۔ انار۔ شہتوت۔ آڑو۔ بمر۔ اور بھی کے درخت  
 موجود ہیں۔ اس کے وسط میں کئی ہوئی مٹی کا ایک چبوترہ کوئی ایک فٹ بلند واقع ہے۔  
 شاہ نے جب ۸۸۸ھ میں مشہد کا دوسرا سفر اختیار کیا اور یہاں ٹھہرا تو اس کا خیمہ اسی  
 چبوترہ پر نصب کیا گیا تھا۔ اور جب زلزلہ کا خطرہ ہوتا ہے تو خان بھی یہیں اپنا خیمہ لگا کر رہتا  
 ہے۔ شہر کے باہر ایک سطح مرتفع ہے جو تخت شاہ کے نام سے مشہور ہے جس زمانہ  
 میں فتح علی شاہ نے کوچان پر چڑھائی کی تھی تو یہیں روس نے اپنے ڈیرے ڈالے تھے  
 شہر پناہ سے کوئی ڈیرہ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی واقع ہے جو نادریتی کہلاتی ہے۔  
 نادری شاہ جو ۸۸۸ھ میں یہیں مارا گیا۔

## عمارات

کوچان میں خان کے محل کے علاوہ اگر کوئی اور ایسی عمارت ہے جو عام عمارت کی  
 گرد آلود اور اتنی دوز چھتوں سے اوپر اپنا سر اٹھاتی ہے یا جسے کچھ بھی امتیاز حاصل ہے تو وہ  
 ایک قلعہ اور دولت میناروں کی ایک مسجد ہے ان میناروں میں سے ایک کی چوٹی پر  
 ایک چوبی غلام گردش ہے جہاں ہونے کہڑے ہو کر اذان دیتا ہے۔ چونکہ شیعہ مرتبے کے  
 مسلمان کافروں کو اپنی مساجد کے دروازوں میں بھی داخل نہیں ہونے دیتے اور اس  
 لحاظ سے اس خاص بارہ میں حرارت دینی کے اظہار کے ساتھ دوسرے مذہبی احکام  
 کی تعمیل سے نمایان طور پر پہلو ہتی کر کے ایک عجیب خبط کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس لئے  
 نہ تو یہاں اور نہ کہیں اور مجھے اس سے زیادہ موقع ملا کہ عربی وضع کے محرابدار دروازہ میں سے

مسجد کے اندر وہی صحن کو ایک نظر دیکھ سکون۔

افسوس ہے کہ فریزر کے ۱۸۴۲ء کے سفر کو چان کا حال میں نے بعد میں پڑھا اور نہ میں  
اوس عظیم الشان نسخہ قرآن کے اجزا کا سراغ لگاتا جسکی نسبت فریزر نے یہ بیان کیا ہے  
کہ نادر شاہ کے چند کو چانی سپاہی اس قرآن کے کچھ اجزا تیمور کے مقبرہ سے جو مرقند میں  
ہے لائے تھے۔ ستر سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ اس نسخہ کے قریباً ساٹھ صفحے جو طول میں  
دس سے لیکر بارہ اور عرض میں سات سے لیکر آٹھ فٹ تک ہوں گے اور  
جن کا خط نہایت پاکیزہ اور خوبصورت تھا فریزر نے کسی امام باڑہ کے ایک  
طاق میں رکھے ہوئے دیکھے تھے۔

### بازار

اٹنائے قیام کو چان میں میں نے وہاں کے بازاروں کی بھی سیر کی۔ اون کی وضع  
عام مشرقی بازاروں کی سی ہے۔ لمبی لمبی گلیوں پر لکڑی کی محراب درجست پڑی تھی۔ اور اوسے  
اوپر سے گارے سے لپ دیا تھا تاکہ آفتاب کی سوزندہ شعاعیں اندر نفوذ نہ کریں۔ کچھ دیر  
کے لئے میں بازاروں کے بازار میں ٹھہرا جہاں میں نے بہت سی دکانوں میں چھینٹ دیکھ  
اور دو سے طرح طرح کے سوتی کپڑوں کے ذخیرے دیکھے۔ لیکن یہ کپڑے بظاہر یورپین  
ساخت کے معلوم ہوتے تھے اور جب میں نے دریافت کیا کہ یہ مال کہاں سے آیا ہو  
تو مجھے جواب ملا کہ روس سے۔ ہر ایک تہان پر کسی روسی کا خانہ کا نام لکھا تھا۔ میں نے  
پوچھا کہ بازار میں انگریزی ساخت کا مال بھی فروخت ہوتا ہے یا نہیں۔ اسکے جواب میں

ایک سوداگر نے کچھ سرخ رنگ اور دھاری دار سوئی کپڑے کا ایک تھان بچا لکڑی پیش کیا۔ لیکن ان میں سے کسی پر بھی کسی نگریزی کارخانہ کی علامت ثبت نہ تھی اور سوداگر یہ نہیں بتا سکا کہ یہ مال کہاں سے آیا ہے۔ آخر کار ایک سوداگر نے سوئی کپڑے کا ایک تھان جیسے بڑی کے کسی کارخانہ کی مہر تھی اور جو بلاشبہ ہندوستانی روئی سے تیار ہوا تھا بچا لایا۔ جب میں نے سوال کیا کہ اتنی دور سے مال منگانی میں کیا نفع ہو سکتا ہے تو جواب ملا کہ اگرچہ دام تو اس مال کو بہت کمزور ہیں لیکن چونکہ دیر پا اور عمدہ ہونے کے لحاظ سے یہ مال اور دن سے اچھا ہے اسلئے لوگ اسے خریدتے ہیں۔ کلچنہ دہات اور چین کے جسد ربرتن بازار میں تہہ سب روس کے بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح شکر بھی روسی ساخت کی تھی۔ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ جسد رچا یہاں استعمال ہوتی ہے اور کا اکثر حصہ ہندوستان سے براہ بندر عباس و مشہد آتا ہے۔ لیکن کسی قدر چار کی درآمد روس سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کوچان میں روس کی سیاسی اور تجارتی اغراض کی خوب نگہداشت ہوتی ہے کیونکہ روسیوں کی طرف سے یہاں ایک وکیل مقرر ہے جسے ہر کارورس سے متنواہ ملتی ہے۔ تجارت برآمد جو زیادہ تر روئی اور چھڑے پر مشتمل ہے ارمینون کے ہاتھ میں ہے کیونکہ تجارت سے خاص مناسبت رکھنے کے باعث تمام ایران کی تجارت اس قوم کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ روسیوں کے تفوق کی یہ کافی وجہ قرار دیا جاسکتی ہے کہ کوچان عاشق آباد کے قریب واقع ہے اور ان دونوں مقامات کے مابین ذرا لچ آمد و رفت امن و حفاظت اور سہولیت سے پر ہیں۔ کوچان کو تاریخی کا ایک اکہر سلسلہ ایک طرف تو مشہد اور دوسری طرف بجنورد

سے جو وادی اتریک میں بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے ملاتا ہے اور یہ سلسلہ روسی تار برقی سے قزلب اروات میں جا ملتا ہے۔ گوچان میں ہر ہفتہ عاشق آباد سے روسی ڈاک بھی آتی ہے جسے ترکمان سوار کوچان ہوتے ہوئے مشہد تک پہنچا دیتے ہیں۔

## صوبہ کوچان

اسکے کہ میں کوچان سے روانہ ہوں مناسب ہو گا کہ میں اس صوبہ اور حکومت کے متعلق کچھ تفصیلی حالات قلبند کروں جس کا یہ شہر صدر مقام ہے۔ اسکے شمال مغرب کی طرف صوبہ بخمدوداق ہے اور مشہد کی طرف اس کا علاقہ رادکان تک پھیلا ہوا ہے۔ گویا کہ اس کا کل طول ساٹھ میل کے قریب اور عرض شمالاً جنوباً کسی قدر کم ہے۔ اس صوبہ میں سلسلہ ہائے کوہ اور سطوح مرتفع جن میں روسی سرحد سے روانہ ہو کر میں سفر کرتا چلا آیا تھا۔ اور خاص وادی کوچان جس کا وسط عرض پندرہ میل ہو گا اور جو مشہد تک بغیر کسی طبعی رکاوٹ کے پھیلی ہوئی چلی گئی ہے یکسان نسبت میں واقع ہیں۔ سلسلہ کوہ شاہ جہان جو اس کے جنوب کا محیط ہے شہر کوچان کے عقب میں جو سطح سمندر سے ۳۸۰۰ فٹ بلند ہے واقع ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی کا ارتفاع دس ہزار فٹ ہے۔ تمام شمالی ایران میں وادی کوچان سے زیادہ زرخیز اور شاداب علاقہ اور کوئی نہیں۔ اگر آبپاشی کا بطور مناسب انتظام ہو تو یہاں کے اناج کی پیداوار بیس سے نٹو گنی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے اس موزوں طور پر خراسان کا غلہ کا گو دام کہا جاسکتا ہے۔ اس کا بلیف نے جب گراڈیکاٹ کو شجاع الدولہ سے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کیلئے چارہ خریدنے کے واسطے روانہ کیا

تو اسے ان تمام باتوں کا حال خوب معلوم تھا اور آجکل کے روسی بھی جو ایک ایسے صنایع کی قریب اپنا صدر مقام قائم کر رہے ہیں۔ جہاں سے ایک بڑی فوج کے لئے سب سہولتیں پہنچ سکتی ہے اور جو گویا کل خراسان کے قبضہ کی گنجی ہے خوب جانتے ہیں کہ اون کے اس طرز عمل کا مقصود اصلی کیا ہے۔ صوبہ کوچان میں زیادہ تر ظفران لقبیلہ کے کروادہ ہیں لیکن کچھ حبیلی ترک اور ایرانی بھی یہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ آبادی کی کل تعداد نوے ہزار سے دو لاکھ نفوس تک بیان کی جاتی ہے اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اعداد اقول اللہ کے احتمالاً زیادہ قریب اندازہ ہیں۔ ایٹھانی کی آمدنی کا ذریعہ کچھ تو وہ محصول ہے جو اس کے علاقہ کے قصبات کے مکانون اور مکانون پر اور نیز بیر و بجات کی مزدور عماراضی پر لیا جاتا ہے اور کچھ اسکی ذاتی جائداد کے محاصل ہیں۔ اس میں سے اسے اپنے سواروں کی جمیعت کے مصارف ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ رسالہ ساز و سامان سے عمدہ طور پر آراستہ اور بندھنوں سے مسلح ہے مگر اسکی تعداد جو پہلے ایک ہزار تھی کم ہو کر پانچ سو رہ گئی ہے۔ شاید اسکی وجہ یہ ہوگی کہ سرحد کی حالت اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔

### کوچان سے دوسرے راستے

کوچان سے مشہد۔ (براہ جعفر آباد۔ شورپاہ۔ رادکان۔ خیاران۔ گون آباد۔ تمام تمام)

۹۳ء (دیکھو جرنی انٹوخراسان) (سفر خراسان) مصنفہ جے۔ بی۔ فریزر (۱۸۳۳ء) ۶

باب ۲۲ پٹریولس انٹو بخارا (سفر بخارا) مصنفہ سر ایس برنس (۱۸۳۲ء) جلد سوم۔ صفحہ

۴۵۷ ۴۵۸ جرنل آف دی رائیل جاگرافیکیل سوسائٹی (روزنامہ انچر رائیل جاگرافیکیل سوسائٹی بمبئی)

کپتان آنریبل جی نیپئر (۱۸۴۷ء) جلد ۴ صفحہ ۱۶۴ الی - ۸۷ و ۱۵۱ - الی - ۱۵۳ + "دی مرو

اوسس" (گلشن مرو) مصنفہ امی ڈوڈونون (۱۸۸۰ء) - جلد اول باب ۲۸ +

کوچان سے سبزوار - (۱۹۶۱ء) دیکھو "دی مرو اوسس" (گلشن مرو) مصنفہ امی - او

ڈوڈونون (۱۸۸۰ء) جلد اول صفحہ ۷۳۴

کوچان سے کسٹرا آباد - (براہ شروان - بجنورو و گورگان) دیکھو "جرنی انٹو خراسان" (سفر

خراسان) مصنفہ جے - بی - فریزر (۱۸۲۳ء) - باب ۲۳ - الی ۲۴ + "اے ونٹر س جرنی"

(موسم زمستان کا سفر) مصنفہ مصنف مذکور - (۱۸۳۳ء) جلد دوم خطوط نشان ۱۲ و ۱۳ +

"ٹریولس انٹو بخارا" (سفر بخارا) - مصنفہ میراے - برنس (۱۸۳۲ء) جلد دوم صفحہ ۸۶ - الی ۸۷

کوچان سے شاہ روو - (براہ شروان - بجنورو - سمولغان - جاجرم - و بطام) - دیکھو

"کلاؤڈ وڈز انڈی ایسٹ" (گھٹا مشرق میں) مصنفہ کرنل ویلنٹائن بیکر (۱۸۶۳ء) باب ۱۶

و ۱۷ + "جرنل آف دی رائل جاگرافیکل سوسائٹی" (روزنامہ رائل جاگرافیکل سوسائٹی) مرتبہ کپتان

آنریبل جی نیپئر (۱۸۴۷ء) جلد ۴ صفحہ ۹۸ - الی ۱۱۳ و صفحہ ۱۶۴ - الی - ۱۶۵ + "جرنی تھر

خراسان" (سفر خراسان) مصنفہ سر چارلس میکگریر (۱۸۶۵ء) جلد دوم - صفحہ ۸۸ - الی ۱۱۳ +

کوچان سے درگز - دیکھو "جرنل آف دی رائل جاگرافیکل سوسائٹی" (روزنامہ رائل

جاگرافیکل سوسائٹی) جلد ۴ صفحہ ۸۸ - الی ۹۴ و صفحہ ۱۵۸ - ۱۵۹ +



# چھٹا باب

## از کوچان تباہ قلات نادری

دامن کہسار میں پیک نظر کے سامنے      سلسلہ تھا اک چٹانوں کا سراپا سچ و قاب  
ان کے اوپر چوٹیاں ابرو پہل ڈالے ہوئے      جنکے عارض پر پڑا تھا ابرو سیمین کا نقاب  
سب کے اوپر برف کا دریائے ابریں موجزن      جب کو سوچ نے کیا تھا غیرت لعل مذاہب  
»وی پلیس آف آرٹ« (تھم صنایع) - میٹنی سن

## قلات نادری جانے کا قصد

اقتصد تھا کہ اگر ممکن ہو تو کوچان سے اوس مشہور و معروف سرحدی قلعہ قلات  
نادری یعنی قلعہ نادر شاہ کی سیر کرتا جاؤں جسکی نسبت سابق کے سیاحوں نے یہ بیان کیا  
ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ حیرت انگیز قدرتی نظاروں میں اس کا شمار ہے اور فی الحقیقت  
اپنی غیر معمولی قدرتی طاقت اور رسائی کی حد سے باہر ہونے کے باعث اس سرزمین میں  
جو پہاڑی قلعوں اور ناقابل محاصرہ بلندیوں سے معمور ہے یہ قلعہ فرد ہے۔ جب سے کہ یہ  
افواہ مشہور ہوئی کہ روس کا اس قلعہ پر دانت ہے ۱۸۸۹ء کے موسم بہار میں ہاؤس آف  
کامنٹیز میں یہ سوال پیش ہوا کہ آیا یہ قلعہ زار روس کو دے دیا جا چکا ہے یا نہیں (ایرانی



ہر اجنبی کو جو اسکے دیکھنے کا شوق ظاہر کرے شبہ کی نگاہ سے دیکھا کئے ہیں۔ اور اسلئے  
 میں نے اپنی خواہش کا مخفی رکھنا ہی قرین حزم خیال کیا۔ میں نے یہ امر تحقیق کر لیا تھا کہ وہ  
 ہونے سے قبل شاہ سے اسکے دیکھنے کی اجازت حاصل کرنی ناممکن ہے کیونکہ شاہ بجلاہ  
 ابھی تک اپنے سفر پور و سپے مراجعت فرما کر طہران پہنچے ہوئے تھے اور سفیر انگریزی  
 بھی دارالسلطنت میں موجود نہ تھا کہ کارپردازان سلطنت کی وساطت سے اسکا انتظام  
 کر سکے۔ اس کے علاوہ میں خود اس قسم کی اجازت کہی طلب نہ کرتا کیونکہ مجھے یہ بات بخوبی  
 معلوم تھی کہ اگر مجھے اجازت ملگئی تو روسیوں کے لئے ایک نظیر قائم ہو جائے گی۔ اور  
 وہ بھی اسی قسم کی رعایت کے خواستگار ہونگے حالانکہ ان کے قاصد کا اس قلعہ میں  
 جانا میرے جیسے بے غرض سیاح کے وہاں جانے سے شاید مختلف معنی رکھتا۔ حاکم خراسان  
 کو اجازت حاصل کرنے کی غرض سے مشہد تار دینے کی میری اور بھی کم خواہش تھی کیونکہ  
 مجھے اس امر کی نسبت شبہ تھا کہ آیا وہ ایسی اجازت دینے کا مجاز بھی ہے یا نہیں۔ اس کے  
 علاوہ مجھے پورا یقین تھا کہ گو میں لوٹا نہ دیا جاؤں تاہم جاسوس میرے پیچھے پیچھے ضرور آئینگے  
 ایرانی لوگ اجنبیوں کو اور بالخصوص ان لوگوں جو کسی چیز کا نقشہ کہیں چین یا کوئی سوال پوچھیں  
 یا پیمائش کریں یا اپنی جیب میں سے کوئی اہم نکالیں اس درجہ شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اگر  
 انہیں سیاح کا ارادہ پیشتر سے معلوم ہو جائے تو تحقیقات کی غرض سے کسی مقام کے دیکھنے  
 میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں سنے یہ عزم کر لیا کہ کسی شخص پر اپنا عندیہ ظاہر نہ کروں گا بلکہ  
 یہ ظاہر کروں گا کہ میں شبہ کو بار بار ہوں اور ممکن ہے کہ راستہ میں شکار کی غرض سے کچھ

دیر کیلئے راہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا جاؤں۔ درحقیقت میرے دل میں یہ بات تھی کہ جو راستہ شاہراہ کے علاوہ مجھے مل سکا اسے اختیار کرونگا اور دیکھو تنگا کہ آیا یکہ و تنہا کسی کو اطلاع یا اپنے آنے کی خبر دے بغیر من قلات تک پہنچ سکتا ہوں یا نہیں۔

## ایٹھانی کی وکٹوریہ گاڑی



ایٹھانی کی نگرانی کی زد سے بچنے میں بہت بڑی مشکل پیش آئی۔ اس کو نہ صرف اس بات کے تجسس کا شوق بدرجہ غایت دامگیر تھا کہ میں کہاں کہاں جانیکا قصد رکھتا ہوں بلکہ وہ اس امر پر بھی مصر ہوا کہ میں شہنشاہ کی روسی ساخت کی وکٹوریہ گاڑی میں سفر کروں۔ چنانچہ اوستے مجھے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم میری گاڑی میں نہ جاؤ گے تو جو چاندی کی جیبی گھڑی تم نے مجھے دی ہے وہ میں پھیر دوں گا۔ میں نے بہتیرا اس سے کہا کہ مجھے گھوڑے کی سواری زیادہ پسند ہے مگر اس نے ایک نہ سنی اور یہ جواب دیا کہ آگے چلکر جی بھر کر گھوڑے کی سواری کر لینا۔ جب میں نے یہ غذیبش کیا کہ جو گاؤں رستہ میں پڑے ہیں میں وہاں ٹھہرتا ہوا جاؤں گا تو اس نے کہا کہ گاڑی بھی آپ کے ساتھ ساتھ ٹھہرتی ہوئی جا سکتی ہے۔ آخر کار بصد وقت فیصلہ اس بات پر ہوا کہ میں پہلی منزل گاڑی میں جاؤں اور وہاں سولے لوٹاؤں۔ کوچان سے میری روانگی نہایت پر تکلف طور پر عمل میں آئی۔ خان بازار میں میرے ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دے کچھ دور تک پیدل آیا اور

۱۔ مجھے اس قسم کے کسی راستہ کا حال معلوم نہ تھا۔ جو چند سیاح مجھ سے بہت تر قلات نادری کو گئے وہ سیدھے مشد سے گئے۔

پھر اوسے مجھے گاڑی میں جو ماسکو کی بنی ہوئی تھی اور جدید ترین اور نہایت ہی خوشنما وضع کی تھی (معلوم نہیں یہ تختہ اوسے کس نے بھیجا) سوار کرایا۔ گاڑی میں چار سبز گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گھوڑوں پر سوار بیٹھے ہوئے تھے۔ گاڑی کے آگے آگے غلام گھوڑوں پر سوار سب سے صاف کرتے جاتے تھے اور کچھ ملازم گاڑی کے ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے۔ اس شان سے خان کی وکٹوریہ گاڑی عجیبے ہوئے آہستہ آہستہ شہر کے باہر نکلی۔

### از کوچان تا بہ چکلیہ

راستہ کا ابتدائی حصہ اوس شاہراہ پر واقع تھا جو مشہد کو جاتی ہے کیونکہ مشہد کے رفع کرنے کی غرض سے یہاں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ رادکان تک جو شجاع الملک کے علاقہ کی سرحد ہے اور کوچان سے چالیس میل ہے اسی راستہ سے جاؤں۔ سڑک برابر سطح چلی گئی ہے۔ البتہ کوچان سے بیس میل کے فاصلہ پر یہ اوس حد کو عبور کرتی ہے جو ازبک اور کشت رود کی ندیوں کے طاسوں میں فاصل ہے۔ سڑک نہ تو کٹی ہوئی ہی تھی اور نہ مرمت کے اعتبار سے ہی اسکی حالت اچھی تھی۔ غرض کہ جس انجنیر نے اسے بنایا وہ اسکی تعمیر کے لئے مستحق تحسین نہیں ہو سکتا میرا کوچان گاڑی زیادہ تر پہلے میدان میں ہانکتا تھا کیونکہ سڑک کو جا بجا آبپاشی کی نالیان فٹ بھر یا اس سے بھی زیادہ گہری قطع کرتی تھیں جنکی وجہ سے گاڑی کو ایسے جھکے لگتے تھے کہ پناہ بخدا شروع کے دس میل تک زمین اگرچہ اس فصل میں خوب درہنہ ہی موافق تھی لیکن سبز کھیت ہر طرف بلبھاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور کوئی

جگہ ایسی نہ تھی جہاں ہل نہ چلایا گیا ہو۔ لیکن دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ویرانی شروع ہو گئی۔ مین گرد کی ایک چادر مین لپٹا ہوا جا رہا تھا اور گز بہر آگے کی چیز مجھے نظر نہ آتی تھی۔ میدان کے دونوں جانب کچھ کچھ فصل سے گچی مٹی کے بنے ہوئے جھونپڑوں کے گاؤں درختوں کے چھوٹے چھوٹے ٹپے جھڑوں کے سایہ میں جو کسی اسکیلے وکیلے نالے یا غیر مسدود فضا کی وجہ سے آگ آئے تھے پناہ لئے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان گاؤں

۱۷ چونکہ مجھے قناتوں کا ذکر آگے چلکر بہت جگہ کرتا ہوں گا اور ایران کے مناظر اور ان سے نمایان طور پر معمور ہیں۔ اس لئے اور لوگوں کی اطلاع کیلئے جنہوں نے قنات نہیں دیکھی مین اس شے کی باہت بیان کرتا ہوں۔ قنات راجہ بوجی اور افغانی کاریز کی ہم معنی ہے) ایک زمین دونوں کو کہتے ہیں جو کسی بہاڑی چشمہ سے اس گاؤں مین پانی لانے جہاں ترقی زراعت یا قیام حیات مقصود ہو۔ اسکے بنانے کی ترکیب مجذول ہے۔ بڑا دل اول کسی مرتفع مقام پر آتا، اگر گڑبے کو پہنچے جاتے ہیں یہاں تک کہ پانی کا چشمہ نمودار ہوتا ہے۔ اسکے بعد دوسرے سر پہر جہاں پانی سطح پر لانا مقصود ہو یا

۲۰ مجھے اپنے ایک دوست کو ملنے اور بلوچستان کے دیگر مقامات کی اس تم کی کارکردگیاں حال بالتفصیل جانتی ہیں معلوم ہوا کہ قنات کے تیار کرنا کیا یہ طریقہ ہے کہ اول ایک مرتفع مقام پر گڑا ہو جا جاتا ہو اور جب اس مین پانی نمودار ہوتا ہو تو اس گڑبے سے اس سمت مین بہاڑی یا یہاں مقصود ہوتا ہو ایک زمین دونوں کی طرف دوڑ تک لیا کر ایک گڑا سطح زمین پر سے کہلا ہوا کہو دا جاتا ہو اور پانی پہلے گڑبے سے اس ڈھلوان نالی کے ذریعہ سے دوسرے گڑبے مین آکر جمع ہو جاتا ہو اور پھر اس دوسرے گڑبے سے آگے کو نالی کو دبی جاتی ہے اور سطح زمین کا ایک سلسلہ اس مقام تک قائم کر دیا جاتا ہے جہاں پانی لیا جانا مطلوب ہوتا ہو یہ مصنف نے جو طریقہ بتا رہی قنات کا بیان کیا ہو اس سے مشرق ہوتا ہو کہ اول ایک مرتفع مقام پر گڑا ہو جائے اور پھر سمت مقابل سے جہاں پانی لانا مقصود ہوتا ہو اس گڑبے کی طرف نالی کو دنی مشرق کی جانب ہے اس سے ظاہر ہو گا کہ طریقہ نالی اندر طریقہ اول الذکر سے مختلف ہے۔ چونکہ میری ذاتی معلومات اسباب مین کی ہیں نہیں اس لئے مین کسی قطعی اور ناطق رائے کے انہار سے قاصر ہوں لیکن قیاس اس امر کا مقصد مین ہے کہ جو اطلاع مجھے اپنے دوست کے زبانی معلوم ہوئی ہے وہ صحیح ہو گی کہ اسکی تصدیق خود مصنف کے نوٹ کے آخری حصہ سے ہوتی ہے مین ہوتا ہو مغیر جزئی بار یہ بیان کرتا ہو کہ نالی کے تیار کرتے وقت کہلائی کاغذ اصلی گڑبے سے حسین پانی کا چشمہ نمودار ہوتا ہو اس مقام کی طرف ہوتا ہو جہاں پانی لیا جانا مقصود ہوتا ہو کہ اس مقام سے خود اصلی چشمہ کی سمت مین۔ مستحکم

میں سے پہلے ہم فتح آباد کے پاس سے ہو کر گزرے جو کوچان سے دو میل ہے۔  
اوسکے بعد سرخان آیا جو سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پھر ہم جعفر آباد پہونچے جو پست

درمیانی مقامات پر کہانی شروع کی جاتی ہے اور چشمہ کی سمت میں غصہ سے ڈھلاؤ کے ساتھ زمین کے نیچے  
نیچے ایک نالی کھودی جاتی ہے۔ چون چون کھودنے والا آگے بڑھتا جاتا ہے اور نالی زیادہ گہری ہوتی جاتی  
ہے تو بیش بہا گریا اس سے زیادہ کے فاصلہ پر مدور گرہ ہے اور سے کھود دئے جاتے ہیں اور جو مٹی نالی  
کے نیچے کھودنے کی وجہ سے جمع ہو گئی تھی وہ ان گرہوں کے موبہ پر اور لاکر جمع کر دی جاتی ہے۔ اس طرح سے  
کچھ عرصہ کے بعد پھر زمین دوز نالی چشمہ کے منہ تک پہونچ جاتی ہے اور پانی اس کی راہ سے مقام مقصود تک  
پہونچ جاتا ہے گرہ سے بعد میں نالی کور کا دولوں اور مچھتوں سے صاف کرنے کی غرض سے استعمال میں  
لائے جاتے ہیں۔ پس جس گاؤں میں کاشت کے قابل کچھ بھی زمین ہو وہ بالعموم بمنزلہ ایک زادیتہ الراس  
کے ہوتا ہے جہاں سے قناتوں کے متعدد خطوط جو بسا اوقات طول میں کئی میل ہوتے ہیں متفع ہو کر قریب ترین  
پہاڑ کی سمت اختیار کرتے ہیں اور گرہوں کا طویل سلسلہ اس طرح ہوتا ہے کہ گویا میدان پر چھپچھوند رن لئے کچھ کچھ  
فصل سے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیر لگا رکھے ہیں۔ لیکن یہ نالیاں بڑی آسانی سے بند ہو جاتی ہیں یا دن میں  
کھاد پید ا ہو جاتی ہے یا کسی اور باعث سے خراب ہو جاتی ہیں۔ اس پر تمام محنت اٹگان جاتی ہو اور دوسرے  
دوسری نالی کھودنی پڑتی ہے چنانچہ بسا اوقات دو متوازی نالیاں ایک دوسرے سے چند گز کے فاصلہ پر دیکھنے  
میں آتی ہیں اور ان میں سے جو نالی کہ پہلے کھودی گئی تھی وہ اب بالکل ترک کر دی جاتی ہے۔ نئی الذکر نالی کے  
گھیلے ہوئے گرہ ہے جس قدر خطرناک ہوتے ہونگے اوسکا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان گرہوں کے  
منہ پر مٹی کا جواہر لگا ہوتا ہے وہ مینہ کی وجہ سے یہ جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں کوئی ایسا نشان باقی  
نہیں رہتا جس سے معلوم ہو سکے کہ یہاں گڑھا موجود ہے۔ بہت سے جانوران میں گر کر تلف ہو جاتے ہیں  
اور ان کی ہڈیاں بعض دفعہ بیچ میں اٹکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سوار اور اونٹن کے گھوڑے بسا اوقات ان گرہوں  
میں گر کر قبل از وقت فنا ہو جانے سے بال بال بچے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب جو طمران میں رہتے تھے

مثلت ناقبون کا ایک مجموعہ سامنے اور کوچان سے پندرہ میل ہے اور یہاں سے چلکر ہمارا گردشت آباد میں ہوا۔ سیاہ گوسفند کے بالوں کے بنے ہوئے خیمے جابجا نصب تھے۔ اور بتاتے تھے کہ کب کے سب کر دوں فیہی تک تمدن کا سبق نہیں سیکھا بلکہ اُن میں سے بعض ابھی تک خانہ بدوش چلے آتے ہیں گاہ بگاہ کوئی ویران گاؤں ہمارے دیکھنے میں آتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کبھی کوئی قنات ہوگی جو اب برباد ہو گئی ہے یا کوئی چشمہ ہوگا جو خشک ہو گیا ہے۔ قلات پہنچ کر کوچان سے تقریباً ۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہو

ایک دن بازلیکر شکار کے لئے باہر گئے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ دفعۃً ایک غیر معمولی گڑبے میں گر کر اپنے ساتھیوں کی نظروں سے غائب ہو گئے مگر خیر یہ ہوئی کہ آدمیوں نے فوراً اودن کو گھوڑے سمیت اوپر نکال لیا اور اودن کو کوئی صد سال نہیں پہنچا۔ قناتوں کے گراہوں کو جنگلی کیوڑوں نے اپنا گہر بنا کر کہا ہے۔ ایک گڑبے کے سندھ پر گڑبے ہو کر اگر تالی بجاؤ تو دوسرے میں سے ایک جھنڈ خوف کہا کر سائیں سائیں کرتا ہوا اٹھتا ہو اور تین ہزار عہدہ نشاء کا موقعہ دیتا ہے۔ دولت دین کے ایک سفیر سینر جوزیفا بار بیر و نے چار سال ہوئے کہ اپنے سفر ایران کے حالات قلمبند کرتے تھے۔ امین ایک دلچسپ فقرہ قناتوں کے کہوڑے کی کیفیت کے متعلق بھی درج ہے۔ سوہوین صدی میں اس نام کا ترجمہ انگریزی میں ہوا۔ ہم نہیں سے اس مقام کا اقباس کرتے ہیں۔ دریا کے کنارے کے قریب وہ کنوئیں کی شکل کا ایک گڑبہ کہوڑے ہیں اور عدنان سے اس مقام کی سمت میں جہان اودنہیں بانی نے جانا مقصود ہو ایک زمین دوڑکائی جو مذکورہ بالا گڑبے سے زیادہ گہری ہوئی تھی کہوڑے کو دنا شرح کہتے ہیں اور جب کوئی میں قدم کے قریب کہوڑے چلے ہیں تو ایک درگڑا پھیل گڑبے کی طرح کہوڑے میں اور اسی طرح کچھ کچھ فیصل سے گڑبے کہوڑے جوتے ہوئے وہ اس تالی کے ذریعہ سے جہان باقی لیجا تا چاہتے ہیں لیجا تے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ اس سے بھی زیادہ قدیم ہے کیونکہ پالیسیس نے بھی اسکا ذکر کیا ہے۔

قلات (قلات) جمع کا صیغہ ہے اور اس کی مراد ہے ایسے موضع یا دیہات کا مجموعہ جن میں ہر ایک اپنا جدا گانہ نام رکھتا ہے

مین نے وکٹوریا گاڑی کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ دوسرے دن علی الصباح کو چان کو واپس چلی جائے اور اپنے گہڑے پر سوار ہو کر اور مشہد کی شاہراہ اور تار برقی کے کہنوں کو اپنی دہنی طرف چور کر مین آئینہ میل کا مزید فاصلہ طے کر کے چکیر مین جو رادکان سے کچھ ادھر ایک چھوٹا سا گاؤں سمجھو پونچا۔ جب ہم میدان کو جواب سبزہ سے بالکل معرا ہو گیا تھا طے کر رہے تھے تو پانی کی ایک جانفزا جیل جکا منبع مشرق کا سراب تھا افق پر موجیں مارتی ہوئی ہلکودکھائی دینی شروع ہوئی اور جون جون ہم آگے بڑھتے جاتے تھے وہ پیچھے ہٹتی جاتی تھی۔ سرشام شمالی و مشرقی پہاڑیوں پر جنھیں ڈھلتا ہوا سورج بعد آب و تاب منور کر رہا تھا ایک عجب دلکو لچھانے والی گلابی اور مرجانی رنگ کی جگمگاہٹ نمودار ہوئی اور مقابل کا سلسلہ کوہ چہر تار کی چھا چلی تھی زبردین غبار کا نقاب اوڑھ کر کچھ دیر کے لئے حسن عالم سوز کی جلد گاہ بنگیا۔ لیکن زیادہ عرصہ گزرنے پایا تھا کہ دونوں مین تبدیلی پیدا ہوئی شروع ہوئی۔ ایک کی رنگت تو با دومی اور دوسری کی خاکستری ہو گئی۔ مین گاؤں کے باہر درختوں کے ایک جہرٹ کے نیچے خیمہ زن ہوا۔

### پیال کو پرانے طریقہ پر کوٹ کر بھوسا بنانا

جن گاؤں کے پاس سے ہم دن کے وقت گزرے ادن مین سے ایک مین مینو

جو کے پیال کو کوٹ کر بھوسا بنانے کا قدیم طریقہ عل مین آتے ہوئے دیکھا۔ گاؤں کی چار دیواری کے باہر کٹی ہوئی مٹی کا ایک فرش تیار تھا جس پر پیال بچھا دیا گیا۔ اس کے بعد لکڑی کی میخیں باہر کی طرف کو غل ہوئی تھیں اسکی شکل بابجے کے صندوق کے میلن

سے ملتی تھی) اور جس میں بیل جتے ہوئے تھے آہستہ آہستہ پیال کے ڈھیر پر پھرایا جانے لگا۔  
 نتیجہ یہ ہوا کہ پیال کٹ کٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں بدل گیا جسے ایران میں  
 کاہ کہتے ہیں۔ یہی کاہ ایران میں گہوڑوں اور خچروں کا عام چارہ ہے۔ پیال کے کوٹنے  
 کا یہ طریقہ اور جو آلہ اسکے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے قدامت کے اعتبار سے مشرق کی اکثر  
 عادات اور ظروف کے ہمسر ہیں۔ دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ منقضی ہوتا ہے کہ چاروٹوں  
 اور اوس سے بھی پہلے کے یا حون نے اس طریقہ کو بالتفصیل اپنے سفر کے حالات کے  
 ضمن میں بیان کیا اور اس میں ذرا شک نہیں کہ اب سے دو سو سال بعد بھی دور و دراز دیہات  
 میں یہی طریقہ دیکھنے میں آئے گا۔

### بیمپ پڑاؤ کی زندگی

جس وضع و روش سے پڑاؤ میں زندگی بسر کی جاتی ہے اسکی دلچسپیوں اور مختلف  
 الاوان کیفیتوں سے طبیعت کبھی اچاٹ نہیں ہو سکتی۔ مسافروں بھر سفر کرنے کے بعد  
 گہوڑے پر سوار منزل پر پہنچتا ہے اور درختوں کو سایہ میں اور اگر ممکن ہو تو بہتے پانی کے  
 قریب اپنی فرد و گاہ کے لئے کوئی دکنٹا مقام چھوڑ کر تازہ زمین پر درمی بچا کر وہ کچھ دیر  
 کے لئے لیٹ جاتا ہے اور سٹانے سے جو سرور پیدا ہوتا ہے اسکی لذت سے شمتع  
 ہوتا ہے۔ گاؤں والے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اسے گہور نے لگتے ہیں۔  
 کچھ پیسے ایذا نہیں اور چارہ بہم پہنچا دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آنچ سلگنے لگتی ہے۔ سدا و ریت



سے کام و زبان کو تازہ کرنے والی بہا پ نکلنے لگتی ہے اور چار کا ایک خوشگوار اور مغز ج  
 پیالہ تھکے ماندے مسافر کے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ خوش طعم ثابت ہوتا ہے  
 اتنے میں باقی کا کیمپ آپہنچتا ہے۔ سائیں گھوڑوں پر سے زمین اوتارتے ہیں۔ اوہنین  
 کہہ کر اترتے ہیں۔ کان سے لیکر دم تک اوہنین ایک کمل اور بڑا دیتے ہیں اور کھوٹوں  
 سے بازہ کر اوتار کے منہ میں گہاس اور بھوسے سے بھرے ہوئے تو برے چرہا دیتے  
 ہیں خچروں کی پیٹھ پر سے خیمے اور بستر اور کھانا پکانے کے برتن اور دوسرا سامان اوتار لیا  
 جاتا ہے اور خچر اپنے بارے سے سبکدوش ہو کر فوراً ہی سب سے پاس کے درخت کی طرف جا کر  
 اوتار کے تنے سے اپنے پیٹھے کھجائے لگتے ہیں اور پھر مزے میں آکر زمین پر لیٹ جاتے  
 ہیں اور ہوا میں پاؤں بلند کر کے فرش خاک پر قلا بازی لگانے کی بے نتیجہ کوشش کرتے  
 ہیں۔ ادھر باورچی اپنے کام میں سرگرمی کے ساتھ مشغول ہے اور جو آگ پہلے ہی سے  
 دھک رہی تھی اسے چولہے میں جو اس نے جلد جلد بنایا ہے۔ جو ناک رہا ہے۔ دوسری  
 طرف زمین میں خیمہ کی میخیں ٹھونکی جا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں خیمہ نصب ہو جاتا ہے اور مسافر  
 اپنے پلنگ پر لیٹ کر دن کے واقعات سے استحضار کرتا ہے۔ اپنا روزنامہ قلمبند کرنے  
 کیلئے اپنے پرے پرے ہٹتے والے ارادہ کو منت سے خوشامد سے آمادہ کرنیکی کوشش  
 میں مصروف ہوتا ہے اور پھر کہانی کی تسلی بخش آمد کا انتظار کرتا ہے۔ سارے آئینہ یا نو بجے  
 تمام کیمپ پر خچروں کی گھنٹیوں کی ٹن ٹن یا گھوڑوں کی گاہی گاہی چینگون کے علاوہ خاموشی  
 طاری ہو جاتی ہے کیونکہ پانچ بجے صبح کے پھر وہی کوچ کا سامنا ہے۔

## میر احسا



اسکے کہ میں آگے روانہ ہوں میں نصرت اس باب کے مقاصد کے لئے اپنے ملازمین کا تعارف ناظرین سے کرایا چاہتا ہوں کیونکہ اس باب میں اون کا کسی مرتبہ ذکر آئیگا۔ میرے ملازموں کا سرگروہ رمضان علی خان نامی ایک ایرانی الاصل افغان تھا (یعنی اوسکا مورث اعلیٰ ایک ایرانی تہا جو نادر شاہ یا احمد شاہ درانی کے ساتھ گذشتہ صدی میں افغانستان آیا اور یہیں اوسنے بودوباش اختیار کر لی) جو ہندوستانی فوج "گائیڈس" (رہرا دلہین) و قہار ہے۔ اس فوج میں ہندوستان کی شمالی و مغربی سرحد سے اسی قسم کے لوگ بہرتی کئے جاتے ہیں اور مہات سرحد یا خدمت خارجہ پر مامور کئے جاتے ہیں۔ رمضان علی چیلر مکلیں مشہد کے انگریزی فونسل جنرل کے ہمراہ ہندوستان سے آیا تھا اور ایشیائی قوم کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھا۔ جرات۔ حکمت علی شہسواری اور شریفانہ عادات کے گوناگون اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ اوسے یقین و اطمینان تھا کہ دنیا میں کوئی قوم انگریزوں کی ہمرہ نہیں۔ کرنیل اسٹوارٹ نے جو مشہد میں جنرل مکلیں کے قائم مقام تھے ازراہ عنایت مجھے اپنے ذاتی ملازم گریگوری نامی جلفا کے ایک ارمی کی خدمات مستعد دی تھیں۔ اس شخص کو انگریزی بقت در ضرورت اور فارسی بہت عمدہ آتی تھی اور اس لئے وہ میرے لئے نہایت عمدہ ترجمان ثابت ہوا۔ اسکے علاوہ کرنیل موصوف نے اپنا باورچی بھی

۱۵۔ انوس کہ چند ہفتہ بعد مشہد طہران کو جاتے وقت اس بچارے کو ہستہ میں انتقال ہو گیا۔

میرے ساتھ کر دیا تھا اور مزید برآں دو ترکمان سوار جن کا ایک چھوٹا سا سالہ گورنمنٹ  
 ہندوستان کی طرف سے مشہدین رہتا ہے اور جو مشہد اور ہرات کے درمیان انگریزی  
 ڈاک لے جانے پر مامور ہیں میرے ساتھ متعین کر دئے تھے۔ یہ لوگ پنجہ کے سارق  
 ترکمانوں کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے <sup>۱۸۵۸ء</sup> ۱۸۵۸ء میں روس کی پیشقدمی سے  
 پہلے برطانیہ کلان کی اطاعت اختیار کر لی۔ روسی فوجوں سے ملنا انہوں نے پسند نہیں  
 کیا کیونکہ روسیوں سے انہیں سخت نفرت ہے چنانچہ اب تک یہ انگریزوں کی اطاعت  
 میں برابر ثابت قدم رہے ہیں میں مقابل کے صفحہ پر نو باد گلدی اپنے دونوں ترکمان  
 سواروں میں سے بڑے کی عکسی تصویر ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں جو میں نے برقام  
 امام قلی خود کھینچی تھی اسکی سواری میں ایک نفرہ رنگ کا ترکمانی گھوڑا تھا جسکی دم حنا سے رنگی  
 ہوئی تھی اور اگرچہ دیکھنے میں اس گھوڑے کی صورت کچھ اچھی نہ تھی پھر بھی کاروان کے دوسرے  
 جانوروں کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ زیادہ لمبی منزل طے کر سکتا اور زیادہ تیز جا سکتا تھا۔  
 یہ گھوڑا عام طور سے قدم چال چلتا تھا جو ترکمان اپنے گھوڑوں کو سکھاتے ہیں اور یہ  
 چال چلتے وقت اپنی پچھلی ٹانگیں بہت کھلی رکھتا تھا۔ ایرانی لوگ اس خصوصیت کو گھوڑے  
 میں عمدہ علامت خیال کرتے ہیں اور اسکو اس بات کی دلیل سمجھتے ہیں کہ ایسے گھوڑے  
 کے نیور نہیں لگتے اس قسم کے گھوڑے کو ایران میں اسپ شلواری کشاد کہتے ہیں نو باد گلدی  
 جب میرے آگے جاتا تھا تو مجھے ہمیشہ اسکو ”گلدم“ گھوڑے کی چال پر بے اختیار  
 ہنسی آتی تھی اور میں چلتے چلتے اسکی عکسی تصویر اپنے فوٹو گرافی کے کمرے سے لیکر اپنی



نونا دگلدی



نوبادگلدی کا گہوڑا

ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچایا کرتا تھا اور جب یہ تصویر میں نو باد گلہ می کو دکھاتا تھا تو وہ بھی دانت کھول دیتا تھا۔ اب میرا صرف ایک اور ایسا نوکر باقی رہ گیا ہے جس کا ذکر مجھے کرنا ہے اور وہ شکر اللہ نامی میرا ایرانی سائیس تھا۔ شکر اللہ مجھے عاشق آباد میں ملا تھا اور اس کی نسبت نہ تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ مستعد تھا اور نہ یہی کہہ سکتا ہوں کہ کام چور تھا۔ میں ذیل میں اپنے ہفتہ آئندہ کے روزنامہ کا اقتباس درج کرتا ہوں کیونکہ جس اطلاع پر یہ متضمن ہے وہ ایسے سیاح کے لئے جو بعد میں اسی راستہ سے سفر کرے مفید تصور ہوگی۔

### رادکان کا برج

اکتوبر سات بجے صبح کے روانہ ہو کر اور سات میل کا فاصلہ طے کر کے ہم ساڑھے آٹھ بجے رادکان پہونچے یہ ایک گاؤں سرے چین چار سو سے لیکر ۵۰۰ تک مکانات ہونگے اور میوہ دار درختوں کے دلفریب جھرمٹ اسکے اطراف و جوانب میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے باشندے کیوں لوگوں ہیں۔ دہنی طرف مجھے سعیدان (یا سعید آباد) نظر آیا جو مشہد کی سڑک پر ایک گاؤں ہے اسی سمت میں اوس عجیب و غریب برج یعنی میل رادکان پر بھی میری نظر پڑی جو ایک بلند مد و عمارت ہے اور بظاہر اوس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جو عربوں کی فتح ایران کے بعد ظہور میں آیا۔ اس عمارت کی صحیح غرض و غایت اب تک دریافت نہیں ہوئی۔ اس کا پیرونی حصہ اینٹ کے نالی دار ستونوں پر مشتمل ہے جنکی چوٹی کے گرد اگر دیکھو طلی چیت کے نیچے جسی

خط کو فی مین برنگ لاجورد ایک کتبہ لکھا ہوا تھا۔ اسکے اندرونی حصہ میں ابتدائے تین منظر میں  
تھیں جبکہ منہدم ہو کر نام و نشان بھی نہیں رہا۔

آؤڈو نون جس نے اس عمارت کا احتیاط کے ساتھ معائنہ کیا کہتا ہے کہ یہ عمارت  
تو رہنے کا مکان ہو سکتی ہے اور نہ مقبرہ۔ اس دعوے کی شق ثانی کی وہ کوئی توجیہ نہیں کرتا  
اور ایسے لوگوں نے جن کا حق رائے زنی اس قسم کے امور میں مستم قرار پا چکا ہے اس کی  
نسبت یہ خیال کیا ہے کہ یہ خراسان کے تاتا، ہی فرمان رواؤں میں سے کسی کا مقبرہ ہے۔  
اگرچہ یہ مفروضہ بھی کہ اس برج کو کسی زمانہ میں فوجی ضروریات کیلئے تعمیر کیا گیا ہو گا قابل التفات  
ہے۔ کرنل اسٹوارٹ کا قیاس ہے کہ یہ مینار شکار کے مقصد سے بنایا گیا ہو گا۔ یہ ایک  
عجیب واقعہ ہے کہ اسی قسم کا ایک برج ایک دوسرے گاؤں کے قریب استرآباد اور کرز کی سرحد

۱۷ "دی مردادس" (گلشن مرد) جلد دوم صفحہ ۲۲-۱۱-۲۴۔

۱۸ "پروسیڈنگس آف دی رائل جاگرافیکل سوسائٹی" (جلد ۱۱۷) (۱۸۸۷ء) کرنل اسٹوارٹ نے رادکان کے  
متعلق یہ بھی بیان کیا ہے: "اس ضلع میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نسل کے اونٹ چوتے ہیں خراسان کا اونٹ  
اپنے قد و قامت اور توانائی کے لئے مشہور ہے۔ اس کے بال لمبے لمبے ہوتے ہیں اور معمولی عمر میں  
یا ایرانی اونٹ کے مقابلہ میں یہ سردی گرمی اور رحمت زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ بہترین جانور وہ ہوتے  
ہیں جو باخترہ کے اونٹ یعنی دو کومان والے جانور اور غرب کے اونٹ یعنی ایک کومان والے جانور  
کے میں سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ پہلی جہول میں چرچہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنی قسم کا بہترین ہوتا ہے۔ معمولی  
ایرانی اونٹ عموماً ۳۲ پاؤنڈ (۱۴ سن) اور ہندوستانی اونٹ ۵۰۰ پاؤنڈ (۵ سن) بوجھ لجا سکتا ہے۔  
لیکن خراسان کی نسل کا اونٹ ۷۰۰ پاؤنڈ (۱۲ سن) بلکہ ۸۰۰ پاؤنڈ (۱۳ سن) بوجھ کا متحمل ہو سکتا ہے۔

کے درمیان واقع ہے۔ اور اس برج کا نام بھی راوکان ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس نام سے جو نہ موجودہ فارسی ہے اور نہ ترکی۔ عمارت کی غرض و غایت کا کچھ نہ کچھ تعلق ہوگا۔

### سفیر شہرہ

دو تین نے گاؤں کے باہر قیام کیا اور رمضان علی کو اس غرض سے گاؤں میں بھیجا کہ قلات تک ہماری پہنائی کرنے کے لئے کسی شخص کو اجرت پر بطور بدرقہ مقرر کر کے لے آئے کیونکہ مین نے کوچان مین ایک افغان تاجر کی زبانی سنا تھا کہ یہاں سے ایک راستہ پہاڑوں مین سے ہوتا ہوا قلات کو جاتا ہے۔ ایک شخص نے تین قران کی معاوضہ مین پشتہ تک جس کا فاصلہ ۶ فرسخ تھا ہماری پہنائی کرنے کی نامی بھری۔ اوسے بیان کیا کہ پشتہ سے آگے مین کہی نہیں گیا لیکن دمان سے کوئی دوسرا بدرقہ مل جائیگا جتوت ہم گاؤں کی چار دیواری کے باہر ایک کہیت مین جو حضرت امام رضا علیہ السلام کی خانقاہ واقع مشہد کے اوقات مین سے تھا۔ بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے تو راوکان کارئیس (یہ ایک مہتر عامہ پوش سپہ تھا جسکے ذمہ اس علاقہ کا انتظام تھا) کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر تمباکو کے ایک کہیت کے معائنہ کے لئے باہر نکلا۔ فضل کو دیکھ کر اوس نے باز بلند اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ سال آئندہ تمباکو کے بجائے یہاں گھیون بوئے جائیں۔ ہم پھر دس بجے روانہ ہوئے۔ پشتہ تک کی منزل بڑھی لمبی اور گھٹن تھی کیونکہ آفتاب کی تمازت بدن کو جھلسے ڈالتی تھی۔ اور کچھ دیر کے بعد گرم ٹو



چلتی شروع ہوئی جس نے صحرانوردو غبار کے دم گھومتے والے بگولوں سے بھر دیا۔  
 رادکان سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر اس مسجد پہاڑیوں کے ادس پہلے سلسلہ کے  
 دامن میں داخل ہوا جو میدان کے شمال کی جانب واقع تھا اور پھر ایک میل کی خشک  
 کو عبور کرتا ہوا ایک سطح مرتفع پر جا پہنچا جو اس علاقہ کے خاص کوہستانی سلسلہ اور وادی مشہد  
 کے درمیان کی تدریجی سطح مرتفع میں سے پہلی تھا اس گرم و خشک ریگستان میں کہیں کوئی  
 گاؤں واقع نہ تھا۔ اور سبزہ اور پانی کا کہیں نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ رادکان سے  
 ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہم ایک مدور قعر کے پاس سے ہو کر گزرے جو گہری اور پتھر ملی دیواروں  
 سے محیط تھا اور جس کے کنارہ پر ایک چٹان کے نیچے جہر کسی زمانہ میں ایک قلعہ بنا ہوا  
 تھا۔ شیریں کا گاؤں ایک ندی کے کنارے پر واقع تھا۔ اس کو طے کر کے شمال کی جانب  
 بڑھے ہوئے ہم ایک دوسری بلند و مرتفع پہاڑی پہنچے جو کئی میل تک ہزار مسجید عجیب خاص  
 سلسلہ کوہ کے دامن کی طرف پہلی ہوئی ہے۔ اس کے طول میں کچھ کچھ فصل سے

۱۵ جو نقشے میرے دیکھتے ہیں آئے ہیں اور میں سے کسی میں یہ نام مینے نہیں دیکھے۔ اور اسٹے میں نے  
 اور نہیں اسی طرح ادا کیا ہے جیسا کہ مینے او نہیں سنا۔

۱۵ اس سلسلہ کوہ کی مغربی چوٹیوں کو مسلمان زایرون کے تصور نے بہت سی مسجدوں کے میناروں  
 سے تشبیہ دی ہو اور اسی لحاظ سے ان کو مسجد کہہ گیا ہو۔ ہزار کا لفظ فارسی میں کثرت محض کے معنوں میں استعمال کیا  
 جاتا ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں ہزار پیغمبر اب تک مبعوث ہوئے ہیں اور ہر ایک  
 سے ایک ایک مسجد منسوب ہے۔

گرمی پشان اور اروخ کے گھاؤن واقع ہیں۔ ہم موضع پشتہ میں فحیمہ زن ہوئے جو اس وسیع کوہستانی چوہترہ کی جانب جنوب رادکان سے پکے چھ فہر سح کے فاصلہ پر واقع ہے۔ باہر میدان میں خانہ بدوش کروون نے ایک بہت بڑا پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اور اونکے سیاہ کئی چوٹیوں والے خیمے اور کثیر التعداد ریوڑ ہکا نظر آ رہے تھے۔

### سفر بلخار



۱۹ اکتوبر۔ ہم پونے سات بجر صبح کے روانہ ہوئے اور میدان کو طے کرتے ہوئے سیدھے موضع اروخ (یا اردراخ) میں جو دو میل کے فاصلہ پر سلسلہ کوہ کے دامن میں واقع تھا پہونچے۔ یہاں ہم نے ایک چوٹی پر گہر خشک سیل کی تہ کو عبور کیا جو چٹان کی دیواروں میں سے لہراتی ہوئی گزرتی تھی۔ ایک میل یا اس سے زیادہ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمارا گز ایک میدان میں ہوا جہاں دو درے آپس میں ملتے تھے۔ ہم دہنی طرف والے درہ میں داخل ہوئے اور ایک کوہستانی وادی کو قطع کرتے ہوئے موضع اوغرا میں جا پہونچے جو اسکے ایک طرف کو چٹان کی ایک بہت بڑا زاویہ منظر پر بناتی ہوئی ڈھال پر شاخنا کے سبز اور ریاحین کا لباس پہنے واقع ہے۔ یہاں ہم نے ایک بدرقہ اپنے ساتھ لیا اور اسکے پیچھے پیچھے ایک تنگ و عمیق درہ میں داخل ہوئی جو پہاڑ کو اس طرح سے قطع کر رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی دیو نے اپنے غلام شان تیشہ سے سنگ خارا کا پہلو چیر دیا ہے۔ اس کی دیواریں بالکل عمودی تھیں اور بعض بعض مقامات پر کئی صدیوں کے طوفان کی وجہ سے ان کا اوپر کا حصہ جبرو کے والی

برجیون اور میناروں کی شکل میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کی تہ میں ایک ندی شوچاتی ہوئی بہتی تھی جس نے اپنی پتھر ملی گزرگاہ پر مسلسل متصل کاوش سے جابجا ڈاڑھ پیدا کر دیے تھے۔ بعد وقت و زحمت ہمارے گھوڑوں نے اس صعب المرور مقام کو طے کیا یہ عظیم الشان درہ جسکی دیواریں سلسلہ و سلسلہ ایک دوسرے کے پیچھے تدریجی چوڑیوں کی شکل کی ہیں ایک چھوٹے سے معیار پر یعنی ایریزونا کے اوس بے نظیر مگر غیر معروف دہانہ کے مشابہ ہے جس میں دریا ئے کا لورڈو بہتا ہے۔ اس منہج بالشان درہ میں دو گھنٹہ تک سفر کرنے کے بعد ہم اسکے دہنے یعنی مشرقی پہلو پر چڑھے اور پہاڑوں کے اوپر اوپر شمالی و مشرقی سمت اختیار کرتے ہوئے پہاڑیوں کا ایک دوسرا سلسلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک نئی وادی میں داخل ہوئے جو چشمون اور ندی نالون کی فراوانی سے سیراب تھی اور جہان موضع قریش کے باشندوں کی کہیتیاں لہا ہا رہی تھیں۔ جس قدر پہاڑی گاؤں میں نے دیکھے ان سب میں یہ گاؤں قابل ذکر ہے۔ یہ ایک ڈھلوان چٹان کے پہلو پر واقع تھا اور اسکے مکانات بالکل ان گھڑیہ دون کے تھے۔ جن کی چٹانی میں زیادہ صفائی کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ ان سب کے اوپر ایک قدیم پتھر کے قلعے کے کھنڈر ایک چوٹی پر سے تیوری چڑھائے ہوئے نظر آتے تھے۔ آفتاب کی پوری روشنی

ایری زونا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا وہ علاقہ ہے جسکے شمال میں کوئٹہ مشرق میں نیو میکسیکو جنوب میں ریاست میکسیکو اور مغرب میں نوڈا اور کیلی فورنیا واقع ہیں۔ اس کا رقبہ ۱۱۳۹۱۹ میل مربع ہے۔ آبادی حسب مردم شماری سنہ ۱۹۳۲ء ۳۲ ہزار اصلی باشندوں کے ۴۴۴۴۴ تھی ایری زونا شمالی امریکہ کی مغربی سطح

میں بھی اس مقام کے دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس پر تارکی چھا رہی ہے یہاں سے ہم شمال کی جانب پلٹے اور پہاڑیوں کی ایک دوسری قطار کی زمین پیمانی کر کے ایک اور وادی میں داخل ہوئے جہاں بلغار کا خوشنما گاؤں آباد ہے۔ یہاں نو گھنٹے کی منزل طے کرنے کے بعد ہم شب باش ہوئے گو کہ راستہ کے پتھریلے اور دشوار گزار ہونے کے باعث ہم نے غالباً چوبیس میل سے زیادہ کی مسافت نہ طے کی ہوگی۔

### بد رقعہ کو زد کو ب ہوئی

ہم خمیدہ زن ہو چکے تو دین نے سنا کہ جس کسان نے دوپہر کے وقت ہماری بدھیری کی تہی او سے اپنے گاؤں کو واپس جاتے وقت ایک ایرانی سوار نے بے طرح مارا

مرقعہ کا ایک نہایت وسیع حصہ ہے جو جنوب کے طرف ڈھلتا ہوا چلا گیا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب و جنوب کی سمت میں عظیم الشان سلسلہ ہے کہ وہ جزیرہ تراکی ماونٹین کی کنگرہ وار شاخوں پر مشتمل ہیں۔ قطع کرتے ہیں س کوہستان کی ایک ایک چوٹی کا ارتفاع ۱۲ ہزار سے لیکر چودہ ہزار فٹ تک ہے۔ درباب کالورڈیا اپنی معاون ندیوں کے ساتھ اس علاقہ کو سیراب کرتا ہے۔ سطح مرقعہ ایزی زون کا ایک نہایت ہی حیرت انگیز اور دل پر چلا اثر پیدا کرنے والا نظارہ ہے کہ ان ندیوں اور دریاؤں نے ہر سمت میں اسے غیر معمولی گہرائی سے حیر کر رکھا ہے۔ اس طرح جو گزر گاہیں ترکیب پاتی ہیں۔ انہیں لفظ کٹان (درہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کے دونوں طرف کی دیواریں بعض جگہ کئی ہزار فٹ کی وی بلندی کو پہنچتی ہے۔ سب سے زیادہ مشہور دریا تے کالورڈیا کا عظیم الشان دمانہ ہے جو چار سو میل لمبا ہے اور جسکی دیواروں کا ارتفاع پندرہ سو میل سے لیکر چہ ہزار فٹ ہے۔ چنانچہ اسی منظر کی طرف مصنف مجموعہ نے متن میں اشارہ کیا ہے۔

پٹیا۔ میرے ملازمنوں سے اس نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ راستہ تو میں دیکھتا ہوں لیکن میری خیر بہنیں معلوم ہوتی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن تین قرآن کی طمع ایسی نہ تھی کہ اسکے مقابلہ میں وہ زرد کو ب کی کچھ پروا کرتا۔ میری ایک ملازم نے اس بیچارے کے چھیننے اور چلانے کی آواز سنی اور سوار کو اس سے مارتے ہوئے دیکھا لیکن یہ سوار ہمیں نہ تو اس کے بعد ملا اور نہ ہم کو اس کا کچھ حال معلوم ہوا وہ غالباً ان مقامات میں حکومت فارس کا کیکہ و تنہا قائم مقام تھا اور ایک کثیر التعداد کاروان کے مقابلہ میں اپنے اقتدار اور شان و شکوہ کے اظہار کا چند آرزو مند نہ تھا۔

### ازبغاں تاپہ واردہ



اکتوبر۔ باوجودیکہ ہماری رہبری کا خمیازہ پہلے ایک شخص اس بری طرح سے اٹھا چکا تھا۔ پھر بھی آج صبح ایک اور بد رقتہ ہمیں مل گیا ایک گمنام ہم اون پہاڑیوں پر چڑھتے اور پھر ان پر سے اترتے رہے جو مریش کی جانب شمال واقع ہیں۔ اور پھر شمال کی طرف رخ کر کے ہم آخر الامور اس راستہ پر ہو گئے جو مشہد سے قلات کو جاتا ہے اس راستہ پر جو ایک عمیق دہانہ میں سے ہو کر گزرتا ہے تاہر بقی کے ستون قائم تھے جن پر اکہرا تار تھا مگر ایسا ڈھیلہ کہ ہمیں وقتاً فوقتاً اپنے سر کو اس کی زد سے بچانے کیلئے نیچے جھکانا پڑتا تھا۔ یہاں کاروان کی وہ شاہ راہ مجبوری جو مشہد سے قلات نادر کی کو جاتی ہے اور جبکہ اکثر انگریزی سیاحوں نے جو نادر کا قلعہ دیکھنے گئے اختیار کیا ہے۔ یہاں سے یہ راہ ایک تنگ اور

لہ جن انگریزوں نے قلات کو دیکھا اور اس کا حال بیان کیا وہ حسب ذیل ہیں:- رفریز نے ۱۸۳۳ء میں بالستوش خان

عینق درہ میں سے ہو کر گزرتی ہے جسکی دیوار میں اسقدر قریب قریب ہیں کہ بعض مقامات پر  
 پر صرف ایک سوار گزر سکتا ہے۔ اس درہ کا نام ”دہانہ پیرزن“ ہے ایران میں جب کسی خاص  
 طور سے زشت و کریہ اور خوفناک منظر کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہو تو اس کو اس عجیب غریب گجھیا کہیں لگا چکا نظر آتا  
 کہ دیکھا نہایت ہی موزون تشبیہ کی وساطت سے ادا کیا جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ میں اس دشوار گزر مقام کو طے کر نیکیے  
 بعد ہم ایک کشادہ تر وسیع تر وادی میں پہونچے جہاں دو ستر کین پہٹ کر مشرق اور مغرب کی سمتیں  
 اختیار کرنی تھیں۔ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ مغرب کی طرف والی سڑک بھی قلات ہی کو جاتی ہے

کے ساتھ مشہد سے قلات جانے کی کوشش کی لیکن مجبوراً اوسے اس کوشش کو ترک کرنا پڑا (کرنل ولینٹائن بیر  
 (۱۸۵۷ء) ”کلاؤٹس ان دی ایسٹ“ (دیکھا مشرق میں) صفحہ ۱۴-۱۵-۱۱۰۔ کپتان آرنیل جی نیپئر (۱۸۵۷ء)  
 ”جرنل آف دی رائے جاگرافیکل سوسائٹی“ جیالیوین جلد ۱ صفحہ ۴۵-۴۶-۱۱۰۔ ۱۵۰۔ سر سی  
 میگلر (۱۸۵۷ء) ”جرنی تہر و خراسان“ (سفر خراسان) جلد دوم صفحہ ۶۲-۳۸-۱۱۰۔ ۱۵۰۔ سر سی  
 ”دی مروادیس“ (گلشن مرو) جلد دوم صفحہ ۸۲۔ کپتان ۱-۷-سی۔ بیٹ (۱۸۵۷ء) ”سفر و خراسان“  
 (سفر خراسان) مندرجہ اخبار ”ڈیلی نیوز“ مورخہ ۲۷ اگست ۱۸۵۷ء۔ مسٹر اسکات می اسپٹون نے بھی ۱۸۵۷ء میں  
 جب وہ سفارت انگریزی متعینہ طہران کے سکریٹری تھے قلات کو دیکھا لیکن اون کی رپورٹ عام طور پر شائع نہیں کی گئی۔  
 لے اس دشوار گزر اور ہیبت ناک تنگ سے کے حصہ زبرین کو جس کی سنگلاخ زمین اور بہی زیادہ نامہوار ہے میں مشہد  
 کو واپس آتے وقت بیان کر دیا اور اوس موقع پر اس کی حیرت انگیز سنواری اور استحکام کے متعلق میگلر  
 کی رائے کا اقتباس بھی درج کر دیا۔

۱۵ دہانہ اور تنگ دو نون فارسی لفظ ہیں جو درہ کے معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں لیکن فرق ان دو  
 کے مفہوم میں یہ ہے کہ دہانہ تو اوس مقام یا جگہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں کے قاعدہ کے مابین واقع ہو  
 اور تنگ پہاڑوں گھاٹی ہے جو دو عموماً چٹانوں کے درمیان ہے۔

لیکن بہت زیادہ ناہموار ہے اور گہوڑے اسپر سے گزر نہیں سکتے۔ دوسرا راستہ البتہ  
 آسان تھا اور اوسے کو عام طور پر مسافر اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے اپنا منہ آفتاب  
 کی طرف موڑا اور مشرق کی سمت میں ایک مرتفع وادی کو طے کرنا شروع کیا۔ قراداغ (کوہ سیاہ)  
 کا سلسلہ ہماری بائیں طرف تھا اور اوسکے چوٹے کے پتھر کے نوکیلے ٹکڑوں کے  
 پہلوؤں پر "جنیہر" بوٹی اگی جوئی تھی۔ اس وادی کے ایک مقام پر جہان ہار اگر ایک  
 بلندی پر ہوا مشرق کی طرف ایک نہایت عالیشان نظارہ ہمارے دیکھنے میں آیا یہاں ٹون  
 کی قطاریں سلسلہ در سلسلہ بتدریج ڈھلتی ہوئیں دریا کے تہذ کے طاس کی جانب (جو کشف  
 رود اور ہری رود کے اتصال سے ترکیب پاتا ہے) اور ترکمانی صحرا کی طرف چلی گئی تھیں  
 اور صحرا کا دھندلا منظر ان کے درپہر پر ایک ہلکے زعفرانی پردہ کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس  
 وادی میں کوئی ڈیرہ گھنٹہ چلنے کے بعد ہمیں ایک مقام پر جو قعۃ بائیں طرف کو مڑنا پڑا۔ اور  
 ایک پگڈنڈی پر سے ہو کر جب کا نام دواہ بونی یعنی گردن شتر ہے ہم پہاڑ پر چڑھے یہ پگڈنڈی  
 ایسی ڈھلوان اور کسی مقام پر سے ایسی ناہموار اور کہیں سے ایسی سلیٹ تھی کہ باوجود پیدل ہونے  
 کے ہم اپنے گہوڑوں کو بڑی مشکل سے اسپر چڑھا کر لیجانے میں کامیاب ہو سکے پہاڑ کی  
 چوٹی پر پہونچ کر ہمیں ایک دوسری وادی نظیر آئی جو اوس وادی کے متوازی تھی جسے ہم  
 ابھی چوڑا آئے تھے یعنی اس کا رخ شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی طرف تھا۔ اس میں ایک  
 چھوٹا سا گاؤں آباد تھا جسکے ساتھ ایک ٹیلے پر ایک ویران قلعہ نظر آ رہا تھا۔ اس سے کچھ  
 دور آگے چل کر واردہ کا بڑا سرخ رنگ کا گاؤں تھا۔

## باغ خان



ن گاؤں کو اپنی بائیں طرف چھوڑ کر ہم تار کے ستونوں کی رہنمائی سے مشرق کی سمت میں قلات کی جانب روانہ ہوئے۔ جبکی افق دوز فسیلیں اب ہلکودھندلی سی نظر آنے لگیں۔ پانچ گھنٹہ تک وقت زین رہنے کے بعد میں کچھ دیر کے لئے ناشتہ کرنے کی غرض سے ایک آب جوے کے کنارے ٹھہر گیا۔ یہ آب جوے وادی میں جو اس مقام پر ایک سنگلاخ گہائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے بہہ رہی تھی۔ مجھے یہاں ٹھہرے ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جن ترکمانوں کو میں یہ ہدایت دیکر پیچھے چھوڑ آیا تھا کہ خچر والوں کو راستہ بتائیں اون میں سے ایک نے آکر یہ جزوی کہ گردن شتر پر چڑھتے وقت ایک خچر پھسل کر پچاس فٹ تک نیچے لڑکھتا ہوا اچلا گیا جس سے اوس کی ایک ٹانگ زخمی ہو گئی یا ٹوٹ گئی۔ مجھے اس خبر کے سننے سے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا کیونکہ بعض مقامات ایسے ہیں جنکو ایرانی خچر بھی بغیر خطرہ میں پڑنے کے عبور نہیں کر سکتے اور بلاشبہ وشک یہ ہیبت کا قدرتی زینہ یعنی گردن شتران میں سے ایک ہے۔ اس بچاری زخمی جانور کو ہم پیچھے چھوڑتے گئے تاکہ ہماری واپسی کے وقت تک اوس کی خبر گیری کی جائے اور دو میل تک گھاٹی گھاٹی چلے گئے حتیٰ کہ اسکے مشرقی کنارہ پر ہم باغ خان کے چھوٹے سے گاؤں اور بوسیدہ قلعہ میں آپہونچے۔

## کوہستانی گھاٹیان

یہاں پہونچکر تار کے ستونوں کا رخ دفعۃً شمال و مشرق کی طرف پلٹ گیا اور



ہمین پہاڑیوں کے ایک کوہان کے عبور کرنے میں جو غلطان و پیمان دور تک چلا گیا تھا اور جس کے دوسرے سرے پر ایک عمیق گہائی شروع ہوتی تھی ایک گھنٹہ لگا اور جب ہم اسکو طے کر چکے تو معاً ایک نیا عظیم الشان نظارہ ہماری نگاہ کے پردہ پر ہوتا ہوا اب ہمیں قلات کے بیرونی حصار کے جنوبی حصہ کے نالی دار برج صاف نظر آنے لگے اور حصار کے اس حصہ میں جو خشکاف ہے اس کے قریب برجوں کا آکر سرنگون ہو جانا بھی ہمکو معلوم ہونے لگا۔ اس سے پرے شمال کی جانب کتر ارتفاع کی پہاڑیاں اس صورت کو پہنچتی ہوئی چلی گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک دریا سے سنگلخ موجیں مار رہا ہے اس سے بھی آگے جب پیک نظر کو میں نے دوڑایا تو مجھے افق کے قریب سمندر کی لاجوردی سطح کی تمثال قراقرم (دیگ سیاہ) کانیکون تختہ بچھا ہوا نظر آیا جسکو میں قریباً ایک ہفتہ پیشتر عاشق آباد میں خیر باد کہہ چکا تھا۔ جہان میں کھڑا ہوا تھا وہاں سے جانب شمال اگر ایک خط مستقیم کھینچا جاتا تو وہ روسی اسٹیشن کاہنگامین سے ہو کر گزرتا جو ماوراء النہری ریلوے پر واقع ہے۔ اسی اسٹیشن یا اسکے قریب کے اسٹیشن دوشک سے ایک سال قبل میں اور میرے ساتھی ریل سے اترے تھے اور بغیر کسی قسم کی تیاری کے ہم نے یہ منصوبہ باندھا تھا کہ چلکر قلات اور مشہد کی سیر کر آئیں۔ یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ گذری تھی کہ جن مقامات کی سیر کا ہم نے عزم کیا ہے اون تک پہنچنے کے لئے ہمیں کس قدر وسیع۔ ہیبت ناک اور دشوار گزار مراحل طے کرنے پڑیں گے اور اس موقع پر روسی حکام نے ہمیں جانے سے روک دیا تھا اور میں نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے اس وقت سے

لیکرا ب تک کئی ہزار میل کا سفر سمت مقابل سے منازل مقصود تک پہنچنے کے لئے کیا ہے۔ الغرض ہم نے اب ایک نہایت ہی ڈیوان اور لمبے اوتار سے نیچے آنا شروع کیا اور چونکہ ہماری بائیں جانب گہائی کا اوتار بعض دفعہ قریباً عمودی ہو جاتا تھا اس لئے ہمیں یہاں زیادہ تر پیدل چلنا اور اپنے گہوڑوں کو لگام تھامے ہوئے ساتھ ساتھ اپنے پیچھے پیچھے لانا پڑا۔ درہ کا پہلو سے مقابل رنگین چکنی مٹی کے اجزائے جگے اور پتھر پتھر کی برجیاں اور مینارے سر اوٹھائے کھڑے تھے مستور تھا۔ اور جب ہم نے اس عجیب و غریب اور بوقلمون نظارہ کا تماشا دیکھا تو ہم کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا پہاڑ کو کسی میلے یا جشن کی تقریب میں ایک مختلف الاوان جامہ جس میں ارغوانی اور کاسنی رنگ کی کھارین ٹکی ہین پہنا دیا گیا ہے۔ اس گہائی میں تیر کثرت سے موجود تھے اور چار چار چھہ۔ آٹھ آٹھ کی ٹکڑیوں میں دیکھنے میں آتے تھے۔ کسی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ فراٹا بہر کھارے قدموں کے نیچے سے اوڑھے مگر سو گڑ سے زیادہ دور نہیں جاتے تھے۔ اور حقیقت میں اونکو اوڑھنے کے مقابل میں چلنے میں زیادہ آسانی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ پہاڑ کی نوکیلی اور عریان چوٹیوں پر گلہریوں کی طرح پھرتے تھے۔ اُتار کے نیچے اگر ہم ایک سیل کی خشک تہ میں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک سنگلاخ طہین میں سے یہ اوس و دی میں آئندہ ہوئی جو وادی قلات سے پہلے کی ایک وادی

لے سینے سارے دریائی یو اسٹون (سنگ زرد) کے درہ کے جو شمالی کریمین واقع ہے پتھر اور مٹی میں اور کہیں ایسے شخ قدیم رنگ نہیں دیکھے۔

کے پہلے آتی ہے۔ یہاں پہونچ کر تار برقی کے ستون اور راستہ دہننی طرف کو مڑ گیا  
 لیکن چونکہ اب دو پہر ڈھل گئی تھی اور ہمارے جانور ماندہ و خستہ ہو رہے تھے لہذا ہم  
 بائیں طرف کو پلٹ کر ایک بڑی ندی کے کنارے کنارے ہو لئے جو وادی کے بیچ  
 مین بہ رہی تھی اور چناروں اور سفید و ن کا سبز طرہ او سکی کلنی مین لگا رہی تھی۔ اس وادی  
 کے منہ پر ایک دیو قامت چنار کا درخت ایک چٹان کی جڑ مین سے جہاں کسی امام زادہ  
 کا مزار تھا اگا ہوا تھا۔ اس درخت کی شاخوں پر کثرت سے مینڈھوں کے سینگ لٹک  
 رہے تھے جنہیں خوش اعتماد مسلمان زائرین نے اس خانقاہ پر تعظیم و تقدس کی  
 اسی طرح کی اور علامات کے ساتھ چڑھاوے کے طور پر چڑھایا تھا۔ ڈیڑھ میل کی مسافت  
 طے کرنے کے بعد مین موضع اسرچہ (یا آب گرم) کی چوٹی سی گوشہ گرین بستی مین پہونچا  
 جسکی وجہ تسمیہ یہ کہ اسکے قریب گرم پانی کے کچھ چشمے ہین۔

### آب گرم

چونکہ میرے خچر جن پر سب سامان تھا بہت پیچھے رہ گئے تھے اور اگر غروب آفتاب  
 سے پہلے وہ منترل پر پہونچ بھی جاتے تاہم اونکے آنے کے لئے کئی گھنٹے درکار تھے  
 لہذا مین نے مقدر کر لیا کہ کم از کم ایک رات تو ضرور کسی ایرانی جہونپڑے مین گزارنی چاہیے  
 لیکن اسرچہ کے باشندوں نے ایک اجنبی کو دیکھ کر اظہار مسرت نہیں کیا اور نہ اپنی مہمانداری  
 کا ثبوت دید اول تو اوہوں نے یہ بیان کیا کہ نہ تو ہم تمہارے جانوروں کے لئے چارہ  
 بہم پہونچا سکتے ہین اور نہ تمکو شب باش ہونے کے لئے کوئی مکان دے سکتے ہین۔ مگر

کچھ رد و قدح کے بعد ایک گاؤن والے نے کچی مٹی کی ایک کوٹھڑی جو خالی تھی میرے حوالے کی۔ اور میرے بدن پر جقدر کپڑے تھے ادھنیں کی مدد سے جس طرح مجھ سے بن پڑا میں نے شب باش ہونے کیلئے تہیا کیا۔ خوش قسمتی سے کوئی ساڑھے دس بجے رات کے خچران پہنچے جبکی وجہ یہ تھی کہ ایک بد رقل گیا تہا جس کی مدد سے وہ صحیح و سلامت پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔

## قلات میں داخل ہونیکا امکان



دو دن میں جن دیسی لوگوں سے میری ملاقات ہوئی اون سے قلات میں داخل ہونے کے امکان کے متعلق نہایت متفنادر و لاتین میرے سننے میں آئیں بعض تو یہ کہتے تھے کہ جو شخص چاہے قلات میں جا آسکتا ہے اور بعض کا یہ بیان تھا کہ پہاڑ پر سخت پہرہ رہتا ہے اور کسی اجنبی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دیا جاسکتی۔ پس اب یہ سوال پیش آیا کہ مجھے کس ہمیں قلات کے اندر جانے کی کوشش کرنی چاہیے میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس قدر زحمت اٹھا کر یہاں تک آنے کے بعد لوٹا دیا جاؤں لیکن سائنس میں کوئی ایسی بات بھی نہیں کرنی چاہتا تھا جس سے معلوم ہونے پر شبہ پیدا ہو

۱۰ جنرل اینکٹ نے اذن ادا میں مجھ سے یہ پوچھا تھا کہ مشہد کو کوجان کی راہ سے جانے کے بجائے کیون آپ کا ہکا اور قلات تادری کا زیادہ دلچسپ ماسہ اختیار نہیں کرتے۔ جنرل موصوف نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ روسی افسروں کو خود اون کی گورنمنٹ کی طرف سے داخل ہونے کی ممانعت ہے لیکن ایک انگریز کو کوئی نہیں روکے گا۔

یا انگلستان کی آبرورہ حرف آئے۔ جو کچھ کہ بعد میں میرے دیکھنے میں آیا اسکی بنا پر مین قیاس کرتا ہوں کہ رات کے وقت گھوڑے پر سوار قلعہ کے اندر چلا جاتا قرین امکان ہوتا گو کہ اس امر کی نسبت یقینی طور پر مین کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال چونکہ مجھے اپنے ارادہ کا اخفا منظور نہ تھا اور بے ضرر و بے ضرر ہونے کے باعث وہ محتاج اخفا بھی نہ تھا لہذا مین نے قصد کر لیا کہ روز روشن مین قلعہ کے پہانک پر (اگر کوئی پہانک موجود بھی ہوا) جاؤں گا اور بلا فراخمت داخل ہو سکا تو خیر ورنہ ہرگز داخل ہونے کا قصد نہ کروں گا اسکے علاوہ اس نواج مین میرے موجود ہونیکا واقعہ ایسا نہ تھا کہ کسی نہ کسی وقت عام طور سے معلوم نہ ہو جاتا اور اسلئے تبدیل لباس یا اخفا کی کوشش مین گوعاصنی طور پر مجھے کامیابی بھی ہو جاتی تاہم آخرین جا کر راز افشا ہو جاتا۔

### ہمارا قلاستے کے قریب پہونچنا

۱۸ اکتوبر ساڑھے چار بجے صبح کے مین اٹھا اور پانچ بجے چاند کی چاندنی مین روانہ ہوا کیونکہ دس میل کی کڑی منزل میرے سامنے تھی۔ وادی اسرچو کے اوس مقام تک آکر جہاں ہم کل اسمین داخل ہوئے تھے ہم نے ندی کے بہاؤ کا رخ اوسکے کنارے کنارے اختیار کیا جو یہاں شمال کی طرف پلٹ کر ایک تیرہ ونا سنگلاخ گہائی میں جو دربنہ جیو کے نام سے مشہور ہے داخل ہوتی تھی۔ اس گہائی کی تیر گون دیواروں کے درمیان ہکو اپنا رستہ ندی کی تلیٹی کے اندر اور کبھی اوسکے باہر ٹوٹتے ہوئے جانا پڑا۔ چاند ہمارے سر پر بعد آب و تاب چمک رہا تھا اور ہمارے سامنے نبات الغش متانت و وقار کے

ساتھ جھلار ہی تھیں۔ گہائی کے مخرج پر ایک ویران اور بوسیدہ قلعہ کھڑا تھا۔ راستہ  
اب چوڑا ہوتا ہوا ایک سطح اور کشادہ وادی پر جا کر منتهی ہو گیا۔ ایک عجیب و غریب ٹیکرا  
جسکے گریبان کو قدرت نے تشخ کی حالت میں چاک کر ڈالا تھا ہمارے دیکھنے میں آیا۔  
اس کے ٹکڑے وادی کے عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس کے طبقات حجرہ کچھ  
عجب طرح سے بل کھائے اور جھکے ہوئے تھے۔ کہار کے پہلو سے نفت آمیز پانی کی  
نہرین نخل ٹھکرندی میں جالنتی تھیں جسکی سطح پر سے ہلو دیکھ کر جنگلی بطخوں کی ایک ٹکڑی شور  
مچاتی ہوئی اوپر کو اڑی۔ اس وادی کو ہم نے نصف طے کیا تھا کہ آفتاب نکلنا اور اس کی  
روشنی میں ظلمات کی جزوی دیوار اپنی دہنی جانب ہلو نظر آئی۔ یہ چٹان کی ایک رفیع و عظیم الشان  
قد رتی تفصیل تھی جو وادی کی سطح سے اٹھ کر سات یا آٹھ سو فٹ کی بلندی تک چلی گئی تھی چوٹی  
پر یہ تفصیل تختہ کی طرح مسطح تھی لیکن اس کے پہلو جو بالکل عمودی اور ناقابل نفوذ تھے کہہ دو  
اور نالی دار تھے۔ چار دفعہ میں اس رفیع الشان سد کے نیچے ادھر سے ادھر گزرا اور ہر دفعہ  
میں نے یہ خیال کیا کہ جو قدرتی مناظر میرے دیکھنے میں آئے ہیں اون میں یہ سب  
سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اس کے بیرونی ڈھال یا پشتے نہایت ڈبلوان چٹانوں اور  
سنگلاخ دندانوں پر مشتمل ہیں اور وادی پر سے ابھرتے ہوئے اس کے پہلوؤں کی طرف  
بڑے بڑے ہین اداوں کی شکل بلور کے عظیم الشان انباروں سے ملتی ہے جن کی نسبت بظاہر جو گمان  
ہو سکتا ہے کہ اوپر سے پتھر پھینک پھینک کر یہ ڈھیر لگا دئے گئے ہیں جس مقام پر یہ قدرتی  
پشتے ختم ہوتے ہیں وہاں سے چٹان دیوار کی طرح سیدھی اپنی ہوائی بیچوں تک اٹھی

ہوئی چلی جاتی ہے۔ چونکہ یہ دیوار قلات کا جنوب و مشرق کی طرف سے احاطہ کرتی ہے لہذا صبح کے وقت سورج کی شعاعیں اس پر نہیں پڑتیں بلکہ یہ سایہ میں چھپی رہتی ہے۔ البتہ شام کے وقت جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو سنگ سرخ اور سلی ترچی کر نون کے تلے سنگ سماق و سنگ یشب کے ستونوں کی طرح جگمگا اڑھتا ہے اور فصیل کا یہ تمام حصہ پہلو سے آتش معلوم ہوتا ہے۔

### دروازہ ارغوان شاہ

ادی کے اتار کے رخ میں آتے وقت جہان کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ یہ کچھ دور آگے ایک مقام دیکھا تھا جہاں سنگلاخ فصیل کی سطح چوٹی دفعۃً خلاصہ محض پر منہتی ہو گئی تھی اور روس کا تسلس بظاہر کسی دروازے یا شکاف کی وجہ سے رک گیا تھا۔ جب ہم اس مقام کے قریب پہونچے جو اس گہائی سے قریب سا تیل کے تھا جس میں سے ہو کر ہم وادی کے اندر داخل ہوئے تھے تو وادی کے پہلو سے شروع ہو کر حتیٰ کہ تھوڑی دیر میں وہ راستہ قریب آگے کہ صرف ایک تنگ سارا راستہ باقی رہ گیا۔ جس پر ندی کی تہ نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اس قدر ہی گذر گاہ کو ایک یاد و دفعہ پیچ و خم کہا کر طے کرتے ہوئے ہم ایک چٹان کی دہلیز کے قریب پہونچے جہاں عرض کوئی بیس گز ہوگا اور جسے ایک دیوار نے بالکل سدود کر رکھا تھا۔ اس دیوار میں اگر کوئی منفذ تھا تو وہ تین محراب نما درتھے جن میں سے ندی گزرتی تھی اور قلات کے اندر جانے والے کے لئے اگر کوئی پہاٹک تھا تو وہ یہی محرابین تھیں۔ محرابوں کے اوپر دیوار کا جو حصہ

تھا اوس میں مورچے بسے ہوئے تھے اور ایک کنگورہ دارفصل بھی اوس پر موجود تھی لیکن اسکے اوپر کوئی شخص موجود نہ تھا اور زندگی کی کوئی علامت ہرگز نظر نہ آئی۔ یہی وہ مشہور و معروف پہاڑ ہے جسے درہند ارغوان شاہ کہتے ہیں۔ ارغوان شاہؒ نے جو ہلاکو خان کا پوتا تھا ابتداً اس درہ کو مستحکم کیا اور اوس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ایک مرتبہ اوسے اوسکے چچا احمد خان نے لڑائی میں شکست دی تو وہ قلات میں آکر قلعہ بند ہو گیا پہاڑ سے گزر کر گمانی ٹکی دہنی دیوار پر چٹان کے ایک صفائی کے ساتھ تراشے ہوئے حصّہ پر ایک خوشنما کتبہ ثبت کیا ہوا نظر آتا ہے جس میں یہ واقعہ مندرج ہے۔ موجودہ دیوار حال میں بنائی گئی ہے۔ اس سے پہلے کی دیوار تاج شاہ کی تیار کرائی ہوئی تھی جو میری وائٹ میں بہت زیادہ مستحکم تھی۔

### میراداخل ہونا معلوم ہو جاتا ہے

اب مجھے یقین ہو گیا کہ میرے تمام وسوسوں و خطرات بے بنیاد تھے۔ چنانچہ میں نے ندی کی تلیٹی میں گھوڑا ڈالا۔ اور رمضان علی خان۔ گریگوری اور شکر اسد کو کہ وہ بھی گھوڑوں پر سوار تھے اپنے ہمراہ لئے بیچ کی محراب میں سے اندر داخل ہوا۔ کسی شخص نے وہاں آکر

۱۵ یہ شاہنشاہ جسے ایل ایران ارغوان شاہ کہتے ہیں گرجو عام طور پر ارغوان شاہ کے نام سے مشہور ہے  
 ۱۶ ۱۲۸۴ء سے ۱۳۰۹ء تک تاجدار کا فرمانروا رہا۔ یہ وہی حیرت انگیز شخص ہے جسکے پاس قبلائی خان فغوز  
 چین نے مارکو پولو کو ایک تاناری عروس اوس کی پیشکش کے لئے ساتھ دیکر بھیجا تھا۔ سلاطین یورپ کے  
 ساتھ جن میں شاہ ایڈورڈ اول بھی شامل تھا اوسنے سیاسی روابط قائم کئے۔ اپنے باپ آبا قخان کی طرح اوسکا  
 میلان بھی مذہب عیسوی کی طرف تھا اور مسلمانوں کو اوس نے تمام سرکاری خدمتوں سے نکال دیا تھا۔



میں نہیں روکا۔ کچھ دیر مجھے ارعوان شاہ کے کتبہ اور ایک گول برج کے دیکھنے میں لگی۔  
 جہاں تک سیوہت اوپر پہاڑ کے ایک بلند مقام پر بنا ہوا تھا۔ کوئی سو گز کا فاصلہ گاؤں کے مکانوں  
 کی طرف جو گھاٹی کے دونوں طرف واقع تھے میں نے طے کر لیا ہو گا کہ دفعۃً پہاڑ کے  
 جسے ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے کسی کے بے تحاشا چلانے کی آواز بلند ہوئی اور ایک تہہ  
 حال سپاہی جو ابھی تک نیم خوابی کی حالت میں تھا۔ اپنا پھٹا پڑا سونے کر رہتا اور پوری آواز  
 سے چلاتا بھاگتا ہوا ہماری طرف آیا اس کے جواب میں کچھ اور آوازیں بھی آتی شروع ہوئیں  
 اور تھوڑی دیر میں دیواریں سے جو فی الحقیقت ایک فوجی برج تھا اور جس کے اندر دریچے  
 لگے ہوئے تھے نیم ملبوس شخصوں کی ایک گونا گون جماعت جس کے کپڑے پھٹے پڑنے  
 تھے غلنی شروع ہوئی۔ البتہ کہیں کہیں شیر اور آفتاب کے نقش سے مزین کسی بٹن کی جھلک  
 تیلی سرخ دھاری کی پتلون کے ساتھ نظر آجاتی تھی جس سے مجھے معلوم ہوا کہ میں شاہ کجکلاہ کی  
 سر بازیا باقاعدہ پیدل فوج کے ایک حصہ کے سامنے کھڑا ہوں۔

### پہرہ والوں کے ساتھ تمیر امکا لمہ

چونکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ فساد ہو جائے اور چونکہ سپاہی اپنا فرض ادا کر رہے تھے  
 کہ اس قدر غفلت ضرور اون سے سرزد ہوئی کہ قریب تھا کہ میں اون کے بیچ میں سے  
 اون کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نخل جاذون لہذا میں ٹھہر گیا اور اون سے میری گفتگو  
 شروع ہوئی۔ اول اول تو اونہوں نے نہایت سختی سے کام لیا اور یہ کوشش کی کہ ہمارے  
 گھوڑوں کی نگاہیں پکڑ کر گھینچتے ہوئے واپس لے جائیں لیکن جب میں نے اون کو



در بندارغوان شاه

سمجھایا کہ بغیر اجازت کے سر ارادہ آگے جانے کا نہیں ہے تو وہ ذرا دھیمے پڑ گئے۔  
 مین نے ان سے یہ دریافت کیا کہ تم لوگوں کا سر کردہ کون ہے اور کہاں ہے۔ مگر معلوم  
 ہوا کہ ایسا کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا۔ اسکے بعد مین نے پوچھا کہ خان قلات کہاں ہے  
 اسکا جواب سمجھے یہ ملا کہ خان اپنے گاؤں مین ہے جو یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر  
 واقع ہے۔ اس پر مین نے شکرا سند کو جو ایرانی ہونیکے باعث شبہ سے پاک تھا ایک سپاہی  
 کے ساتھ جو اس کے پیچھے اس کے گھوڑے پر سوار ہو لیا خان کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ  
 مین فلان شخص ہوں اور اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ مجھ کو قلات کے سچے مین سے  
 گزر کر دوسری طرف جانے دیا جائے یا اگر وہ اپنی ذمہ داری پر مجھے اجازت نہ دے سکے  
 تو پھر شہد تار دیکر اجازت منگوادے۔

### جماعت سرباز کا برتاؤ

ایرانی کو خان کی طرف سے بھیجے گئے مین پہانک پر سپاہیوں سے باتیں کرتا رہا سردی  
 شدت کی تھی کیونکہ سورج کی کرنوں کے اس دراز تک پہنچنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے  
 اس لئے مین نے کچھ ایندھن مول لیا اور لاؤ جلا لیا۔ جب ادھون نے سنا کہ مین انگریز ہوں  
 تو ان کا کہنا تھا کہ تم ہو گیا اور ادھون نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ اگر تم روسی ہو تے تو جوت  
 تم گھوڑے پر سوار دروازہ کے اندر داخل ہوئے تھے اسی وقت ہم تم کو گولی مار دیتے  
 مگر مین نے یہ سوال کر کے ان کو بے ضرورت دق کرنا نہیں پسند کیا کہ جب تم نے مجھ کو  
 دیکھا تک نہیں تھا تو میری قومیت کا حال تھا کہ کس طرح معلوم ہو سکتا تھا یا جب تم لمبی تانے

سورہے تھے تو مجھے گولی کس طرح مار سکتے تھے۔ ادھونون نے یہ بھی بیان کیا کہ سال گزشتہ ایک روسی قلات دیکھنے کی غرض سے آیا تھا اور اوسنے ایک ایرانی کو زرد و کوب کی مگر ایرانیون نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اُس کی خوب گت بنائی۔ اسپر وہ تین سو ترکمانوں کو ہمراہ لیکر انتقام لینے کی غرض سے واپس آیا مگر جب ہم اون سے برسرِ معارضہ ہونے کے لئے باہر نکلے تو روسی اپنے ترکمانوں کے ساتھ پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد ادھونون نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ شاہ کے سب سے بڑے بیٹے ظل السلطان نے ایرانی لباس ترک کر کے انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے اور بو شہر سے جہاز پر سوار ہو کر لندن کا عزم کیا ہے؟ میں نے اون سے دریافت کیا کہ قلات میں تم لوگوں کی کس طرح بسر ہوتی ہے اور یہاں لہتاری نوکری کا کیا حال ہے۔ ادھونون نے جواب دیا کہ یہاں کا پانی نفست کی آمیزش کے باعث نہایت درجہ بضر صحت ہے اور ہم اس کی وجہ سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ ادھونون نے مجھ سے یہ بھی شکایت کی کہ باوجودیکہ ہم تین مہینے میں اپنی موجودہ سخت سے بکدوش کئے جانے والے تھے لیکن پھر بھی ہم پانچ مہینے سے یہاں پڑے ہوئے ہیں اور اس عرصہ میں ہمکو ایک جہہ تنخواہ نہیں ملی۔ مجھے ان کم بخت مصیبت کے ماروں کی حالت پر جن کی نسبت سپاہی ہونے کا تصور اوسی اعتبار سے کیا جاسکتا ہے

۱۵ قلات کا مضر صحت ہونا مشہور ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا اسکا باعث جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اسکے ذریعے آبرسان کا ناقص ہونا ہے یا اور کوئی سبب جب کرنل ویلنٹائن بیکر مشاعرہ میں یہاں آیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کی ہادی آئیس (ایک قسم کا بھاری مین زخم پڑ جاتا ہے) کی وجہ سے بہت کم ہو گئی تھی اور حقیقت میں جو سپاہی کہ یہاں

جس لحاظ سے کسی کنجڑے کا گدھا ڈاربی کی گھوڑوڑ کی شہر طبعیت ہوئے گھوڑے کے  
مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بے اختیار تاسف آتا تھا۔

## خان کا جواب

یہ گھنٹہ کامل انتظار دیکھا کر شکر اللہ واپس آیا اور بولا کہ خان نے کہا ہے  
کہ آپ حاکم مشہد کو تار دیکر اجازت طلب کیجئے اگر وہاں سے جواب با صواب آئے  
تو آپ قلات میں سے گزر سکتے ہیں۔ یہ سنکر مجھے اطمینان ہوا کیونکہ میں بھی چاہتا تھا  
چنانچہ میں نے جا کر کرنیل اسٹوارٹ کے نام تار لکھا کہ حاکم مشہد سے مل کر میری درخواست  
پیش کیجئے اور جو جواب ہو اوس سے جہاں کو بذریعہ تار اطلاع دیجئے۔ لیکن اب ایک تازہ  
مشکل پیش آئی اور وہ یہ کہ کوئی آدمی ایسا موجود نہ تھا کہ پیغام تار برقی کو فارسی حروف میں لکھ دے  
عوام الناس لکھنا پڑھنا نہیں جانتے جب وہ نہیں خط لکھتا ہوتا ہے تو کسی کاتب سے  
اجرت دیکر لکھوا لیتے ہیں۔ قلات میں صرف ایک ہی منشی تھا اور وہ اس وقت ایفون کے  
نسخہ میں بیچر سو رہا تھا۔ میرے اصرار پر بصد وقت اوسے جینجوڑ جینجوڑ کراٹھا یا گیا اور آخر الامر  
وہ آٹکین ملتا ہوا آیا اور جس تار کو میں نے آدھے منٹ میں لکھا تھا اوسے فارسی حروف  
میں لکھ دیئے میں اوسے آدھا گھنٹہ لگایا۔ میں نے اب چاہا کہ ایرانی کو مشہد سے جواب آئی  
کا انتظار کرنے کے لئے تار گھر میں چھوڑ کر خود اپنے خیمہ کو چلا جاؤں لیکن گریگوری نے  
جسے اہل ایران کی خصلت اور سیرت سے کما حقہ آگاہی تھی مجھ سے کہا کہ ابھی مشکل رفع نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۲۔ متین ہن اوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ بیمار رہتی ہے۔

ہوئی اور اس لئے بہتر ہوگا کہ ابھی آپ انتظار فرمائیں۔ میں نے اوس کی اس نصیحت پر عمل کیا اور پہانک کے دوسری طرف جا کر ٹھہر گیا۔

### امیرانی چالین



ایک گھنٹہ کے بعد شکار تہہ نے آکر یہ خبر سنا لی کہ تار کے لینے سے اس بنا پر انکار کر دیا گیا کہ سلسلہ تار برقی مشہد اور قلات کے درمیان کسی مقام پر سے لوٹ گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں خان کا ایک قاصد گھوڑے پر سوار میرے پاس آیا اور بہت سی توہمیں گہڑ کر اوسنے اپنی چرب زبانی اور سانی کے بہت کچھ جوہر دکھائے اور مجھ کو ایرانیوں کی عادت و سیرت کی دلچسپ سیر کا موقعہ دیا۔ اول تو اوسنے یہ بات دہرائی کہ تار لوٹ گیا ہے لیکن جب میں نے یہ جواب دیا کہ اگر ایسا ہوتا تو خان نے خود مجھ سے یہ بات نہ کہی ہوتی کہ آپ تار دیجے۔ اس پر اوسنے اپنی منطق کا رخ بدل دیا اور کہنے لگا کہ تار ٹوٹا تو ہمیں مگر زمین سے مس کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں نے اوس سے کہا کہ زمین پر لگنے سے تو پیغام رسانی کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ایک اور انوکھی حجت اوس نے میرے سامنے پیش کر دی اور وہ یہ کہ خان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ مشہد کو تار پہنچیں بلکہ خان یہ چاہتے ہیں کہ آپ طہران کو تار دیں۔ چونکہ قلات سے طہران تک مشہد کے باوا سلسلہ کے علاوہ براہ راست کوئی علیحدہ سلسلہ تار برقی قائم نہ تھا۔ لہذا اوس کا یہ جھوٹ آسانی سے ظاہر ہو گیا لیکن مجھے اس امر کے تسلیم کے بغیر چارہ نہیں کہ اب جو فوراً ہی اوسنے چوتھا جوٹ گہڑ کر میرے سامنے پیش کیا اوسکی تردید کے لئے میں آمادہ نہ تھا

اب کی دفعہ شرمندہ یا محجوب ہوئے بغیر نہایت مہیا کی سے اونٹن مجھ سے یہ کہا کہ خان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ شہد یا ظہران کو تاروین بلکہ اون کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ شہد کو واپس جائیں تو وہاں پہونچکر تاروین۔ چونکہ فن دروغبانی میں ایسے یکتاے روزگار سے باتون میں بازی لے جانے کی کوشش کرنا محض لاجئ حاصل تھا لہذا میں نے اس کوشش کو ترک کر دیا مگر پھر بھی میں نے اس امر پر زور دیا کہ خان سے شہد کو تاروین کے متعلق جو درخواست میں نے کی ہے اور اس کا جواب مجھے ان نہیں میں ملنا چاہیے۔ غرض کہ فیصلہ اس بات پر ہوا کہ گریگوری جو شکر اس کے مقابلہ میں خدمت سفارت زیادہ اچھی طرح سے انجام دے گا سوار ہو کر گاؤں کو واپس جائے اور میرے سوال کا معین جواب خان سے لائے۔

### دوید و جہید و حبست و بہ رفت

یہ تمام واقعہ در بندار عنوان شاہ کے باہر سوگڑ کے فاصلہ کے اندر پیش آیا میں گریگوری کو ہدایات دے ہی رہا تھا کہ ایرانی جو گہوارے پر سوار ہو چکا تھا وقفہ گہوارے کو مہینر لگا کر محراب میں سے ڈپٹ کر پہرے والوں کو یہ پکار کر کہتا ہوا اٹھا کہ کسی کو اندر داخل ہونے نہ دینا۔ جب گریگوری کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کو اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجبوراً مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور قلات نادری کے اندر روتی حصہ کی سیر کرنے کے متعلق جو کوشش سینے کی تھی اس کا اس بے آبروی سے خاتمہ ہوا۔ اس وقت شکر اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں تار لیکر گیا تو تار منشی تار لینے

ہی کو ہٹا کہ اتنے میں خان کے بیٹے نے آکر کہا کہ خان کا حکم ہے کہ ہرگز کوئی سارنہ بھیجا جائے  
میں نے سرزمین ایران میں داخل ہونے سے پہلے ایرانوں کی حیلہ بازی کا بہت کچھ حال  
سنا تھا مگر مجھے یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ دو ہفتہ کے اندر ہی ایسی محنتی مثال میرے دیکھنے میں  
آئے گی۔ اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو برتاؤ میرے ساتھ کیا گیا اس کی وجہ سے میں برہم و آشفتہ  
ہو آیا مشرقی چال بازی کی جو مثال اس نے میرے سامنے پیش کی اس کی وجہ سے مجھے حفا  
حاصل ہوا۔

### مشہد میں ایک افواہ

اس واقعہ کے ایک دلچسپ نتیجہ کا ابھی ظہور ہونے والا تھا۔ کیونکہ جب میں  
تین دن بعد مشہد پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ حاکم مشہد بڑے جوش کی حالت میں تھا جسکی  
وجہ یہ تھی کہ اسے خان صداقت نشان نے یہ اطلاع دیدی تھی کہ جدید برطانوی نائب  
قونسل نے ایک مسلح جماعت کے ساتھ آکر بحیر قلات نادری میں داخل ہونے کی کوشش  
کی اور سپہرے کے سپاہیوں پر تلواریں کھینچی لیکن سپاہیوں نے بھی اپنا فرض بہادری اور  
شجاعت سے ادا کیا اور اپنے مخالفین کو پکپا کیا۔

### دیوار پر کمند لگا کر چڑھنے کی کوشش

۹ اراکتوبر میں نے اس نواح سے روانہ ہونے کے قبل قلات کے اندر داخل  
ہونے کے لئے ایک دفعہ اور کوشش کرنیکا قصد کیا۔ میگلریر کی کتاب پڑھنے سے  
مجھے معلوم ہوا تھا کہ ارغوان شاہ اور نفتا کے دو خاص منافذ کے سوائے اور بھی



بعض ایسے راستے ہیں جنکے ذریعہ سے قلات میں داخل ہو سکتے ہیں چنانچہ ہر مقام آب  
 گرم ایک شکاری نے ہم سے کہا بھی کہ مجھے ان میں سے ایک راستہ معلوم ہے لیکن  
 میں خود بہ خوف افشا آپ کو وہاں لے جا نہیں سکتا۔ البتہ میرا ایک بہتجا ہے جو علی الصبح  
 یہاں آکر آپ کو میرے بجائے بدرقہ کا کام دے گا۔ مگر جب صبح کا وقت آیا تو بہتجا جب  
 قسار داد دیر وزہ موجود نہ تھا اس سے اور نیز ایک اور واقعہ سے جو شام کے وقت  
 پیش آیا مجھے یقین ہو گیا کہ نواح قلات میں میرا موجود ہونا شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتی  
 لگا ہے۔ وہ واقعہ یہ تھا۔ شام کے وقت جب میں ایک کچی مٹی کے جھونپڑے میں بیٹھا  
 ہوا مصنان علی اور گریگوری سے سفر آئندہ کی تجاویز کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو میں نے  
 چھت پر کچھ سرسراہٹ سی سنی اور جب آنکھ اٹھا کر مینے اوپر دیکھا تو ایک آدمی جو چہرے کے  
 ایک سوراخ میں کان لگائے ہماری باتیں سن رہا تھا مجھے نظر آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص  
 قلات سے اسی غرض سے آیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ کوئی رہبر مجھ کو نہ ملا اور اسلئے مینے بغیر درقہ  
 کے روانہ ہونے کا قصد کر لیا۔ میں نے قلات کی طرف آتے وقت وادی میں سے  
 ایک مقام ایسا دیکھا تھا جہاں پر سے قلعہ کی جنوبی دیوار کی تفصیل کا ہموار اور مسلسل خط  
 مستقیم ایک نزاد پر منہتی ہو کر معنی ہو گیا تھا اور انگریزی حرف v کی شکل بناتا تھا۔ اور ایسا  
 معلوم ہوتا تھا کہ اون قدر تیز ڈھلان پستی بانوں میں سے ایک کی راہ سے جو میدان سر  
 اس دیوار کی تائید کے لئے اٹھے ہوئے چلے گئے۔ تبہ اس تک رسائی ممکن ہے  
 جس شخص نے یہ بیان پڑھا ہے وہ اگر قلات حیا کے تو وہ وادی قلات کے وسطی نقطہ

سے اس مقام کو ضرور شناخت کر لیا۔ مین کچھ رات رہے ساڑھے تین بجے اٹھا خچر وٹ  
 پر سامان لا دیا گیا۔ اور ہم سب اسرچہ سے صبح کاذب کی تاریکی میں جبکہ کڑکڑاتی سردی پڑ رہی  
 تھی ساڑھے چار بجے روانہ ہوئے۔ نیمہ وخرگاہ کو تو در بند جوڑے مین نے دارودہ کی  
 منزل کی طرف روانہ کر دیا اور خود گھوڑے پر سے اتر کر اور اوسے دامن کھسار میں چبڑا کر  
 پھسار میں برچہ بٹھانا شروع کیا۔ اگرچہ پہاڑی نہایت ڈھلوان تھی لیکن مجھے اس کی  
 زمین پیمائی کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اور میں بہ آسانی فصیل کی کنگرہ دار سنگلاخ چوٹی  
 کے نیچے پہنچ گیا۔ اس مقام پر چٹان کو جو رافقی دھاریوں کی شکل میں فصیل کی چوٹی کو  
 ساتھ متوازی چلی گئی تھی کسی نے (غالباً نادور شاہ نے) تراش کر ایک مستطیل چبوترہ کی  
 شکل کا راستہ تیار کیا تھا جسکے کنارے کنارے حفاظت کے لئے گول برجیان بنی  
 ہوئی تھیں جواب دیران تھیں۔ اس قسم کے چبوترے دو تھے۔ ایک نیچے تھا اور دوسرا  
 اوس سے اوپر تیس فیٹ کے فاصلہ سے واقع تھا۔ مین نیچے والے چبوترہ پر چڑھتا ہوا  
 اوس مقام تک جا پہنچا جہاں حرفت ۷ کی شکل کا خلا تھا۔ اوپر اب تیس فٹ کی چڑھائی  
 اور باقی تھی۔ مگر چٹان نہایت ہی ڈھلوان اور سلیٹ تھی۔ اس وقت میں تنہا تھا اور اگرچہ  
 اس پر چڑھنے کو تو چڑھ جاتا لیکن یہ مقام کچھ ایسا خطرناک تھا کہ نیچے اترنے میں مجھے  
 بڑی مشکل پیش آتی۔ اس لئے میں نے اوپر چڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک دوست  
 کی مدد اور ایک رسے کے ذریعہ سے میں نے بہ آسانی اس مشکل کو حل کر لیا ہوتا مگر قلات  
 کے اندر کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اوسکی بنا پر میں نہیں کہہ سکتا کہ دیوار پر سے جو منظر

میری نگاہ کے سامنے آتا وہ ایسا ہی دلاویز ہوتا جسکی اس دیوار کی بیرونی شکل و صورت سے توقع کیجا سکتی ہے۔

## قلات کے دور کا نظارہ بلندی پر سے

حال میں داپسی کے وقت اس نواح کے بلند ترین پہاڑ پر جب کانام مجھے معلوم نہیں لیکن جبکی بلندی قلات کے حوالی کے ارتفاع سے بدرجہا زیادہ ہے چڑھا اور وہاں سے میری آرزو میں غلامت توقع اس حد تک پوری ہو میں کہ گو مجھے زاویہ نگاہ کے بہت زیادہ انفراج کے باعث قلات کی اندرونی سطح نظر نہیں آتی تاہم اس کی دونوں طرف کی دیواروں کا دور مشرق سے لیکر مغرب تک مجھے پورا نظر آگیا۔ جنوبی دیوار جس پر میں نے چڑھنے کی کوشش کی تھی اس بلندی سے جہاں میں کھڑا تھا شمالی دیوار کے مقابلہ میں بہت تر معلوم ہوتی تھی۔ شمالی دیوار دو سہ پطرت کو اسکے اوپر اٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس مقام سے میں نے بلا وقت پوری جنوبی فصیل کو میں میں تک ایک خط مستقیم میں کہنچا ہوا دیکھا۔ یہ دیوار ایسی سیدھی اور باقاعدہ طور پر چلی گئی تھی کہ گمان ہوتا تھا کہ اگر عداً ایسا بنایا گیا ہے اور اسکے عمودی پہلو چوٹی سے لیکر اس مقام تک جہاں سے پشتیان ناچٹائیں ڈلتی ہوئی وادی تک چلی آئی تھیں کمزورے اور ڈیلوان تھے۔ اگر کوہستان اولپٹس کے مہادیوتا جو بطر کے ساتھ جنگ کرتے وقت دیوپیکر ٹائٹن کسی

۱۵ یونانی صنم پرستی کی روایات میں یک جگہ آیا ہے کہ ٹائٹن یوریناس دیوتا کے چہرہ دیو قامت بیٹے اور اس قدر بیٹیاں تھیں جن کی لڑائی یورینوس یا جو بطر سے ہوئی جو مہادیوتا تھا۔ یہ لڑائی ایک عرصہ دراز تک جاری

ایسے قلعہ کی تعمیر کی ضرورت محسوس کرتے جہاں محصور ہو کر وہ اپنے حریت کے حصول کی مستقل مدافعت کر سکتے تو وہ اسی قسم کا سنگلاخ حصن حصین تیار کرتے پہاڑ کے چوٹی پر جہاں میں کھڑا ہوا تھا میں نے قلات کے پورے دور کا ایک خاکہ کھینچا جو مقابل کے صفحہ پر درج ہے۔ سامنے کے پہاڑوں کا سلسلہ دادی اسرچہ کو ادس دادی سے جدا کرتا ہے جو ارغوان شاہ کے دروازہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

### قلات کی تاریخ

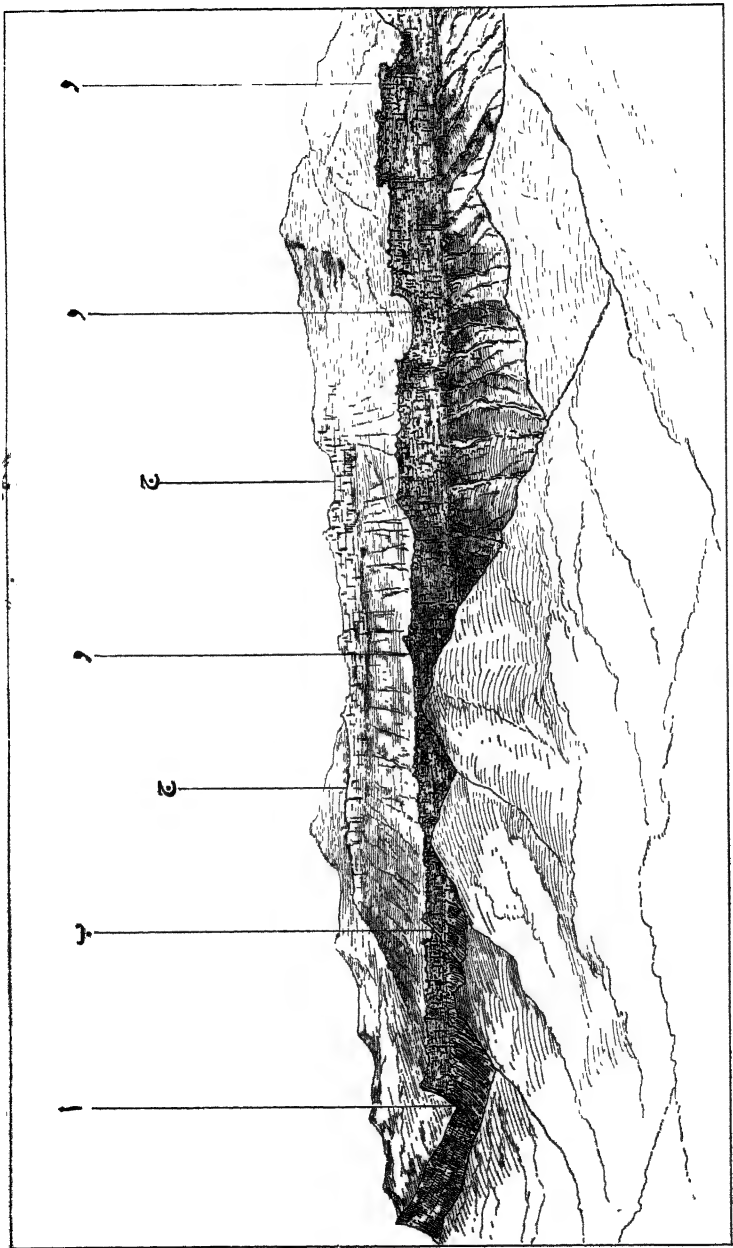
کچھ میرے دیکھنے میں آیا اس کو اس قدر وضاحت اور باریکی سے بیان کرنے کے بعد میں اب اون امور سے بحث کرتا ہوں جو میرے دیکھنے میں نہیں آئے لیکن جبکہ مجھے ایسے ذرائع سے علم ہوا جن تک عام طور سے لوگوں کی رسائی نہیں ہوئی۔ میرا مقصد اس سے یہ ہے کہ میرے ناظرین کے ذہن میں قلات نادری کی حالت موجودہ کا صحیح تصور جاگزیں ہو جائے۔ ناظرین کو یہ بات اب تک معلوم ہو چکی ہوگی کہ قلات نادری کا لفظی ترجمہ ہم نے قلعہ نادر شاہ کیا ہے اور لوگ عام طور سے اسے کہتے بھی یہی ہیں تاہم اسے لفظ قلعہ کے عرفی مفہوم کے اعتبار سے قلعہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ حقیقت میں

خاصیہ متعلقہ صفحہ ۲۷۹ - رہی اور آخر کار جو پل نے بجلی کے ذریعے اپنے حریتوں کا استیصال کر کے انہیں تاریکی میں جو قدیم یونانیوں کے مذہبی عقیدے کے مطابق اون کے دوزخ کا طبقہ اسفل اسافلین ہے مقید کر دیا۔ اس روایت کو ہمیں فلاسفہ نے مجازی طور پر عقل و ترتیب اور قدرت کی دخیانہ تو تون کی باہمی کشاکش کی علامت سے تعبیر کیا۔ مترجم

۱۵ اگرچہ جو نقشہ میں نے دیا ہے وہ بھی مکمل نہیں تاہم میرے خیال میں سرسنگری کے نقشہ سے یہی قلات کی صحیح صحیح کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔

۱- درہندراخوان شاہ      ب- جہان مین نے اورچہ پٹنہ کی کوشش کی تھی۔      ج- قلات کی شمالی دیوار      د- قلات کی جنوبی دیوار

## قلات تادوری کا نظارہ بلندی پر سے



ایک کوہستانی سطح مرتفع ہے جسکا اوسط ارتفاع سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ ہوگا۔ اس کو جابجا غار اور دھانے قطع کرتے ہوئے چلے گئے ہیں۔ اسکا کل طول ۲۰ میل اور عرض پانچ سے لیکر ۷ میل تک ہوگا۔ قلعہ کی تعمیریت اس پر صرف اس حد تک صادق آتی ہے کہ یہ وسیع قطعہ زمین جسکا رقبہ غالباً ۵۰ مربع میل ہوگا چاروں طرف عمودی اور عریان چٹان کی ایک عظیم الشان قدرتی دیوار سے جسکی بلندی وادی کی سطح سے سات سو سے لیکر ایک ہزار فٹ تک ہوگی گہرا ہوا ہے۔ ابتدائی زمانہ سے اس مقام کی حیرت انگیز اور خلافت عادت نوعیت نے جو ضرور ہے کہ قدرت کی کسی انوکھی کرشمہ سنجی کا نتیجہ ہو اس نواح کے باشندوں کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کیا۔ ایرانی روایت کی رو سے یہی وہ مقام ہے جہاں رستم پہلوان اور افراسیاب کی تورانی فوج میں لڑائی ہوئی اور بیان کیا جاتا ہے کہ فوج توران بہادران ایران کے ہاتھوں شکست کھا کر قلات سے نکل بہاگی اور دریائے جیحون کی طرف پسا ہوئی جہاں اسے آخری مرتبہ شکست فاش ہوئی۔ قلات ہی میں فروز کی کے شاہ نامہ کے مطابق کیخسرو کا بہائی فروز آکر قلعہ بند ہوا یہاں تک کہ طوس نے آکر اس پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا جس کتبہ کا مین نے حوالہ دیا ہے اس سے ثابت ہوتا کہ محصورین کے لئے بچاؤ کے ایک عمدہ مقام ہونے لحاظ سے چنگیز خان کے منسل جانشینوں کو اس کا علم تھا۔ تیمور کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اسے گہات پا کر حرکت علی سے اس پر قبضہ کر لیا۔

## نادر شاہ کا اسے مستحکم کرنا



کہیں نادر شاہ کے زمانہ میں جا کر اس کی بے بہا قدرتی خوبیوں سے استفادہ کیا گیا نادر شاہ جب ہندوستان سے کسی بادشاہوں کے مال غنیمت کے انبار اور سلاطین مغلیہ کے خزانوں کی بے انتہا دولت اپنے ساتھ لا کر واپس لایا تو اسنے قلت کو جیسے وہ پکین سے اچھی طرح جانتا ہوگا۔ ایک ایسا لاجواب مخزن پایا جہاں یہ تمام گنجینہ جمع کئے جاسکتے تھے اور جہاں جنگ و جدل کے لئے بھی ایک ایسا مقام مل سکتا تھا جو ناقابل محاصرہ تھا۔ چنانچہ اسنے اس کے تمام منافذ پر قلع بندی کی ہر ایک چوٹی اور ہر ایک غلبہ کے مقام پر پہرے کے برج نصب کئے۔ سنگلاخ فصیلوں کو رسائی کی حد سے اور دور کرنے کے لئے اندر اور باہر کی طرف سے مصنوعی طور پر اور زیادہ ڈھال دیدی۔ اپنے رہنے کے لئے اندر ایک چبوترہ پر مکان بنوایا (گرگرا سمین وہ بہت کم رہتا تھا) اور عمدہ پانی بہم پہنچانے کے لئے بڑے بڑے تالاب کھدوائے۔ اور ایک نہر کے ذریعہ سے تازہ پانی کے لانے کا انتظام باہر سے کیا۔

## میسل بطور نیر

قلات کی جو حالت نادر شاہ کے زمانہ میں تھی اسکی صرف ایک ہی ایسی کیفیت مجھ کو معلوم ہوئی ہے جسے ایک ایسے سیاح نے بیان کیا جو خود وہاں موجود تھا۔ اس شخص کا بیان ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔ یہ نہیں کہ محض سے سنائے واقعات پر او سنی

۱۱ نادر شاہ محمد آباد کے قریب جو محلہ ضلع مرکز کا صدر مقام ہے ایک خیمہ میں پیدا ہوا۔

یقین کر لیا ہو۔ یہ کیفیت بیسل بططنز نامی ایک یونانی تاجر کی سرگزشت میں مندرج ہے جس نے اہلارویں صدی کے شروع میں فارس اور وسط ایشیا کے بعید ترین حصوں کا سفر کیا اور خیرا اور بچارا تک جا کر مشہد میں نادر شاہ کے حضور میں باریابی حاصل کی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا روزنامہ چھ چوہڑے کے لحاظ سے انوکھی مگر عبارت کے لحاظ سے قرین فہم یونانی زبان میں لکھا گیا ہے اور مورخین کو بالکل معلوم نہ تھا جنہوں نے زبانی شہادت کے مواد سے انیسویں صدی کے آغاز میں قلات کے غلط سلط حالات قلبند کئے اور اس مقام کی نسبت ناظرین کے ذہن میں غیر واقعی تصورات بٹھا دیے جن کی تصحیح بیکر

۱۵ اس سفر نامہ کو موسیو شفر نے اپنی تنقید اور اہتمام سے ۱۸۸۶ء میں بطبع کیا۔ بیسل بططنز یا جیسا کہ اس کے فرانسیسی مدیر نے لکھا ہوا، بیسل ویٹس نے نادر شاہ کی سول و عمری ہی قلبند کی مگر اس کا اس پر پتہ نہیں چلتا۔

۱۶۔ مثلاً میکم نے کثیر کے حوالہ سے اس مقام کو حسب ذیل بیان کیا ہے۔ (جسے اس کے کہ میں اس مقام کا اردو میں خود ترجمہ کروں میں نے مناسب سمجھا ہے کہ تاج ملک کا جو فارسی ترجمہ مرزا اسماعیل حیرت مرحوم پر وفیسر الفنسٹن کالج بمبئی نے کیا ہے میں اس سے اس مقام کا اقتباس کروں) قلات قریب ایک درجہ در شمال مشرق در راہ۔

مرزا جہان در جائے واقع است کہ آن را از در کوہ گویند و اطراف آن ہمہ کوہستان است و آن کوہے است بسیار بلند و فقط در راہ تنگ و از بعد از آنکہ بعد از رفتن میل بالائی روند سطح نموداری شود کہ قریب دوڑوہ میل محوطہ آفتاب

دیشمہ ہائے خورد بسیار دارد و غلہ و برنج در آنجا بہ فراوانی حاصل می شود۔ سکنہ آنجا در چار زندگی نمی کنند۔ فقط عمارتے کہ درین سطح نیکی آئیں بہ نظری آید و در برج عمارت کو چھکڑہ درجہ کہ تار ہا کردہ است بہرہا چھت ہی وقت و غلہ بہرہیت

مقام خود نادر ساختہ بود۔ و چون سطح تزیں و راہا کردہ بہرہ قدر پانزدہ میل دیگر بالا روند بہ قلعہ کوہ می رسند۔ در آنجا سطح دیگر بہ نظری آید کہ اگر چہ بہ بزرگی قطعہ اول نیست اما در حاصل خیزی بہ آن بہرہی می کنند۔ از تاج ایران مولدہ سر جان ملک

مرزا جہان حیرت۔ جلد دوم۔ باب ۱۷ صفحہ ۳۳۰۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۲۵ء۔



اور گل کے شہ نام کے سفر قلات تک نہ ہوئی۔ ۱۶۲۸ء میں بططریز بنجار اسے لوٹتے وقت قلات کی راہ سے مشہد آیا اور اس نے قلات کے بیان پر اپنے روزنامہ کی ہم وطن (۴۸۰ - الی - ۸۲۲) صرت لیکن میں وہ کہتا ہے کہ پہاڑ یہاں اس قدر بلند ہیں کہ اون تک رسائی محال ہے اور یہ مقام گویا ایک عظیم الشان دیوار سے گہرا ہوا ہے جو نہ صرف درختوں سے معرا اور چٹیل ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سنگ مرمر یا پیتل کی ایک ترشی ہوئی دیوار اسکا دور ۳۰ یا ۵۰ اسٹیڈیم ہے (جو چند غلطیاں اس نے کی ہیں ایک اون میں سے یہ بھی) اور اس میں داخل ہونے کے صرف دو راستے ہیں جن کی قطع بھل بہتیاں کی سی ہے۔ دیکھو والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ان راستوں کے بنانے کے لئے جن میں بوقت واحد صرف تین سواروں یا پیدلوں کے گرنے کے جگہ ہی پہاڑوں کو زلزلہ نے شق کر دیا ہوگا۔ قلات کے اندرونی حصے کے متعلق (جو اس وقت نادر شاہ کی پوری فوج سے اپنی موجودہ حالت بالکل مختلف تھا) وہ صرف اسی قدر کہے گا کہ اس میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو قدرتی نعمتوں کی شکل میں انسان کو مطلوب ہیں۔ اور کسی چیز کے کہی باہر سے لائے بغیر اس میں ہر ایک مایحتاج کے ہم پوچھنے کی استعداد موجود ہے بططریز یہ بھی بیان کرتا ہے کہ نادر شاہ نے یہ قصد کیا تھا کہ قلات میں اپنا خزانہ رکھا کرے۔

### زمانہ مابعد کی تاریخ

۱۶۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل ہو جانے کے بعد قلات موجودہ خان کے خاندان

۱۵ اسٹیڈیم فاصلہ کا یونانی پایہ ہے جو ۵۸۲ انگریزی فیٹ کے مساوی ہوتا ہے مترجم

کے قبضہ میں آگیا۔ چنانچہ اوس وقت سے لیکر آج تک معاً ایک یعنی اوس کوہستان کے جو ترکمانی دشت کی طرف ڈھلتا ہوا چلا گیا ہے یہ قلعہ اسی خاندان کے قبضہ میں چلا آیا ہے قلات کے خان برائے نام ایران کے باجگذار رہے۔ کبھی کبھی اونہون نے اپنی خود مختاری کا بھی اظہار کیا جسکے باعث ایک سے زیادہ دفعہ مشہد سے تعزیری فوج اونکی گوشالی کے لئے بھیجی گئی۔ اسی لئے قبیلہ کے سردار کو مشہد میں بطور یرغمال کے رکھا جاتا رہے تاکہ اودکا قائم مقام قلات میں سرکشی نہ کرنے پائے۔ جب سے روس نے ۱۸۸۱ء میں ایک کو فتح کر لیا ہے اور بعد میں روس و ایران کی اس نواح کی سرحد دونوں طاقتوں کے باہمی معاہدہ کی رو سے معین ہوئی ہے اوس وقت سے قلات کے مصنافات کا اکثر حصہ مثلاً ابی ورد (جواب کا ہکا کہلاتا ہے)۔ مھتا۔ چاروہ۔ (جواب دوشک کے نام سے موسوم ہے) اور چاچا۔ گویا کہ وہ تمام دیہات جو اس سلسلہ کوہ کے شمالی قاعدہ پر واقع ہیں۔ روس کے حیطہ اقتدار میں چلے گئے ہیں اور جیسا کہ میں آگے چلکر دکھاؤں گا روسی بتدریج کوہستان کے پہاڑوں پر ریگتے ہوئے اوسکی چوٹی کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انجام کار وہ خود قلات میں پہنچ جائیں گے۔

### قلات کا ایران کے زیر فرمان ہونا

ناصرالدین شاہ نے اپنی سلطنت کی قوتوں کو ایک مرکز میں لا کر جمع کرنے کی جو حکمت علمی اختیار کی ہے اوسکے ساتھ ساتھ قلات کا اپنی مصنافات سے محروم ہو جانا اور اپنے اقتدارات کو کوہ بیٹھنا اوسکے پورے طور پر محکوم اور مطیع ہو جائیکہ باعث ہوا چنانچہ

موجودہ خان - حاجی ابوالفتح خان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ گزرے گی کہ اوس سرکشی اور مطلق العنانی کو اپنا وتیرہ بنائے جو اوس کے پیشروؤں کا مسلک تھا۔ قلات میں گوہرمنٹ ایران کی طرف سے کچھ فوج متعین ہے اور یہ اوس بلٹن کا ایک حصہ ہے جو مشہد میں مامور ہے۔ برائے نام اس وادی میں پانچ سو سربازوں کی جمعیت اور گھوڑوں کی توپخانہ میں سے دو توپیں موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ دربارِ غوان شاہ پر میں نے دیکھا تھا اوس کے لحاظ سے مجھے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں اس قدر جمعیت یہاں موجود رہتی ہے۔ کیونکہ جس طرح اون شرائط کی پابندی نہیں کی گئی تین کی رو سے یہ جمعیت تین ہزار بعد اپنی خدمت سے سبکدوش کی جاتی اوسی طرح اس جمعیت کی حقیقی تعداد کے قایم رکھنے کو بھی مد نظر نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ یہ مقام قدرتی طور پر حد سے زیادہ مستحکم ہے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ یہ لحاظ اوس جمعیت کی پراگندہ اور تباہ حالت کے جو یہاں مامور ہے۔ اسے غنیمت جیوت چاہے ایک ہی دھاوے میں سر کر سکتا ہے۔ اسکی مورچہ بندی کی یہ کیفیت ہے کہ دس منٹ کے لئے ہی آجکل کے توپخانہ کی تاب نہیں لاسکتی۔

## قلات کی حربی حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ قلات اپنی موجودہ حالت میں حربی لحاظ سے ایران کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں اور اگر یہ مقام روس کے قبضہ میں چلا جائے تو میرے نزدیک اوسکی لئے بھی اس کا قبضہ چند ان سود مند نہ ہوگا۔ احتمال اس امر کا متقاضی نہیں کہ آئندہ کوئی فاتح ناوہ کی طرح قلات کو ایک مستحکم گنجینہ قرار دے گا۔ اور نہ آج کل کا کوئی ماہر فن حرب ایک ایسے

احاطہ کو مستحکم کرنے کا خیال دل میں لائے گا جبکہ دور ساڑھے میل سے اوپر ہو۔ قلات کی اصلی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں سے ماوراء النہر پر چڑھ کر تے وقت فوجی نقل و حرکت کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اگر اس کے منافع پر ایک قوی جمعیت مامور ہو اور ایک طاقتور فوج اس کے اندر محصور ہو تو یہ ہر زمانہ میں ایک ایسے غنیم کیلئے جو اٹک کے نشیب ہائے زیرین پر صفت آرا ہو غار پہلو ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہاں سے اگر ایک فوج مخالفت چاہے تو بلائے ناگہانی کی طرح ماوراء النہر ریلوے پر جا گرے اور روس کے سلسلہ تعلقات کو بحیرہ احقر سے منقطع کر دے۔ لیکن دولت ایرانی کی یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا تو کیا اس سے نصف بہادری کا کارنامہ بھی انجام دے گی۔ اور اسلئے نادر کا قلعہ کبھی بھی وہ مقام نہیں بنے گا جہاں سے ایرانی فوجین نکل کر جرمنل ایننگاف کی ریلوے پر حملہ آور ہو سکیں۔ اگر روسی قلات کو لے لیں جس کی ادھنیں از حد خوش معلوم ہوتی ہے تو رعے کے اعتبار سے ادھنیں بے انتہا فائدہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ نادر کے زمانہ سے لیکر اب تک قلات خراسان کی سب سے بڑی فوجی چوکی سمجھی گئی ہے۔ قلات کے قبضہ سے روسیوں کو ایک بہت ہی عمدہ گودام مال اور فوجی ذخائر کے جمع کرنے کے لئے ہاتھ آجائیگا اور نیز اسکو وہ فوج کی ایک محدود تعداد کے لئے اسلحہ سامہ بنا سکیں گے۔ محدود کا لفظ اسلئے استعمال کیا گیا کہ تعداد کثیر کے لئے نہ تو ذرائع آبرسانی ہی کافی ہیں اور نہ کافی رسد ہی بھج سکتی ہے۔ اسکے علاوہ ایک یہ بہت بڑا سببی نفع ادھنیں حاصل ہوگا کہ ایسی زیر دست اور مستحکم جگہ کو وہ دشمن کے ہاتھ میں پڑنے

نہ دین گے۔ لیکن اگر خراسان پر حملہ آور ہونے کے لحاظ سے اس کی سود مندی پر نظر ڈالی جائے تو تین تین نہیں سمجھ سکتا کہ روسیوں کو اس سے نفع ہو گا کیونکہ مشہد پہونچنے کے اور بھی راستے جو زیادہ آسان ہیں اونکے لئے موجود ہیں اور اسکے علاوہ زمانہ حال کی کوئی فوج اون ہیئت ناک درون اور پر خطر گھاٹیوں کو جو چالیس میل تک ان دونوں مقامات کے درمیان پہیلیتی ہوئی پہلی گئی ہیں اپنی سلامتی کا فیصل نہیں قرار دے سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قلات کی حملہ آوری کی آنکھ جنوب کی طرف نہیں بلکہ شمال کی طرف نگران ہے اور چونکہ سطوت و اقتدار کا رخ سمت اول الذکر میں ہے اسلئے بعد ازیں ہے کہ ہم اسے پھر بھی بطور ایک اسلحہ خانہ کے استعمال میں آتا ہوا دیکھیں۔

### قلات کے پانچ دروازے

قلات نادری کی حربی حیثیت پر جب قدر میں بحث کر چکا وہ کافی ہے۔ اب میں اس کی اندرونی ہیئت کذائی کا کچھ حال بیان کرتا ہوں جس زمانہ میں بیکرا اور میکرا گیر نے اسے آکر دیکھا اوس سے قبل اس کا بہت کم حال لوگوں کو معلوم تھا جس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ فریز نے محض سماعی شہادت کی بنا پر اس کی کیفیت قلمبند کی اور وہ بھی بدرجہ غایت مختصر۔ اسنے اسکے طول اور عرض دونوں کو اصل سے دو گنا بتایا ہے۔ اس کے اندر اون پانچ دروازوں میں سے ایک کے ذریعہ سے داخل ہوتے ہیں جن میں سے دو خاص دروازے یہ ہیں:- جنوب کی طرف دروازہ ارغوان شاہ اور شمال کی طرف دروازہ نفتا۔ باقی کے تین دروازے کُشتانی۔ چوبست اور دہ چاہ ہیں جو علی الترتیب

جنوب و مشرق۔ مغرب اور شمال و مغرب میں واقع ہیں۔ ان تمام دروازوں کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان پر مورچہ بندی ہے اور فوجی جمعیت ان کی حفاظت کے لئے متعین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دو خاص دروازوں کے متعلق یہ قول البتہ صحیح ہے۔ بہت سی پگڈنڈیاں بھی ہیں (نویان کی جانی ہیں) جن کے ذریعہ سے اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور مجھے ذرا شبہ نہیں کہ اسکے وسیع دور میں چرواہوں کو ضرور ایسی پگڈنڈیاں ملی ہوں گی جن کے ذریعہ سے کوہِ مشکل ہی سہی لیکن اسکے اندر پہنچ ضرور کئے ہوں گے۔ بہر حال اس کی بہت ظاہری اور تیز مشہور و معروف مناقہ کی قلت جو یہی گہائیوں میں واقع ہیں۔ جنہیں آسانی کے ساتھ مسدود کیا جاسکتا ہے اس عام خیال کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ پہاڑی قلعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجائبات قدرت میں سے ہے۔

## آبادی

باشندے زیادہ تر پلا سیر اور بنجرات قوم کے ترک ہیں۔ اسکے علاوہ کچھ عرب اور کردی خاندان بھی یہاں آباد ہیں انکی مجموعی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ ان کی آبادی اون دو بڑے دیہات پلچو اوس وادی میں واقع ہیں جس میں وہندی جسکے کنارے کنارے میں آیا داخل ہو کر قلات کو ملے کرتی ہے اور چھ چوٹے چھوٹے موضعوں پر جو مرتفع میدانوں میں واقع ہیں مشتمل ہے۔ دو بڑے دیہات میں سے سینہ ارغوان شاہ کو دیکھا جو اسی نام کے دروازے سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر درہ کے دونوں طرف آباد ہے۔ دوسرا گاؤں جسکا نام گیوک گنبد (ترکی میں اسکے معنی گنبدِ آسمان

کے ہین (یا جاگنبد) سے جسے مقامی طور پر اختصار کر کے گوگنبد بنا لیا گیا ہے اسی دروازے سے دو میل کے فاصلہ پر وادی مین واقع ہے۔ ادنیٰ وہ مقام ہے جہاں مینے شکر ائمہ کو دود فٹہ خان سے ملنے اور تار بھیجنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہاں ایک عجیب و غریب مذہب بروج سرخ بھر بھرے پتھر کا ہے جسکی بیرونی سطح پر نالی دار ستون ایک بہت بڑی مشین کرسی دیکر بنائے گئے ہین۔ اسے مقبرہ نادری کہتے ہین جسے نادر شاہ نے (نہیں معلوم کس غرض سے) تعمیر کیا تھا اور اب اوسمین خان سکونت پذیر ہے۔ گوگنبد سے ندی چھ میل تک اوسی وادی مین بہتی ہوئی جاتی ہے جو قلات کو جنوباً شمالاً قطع کرتی ہے اور ایک سنگلاخ تینگتا سے مین سے ہوتی ہوئی قلات کی شمالی دیوار کے پاس پہنچ کر ایک در زمین سے گذرتی ہے جو ارغوان شاہ کے شگاف کے مشابہ ہے جسپر اوسی طرح سے مورچہ بندی کی گئی ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے اوسی طرح سے فوج بھی مامور ہے اور جسے اوسی کے مانند ایک دیوار نے مسدود کر رکھا ہے جسمین ندی کے گزرنے کے لئے محراب نما در رکھے گئے ہین۔ ندی گہائی مین سے ٹھکر پست تر پہاڑیوں کے دامن مین سے گذرتی ہے اور بالآخر ووشک کے انچ کے کہتیوں کو جا سیراب کرتی ہے۔

### آثار و ترمیم

علامہ نادر کے برج کے جو گوگنبد مین واقع ہے اس تاجور کی دو اور یادگارین یہاں

۱۔ میکلیگر نے اپنی کتاب "جرتی تہر و خراسان" (سفر خراسان) کی جلد دوم مین صفحہ پر اس کی تصویر

دی ہے۔

موجود ہیں جو زیادہ ممتاز نہیں۔ گاؤں کے شمال و مغرب کی طرف ایک کشادہ سطح تفرق پر ایک مکان کے کھنڈر پائے جاتے ہیں جو غالباً اوس کا محل تھا اور جس کا نام عمارت نادری ہے۔ سب سے زیادہ وسیع اتنا ایک احاطہ کے ہیں جو دیوان خانہ کے نام سے موسوم ہے اور کوئی بیس گز مربع ہو گا۔ اس کی پرہی طرف بہت سے سیاح جاتے جاتی کہ خشت کی چوٹی پر پہونچے ہیں جو متذکرہ صدر سطح سے پندرہ سو فٹ اور سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلند ہے لیکن سیلگرید کی یہ رائے تھی کہ دوسرے پہاڑ ایسے ہیں جہاں سے زیادہ خوش آئند اور خوش نما نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ تار کے بنائے ہوئے تالابوں اور مہرون کا ذکر پیشتر کیا جا چکا ہے۔

### زراعت اور ذرائع آب رسانی

اوڈونونوں نے قلات کو ریسلا کی جانفزاوادی سے تشبیہ دی ہے لیکن اگر اسے کچھ مدت کے لئے اسکی چار دیواری کے اندر مقید رہنے کی مزا دیجاتی تو غالباً وہ اس تشبیہ کو بدل دیتا۔ قلات کے مجموعی اندرونی رقبہ کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ زیر کاشت ہے اور اوس ندی کے علاوہ جبکا ذکر اوپر اکثر کیا جا چکا ہے پانچ اور چھوٹے

۱۵ ریسلاں بھکستان کے مشہور و معروف حکماء و دانش ورش ادیب ڈاکٹر جانسن کا ایک ناول ہے حسین ڈاکٹر صاحب موصوف نے افسانہ کہ پیرایہ میں ایک خیالی سرزمین کا حال بیان کیا ہے جہاں کے باشندہ مکو اسن و اطمینان کے ساتھ ایک فہم و دانشمند حکمران کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کرنے کی نعمت حاصل رہتی تھی یہ خطہ شادابی اور زرخیزی میں اپنی آپ ہی نظیر تھا۔



چھوٹے چشھے یہاں پانی پہونچا تے ہن۔ پانی کی اس قلت کی وجہ سے زیادہ آبادی  
یا ایک بہت بڑی جمعیت اس قلعہ میں نہین رہ سکتی البتہ اگر باہر سے پانی لانے کا انتظام  
کیا جائے تو ایسا ممکن ہے۔ اندرونی حصہ کی زراعت دور قیون پر محدود ہے۔ ایک تو  
وہ وادی جس میں ندی بہتی ہے اور ایک سطوح مرتفع۔ اول الذکر خطہ میں ندی کے کنارہ  
اور نیز ہموار جگہوں میں دہان۔ کپاس۔ لوسن گھاس۔ انگور۔ خربزے۔ اور کھیرے  
پانی کے جان بخش اثر سے شادابی کے ساتھ نشوونما پاتے ہن۔ بلند زمین پر جو وادی  
کی تہ سے ایک ہزار بلکہ ڈیڑھ ہزار فٹ بلند ہے جو اور گیہوں بوئے جاتے ہن۔ قلات  
کے اندر درخت یا جھاڑیاں بہت ہی کم ہن اور کسیت یا کیفیت کے اعتبار سے گھاس  
بھی عمدہ نہین ہو سکتی کیونکہ لوگ اپنے ریوڑوں کو چرانے کے لئے اکثر باہر بھیجتے ہن۔  
پس اسی مقام کی نسبت یہ کہنا کہ یہ ایک مرغزار ہے جو چٹیل پہاڑوں اور آتشبار ریگستانوں  
کے درمیان میں واقع ہے۔ غلط ہوگا۔

### مراجعت بہ واردہ

یہاں سے میں مشہد کو واپس پھرا پہلی منزل اوس راستہ پر واقع ہتی جس میں پہلے  
ٹلے کر چکا تھا اور جو قلات اور واردہ کے مابین واقع ہے۔ فاصلہ پانچ فرسخ بیان کیا جاتا ہی  
مگر میں اسے بیس میل سے زیادہ نہ کہوں گا۔ میرا خیمہ ایک بلندی پر گاؤں کے باہر نصب  
کیا گیا اور یہاں میں نے اوس خچر کو دیکھا جو گردن شتر سے نیچے لڑھک پڑا تھا جس اتفاق  
سے اسکی ٹانگ لٹنی ٹنہ تھی بلکہ اوس میں سخت مہج آگئی تھی۔ رات بھر سردی میں کھڑے

رہنے سے پیارے کی ٹانگ ایسی اڑ گئی تھی کہ اوس سے دو قدم بھی نہیں چلا جاتا تھا  
**منزل کاروہ**

- اکتوبر - ہم کاروہ کی طرف روانہ ہوئے جس کا فاصلہ نام کو تو سات فرسخ ہو  
 لیکن میرے حساب سے ۲۶ میل سے زیادہ نہیں۔ سفر کا ابتدائی حصہ اوس مقام تک  
 جہاں بلغار کی طرف سے وہ بغلی گہائی آتی ہے جکا ذکر پیشتر ہو چکا ہے مجھے دوہرا نا پڑا۔  
 کیونکہ اسی راستہ کو مین تین دن قبل طے کر چکا تھا۔ یہاں سے ہم تار کے ستونوں اور ندی  
 کے کنارے کی رہنمائی سے جو پورے درہ میں پہلی ہوئی ہے آگے بڑھے۔ اس جیچہ پر  
 اور عودی ادھانہ کو ہم کسی میل تک بصدوقت و زحمت طے کرتے رہے۔ کبھی تو ہم کو اون ٹیکڑوں  
 اور چٹانوں پر سے گزرنا پڑتا جو ندی کی تہ میں جا بجا موجود تھے۔ کبھی ایک تنگ سے  
 شکاف میں مقید ہونا پڑتا اور کبھی ان تمام وحشت زما مقامات کو طے کر کے  
 ہم دفعتاً ایک خوبصورت سی پر فضا وادی میں نکل آتے۔ میگلر گر  
 جو بحیثیت ایک سپاہی ہونے کے کوہ وادی و صحرا کی نسبت رائے زنی کرنے کا  
 اچھا لکھ رکھتا تھا، اوسے شہد سے لیکر قلات تک کی سڑک کے اس حصہ کے حالات  
 اپنے معنی خیز عبارت میں خاص طور سے حسب ذیل بیان کئے ہیں۔ میں نے یقیناً کوئی  
 حصہ ملک قدرتی طور پر اس درجہ مستحکم نہیں دیکھا جیسا کہ وہ علاقہ جو سٹیس میں تک  
 کاروہ اور واروہ کے درمیان چلا گیا ہے۔ یہ علاقہ ناقابل محاصرہ دھاتوں اور درون کی  
 گویا ایک مسلسل قطار ہے جن میں سے ایک بھی اس راستہ کی شہرت کے لئے کافی

سے . . . . . اس علاقہ کو دیکھ کر یہ گمان نہیں ہوتا کہ جو کچھ ہمارے  
دیکھنے میں آیا۔ وہ عالم بیداری میں تھا بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ  
’خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا‘۔

راستہ میں ہم ایک بہت بڑے پتھر کے پاس سے گزرے جو ایک ہزار فیٹ بلند  
ٹیکڑے کے اوپر تھلا رکھا ہوا اور کوہ پنج منہ (۱۶ سیر) کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی وجہ سے  
یہ ہے کہ ایک ظریف الطبع بادشاہ نے ایک دفعہ اپنے کسی درباری سے کہا تھا کہ اس  
بے حقیقت پارہ سنگ کو جو ہوا میں معلق ہے اپنی عقل کی میزان خاراخچ میں تولدے  
کچھ دور آگے چل کر بائیں طرف کو راستہ سے میں فیٹ بلند ایک بہت بڑی چوٹے کے پتھر  
کی چٹان کی ترشی ہوئی سطح پر زبان عربی و فارسی ایک کتبہ ہمارے دیکھنے میں آیا جس میں اس  
فخ کا حال مندرج ہے جو شیبانی محمد خان ازبک فاتح بخارا نے کفار ایران پر ۹۱۶ھ میں  
حاصل کی اس کے بعد ہم ایک چوٹے سے گائون میں پہونچے جہاں نام عجے ہرک یا  
وہرک بتایا گیا۔ یہاں درختوں کے ایک جھنڈ کے رُوح پر در سایہ میں ندی کے کنارے  
میں کچھ دیر ستانے کے لئے ٹھہر گیا۔ اسی کہانی میں اور چھ میل کا سفر کرنے کے  
بعد ہم نے دیکھا کہ داوی بتدیج چوڑی ہو کر ایک کپلے میدان کی شکل میں بدل گئی جس کے  
سرے پر کاروہ کا بڑا گاؤں درختوں سے گہرا ہوا آباد ہے۔ یہ ایک حقیر سی جگہ ہے لیکن  
کم از کم یہ امتیاز اسے ضرور حاصل ہے کہ یہاں ایک چوٹے سے علاقہ کا سردار رہا کرتا ہو۔

## مشہد تک کی سڑک



- اکتوبر - جو پہاڑیان وادی کا ردھ کے گرداگرد حلقہ زن ہین اون کا دامن پکڑ کر مشہد کی سڑک ایک تنگ دہانہ میں داخل ہوتی ہے جسے در بند کا ردھ کہتے ہیں۔ اس دہانہ کے اندر ندی اپنی لہر یا چال کے ساتھ درہ کی عمودی دیواروں کی پانڈی کو کرتی ہوئی جا رہی تھی دونوں طرف پہاڑیوں کے زیرین پہلوؤں پر عظیم الشان کنگرہ نما چوٹیاں جو ہزار سے لیکر ڈیڑھ ہزار فٹ تک بلند ہوں گی۔ خلا سے باتیں کر رہی تھیں۔ جو جو حیرت انگیز منظر گذشتہ ہفتہ کے اثنائے میں میرے دیکھنے میں آئے۔ اس گہائی کا وحشت زائشکوہ اون میں ہو کسی سے کم نہ تھا اور درہ کر میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ وہ لوگ جو جہاں الپس کے درون کی تعریف میں ہر ذرہ دہائی کیا کرتے ہیں (گو وہ درے برف اور بچ کے لاثانی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں) کیون نہوں اگر وہ نہیں ایسٹ پاکی اس ان دیکھے گوشہ میں سفر کرنے کا اتفاق ہو تو قدرتی مناظر کے ایسے حیرت انگیز تسلسل کو دیکھ کر جن میں سے ہر ایک کسی معروف تر سر زمین میں نیا خون کے ایک حجم غفیر کو اپنی طرف کشان کشان لے آتا اور وہی بھی عقل چکر میں آجائے گی۔

## خراسان کے شمالی و مشرقی حصہ کے مناظر

اس مقام پر پہونچ کر ہم نے پہاڑوں کو خیر باد کہی اور اوس میدان کے مشرقی سلسلہ کی باد چلنے لگی شروع کی جہاں سے ایک ہفتہ پہلے بہ مقام رادکان روانہ ہو کر ہم دھسل کو ہستان چھوئے تھے۔ پس بیجا نہ ہوگا اگر میں اپنے تصور کی نگاہ اون مناظر اور حوالی پر

ڈالون چٹکے درمیان میں ایران کی سرزمین میں داخل ہونے کے زمانہ سے لیکر اب تک سفر کر رہا تھا اور جو شمالی و مشرقی خراسان کی سب سے زیادہ غیر معروف اور باہین ہمہ سب میں افضل مثال کے طور پر پیش کی جا سکنے والی خصوصیات پر محتوی ہیں۔ جو نقش نگاہ ان خصوصیات نے میری لوح تصور پر ثبت کئے اور ان کا خلاصہ اپنے سفر کے حالات کا اعادہ کئے بغیر میرے اخبار نامہ میں حسب ذیل قلمبند کیا تھا :-

کوچان سے روانہ ہونے کے بعد میں پہاڑوں میں مشرق کی طرف روانہ ہوا اور خراسان کے اس چٹیل اور عسیر المرد گردو گوسہ کی کوہستانی وادیوں میں دشت پیالی کرتا پھرا۔ چونکہ خیمہ و خرگاہ اور خچرون کے ساتھ ہونے کی رکاوٹ ایسی نہ تھی کہ میں پچیس میل روزانہ زیادہ سرعت کے ساتھ سفر کر سکتا لیکن پھر بھی اس دلچسپ ملک میں جہاں بہت کم سیاح آئی ہوں گے۔ مجھے کامیابی کے ساتھ دو سو میل کی مسافت طے کرنیکا موقع ملا جو گاؤں رستے میں پڑے اور ان میں سے اکثر کے نام کسی انگریزی نقشہ پر موجود نہیں ہیں اور صرف چند بڑے بڑے یا معروف ترمقات مثلاً قلات نادری کے مشہور قلعے وغیرہ کے ناموں سے اہل یورپ کے کان آشنا ہیں۔ یہ ایک تعجب انگیز بات ہے کہ ان مقامات میں کسی امر کے متعلق بھی قابل اعتبار اطلاع آسانی سے نہیں مل سکتی۔ علی الخصوص مقامات کے درمیانی فاصلہ کا حال جبکہ تحقیق میں کسی قسم کا بھی تکلف نہ ہونا چاہیے۔ معلوم ہونا نہایت مشکل ہے۔ ایک فرسخ جو برائے نام چار میل کا ہوتا ہے اس ملک میں پیمائش کی ایک ہی اکائی ہے لیکن مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس کا معیار معین نہیں۔ دو سے لیکر پانچ میل

کا ہوتا ہے اس ٹنک میں پمپائش کی ایک ہی اکائی ہے لیکن مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس کا معیار معتین نہیں۔ دو سے لیکر پانچ میل تک اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک معمولی سی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے پوچھتا ہے کہ غلام مقام کتنی دور ہو گا تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ نصف فرسخ۔ حالانکہ اس سے اوپری مراد فرسخ کی کسر سے ہوتی ہے جس کے ایک سے لیکر ساڑھے تین میل تک ہو سکتے ہیں۔ جن مناظر کے درمیان مجھے سفر کرنا اتفاق ہوا اور جو شمالی و مشرقی خراسان کے تمام حصہ میں پھیلے ہوئے بیان کئے جا سکتے ہیں وہ اپنی طبعی خصوصیات کے لحاظ سے نمایان طور پر یک رنگ ہیں۔ بلند پہاڑوں کے متعدد سلسلے جن کا محور شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی طرف مائل ہے ایک دوسرے کے متوازی متفاوت فصل سے چلے جاتے ہیں۔ ان سلسلوں کے درمیانی قعر زیادہ شمالی حصوں میں غیبی دہانے ہوئے ہیں جو اپنی زمین ایک سیل کی گدگاہ سے زیادہ گنجائش نہیں رکھتے حالانکہ جنوب کی طرف یہی قعر چوڑے ہو کر وادیان بن جاتے ہیں جنہیں پہاڑی ندیاں سیراب کرتی ہیں اور یہیں جا بجا گاؤں آباد دکھائی دیتے ہیں حتیٰ کہ یہی وادیان آگے جا کر وسیع اور زرخیز میدانوں کی شکل میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ جیسے شمال میں کوچان اور کوہ بنالود کے جنوب میں نیشاپور کا میدان۔ حاجب گھاٹیان کوہستان کی اس ریڑھ کو بسا اوقات زاویہ قائمہ بناتی ہوئی قطع کرتی ہیں جس سے ایک وادی سے دوسری وادی میں جانے کا راستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ گھاٹیان دفعۃً پیدا ہو جانے کے باعث اور پستی انوکھی خط و نشان کے لحاظ سے دلچسپ و عجیب و غریب

کر دینے والا اثر ڈالتی ہیں۔ ہر ایک میں میسوں ایسے ایسے محبتِ ظاہر سے سنگم مقامات پر  
 جاتے ہیں۔ جن پر حمل کیا جانا امکان سے خارج ہے اور جن میں نہر نہایت لمبا ہے کسی اور  
 حوض میں حدالثلج سے نیچے کا کوئی طبقہ یہی کوہستانی مساطح ہیں وحشت زار اور بہت تاک  
 ہو۔ نہ بن میں ہا ہمسر ہو گا۔ بہت اگر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ان گنگا و جہلم کے  
 سیل کی ایک جگہ سے باہر میں بڑی تیزی پٹا بن کر بہتی ہوئی ہیں جس کو ان کے  
 کی اجازت دے۔ اور دھانوں کی عمودی دیواریں بسا اوقات پانچ۔ دس لکیر کے زور  
 فیت تک اوپر کھڑی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بلند تر پہاڑوں پر روئیدگی کا نشان پکے ہوئے  
 اور ان کی عریانی اور پتھر پلاہن طبیعت کے لئے کبھی مغرب نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں  
 چوٹیاں سنگریزوں کا طرہ دوسرے لگائے اپنی رفعت و شکوہ کی شان دکھاتی ہیں اور کبھی  
 کبھی ایسے محویت انگیز قدرتی نظارے دیکھنے میں آجاتے ہیں جیسے قلات کی جنوبی دیوار  
 زراعت قریباً دایوں کی تہوں میں ہی محدود ہے اور وہاں اس کا واردہ داراوان قلیل البضاعت  
 ندیوں اور نالیوں پر ہے جو آبپاشی کے لئے کھود کر کہیوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔  
 ہر ایک گاؤں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک خاکستری رنگ کے ریگستان میں ایک لہلہاتا  
 ہوا مرغزار ہے اور کچی مٹی کے غلیظ جھونپڑے جن کے دو دو آلود اس میں ہرے  
 سفیدوں اور تروتازہ میوہ کے درختوں کی چارمٹکی ہوتی ہے۔ مسافر کو وہی ہی تازگی بخشتی  
 ہیں۔ جیسے انگلستان کا زیادہ سے زیادہ آرام دہ گہر۔

## حیاتِ بھیمی و انسانی



بربر داری کے جانور ان پہاڑی دیہات میں نہایت چھوٹے چھوٹے  
 میٹیلے رنگ کے گدھے ہوتے ہیں۔ اونٹ صرف قافلوں کے ہمراہ دیکھنے میں  
 آتے ہیں اور گھوڑا تو غریب لوگ رکبہ نہیں سکتے۔ پہاڑیوں کے خشک پہلوؤں پر  
 جو تھوڑا بہت سبزہ ہوتا ہے اس پر کالی بھیڑوں اور بکریوں کے۔ بڑے بڑے الجھکٹوں کی  
 نگرانی میں ہر جگہ دیکھنے میں آتے ہیں پلتے ہیں۔ اس لئے گوشت کی میان ارزانی  
 اور برہنہ ہے۔ کالے بیل بکری کے ہڈے ہڈوں میں جتے ہوئے نظر آتے ہیں  
 لیکن ان ہڈوں میں کوسج کی بہال چڑھی ہوئی نہیں ہوتی۔ مگر یہ عجیب تماشہ ہے کہ بیل تو بڑے  
 نظر آتے ہیں لیکن گائیں اور دوڑھرا یک گاؤں میں دستیاب نہیں ہوتا۔ مرغیان البتہ کثرت  
 سے مل سکتی ہیں جہاں چاہو تین پنس (تین آنے) میں ایک لے لو۔ وادی کو چان میں  
 ہر قسم کا میوہ باغیچہ ملتا ہے مگر شمال کی طرف مجھے ذرا بھی میوہ نہ مل سکا۔ چانول کسانوں  
 کی عام غذا تھی۔ یہ کسان لوگ دیکھنے میں عجیب و غریب اور توانا معلوم ہوتے تھے اور شہری  
 ایرانیوں سے بالکل مختلف تھے۔ نسل کے اعتبار سے وہ ایرانی نہیں تھے بلکہ ترکمان یا  
 ترک معلوم ہوتے تھے اور صورت شکل میں بھی وہ اتنے ایرانیوں سے نہیں ملتے جتنے  
 جتنے انیکون اور تاتاریوں سے۔ سر پر وہ بھیڑ کی کہاں کے کتھوپ پہنتے تھے جو ترکمانی  
 وضع کے نہ تھے بلکہ چند سوپر سے کم بلند تھے۔ انکی ٹانگوں پر کرکچ کی پٹیاں کچے  
 چمڑے کے تھمن سے بندھی تھیں اور بانوں میں زہ گائے کی کہاں کے بڑے سیلے



جوتے کہ وہ بھی اسی طرح سے بذریعہ تسون کے بندھے تھے پہنے ہوئے تھے۔  
 عورتیں ہر جگہ دیکھنے میں آتی تھیں مگر بالعموم اون سب کے چہرے احتیاط کے ساتھ  
 چھپے ہوئے تھے نہ کسی نقاب سے بلکہ اوپر کی سوتی چادر کے ذریعے سے جو چہرہ کے  
 حصہ زیرین پر کھینچ لیجاتی تھی۔ جن عورتوں کے دیکھنے کا بھیجے اتفاق ہوا وہ قبل از وقت  
 بیڑی اور یہ صورت ہو چکی تھیں مگر یہ مشرق کا افسردگی خیز قانون ہے جس سے سفر نہیں کر  
 طبیعتی خصوصیات



کچھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس پر اس سرزمین کے پہاڑوں کی خاص خست  
 کے متعلق میں ایک دو باتیں اور ایراز کیا چاہتا ہوں۔ اول تو جو خطوط دریاؤں کے  
 طاسون کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں وہ شاذ و نادر ہی بلند ترین سلسلہ  
 کوہ یا چوٹیاں ہوتی ہیں۔ اس کی مثالیں اون دونوں خطوط انقسام کی صورت میں  
 دیکھیں جو ایک یعنی ماہرہ النہار کو چان۔ اور کو چان و مشہد کی ندیوں کے طاسون کو  
 ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یون کہیے کہ اون دونوں ندیوں  
 کے طاسون کا انفصال باہمی بذریعہ تقسیم قدرتی جو علی الترتیب بحیرہ اخضر اور ہری رودین  
 جالمتی ہیں۔ دوم یہ کہ بجائے اسکے کہ دریا سلسلہ ہائے کوہ کے محور کے متوازی جائیں  
 یا یون کہیں کہ جو عمیق وادیاں اون کے درمیان واقع ہوں اون میں بہتے ہوئے اون  
 کو نون پر سے اپنا رخ بدل لیں۔ جہاں پہاڑ کی ریڑھ میں خم آ جاتا ہو وہ سلسلہ ہائے کوہ  
 کو زاویہ قائمہ بناتے ہوئے قطع کرنا چاہتے ہیں اور قدرت نے اس مرض سے

جوت کسار میں ایسی ایسی درزین اور شکاف پیدا کر دے ہیں جو خود یہ دریا کہی پیدا کر کے  
اسکے علاوہ ان دراڑوں کے دیکھنے سے نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پانی کی قوت روانی کی  
عل سے ترکیب پذیر ہوئے ہیں۔ بلکہ قیاس اس بات کو چاہتا ہے کہ ابتدائین کرسی زمین  
کے اٹھنے وقت شدت کے کہنیا و پائناؤ کی وجہ سے یہ شکاف پیدا ہو گئے۔

ہمارا مشہد کے قریب پہونچتا



ہم ایک دفعہ میدان میں پہونچ گئے تو مسافت جلد جلد قطع ہوتی شروع ہوئی  
اور ہم نے اندر رخ اور رزان کے دیہات کو جو پانی کی فراوانی اور زراعت کے ایک  
دسج رقبہ کی نعمتوں سے بہرہ ور نظر آتے تھے کیے بعد دیگرے اپنے پیچھے چھوڑا۔ اس  
پہنائے عظیم کے بعید ترین جنوبی حصوں میں مشہد کے عقب کے پہاڑ اپنی نوکیلی پشت  
کی جھرا چٹانوں کا بھیانک روپ دکھا رہے تھے۔ میں نے ٹھنکی بانڈہ کر اس امید میں  
اس طرف دیکھنا شروع کیا کہ مقدس امام کے مزار کا سنہرا گنبد اور اوس کے مینا اس فاصلہ  
سے مجھے نظر آجائیں۔ بتدریج غبار کے مرغولے اوپر کو اٹھنے لگے گویا کہ دریچہ افق پر نشین  
پر وہ پڑا تھا جسے طنائیں اوپر کھینچ رہی تھیں اور اول تو ایک فوری چمک اور پھر ایک دیر  
سک قائم رہنے والی جہللاہٹ نے مجھے بارہ یا پندرہ میل کے فاصلہ پر سترے کلس  
کی جھلک دکھادی۔ اگرچہ اس نظارہ کو دیکھ کر میرے قلب پر اوس صاحب عقیدت زاہد  
کی سی وجدانی کیفیت طاری نہیں ہوئی جو صدیاں بلکہ ہزاراں میل کا صعبوت ناک سفر طے  
کر کے اس مقدس مقام کو دیکھتے آتا ہے اگرچہ میں نے فرط عقیدت سے ”یا علی“ اور

”یاحیثین“ کے پر جوش نعرے نہیں بلند کئے۔ اور اگرچہ میں نے اپنے دامن کو پارہ پارہ کر کے عابد و زاہد شیعوں کے دستور کے موافق قریب ترین جہاڑی پر نہیں لٹکا دیا۔ تاہم میں نے اس منظر کو اوس گہری دلچسپی اور محویت سے دیکھا جو اس مشہور و معروف شہر کے مشنیدہ اور خواندہ حالات کے علم کی وجہ سے مجھ میں پیدا ہو گئی تھی اور اپنے گہوڑے کو ہمیں لگا کر جقدر جلد محسوس ہو سکتا تھا میں نے اوس میدان کو جو میرے اور میری منزل مقصود کے درمیان حائل تھا قطع کرنا شروع کیا۔

### ایک حادثہ

باد گلہ می اور میں گہوڑے ڈپٹاتے ہوئے آگے آگے جا رہے تھے اور اوسکا اشتہب ”گلدم“ اپنی جولانی کے زبردست سے زبردست کرشمے دکھا رہا تھا کہ اپنے پیچھے کے ساتھیوں کے گہوڑیوں کی ٹاپوں کی آواز کا ایک ٹخت موقوف ہو جانا مجھے محسوس ہوا اور میں نے پلٹ کر دیکھا کہ کیا ماجرا ہے۔ دو سو گز کے فاصلہ پر گرگیوری کا عاقی چارون شانے چیت ہوا میں دو لٹیان پینک رہا تھا۔ اس کا بوجھ چارون طرف زمین پر بکھرا پڑا تھا اور ناشاد ارمنی اپنے آپکو گہوڑے کے تلے سے بدقت تمام نکال رہا تھا اور موہتہ بسور بسور کر اپنے گھٹنے کو مل رہا تھا۔ ایک طرف کو رمضان علی خان بھی خاک و ہول میں اٹا ہوا پایادہ اپنے گہوڑے کے پیچھے بدحواسی کے عالم میں جا رہا تھا اور گہوڑا فراتے بھرتا ہوا نگاہ سے غایب ہونے کو تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گرگیوری کا جانور زیادہ خستہ و ماندہ ہو جانے اور جو بھاری بوجھ اوس پر لدا ہوا تھا اوسکو سیکر

ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ تیری سے نہ دھڑکتے تھے۔ کسٹ سکندری کہا کر نیچے گر پڑا اور گرگوری  
 اس کے تلے دب گیا اور افغان جب اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تو اسے بے ہوش دیکھ کر اس کے  
 منہ ٹھوڑے سے نیچے اور اتار تو ہڑے نے اس کے سر پر ایسی دھلی جالی کہ وہ دھڑام  
 سے زمین پر گر پڑا۔ تھوڑے ہی میں سب چھوڑ کر باہر نکل گیا اور سب روؤں کو سمجھ  
 چھوڑ کر مین نے پھر گھوڑا اور ڈایا۔ شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہم ایک مضبوط اور گیارہ  
 محرابوں کے بلند شیشہ پل پر پہنچے جو کشت روو کی حقیر سی ندی پر بننا ہوا۔ سب پل جس کا  
 نام پل شاہ ہے۔ ندی کے کاہیدہ حجم سے کچھ بھی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ ندی کا پاٹ اس  
 مقام پر صرت پچیس فیٹ تھا اور پانی کی روانی بے مشکل محسوس ہوتی تھی۔ پل کی مغربندی  
 ابتداء گول سنگریزوں سے کی گئی تھی۔ لیکن ایران میں جو حالت کسی اور اچھے کام کی ہوتی رہی  
 وہی اس مغربندی کی بھی ہوئی۔ سنگریزے غائب ہو گئے اور یہ شکہ گدگاہ بجائے  
 فائدہ رسان ہونے کے اور اولیٰ مسافروں کی ناگین توڑتی رہے۔

### خواجہ ربیع کا مزار

ایک میل کی مزید مسافت طے کرنے کے بعد ہم خواجہ (یا خواجہ) ربیع کے مقبرہ کی چار دیواری

پہنچے۔ ندی کی وجہ سے یہاں پر کتبہ کا کوئی نہ ملتا تھا۔ جس کا نام اب ٹھیکہ ہے اور جسے بعض دفعہ  
 قواسم (آب سیاہ) کہتے ہیں۔ چنگیلاس سے جو چار ماں اور ماہکان کے درمیان ایک دلدل ہے محل کر  
 وادی مسجد کے تالوں اور سیلون کو جھج کرتی اور ملک در بند (دروہ سفید) میں سے گزرتی تھی۔ پانی عاتق  
 سرد دروں کے نیچے سے نکلتی ہے اور یہاں پہونکر دریا نے ہری رود سے ملتی ہے۔ ان دونوں کے  
 امضائی سے صلیبے تجدد پیدا ہوتا ہے۔

کے پاس پہنچے۔ یہ ایک بزرگ تھے جنکی نسبت بعض کا یہ خیال ہے کہ وہ حضرت امام علیہ السلام کے دوست تھے اور بعض کہتے ہیں کہ امام ممدوح کے اوستا دوست تھے۔ اور انہیں اسی مقام پر بخیاں قرب حضرت امام دفن ہی کیا گیا ہے۔ مقبرہ کے گرد ایک باغ ہے جس میں کثرت سے درخت موجود ہیں اور داخل ہونیکا راستہ ایک رفیع انشان پہاٹک ہے جسکے جون میں محراب دارطاقون کے اندر کچھ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ حوالی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا تھا کہ شہد کے لوگ فرصت کے اوقات میں تفریح طبع کے لئے یہاں آیا کرتے ہیں اور فی الحقیقت مصنفات شہر کا کوئی حصہ اگر دلچسپی کے اعتبار سے سربراوردہ ہے تو وہ یہ ہے۔ اس خیال سے کہ اس عمارت کے اندر ایک مسجد بھی ہے اور اسلئے اسپر مذہب کارنگ چڑھا ہوا ہے میں نے اسکے اندر داخل ہونکی کوشش نہیں کی بلکہ باہر سے اس کی ایک عکسی تصویر لے لی۔ بعد میں میں نے سنا کہ مقبروں میں ہر خاص و عام کو جانے کی اجازت ہے یوجودہ عمارت اصلی مقبرہ نہیں بلکہ اوس کتبہ کے مضمون سے جو اس پر ثبت ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس اعظم نے اسکو ایک قدیم تر عمارت کے آثار پر تعمیر کیا تھا۔ اسوقت اس کی مکرر تجدید عمل میں آرہی تھی۔ عمارت چاروں طرف سے پارٹون سے گھری ہوئی تھی اور قبہ کے بیرونی حصہ کی نیلی اینٹیں جن میں سے اکثر کارنگ اور گیتا اور بہت سی اکھڑ گئی تھیں اون کی مرمت راج مردوہ کر رہے تھے میگرا گیدشت ۱۸۵۷ء میں اسکے خشتی کام کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایران کی دوسری تمام عمارات کے اس قسم کے کام سے یہ کام اچھا ہے۔ مگر اس کا بھی اکثر

حصہ صنایع ہو گیا تھا اور قبہ کے ڈھلاؤ کے شروع ہونے کے مقام سے نیچے کسی زمانہ میں جو مثبت کاری تھی۔ اس کے اب صرف کچھ نشان رہ گئے ہیں۔ اس کے قریب ہی حکمران خاندان کے بانی آغا محمد شاہ کے باپ فتح علی خان قاجار کا مقبرہ ہے۔ نادر شاہ اوس کا دشمن ہو گیا تھا اور اوس کے حکم پر آغا محمد شاہ کی گردن ماری گئی تھی۔

### ہمارا مشہد مین داخل ہونا



جلد سڑک مٹی کی خاک آلودہ دیواروں میں سے گزرتی اور چھوٹی چھوٹی ٹخنیوں کو جو مشرق کے تمام شہروں کا عام پیردنی منظر ہوا کرتی ہیں عبور کرتی ہوئی بڑھی۔ شہر نپاہ کا لمبا سلسلہ اب ظاہر ہوا جس کے اوپر جا بجا برج بنے ہوئے تھے اور جو چاروں طرف ایک پایاب خندق سے گھری ہوئی تھی۔ یہاں تک مین سے گذر کر جہان ایک میلے پھیلے کپڑے پہنے ہوئے جوان نے معاً اوٹھ کر اپنی بندوق کی نمائشی کھر ٹکڑا ہٹ کے ساتھ سلامی اتاری۔ ہم کوئی آدھ گھنٹہ تک اون خالی خولی اور دلچسپی سے معر آگلیوں کو گھوڑے پر سوار طے کرتے رہے جو مشرق کے عظیم الشان سے عظیم الشان دارالسلطنت کے پانچ مین سے چار حصوں کا سرمایہ ہوا کرتی ہیں اور خیابان یعنی مشد کے وسطی بازار میں سے گزرنے کے بعد (جس کا زیادہ تفصیلی حال باب آئندہ سے متعلق ہے) مین ایک پست دروازہ کے سامنے جا ٹھہر جس پر ایک بہت بڑے رنگے ہوئے سپر نامتختہ بیروگورنمنٹ برطانیہ کا نشان منقوش تھا جس سے اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ ملکہ مغظمہ کا قونسل جنرل اور وائسرائے کشور ہند کا ایجنٹ یہاں رہتا ہے۔ ایک منٹ نہ گزرے پایا

ہتاکر کرنل چارلس اسٹوارٹ سے سینے تپاک کے ساتھ ہاتھ ملانے میں اپنے آپ کو مصروف پایا۔

کاروہ سے مشہد تک کی منزل کا فاصلہ ۸ فرسخ بیان کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں ۴۴ میل سے زیادہ نہیں۔ نظر بران قلات سے مشہد تک کا راستہ حسب ذیل ہے۔

فرسخ      تخمینہ فاصلہ بحساب میل

قلات نادری سے واردہ تک      ۵      ۲۰

واردہ سے کاروہ تک      ۷      ۲۶

کاروہ سے مشہد تک      ۸      ۲۴

میزان      ۲۰      ۷۰

### قلات کو جانے اور وہاں سے آنیکے مزید راستے

قلات سے درگزر براہ ارچنگان ۱۰ میل)۔ کرنل ویلنٹائن بیکر (۱۸۷۳ء) "کلاوڈز ان دی ایسٹ" (گھٹا مشرق میں) صفحات ۲۱۰-۲۱۹، سرسی میگلر یگر (۱۸۷۵ء) "جرنی تھرو خراسان" (سفر خراسان) جلد دوم صفحات ۶۳-۷۵-۷۵۔

قلات سے مشہد (براہ کان گوشہ و قراتینان)۔ ان دونوں راستوں میں جو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ سرسی میگلر یگر (۱۸۷۵ء) "جرنی تھرو خراسان" (سفر خراسان) جلد دوم ضمیمہ دوم۔

# ساتواں باب

## مشہد

”اقوام کے مذاہب اور زمانہ کے مشاہیر کی کچھ نہ کچھ تعظیم یقیناً ہم پر واجب ہے“  
 گبن۔ ڈکلائن اینڈ ڈفال آف دی رومن امپائر (زوال و خاتمہ سلطنت روما)

## مشہد کے مورخین سابق

بشتہ سچاس سال سے متعدد یورپین لوگوں نے مشہد کا سفر کیا ہے اور تفصیلی یا اجمالی طور پر اود کے حالات بیان کئے ہیں۔ ان میں انگریزوں کو کیا بلیاٹ خوبی تصنیف اور کیا بلیاٹ نقد و توثیق حاصل رہی ہیں ان کے ناموں اور نیز تصانیف کی فہرست درج ذیل

۱۔ جے۔ بی۔ فریئر (۱۸۴۲ء)۔ ”جرنی ان ٹوٹراسان“ (سفر خراسان)۔ باب ہفتم + لفٹ۔ ۱۔  
 کوٹلی (۱۸۴۳ء)۔ ”اور لینڈ جرنی ٹو انڈیا“ (شکلی کی راہ سے ہندوستان کا سفر)۔ جلد اول۔ باب دہم +  
 ڈاکٹر جے۔ والٹ (۱۸۴۳ء و ۱۸۴۴ء)۔ ”ٹریولس اینڈ ٹریڈ پرنسپل اینڈ ٹریڈ آف اے مشن ٹو بھارہ“ (حالات  
 سیاحت و سرگردشت و داستان سفارت بھارہ)۔ سراسرے۔ برنس (۱۸۴۴ء)۔ ”ٹریولس ان ٹو بھارہ“ (سفر بھارہ)۔  
 جلد سوم۔ باب چار و ہم + جے۔ بی۔ فریئر (۱۸۴۵ء)۔ ”کاروان جرنیل“ (سفرائے کاروان)۔ باب نہم + این۔ ڈی۔  
 خانیکاف (۱۸۵۸ء)۔ ”مہاجر سرلابانی مرید پوشیل دی لالیسی سنٹرل“ (تذکرہ اقوام علاقہ جنوبی وسط ایشیا)۔ زبان  
 فرانسیسی۔ صفحات۔ ۴۷۔ ۱۰۸۔ ”مشہد لاسٹاسینٹا۔ آئی۔ ال سوٹو ریو۔“



کرتا ہوں تاکہ اگر ناظرین کسی خاص زمانہ یا کسی خاص شخص کے حالات دریافت کرتا چاہیں۔  
تو وہ ان کتابوں کی مدد سے اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔ اگر میں نے مشہد کے حالات  
لکھ کر ان مورخین کی تعداد میں ایک کا اور اضافہ کیا ہے۔ تو اس سے میرا یہ مقصد نہیں  
کہ جو درجہ اپنی مساعی کے لحاظ سے انہیں حاصل ہے اور پھر بین القریٰ کرکون بلکہ میری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷۔ ای۔ بی۔ ایٹ وک (۱۸۶۲ء) "جرنل آف اے ڈپلومیٹ"۔ (ایک سفر کاروانچہ)  
جلد دوم۔ صفحات ۲۰۰۔ الی۔ ۲۳۳ + اے۔ دیمری (۱۸۶۳ء)۔ "لائٹ اینڈ ڈیوچرس" (حیات و سرگذشت  
باب بست و ہفتم)۔ "مین و انڈرنگن انڈر لینی ان پرسیں" (میری سیاحت اوقیانوسیان)۔ کپتان۔ ایچ۔ سی۔ مارش  
(۱۸۶۲ء)۔ "رایڈ ترو اسلام"۔ (سفر دنیا سے اسلام بذریعہ سواری اسپ)۔ صفحات ۹۸۔ الی ۱۱۲ جماعت  
مأمورہ تصفیہ۔ حد سیستان (۱۸۶۲ء) (۱) کرنل ایون۔ "اسٹیشن پرشیا" (مشرقی ایران) جلد اول  
صفحات ۳۵۷۔ الی۔ ۳۶۶۔ (۲) ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ بیلو۔ "فرام دی انڈس ٹو دی ٹائیگر" (از انکتابہ دہلی)  
صفحات ۳۶۰۔ الی۔ ۳۶۸ + کرنل۔ ویلنٹائن۔ بیکر (۱۸۶۳ء)۔ "کلاوڈس ان دی ایسٹ"۔ (گنگا مشرق  
میں)۔ باب دوم + سر۔ سی۔ میک گرگور (۱۸۶۳ء)۔ "جرنی تہر و خراسان"۔ (سفر خراسان) جلد اول صفحات  
۲۷۷۔ الی۔ آخر کتاب مدفقہ شہر صفحہ ۲۸ + جے۔ بیٹ (۱۸۶۴ء)۔ "پرشیا۔ دی لینڈ آف ایمس"  
(ایران یعنی سرزمین آئیم)۔ صفحات ۲۲۱۔ الی۔ ۲۳۵ + ای۔ اوڈونون (۱۸۶۴ء)۔ "دی مرواسس"۔  
(گلشن مرو)۔ جلد اول۔ باب بست و ہفتم و ہفتم۔ جلد دوم۔ باب سیم + پی۔ سار (۱۸۶۴ء)۔ "پیرسینس  
مٹی سنس"۔ ۱۸۸۳ء۔ باب ہفتم + لفٹنٹ۔ اے۔ سی۔ بیٹ (۱۸۸۵ء)۔ "ریولوشن  
روڈ وی انفانٹ باؤنڈری کمیشن" (رواستان سیاحت بہرہی جماعت مأمورہ تصفیہ سرحد افغانستان)۔ باب دوم  
مشہد کے اس صدی سے پہلے کے حالات مختصر اور منتشر ہیں۔ لیکن ۱۸۴۱ء میں اس شہر کے دلچسپ حالات۔  
عبدالکریم کی کتاب "ویج دی لائنڈ آف" (سفر اہست تاکہ) (۱۸۸۸ء) صفحات ۴۸ + ۷۰۔ الی۔ ۷۴ میں پائے جاتے ہیں۔

غرض و غایت ان مساعی کا تکملہ کرنا ہے۔ جو کچھ یہ لوگ بہ طرز احسن بیان کر چکے ہیں اور اسکے اعادہ سے میں بہ عدم مکان احتراز کروں گا اور جہاں تک ممکن ہو گا ماخذ اصلی کو و توفیق و یقین کی نظر سے دیکھوں گا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی میرا یہ کام ہو گا کہ جہاں جہاں ان مورخین سابق نے غلطیاں کی ہیں اور ان کی اصلاح کروں اور مشہد کی تصویر کو آج تک کے واقعات کے قلبید کرنے سے خط و خال اور نوک پاک سے ہٹیک کروں مشہد میں ملکہ منظمہ کے ایک سرکاری نائب کے مستقر ہی کا ہونا اس کی تالیخ نہیں ایک اہم واقعہ ہے۔

### تاریخ

س مقدس شہر کے خاص خاص حالات کا ذکر میں نہایت اختصار کے ساتھ کروں گا۔ اسکے نام (مشہد) جسکے معنی مقام شہادت کے ہیں) اور اس کی شہرت کا باعث یہ واقعہ ہے کہ نوین صدی عیسوی میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام جو بارہ ائمہ میں سر بہ لحاظ سلسلہ آہوین ہیں یہاں سپرد خاک کئے گئے۔ انو انا یہ سنا جاتا ہے لیکن اسکی بظاہر کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ خلیفہ مامون الرشید مشہد خلیفہ مارون الرشید کے بیٹے نے جبکا دار الخلافہ مرو تھا۔ حسد کی وجہ سے امام صاحب کو جو اس وقت شہر طوس میں جو موجودہ مشہد سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع تھا رہتے تھے زہر آلود انکو رکھلا کر شہید کر دیا۔ لیکن ایک اور روایت اس طرح سے ہے کہ امام مدوح نے طوس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۸۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسی زبان میں مہسبہ لینگے نے کیا۔

۱۵ مشہد اسم عرف مکان ہے جبکا مادہ مشہد ہے۔

ہی میں طبعی طور پر انتقال فرمایا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان دونوں روایتوں میں سے  
 بھی کوئی ہے۔ بہر حال امام صاحب کی نقش موضع صنع آباد میں جو مشہد کے قریب واقع  
 ہے ایک روضہ کے اندر دفن کی گئی۔ شہادت کی روایت کا ایک عجیب ضمیمہ یہ بھی  
 ہے کہ مامون کے جلیل القدر باب ہارون الرشید کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ صنع آباد بتدریج  
 مذہبی کشش اور زیارت کا مرکز بن گیا اور ابن بطوطہ نے جو ستلہء کے قریب سفر کرتا ہوا  
 یہاں آیا دیکھا کہ امام صاحب کی مسجد موجود ہے اور اس کی نہایت درجہ تعظیم کی جاتی ہے۔  
 ستلہء میں جب ہسپانیہ کا رفیع الشان سفیر ڈان راسی گانزلیز ڈی کلاویجو تیمور کے دربار  
 سمرقند کو جاتے ہوئے مشہد سے گزرا تو اس نے بھی یہی واقعہ بلند کیا۔ تیمور کے سب  
 سے چھوٹے بیٹے شاہ رخ نے بعد میں اس مزار کو مزین و آراستہ کیا اور اس کی بیگم

۱۷ اس کا بیان حسب ذیل ہے: ”مشہد الرضا ایک وسیع اور آباد شہر ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔  
 مشہد (یعنی روضہ) بڑا ایک بہت بڑا قبرا ہے جو حریر کے غلاف اور طلائی شمعہ انون سے مزین ہے۔ قبر کے  
 نیچے حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزار کے مقابل خلیفہ ہارون الرشید کا مقبرہ ہے۔ اس مقبرہ پر شمعین روشن  
 کی جاتی ہیں۔ لیکن جب شیخان علی زیارت کے لئے یہاں داخل ہوتے ہیں تو وہ ہارون الرشید کے دفن کو  
 ٹھکراتے ہیں مگر حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزار پر درود و سلام، سہیجہ ہیں۔“ اس بیان سے واضح ہوتا ہے  
 کہ چودھویں صدی میں جس طرح یہ مقام شیعوں کی زیارت گاہ تھا اسی طرح سنی بھی یہاں زیارت کرنے کو آتے تھے۔

۱۸ اس کا بیان ہے: ”حضرت امام رضا علیہ السلام ایک بڑی مسجد کے اندر ایک بڑے مقبرہ میں دفن ہیں جسے چاندی  
 کا ملمع چڑھا ہوا ہے۔ اس مزار کی وجہ سے یہاں ہر سال کثیر التعداد مسافر اطراف و اکثاف عالم سے آتے ہیں۔ جب  
 زائر یہاں پہنچتے ہیں تو سوار می پر سے اُن کو خاک کو بوسہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مقام مقدس پہنچ گئے۔“  
 حیدر علیہ عہدہ کلونی سوسائٹی۔

گوہر شاد نے وہ عالی شان مسجد تعمیر کی جو ابھی تک اسکے برابر کھڑی ہے۔ لیکن کہین سو لہوین صدی کے شروع میں جا کر جبکہ حکومت خاندان صفوی کے حصہ میں آئی مشہد عالمگیر شہرت کا مرکز بنا۔ مذہب شیعہ کو قومی مذہب قرار دینے کے بعد نئے فرمانرواؤں کے لئے یہ امر نہایت ضروری تھا کہ وہ کوئی ایسی متبرک زیارت گاہ مقرر کریں جو ان زائرین اور روپیہ کو جو مکہ معظمہ کی طرف کھینچا ہوا چلا جاتا تھا۔ اپنی طرف کھینچ لائے اور تمام شیعوں کی حرارت دینی کا منبع اور مصدر ہو۔ چنانچہ جس طرح جرو بوم نے دان اور بیتھل میں طلائی گوسالے اس غرض سے رکھ دیئے تھے کہ اسرائیلی زائر یورشلیم سے منحرف ہو جائیں اسی طرح شاہان اسماعیلی طہماسپ اور عباس نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی مسجد کو سیم وزر اور اوقات سے مالا مال کر دیا۔ یہ فرمانروا خود بھی یہاں آتی تھیں اور بعض دفعہ اقامت پذیر ہوتے تھے۔ غرض کہ ان کی مساعی سے یہ مقام دنیا کی ایران کا مکہ بن گیا اور اب تک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے متبرک مقامات میں مشہد کا شمار درجہ اول میں نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و اتقا کے ثبوت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے کل دربار کے ساتھ اصفہان سے مشہد تک بڑا بیدل چلتا ہوا آیا دربار کے ہیئت دان نے کل فاصلہ کو لیکر بھی کے ذبیحہ سے ناپا جکی رو سے یہ فاصلہ ۱۹۴ فرسخ اور کچھ کسر قرار پایا۔

۴۔ اسی قسم کی روایت شہنشاہ اکبر کی نسبت بھی بیان کی جاتی ہے۔ اس عقیدت اور ارادت کے لحاظ سے جو اس کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی وہ پیادہ یا مہربادشاہ بیگم کے آگرہ سے چکر اچھیر شریف تک آیا تھا بلکہ یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ وہ متعدد مرتبہ اسی طرح مقدس مقام کی زیارت کو آیا۔ مترجم

کے داماد اور شیعہ عقاید کے بموجب دین کے حقیقی پیشوا) اور اوتکے فرزند حضرت

امام حسینؑ شہید بجا طاققدس حضرت امام رضا علیہ السلام پر فوقیت رکھتے ہیں اسی طرح  
اون کے مزار بھی جو نجف اور کربلا میں واقع ہیں مشہد واسلے روضہ سے زیادہ متبرک

ہیں۔ لیکن نجف اور کربلا دونوں کے دونوں ترکی علاقہ اور اس لحاظ سے ایک غیر سر زمین  
میں واقع ہیں اور وہ دل بھی حب وطن کے پاک جذبہ سے بالکل معز ہو گا جو نجف سے

اور کربلا کی زیارت کرتے وقت یہ شوق نہ رکھتا ہو گا کہ ایران کے مذہبی مرکز میں پہونچکر  
اوس کی زیارت کرے اور دو گانہ بجالائے اور مزار امام کی صریح کو بوسہ دے۔

لیکن چونکہ مشہد سرحد توران سے اس قدر قریب تھا اس لئے یہ ترکمانی تاخت و تاراج  
اور حملہ آوری کی برابر زمین رہتا تھا اور خراسان کے تمام سرحدی شہروں کی طرح اسکی

سامراج بھی ہنگاموں اور شور و غوغا سے بھری پڑی ہے۔ شاہ عباس کے عہد میں (۹۸۵ھ)  
ایک دفعہ ازبکوں نے اسکو سر کر کے لوٹا اور غارت کیا۔ اسکے بعد محمود افغان کے حملے

نے اسے بہت کچھ نقصان پہونچایا۔ لیکن نادر شاہ فاتح کی سرپرستی نے اس میں پھر جان  
ڈال دی۔ نادر شاہ نے تخت ایران پر بیٹھنے کے بعد اگرچہ شیعہ مذہب کے عقاید ترک

۱۵ میں نہ کر بلا کے ایک شیعہ سید سے پوچھا کہ مسلمانوں کے متبرک مقامات کے درجہ کا سلسلہ شیعہ عقاید کی رو سے  
کیا ہے تو اسنے حسب ذیل جواب دیا۔ اول مکہ معظمہ۔ دوم مدینہ طیبہ۔ سوم نجف اشرف۔ چہام کربلائے معلیٰ پنجم

کاظمین مشرفین متصل بغداد مشرفین ششم مشہد مقدس۔ ہفتم سامہ (ستر تون رائی) واقع کنار رود جلد۔ ہشتم قم۔ لیکن  
اگر کوئی ایرانی شیعہ ہوتا تو وہ مشہد کا درجہ کربلا کے بعد رکھتا۔ مگر کی زیارت کرنے سے زائر حاجی کہلاتا ہے۔ کربلا سے  
کربلائی اور مشہد سے مشہدی۔

کر دئے تھے اور جبرائیل علیہ السلام کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ تاہم وہ اکثر مشہدین اپنا  
 دربار لگایا کرتا تھا اور روئے امام کو از سر نو تعمیر کر کے اوسے مزمین و آراستہ کیا تھا۔ اس کے  
 عمارتوں میں سے اسی شہر میں اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے جس کی اوس نے فرط حسد و بغض  
 سے آنکھیں نکلوا ڈالی تھیں مزار بھی بنواے تھے۔ اوس کی وفات کے بعد مشہد اوس کے  
 اندر سے پوتے شاہ رخ کے قبضہ میں رہا جس کی کمزور حکومت کے زمانہ میں ازبکوں کے  
 آئے دن کے حملوں سے اس شہر کی آبادی ساٹھ ہزار سے گھٹ کر بیس ہزار رہ گئی۔ آخر کار صدی  
 کے خاتمہ پر آغا محمد خان قاجار خواجہ سرانے جو ایران کے حکمران خاندان کا بانی ہے شاہ رخ  
 کو تخت سے اتار دیا اور درخشاہ ظلم کے ساتھ اوسکو عذاب دے دیا۔ بارہویہ صدی میں  
 مشہد نے کئی دفعہ حکومت عالیہ کے برخلاف اوس نفرت کی وجہ سے جو خاندان قاجار کے  
 ساتھ اسے برابر چلی آئی ہے۔ علم بغاوت بلند کیا۔ اور ان بغاوتوں کے پلے درپلے  
 ظہور میں آنے کی وجہ سے ایک سے زیادہ تعزیری مہات شاہ کو بھیجی پڑیں لیکن سلطنت  
 کے دوسرے اجزاء کی طرح اب ناصر الدین نے اسکو بھی پوری طرح سے اپنا مطیع و منقاد  
 بنا لیا ہے۔

۱۵ مذہب سنت و جماعت کی ترویج کا جو اقدام نادر شاہ نے کیا تھا وہ مصلحت ملکی اور حکومت  
 علی پر مبنی تھا جبکہ مقصد یہ تھا کہ دینائے اسلام تبریز سے لیکر دہلی تک ایک شہنشاہ کے زیر نگین ہو جائے۔  
 ۱۶ اس بیٹے کا نام رضاقلی میرزا تھا۔ مترجم  
 ۱۷ شاہ رخ ادبی و عقلی میرزا کا بیٹا تھا جسے نادر نے اندک کیا۔ مترجم

کے چشمے غسل خانے۔ کپڑے دھونے کے گھاٹ۔ مرے ہوئے جانوروں کے مدفن۔ اور بڈرو کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے دونوں طرف چناروں۔ شہتوتوں۔ اور بیدوں کی بے قاعدہ اور غیر مسلسل قطاریں کھڑی ہیں اور ان درختوں میں سے اکثر بہت ہی پست قد اور غیر شاداب ہیں۔ پہرہ دو لون طرف رہروں کے لئے سڑکین ہیں جن کے کناروں پر بازار کی ابترو پریشان دکانیں واقع ہیں۔ غرض کہ کل عرض خیابان کا تقریباً اٹنی فٹ ہوگا۔ دن کے کاروبار والے حصہ میں خیابان میں لوگوں کا اس قدر اثر و حاکم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر قدم قدم بھی اس میں سے گزرنا چاہے تو باوجود سواروں کی مدد کے چورستہ صاف کرتے ہوئے آگے آگے جاتے ہیں وہ نہ گزر سکے گا۔ چیخ پکار اور شور و شغب ہر طرف سے ایک ہی وقت میں بلند ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مختلف الاقوام اور مختلف الحیثیات لوگ سب یہاں مخلوط نظر آتے ہیں۔ شاندار سفید عمامہ پوشش ملا عربیہ و مفلوک درویش لچیم و شحیم اور پر تمکین سوداگر۔ پیٹے پڑانے کپڑوں والا تباہ حال زائر۔ کسی کو خاطر میں نہ لانیوالا سیر عمامہ پوشش سید۔ دیکا ہواستی جو ہمت کر کے دشمن کے حصن حصین میں چلا آیا۔ ہے۔ سیاہ ابروؤں والے افغان۔ خوشرو اور شکیل ازبک۔ خوشحال اور دولت مند عرب۔ تند خو اور وحشی بدو۔ ہندوستان کے تاجر۔ قاف کے زائد۔ ترک۔

۱۔ ایک مصنف کا بیان ہے کہ خیابان میں پہلے کھجوروں کے درخت تھے لیکن اس کے باہر کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اوڈو وٹون نے جب اس بازار کے عرض کا اندازہ ۲۰۰ فٹ کیا ہے تو اسے عجیب غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔

ساتا سی۔ مغل۔ تاجیک۔ غرضکہ مشرق کے مختلف الاوان۔ مختلف الماسہ اور مختلف  
 الاشکال لوگوں کے خلاصہ کا قوام یہاں دیکھنے میں آتا ہے۔ کوٹلی۔ فیروز۔ ویمیری اور  
 اوڈونون نے اس زندہ رنگا رنگ مرقع کا ایسا پراثر اور دل پر نقش ہو جائے والا بیان  
 قلمبند کیا ہے کہ میں اس بارہ میں اون کی برابری کی کوشش نہیں کرتا۔ جس زمانہ میں میرا  
 اس شہر میں گزر ہوا تو شاید سب سے زیادہ عجیب تبدیلی اس کے رنگ روپ میں یہ ہوئی  
 تھی کہ پچاس پچاس گز کے فاصلہ سے لالٹون کے ستونوں کی قطار خیابان میں کھڑی  
 تھی جسے حاکم مشہد نے ابھی ابھی نصب کرایا تھا۔

### شہر کا باقی حصہ قبرستان

بان کو چوڑا کر ہم بیچ در بیچ گلیوں کی بھول سیلیان میں داخل ہوتے ہیں۔ اور کچی  
 مٹی کی دیواروں میں پھرتے۔ عجیب و غریب موڑوں پر جن کا بظاہر کوئی منتہا نہیں معلوم ہوتا  
 جکر کاٹتے۔ گاہ بیگاہ کسی بازار میں چاٹکتے اور کیلے مقامات اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں  
 پر سے گزرتے ہیں۔ شہر کے زیادہ تر اسودہ خال باشندوں کے مکانات بلند دیواروں  
 کے اندر چھپے ہوئے ہیں لیکن غریبوں کے چھوٹے پڑوں کے دروازے بسا اوقات اس قدر  
 پست ہوتے ہیں کہ گلی کی سطح سے بھی نیچے ہوتے ہیں اس طرح سے پھرتے پھرتے ہم  
 دفعۃً ایک وسیع کیلے رقبہ میں پہنچتے ہیں جس کی سطح پر بے قاعدہ مٹی کے تودے اور  
 پتھر کی ٹوٹی ہوئی سلین بکری ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ مقام قبرستان ہے جسکی متبرک زمین کے  
 ایک چھوٹے سے حصے کے لئے معتقدین گراں بہا قیمتیں ادا کرتے ہیں اور جس میں دفن



کئے جانے کے لئے اکثر ہزار ہا میل سے لعشیں لائی جاتی ہیں۔ اسکے قریب راج لوگ اپنے اساروں میں سنگ خارا کی سلون کو جو مشہد کے قرب وجوار سے نکلتی ہیں اور جو قبروں پر بطور یادگار کے نصب کی جانے والی ہیں تراشنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اور انہیں قرآن (شریف) کی کوئی آیت یا متونے کے پیشہ یا حیثیت کی کوئی علامت کندہ کرتے ہیں اس سے زیادہ مستقل یا پٹائے جانے کے ناقابلِ تنوید کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاتی کیونکہ قبرستان کے محدود رقبہ کی ضروریات کے لحاظ سے یہ امر لازمی ہے کہ یہ زمین دوبارہ کام میں لائی جاسکے اور اسلئے جب کوئی پرانی قبر بیٹھ جاتی ہے تو اس شہر خوشان کے کسی تازہ وارد کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ بہت سی قبروں پر چھوٹے چھوٹے سفید شامیانے تھے ہوئے تھے جن میں متونے کے اقربانے ملاؤں کا اجرت و دیگر اس غرض سے بٹھا رکھا تھا کہ قرآن خوانی کریں تاکہ جنت کا راستہ اوس کے لئے صاف ہو جائے۔

### مشہد کی آب و ہوا

باوجودیکہ یہاں قبرستانوں کی کثرت ہے اور قوانین حفظانِ صحت کی ان کے نظام کے متعلق اس شدت سے خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اور باوجودیکہ اس شہر کی آبادی اس قدر گنجان ہے کہ سال کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوتا ہوگا جبکہ اس میں علاوہ مستقل باشندوں کے نو وارد لوگوں کی تعداد کثیر نہ داخل ہوتی ہو اور اسکے علاوہ غلیظہ بچوں اور بچھڑوں کی یہاں ایسی کثرت ہے پھر بھی بہت سے اور ایرانی شہروں کے مقابل میں مشہد کی آب و ہوا بد جہاں بہتر ہے۔ اگرچہ یہ عرض بلد کے تقریباً اسی خط متوازی پر واقع ہے جبکہ طہران واقع ہے

اور اس کا ارتفاع کم تر ہے یعنی طہران کے ۴۸۰۰ فیٹ کے مقابلہ میں سمرقند  
 ۴۱۰۰ فیٹ یا ہم طہران کے مقابلہ میں یہاں سردی زیادہ پڑتی ہے اور اموات کم واقع  
 ہوتی ہیں۔ خانیقات نے اس کی وجہ اس موقعہ کو قرار دیا ہے جو مشہد کو ایک سلسلہ کوہ  
 کے شمالی پہلو پر واقع ہونے کے باعث حاصل ہے جو اسے صحرا کی دم گھوٹنے والی ہواؤں  
 سے بچاتا ہے۔ مشہد کا پانی نہایت نفرت انگیز ہے اور پینے کے قابل نہیں کیونکہ اس میں  
 گوگرد آمیز ہائیڈروجن کے اجزاء مقدار کثیر میں پائے جاتے ہیں۔ مین نے پانی کے ایک  
 پیالہ میں اپنا استراحت بھر رکھا۔ سنے دیا اور صبح جو اٹھ کر دیکھا تو اسے بندوق کی فولاد کی  
 نالی کی طرح سیاہ پایا۔

## بادگیر اور قراول خانے

ن کی سطح کے اوپر متعدد بادگیر یعنی ہوا کے برج اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں  
 جو خلیج فارس کے بحری شہروں کا نمایان منظر ہیں۔ اون کی بناوٹ کا اصول سب ذیل ہے۔  
 ایک بلند مربع یعنی چار پہلوؤں کا مینار مکان کی چھت پر بنایا جاتا ہے لیکن چاروں پہلوؤں  
 میں عمودی نالیان یا درزین ہوتی ہیں جنکے ذریعہ سے ہوا چھت میں سے جس میں تالیوں  
 کے موقعہ کے لحاظ سے شکاف دے دئے جاتے ہیں۔ گزر کر نیچے کے کمرہ میں جہاں  
 صاحب مکان گرمیوں میں رہتا ہے داخل ہوتی ہے اور اس طرح اس کمرہ میں ہوا کے  
 مسلسل جھونکے آتے رہتے ہیں۔ ایران کے جنوبی حصے کے زیادہ گرم مقامات میں  
 ان ہوائی کمروں کی جگہ سرداب یعنی تہ خانے ہوتے ہیں۔ مشہد کا ایک اور نمایان منظر

قراول خانوں یعنی پھرے کی چکیوں کی ایک تعداد کثیر ہے جو شہر میں جا بجا واقع ہیں۔ اور جن میں باقاعدہ پیدل فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے متعین ہیں۔ قراول خانہ بالعموم ایک برآمدے پر مشتمل ہوتا ہے جسکے پیچھے سپاہیوں کے رہنے کا حجرہ ہوتا ہے سپاہی اپنی بندو تون کو جو پرانی وضع کی نالی سے بھری جانے والی قرابیسین ہوتی ہیں بالعموم قراول خانے کے سامنے ملا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی یورپین گھوڑے سوار پاس سے گزرتا ہے تو ایک پچھے حال سپاہی نیلی سرج کا کوٹ پہنے اور بہیڑ کی کھال کی طرہ وار ٹوپی اوڑھے جو غالباً مکان کے اندر اپنا وقت گزار رہا تھا مٹھا اوٹھ کھڑا ہوتا ہے اور غالیہ شی کھڑکھڑا ہٹ کے ساتھ ان ہتیاروں میں سے ایک کو اٹھا کر سلامی اتارتا ہے۔ اس کے بعد وہ اسے پھر جان سے لیا تھا وہیں رکھ دیتا ہے اور خود بیٹھ جاتا ہے۔

### منبرک عمارات

میلگر گئے ۱۸۷۷ء میں ٹھیک کہا تھا کہ ”اس شہر میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی کو اسکی سیر کی ترغیب دلائے یا اگر قسمت اسے یہاں پہنچ لائے تو زیادہ دیر تک یہاں قیام رکھنے پر اسے آمادہ کرے۔ صرف ایک عمارت یعنی مزار (حضرت) امام رضا (علیہ السلام) ایسی ہے جو دیکھنے قابل ہے لیکن اس کے دیکھنے کی بھی کسی یورپین کو اجازت نہیں مل سکتی البتہ جان جو کہوں میں ڈال کر ممکن ہے کہ وہ اس کے اندر داخل ہو سکے لیکن جن حضرات کا اسے سامنا کرنا ہوگا ان کی تلافی ہرگز وہ منظر نہیں کر سکتا جو اس کے دیکھنے میں آئے گا۔ حقیقت میں یہ نہایت ہی تھلیف دہ بات ہے کہ خیابان میں سے گزرتے گزرتے دفعۃً

ایک محراب دار پچانک جو اوس پر اسرار چار دیواری میں لگا ہوا ہے جہاں متبرک غرات واقع ہیں یورپین مسافر کا رستہ روک دیتا ہے اور عیسائی کی نظر سے اوسکو اسی طرح چھپا دیتا ہے۔ جس طرح طناب بارون زندون کو مردون سے جدا کرتی ہے۔ لیکن جو یورپین اس میں داخل ہوئے ہیں اون کے اور نیز خود مسلمان زائرؤن کے بیانات سے اس کے اندرونی منظر کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

### (۱) فہست

اب دار پہانک جس پر ایک یورپین ساخت کا گھنٹہ لٹب ہے اوس کے دوسری طرف چار دیواری کے اندر کوئی سوگز کے فاصلہ تک سڑک ایک پر ہجوم بازار میں سے گذرتی ہوئی اوس مقام تک جاتی ہے جہاں مساجد میں داخل ہونے کی راہ ہے۔ یہاں کثرت سے آدمیوں کا ہجوم ہوتا ہے اور خرید و فروخت کی خوب گرم بازاری ہوتی ہے۔ جو زائرین چار دیواری کے اندر رہتے ہیں یہاں ہر ایک ما محتاج خریدہ سکتے ہیں۔ اور اوسکے یہاں آنے کی یادگار میں مشہد کی مقامی ساخت کی اشیاء تعویذ۔ انگوٹھیاں چہلے اور فیروزے جن آیات قرآنی کندہ ہوتی ہیں اون کے سامنے خریدنے کے لئے بہ اصرار پیش جاتے ہیں۔ لیکن چار دیواری کے اس حصہ کا سب سے زیادہ متابل ذکر وصف یہ ہے کہ امام صاحب سے متعلق ہونے کے باعث یہ زمین پاک و مقدس سمجھی جاتی ہے اور اس لحاظ سے جو مجرم اس کی

حدود کے اندر داخل ہو جائے اوس کے لئے ایک ایسے مامن یا بستی کا حکم رکھتی ہے جس میں کسی کی مجال نہیں کہ اوسکو مضر پہنچا سکے۔ بعض مصنفین نے بیان کیا ہے کہ عیسائی یہودی اور گیم بھی اس سے یہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اور لوگوں کی زبان میں نے سنا کہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال ایک مسلمان کے لئے یہ ایک محفوظ جائے پناہ ہے۔ جہاں اوسے امان مل سکتی ہے اور جہاں سے وہ یہ اطمینان تمام اپنے دشمنوں کے ساتھ چار دیواری سے باہر آنے کے لئے اپنی مخلصی کے متعلق زرتاوان وغیرہ کی شرائط طے کر سکتا ہے۔ حرم یا مامن کے خیال سے اہل مشرق پورے طور پر آشنا ہیں۔ اور جن

۱۔ اسی عنوان کو تا فی ذیل کے شعریں ادا کرتا ہے۔

امام ثامن صنائس حمیش چون حرم امن + زمین از حرم اوسکن سپہ از عزم اد پویا مترجم  
۲۔ ایران میں بست کا خیال تین جداگانہ مقامات سے منسوب کیا جاتا ہے اگرچہ یہ جانا مشکل ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ (۱) متبرک عمارت یا مساجد سے (اس کا مقابلہ یہودیوں کے معبد کی قربان گاہ کے دونوں کناروں کے ساتھ کرتا چاہیے جگہ چوڑے سے چوڑے والا انسانی طاقت کے دائرہ سے باہر نکل آتا ہے)۔ (۲) شاہ یا شاہی خاندان کے اراکین کے اصطبل یا گھوڑوں کی دھون سے۔ (۳) توپخانہ کے نواح سے۔ مثلاً میدان توپخانہ واقع طهران سے خصوصاً اوس بڑی توپ کے چوڑے سے جو محل کے باہر ہے۔ چارٹون ایسے دو سو سال پہلے اپنی کتاب مطبوعہ <sup>(لنگہ)</sup> جلد ہفتم صفحہ ۱۳۹ میں بیان کرتا ہے کہ اولیا دیکھا کے مقبروں۔ شاہی محل واقع اصفہان کو یہاں تک اور شاہ کے مطبخ اور نیز اصطبل سے ان کا یہ خیال وابستہ تھا۔ شاہی اصطبلوں اور گھوڑوں کے خصوصیت کے ساتھ بطور مامن کے انتخاب کئے جانے کی وجہ وہ دوسرے ذمادہ تجربہ قرار دی جا سکتی ہے جو ایسے ملک میں جہاں گھوڑوں کی قیمتی تسلیں موجود ہوں اور جہاں ہر شخص فن شہسواری میں مہل رکھتا ہو والی ملک کی املاک کے اس حصہ پر مزید دل کی جاتی ہے۔ ایران میں ایک ضرب المثل ہے کہ وہ گھوڑا جسکے سوار نے اوس کی حرمت کا لیا

امان بخش شہرون کا ذکر کتاب عہد عتیق کے پہلے پانچ پاروں میں ہے وہ اس خیال کے ابتدائی مصادر تھے۔ لیکن انگریزی ناظرین کو بھی اس پر حقارت یا استعجاب سے نظر ڈالنی چاہیے کیونکہ ہمارے اپنے ملک اور خاص دار السلطنت میں زیادہ عرصہ نہیں گزر تا کہ اسی طرح کی ایک جائے پناہ قرضداروں کے لئے اوس مشہور و معروف مقام ایسیسیا میں موجود تھی جو بلیکفرائرس برج اور ٹپل بار کے درمیان واقع تھا اور جو ابتداءً رہبانی فرقہ ڈامینیشن یا بلیک فرائرس کا مسکن تھا۔ مشہدین بست امام صاحب کی خاص جائداد سمجھا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۲۔ نہیں کیا کہی اپنے سوار کو فتح و نصرت کا سہہ نہیں دیکھا گیا۔ اس کے علاوہ میلکم نے اپنی تاریخ کی دوسری جلد کے تیسویں باب میں ایک ایرانی قلمی تحریک اقتباس درج کیا ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ نادر شاہ کے پوتے نادر باجر جس قدر مصائب نازل ہوئے اُن کی وجہ یہ تھی کہ اوس نے ایک معز کو جس نے شاہی اسطبل میں جانچا لی تھی مروا ڈالا۔ اس تحریک میں حسب ذیل دلچسپ تفصیل مندرج ہے جس بادشاہ یا سردار کے طوطے میں کوئی مجرم پناہ اوس پر لازم ہے کہ جب تک وہ مجرم دہان رہے اُس کو کھانا کھلائے۔ یہ جائز ہوگا کہ وہ ان پو پونے سے پہلے پاروں سے روانہ ہونے کے بعد اُس کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب تک وہ طوطے میں موجود ہے اُس وقت تک خواہ وہ ایسا غلام ہی کیوں نہ ہو جس نے اپنے آقا کو مار ڈالا ہو پھر بھی کسی کی مجال نہیں کہ اُسے چھو بھی سکے۔ سلامتی کا مقام گھوڑے کا سر ہے اور اگر اسے کہلی ہو امین باندہ دیا جائے تو پناہ لینے والے شخص کو چاہیے کہ نکتے کو چھوڑے زمانہ مابعد میں سر کی طرح دم کے چوڑے والے کو بھی امان مل جاتی تھی کہ دم کے چوڑے میں خود گھوڑے کی دولتی کی طرف سے امان ملنے کی پوری امید نہ ہوتی تھی۔

ایسیسیا کے مفصل حالات کے لئے سروالٹر اسکاٹ آٹکلتان کے مشہور تاریخی افسانہ نگار کے تادیلی "خارجہ زوات نبلی" کو پڑھنا چاہیے۔ اس ناول میں مصنف نے ایسیسیا کے تاریخی حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ مترجم

اور اس کے متعلق یہاں تک تقید عمل میں لایا جاتا ہے کہ اگر احیاناً کوئی جانور اس کی حدود کے اندر داخل ہو جائے تو زیارت گاہ کے عہدہ دار اس پر فوراً اپنا قبضہ کر لیتے ہیں۔

### صحن



کے بازار کے سر پر ایک بلند محراب دار پہاٹک میں سے جو اس پاس کی دیواروں سے بہت اونچا ہے صحن یعنی متبرک عمارت کے خاص آنگن میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ ایک رفیع الشان احاطہ ہے جس کا طول ڈیڑھ سو اور عرض پچتر گز ہوگا۔ اس میں اون دو بلند لوگوں کے سنگین مزار واقع ہیں جنہیں اپنی دولت کی وجہ سے اس اعلیٰ امتیاز کے خریدنے کا موقع ملا اور اس کے گرد اگر دو منبر لہ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اس صحن کے وسط میں ایک چھوٹی سی رشت پہل سائبان نما عمارت کھڑی ہے جسکی چھت مٹلا ہے اور جس کے نیچے ایک فوارہ دار حوض ہے۔ اس حوض میں نہر سے پانی آتا ہے اور اس کے چاروں طرف پتھر کی ایک نالی بنی ہوئی ہے جسے شاہ عباس نے بنوایا تھا۔ اس حوض کے پانی سے زائرین یہاں داخل ہو کر وضو کرتے ہیں۔ احاطہ کے چاروں پہلوؤں پر اون مقامات پر سے جو حجروں کے درمیان اور ان سے اوپر ہیں دیواروں میں کاشی کا کام ہے اور ہر دیوار کے وسط میں وہ عظیم الشان ایوان (محراب دار پہاٹک جو رفیع الشان مستطیل چوکھٹوں میں نصب ہیں) خلا سے باقیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو وسط ایشیا میں عربوں کے فن عمارت کا نمایاں خاصہ ہیں۔ یہ محرابی درہڑی بڑی رنگین اینٹوں سے جن پر کوئی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ مزین ہیں۔ جنوبی ایوان پر ایک کتبہ ثبت ہے

جس میں لکھا ہے کہ اسے شاد عباس ثانی نے ۵۹۹ھ میں تعمیر کرایا۔ ایک اور کتبہ سے  
ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ چارون ایوانوں پر خط کو فی میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے اس کا  
حصہ زیرین ۲۱۲ھ میں ایزاد کیا گیا۔ مغربی ایوان کی چوٹی پر ایک قفس ناہر جی بنی ہوئی  
ہے جس کے اندر کھڑے ہو کر موزن اذان دیتا ہے۔ ایسٹون کے غلطی سے فرض  
کر لیا ہے کہ یہ جرجی ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ہے۔

مشرقی ایوان وہ ہے جس میں سے گزر کر امام صاحب کی خاص خانقاہ میں داخل ہوتے  
ہیں اور اس کا اختصاص اس سونے کے کام سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو اس کے اوپر کے نصف  
حصہ پر کیا ہوا ہے۔ ایک کتبہ سے جو اس ایوان پر ثبت ہے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ  
سلطان حسین نے ۸۵۹ھ میں اس کی تعمیر ختم کی۔ کچھ عبارت اس کے بعد کی ہے جہاں  
لکھا ہے کہ نادر شاہ نے ۱۱۵۹ھ میں اس سونے سے جو وہ ہندوستان کی مغلیہ  
سلطنت کے خزانوں کو لوٹ کر لایا ہوتا اس پر طع کر لیا۔ صحن میں دو مینار سے ہیں جو ان  
بیانات کی رو سے جو سیاحوں نے ان کے متعلق قلمبند کئے ہیں اور نیز اس ذاتی مشاہدہ  
کی رو سے جو کاموقعہ منجھہ بست کے ایک بازار کی چھت پر چڑھنے سے حاصل ہوا داخل  
ہونے کے خاص پہاگ کے دونوں طرف متناسب فضل سے قائم نہیں ہیں۔ قدیم

۱۱۵۹ھ چارڈن کہتا ہے کہ موزنوں کے لئے ایران میں ان قسوں کے بنائے جانے کی وجہ  
یہ تھی کہ کہیں اس پس کے مکانات کے صحنوں میں ان کی نا محراز نظرسہ عورتوں پر  
نہ پڑے۔



ترمینارہ جسے شاہ اسمعیل یا شاہ طہاسپ نے تعمیر کیا تھا خود مزار قائم ہے۔ جب  
فرزبر دوسری مرتبہ ۱۳۳۷ء میں یہاں آیا تو یہ اس قدر متزلزل یا مضر رسیدہ ہو رہا تھا کہ  
اس خوف کے سبب ادایہ گرنہ پڑے اسے خود گرا دیا گیا۔ بعد میں اسے از سر نو تعمیر کیا گیا۔  
دوسرے مینارے کو جو دراڑ اسے نادر شاہ نے تعمیر کیا تھا۔ یہ مینارہ مقابل کے پہاڑ  
کے عقب پر کھڑا ہے۔ ان دونوں میناروں کے اوپر کے حصوں پر سہرے ملمع کی  
سائنس کی چادرین چڑھی ہوئی ہیں اور ان کی چوٹی پر وہ قفس نام غلام گردش بنی ہوئی ہے  
جو مایہ نالی طرز عمارت کا عام خاصہ ہے۔ جب سورج کی کرنیں ان کی جگمگاتی سطح پر پڑتی  
ہیں تو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے ستون ہیں کہ چمک رہے ہیں

### (۳) مسجد حضرت امام رضا علیہ السلام

بہم اوس عمارت کے پاس پہنچتے ہیں جو چار دیواری کے اندر بلحاظ  
رحمت و شان کے سب کی سترج سے یعنی زندہ جاوید امام کی مسجد اور مزار۔ زندہ جاوید  
میں آئے حیا کر کہا کیونکہ جس عقیدہ کی بنا پر یہ زیارت گاہ معہ اپنے وسیع توابعات کے  
قائم ہے وہ یہ ہے کہ امام مہدوح ابھی تک زندہ ہیں۔ اور جو لوگ ان کی درگاہ میں آتی  
ہیں ان کی دعاؤں کو خارق عادت طور پر قبول فرماتے ہیں۔ امام صاحب جو حضرت کہلاتی  
ہیں اپنے مہانوں کے گزیران ہی ہیں۔ جب تک یہ لوگ ان کے علاقہ کے اندر  
رہتے ہیں وہ نہ صرف ان کی روحانی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں بلکہ  
ان کے حوائج بدنی کو بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ جو زائر یہاں آئے

وہ یہاں کے خادم ملاؤں میں سے ایک کو معقول شرح فیس ادا کر کے اون سے استخارہ کر سکتا ہے اور جواب شافی آسانی سے پاسکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً یہ افواہ شہور ہوتی رہتی ہے کہ حضرت کی درگاہ پر حیرت انگیز کرامت ظہور میں آئی۔ یعنی لنگڑے لوٹے چلنے لگے۔ اندھوں کو سوجھائی دینے لگایا اسی طرح کا اور کوئی زبانی کرشمہ ظاہر ہوا۔

روضة میں داخل ہونے سے پہلے ایک وسیع منزل آتی ہے جسکے سنگ مرمر کی فرش پر بیش قیمت قالین بھی ہوئی ہیں۔ اس کے اوپر ۵۷ فٹ کی بلندی تک سب سے بڑا گنبد اٹھا ہوا چلا گیا ہے جس کا بیرونی ملمع شدہ حصہ مشہد کے زائر کو دور سے اس مقام کا

آہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ دو سو سال کا عرصہ منقضي ہوتا ہے جبکہ فرانسیسی پارسی سینس نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اوس کے پوسٹ کنندہ حالات یوں بیان کئے ہیں کہ ”شاہ عباس نے بہت سے جہوٹے معجون کے عمل میں لائے جانے سے اس مزار کو مشہور کر دیا ہے۔ اوسے دیدہ و نماست ایسے آدمیوں کو جو اندھے نہیں تھے یہاں اس غرض سے متعین کیا کہ اپنا اندھا ہونا ظاہر کریں اور پھر ذمہ داری سنبھال کر پکارا کہ میں نے اس کی کرامت سے ہم بینا ہو گئے۔ چنانچہ ان لوگوں نے لڑائی کیا اور اس وسیع حضرت امام رضا کا مزار ایسا متبرک سمجھا جانے لگا کہ ایران کے امراء عظام میں سے اکثر نے اسی مسجد میں دفن کئے جانے کی خواہش ظاہر کی ہے اور اس کے اوقات میں بیش قیمت جاناہ ایزاد کی ہے۔ برغلات اسکے نادر شاہ کو ان مصنفی کرامتوں سے بے حد نفرت تھی۔ ملک نے اپنی تاج ایران کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۷ پر اسکے متعلق ایک حکایت بیان کی ہے۔

۱۷ چارٹن کے سفر نامے (مطبوعہ لیتل) کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۲۸ پر ایک منارت دلچسپ واقعہ مندرج ہے۔ چارٹن جو ۱۷۲۷ء میں بہادر شاہ سلیمان اصفہان میں تھا۔ پادشاہی درگاہ کے مکان پر ان طبع شدہ انیٹوں کو جو دیکھنے گیا۔ جو حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزار کے گنبد پر جو حال ہی میں زلزلہ سے متاثر ہو چکا تھا نصب کئے جانے کے لئے تیار کی جا رہی تھیں۔ لاپٹکے انگریزی ترجمہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۳۷ میں یہ

سزاغ بناتا ہے اور اوس کی منتظر آنکھوں میں سرور کا نور پیدا کرتا ہے۔ اس منزل کی دیوار میں کاشی کے کام سے مزیں ہیں اور عربی زبان میں جتنا جلی کچھ عبارت ان کے اوپر کے حصہ پر منتوش ہے۔ اس عبارت میں آوازوں کی گونج ہر وقت بلند ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ خانقاہ کے خادموں اپنی آواز سے قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنائی دیتی ہیں۔ سید اپنے روزانہ وظائف کا ورد کرتے ہیں اور طالع ملا اپنی خدمات تازہ وارد زایرون کے آگے پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب مہینوں تک ویران اور غیر دلخوش کن جوالیہ کی صعوبتیں اور زحمتیں جھیلنے کے بعد زایر کی نگاہ اس مشہور و معروف درگاہ کے سنگ مرمر کے فرش۔ کاشی کے آرائشی کام۔ سنہرے پہلے سامان اور بیش قیمت چڑھاوون پر پڑتی ہے تو محویت کے عالم میں اس کے منہ سے اعتقاد آمیز تعجب اور سرسٹ کی نوائیں بے اختیار بلند ہوتی ہیں۔ وہ میری جس نے اسے خود دیکھا ہے کہتا ہے کہ ”اگر اور باہر اس مزار پر سونا چڑھا ہوا ہے اور اس لحاظ سے اسلامی دنیا میں یہ خانقاہ بلاشبہ و شک سب سے زیادہ دولت رکھتی ہے۔ اگرچہ اوس زمانہ سے جبکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴۔ واقعہ اس طرح سے منبج ہے۔ ایٹنٹین پیتل کی (تسنبے کی نہیں) ہتھیں اور طول میں ۱۰۔ نصف عرض میں ۱۶۔ ایچ اور موٹائی میں دو باؤڈ کی موٹائی کے برابر تھیں۔ ان ایٹنٹون کے نیچے کی طرف دو پٹیاں تین تین انچ چوڑی ایک دوسری کو قطع کرتی تھیں بنی ہوئی تھیں تاکہ پلستر میں کھب جائیں اور ایٹنٹون کو مضبوطی سے پکڑ سکیں۔ اوپر کے حصہ پر اس قدر سونا چڑھا ہوا تھا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا کہ خود یہ ایٹنٹ ہی خالص سونے کی ہے۔ ہر ایک ایٹنٹ پر ۳ لٹ (سولے کا ایک تیرم) کی قیمت معہ روپیہ کے قریب ہوتی تھی کے برابر سونا چڑھا ہوا تھا اور قیمت ہر ایٹنٹ کی تقریباً ۱۰ کڑوں (باؤڈ) ہوگی۔ شاہی خزانہ نے ایٹنٹون کی تھاری کی نگرانی

اول اول یہ خانقاہ قائم ہوئی اب تک کئی دفعہ اسے لوٹا جا چکا ہے پھر بھی اسکے گنبد اور برجوں اور اندرونی حصہ کی منبت کاری میں بے شمار دولت موجود ہے اسکی اندرونی دیواریں نادر جواہرات و زیورات سے مزین ہیں۔ کہیں کوئی طرہ مشکل بہ الماس آویزان ہے کہیں کوئی تلوار اور ڈھال لٹکی ہوئی ہے جس میں نعل اور زمرہ جڑے ہیں۔ کہیں مرصع کنگڑے طوقہ تھائے فاخرہ اور بیش قیمت جہاز نظر آتے ہیں۔ غرض کہ غیر موزون نہ ہوگا۔ اگر نہ ایراس جگہ لگائی ہوئی عمارت کے اندر داخل ہونے پر قبل اسکے کہ وہ اپنی پرستش کے مقصود اصلی یعنی مزار تک پہنچے فرط تعظیم سے اپنا سر اتنا نہ جھکا دے کہ وہ زمین سے جا ملے۔

### مزار امام

مختلف زمانوں میں اس مزار کے گرد سونے اور چاندی اور فولاد کی مندریں نصب

بقسمت حاشیہ صفحہ ۳۲۸۔ کے کام پختہ ہوا تھا۔ بایا کہ اول اول ۳۰۰۰ بیٹوں کی تیاری کا حکم بادشاہ نے دیا۔ کسی نے اسکو اتنا نہیں لوٹا جتنا اون لوگوں نے جنہیں اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہونا چاہیے تھا علی الخصوص نابینا شاہ رخ کے دو بیٹوں نے جو نادر شاہ کے پوتے تھے فرط حرص و طمع سے اس درگاہ کو جسے اون کے دادا نے مزین و آراستہ کیا تھا اور جس کی اوس کی نظروں میں اس قدر وقعت اور عظمت تھی اپنی غارت گری کی خاص طور سے آماجگاہ بنایا۔ نذر نذر مزار نے حضرت امام صاحب کے مزار کے گرد کئی طلائی منروج کا ایک صحن اکھڑا لیا اور نادر مزار نے گنبد کی چوٹی پر سے اوس بڑے طلائی تہ کو جھکا ڈالا ۲۰ پادشاہ (سوا پنج سن) ہوا اور والیا اور دہلیوں بہاؤوں نے اندر کے سامان میں سے جہازوں قالمینوں وغیرہ کو خوب ہی لوٹا۔

کی حسابی رہی ہیں پہلی منہرج ابتداء شاہ ملہا سپ نے لضب کر آئی تھی لیکن ناشرنا  
 کے پوتے نے اسکے ایک حصہ کو اکھڑا کر غارت کیا۔ سب سے آخری منہرج خود نادر  
 نے بنوائی تھی مزار میں داخل ہونے کے تین دروازے ہیں۔ ایک دروازہ چاندی کا  
 ہے۔ ایک سونے کا چہرہ پیش قیمت جو اہر جڑے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ فتح علی شاہ کا  
 ہے۔ تیسرے دروازے پر ایک قالین بچھا ہوا ہے جس میں موتی ٹکے ہوئے ہیں  
 مزار کے گرد جو مہر یحییٰ ہیں اون پر چاندی اور لکڑی کی لوحین آویزاں ہیں جنہر اوعیہ مانوڑہ  
 ثبت ہیں۔ ہر ایک لوح کے سامنے عبادت کرنے والوں کی ایک جماعت کھڑی رہتی ہے  
 اور یہ لوگ یا تو خود دعائیں مانگتے ہیں اور یا اون دعاؤں کو دہراتے جاتے ہیں جو اون کا  
 مرد پر ہوتا ہے۔ دعائیں مانگتے وقت وہ گریہ وزاری کرتے ہیں گویا کہ اسطرح ابدی  
 خوشی کے دروازے اون کے لئے کھل جائیں گے۔ حقیقت میں ایشیا کے ان غیر  
 تہذیب یافتہ باشندوں کو فطر ارادت و عقیدت سے خائفہ کی جالی اور فرش اور  
 علی الخصوص اوس بڑے قفل کو جو دروازے سے لٹکا ہوتا ہے بوسہ دیتے ہوئے  
 دیکھنا ایک عجیب و غریب اور عظیم الشان منظر ہے۔ زہد و اتقا کی ان کیفیات سے  
 اگر کسی کا قلب غیر متاثر نہ ہوتا ہے تو وہ مجاور اور سید ہیں۔ اون کی غرض صرف اسی قدر ہی  
 کہ اپنی مٹی روپیہ سے گرم کریں۔ وہ عبادت کرنے والوں میں ہر طرف گہستے پھرتے ہیں  
 اور جب تک حسب دلخواہ کچھ وصول نہیں لیتے او وقت تک پیچھے نہیں ہٹتے۔ جب  
 زائر فطر اتقا سے پیچھے پاؤں چلاتا ہوا انجام کار اس عمارت کے رخصت ہوتا ہے تو اس سے

مشہدی کا اعزاز می لقب حاصل ہو جاتا ہے جسے وہ اپنی مہر اور قبر کے تقوید پر کندہ کرتا ہے اور ہمیشہ اپنے نام کے بعد بطور خطاب کے استعمال کرتا ہے۔

## دوسرے لوگوں کے مقبرے

امام صاحب کے مزار کی زیارت کی تحویت میں زائر کو غالباً مشہور و معروف خلیفہ ہارون الرشید کی مشت خاک کی پر وہی نہ ہوتی ہوگی جو قریب ہی ایک تابوت میں محفوظ ہے اور نہ شاید فتح علی شاہ کے بیٹے اور موجودہ شاہ (ناصر الدین) کے دادا عباس مزار کی مقبرے ہی سے اس سے زیادہ دلچسپی ہوگی جو اس عمارت کی مقدس چہت کے نیچے واقع ہے۔ اس کے علاوہ خاص خانقاہ کے باہر بہت سے لوگوں کے مقبرے ہیں لیکن امتیاز و اہمیت کے لحاظ سے وہ ایسے نہیں کہ اون پر زیادہ وقت صرف کیا جائے وہ یورپین جنہوں نے مزار کو دیکھا ہے

اب میں ایک عام غلطی سے بحث کرتا ہوں جس کا ظاہر کرنا اغراض حق کے لئے نہایت معلوم ہوتا ہے۔ اس غلطی کی اشاعت کی ابتدا ۱۸۶۲ء میں مسٹر ایسٹوک نے یہ کہہ کر کی کہ مسجد (حضرت) امام رضا میں اگر کوئی یورپین کہی داخل ہوا ہے تو وہ میں ہوں اور یہ تو یقینی ہے کہ اگر کوئی یورپین بحیثیت یورپین کے اس عمارت میں داخل ہوا ہے تو وہ میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس غلطی اس بطلو پیڈیا برسٹائیکا کی طبع جدید میں نہ صرف اعادہ کیا گیا ہے بلکہ اس بارہ میں اوپر اصناف بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ مشہد کے متعلق

جو مضمون اس میں درج ہے اوس میں لکھا ہے ”اوڈونون سے پہلے اگر کوئی یورپین چار دیواری تک گیا تو وہ ایسٹوک تھا۔ یہ دونوں دعوے بالکل بے بنیاد ہیں۔ ایسٹوک سے پہلے فریزر ۸۳۲ء میں درگاہ میں داخل ہوا اور مزار تک چلا گیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اقدس پڑھے اور ملاؤن سے یہ کہنے کے بعد کہ میں نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے (اوس کا یہ طرز عمل نہایت ہی قابل اعتراض تھا) اوسکو صحن کے ایک حجرے کے اندر رہنے کی اجازت دی گئی اور اس عرصہ میں اوستے اندر کا نقشہ کھینچ لیا۔ ۸۳۳ء میں کونولی نے مسجد کے تمام حجر و نکو باستثنائے اوس حجرے کے جس میں مزار ہے دیکھا اور صحن میں اوس کی آمد و رفت روزانہ رہتی تھی اور گو اوس کو پہچان لیا گیا لیکن اوس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ ۸۳۲ء میں برنس بنجارا سے واپس آتے وقت صحن کے اندر گیا لیکن اس سے آگے جانا اوس نے قرین احتیاط نہیں سمجھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے قلمبند کرتے وقت وہ لکھتا ہے کہ ”میری احتیاط میرے شوق پر غالب آئی“ اس کے بعد فریزر نے بھی ۸۳۵ء میں ایسا ہی کیا۔ فریزر جب ۸۳۴ء میں مشہد کو واپس آیا اور یہ وہ زمانہ تھا جب عباس مزار کی فوج جس کے ساتھ متعدد انگریزی

۱۔ دیکھو ”جرنی انٹو خراسان“ (سفر خراسان) - صفحات ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵۔

۲۔ دیکھو ”اور لینڈ جرنی انٹو انڈیا“ (ہندوستان کا سفر خطی کی راہ سے) جلد اول - صفحہ ۲۸۸۔

۳۔ دیکھو ”ٹریپولس انٹو بغداد“ (سفر بنجارا) - جلد سوم - صفحہ ۷۰۔

۴۔ دیکھو ”کاروان جرنیر“ (سفر بلخ و کاروان) - صفحہ ۱۲۶۔

افسر بھی تھے مشہور پرفتنہ کرچکی تھی تو اوستے تمام یورپیوں کو بلا امتیاز و تفریق صحن میں آتے جاتے دیکھا جو اس وقت بہت ہی بوسیدہ ہو رہا تھا اور جس کی بعد میں جا کر مرست ہوئی۔ یہ تمام لوگ ایسٹوٹک کے سفر سے پہلے آئے۔ لیکن جب خود اسٹوٹک کی بارسی آتی ہے تو ہمیں نہ صرف اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ جانے کے صحیح ممنون میں مسجد میں نہیں گیا بلکہ یہ دریافت کر کے ہمیں اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ اوسکو زیادہ تر محتاط متقدمین تو صحن کو طے کر کے آگے گئے تھے مگر اوس نے اتنا بھی نہیں کیا۔ متولی باشی یعنی خائفہ کے محافظ اعلیٰ نے اسے عقب سے اونچوٹ میں سے ایک مین اندر آنے کی اجازت دی جو صحن کے گردا گرد واقع ہیں اور یہاں بیٹھ کر اوسنے اپنے سامنے کے منظر کو دیکھا۔ اس سے آگے وہ نہیں گیا اور یہاں بھی وہ پہونچا تو بے خبری کے عالم میں<sup>۵۲</sup>۔

اس سلسلہ واقعات میں اوسکے زمانے سے لیکر آج تک کے اور اوڈونوون تک کے زمانہ کے حالات کو بیان کرتے کرتے ہکو معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال بعد یعنی (۱۸۹۳ء) مین ویمبری جس نے جو انڈوی کے ساتھ فقیروں کا بھیس بدل کر بنارا اور مرقد کا خطرناک سفر اختیار کیا تھا اپنے سفر سے لوٹتے وقت مسجد میں داخل ہوا اور جس بھیس کو اوس نے اپنی مرست تک اس کامیابی کے ساتھ نیا ہاتھ اوی میں مزار

۵۱ دیکھو آء ڈسٹرکٹ جرنل ۵ (موسم سرما کا مسطور) - جلد دوم - صفحہ ۲۱۱۔

۵۲ دیکھو جرنل آف آسے ڈیپارٹمنٹ "ایک سفیر کا رونا چہچہا جلد دوم - صفحات ۲۱۴-۲۱۵ الی ۲۲۹۔



حجرہ کے اندر بھی گیا۔ اسی زمانہ میں ایک انگریزی افسر کرنل ڈالنج نے جو شاہ کا ملازم رہتا۔ اور مشہد کے قریب بارود کے ایک کارخانہ کا منتظم تھا حسام السلطنہ گورنر جنرل کی تاکید سے صحن کے اندرونی حصہ میں داخل ہوا۔ بالآخر جب ہم ۱۸۸۰ء میں اوڈولونون کے زمانہ تک پہنچتے ہیں تو ہمارے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحن میں بھی داخل نہیں ہوا بلکہ باہر کے ایک دروازے میں سے اوس نے چار دیواری کے اندرونی حصہ کو نقطہ چھانک دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جسے میرے خیال میں معرض خطر میں پڑنے کے بغیر آج کے دن بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ بہت تک اگر کوئی یورپین پہنچ جائے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ وہ خاص پہانگوں کے علاوہ کسی دوسرے پہانک کی راہ سے داخل ہو تو وہ بغیر زیادہ وقت کے صحن کے پہانک تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں کی آماجگاہ بنے یا کچھ لوگ اس کا پیچھا کریں یا ایک ابنوہ کثیر اسکے گرد پیش جمع ہو جائے لیکن گمان غالب ہے کہ اس پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ حدود محترمہ کے اندر داخل ہو تو دوسری بات ہے گو کہ میں اون لوگوں میں سے ہوں جن کا میلان اس رائے کی طرف ہے کہ اس بارہ میں اہل مشرق کے تعصب کو حد سے زیادہ بڑھا کر

کرنل (ابن آؤڈاکٹر) ڈالنج ایک انگریز تھا جو جنگ کریمیا میں دیمتر پتری سرجنی (دبیطاری) کی خدمت انجام دیکر شاہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ طہران میں اس نے انتقال کیا۔ مشہد کا جو نقشہ میگلر گیک کی کتاب میں درج ہے وہ کرنل ڈالنج ہی کا تیار کیا ہوا تھا اور چہ قرن دیکر میگلر گیک نے اس سے خرید لیا تھا۔

۵۰۔ دیکھو ہودی مرداوسس "دگلش مرد"۔ جلد اول۔ باب بست و نم۔

دکھایا جاتا ہے۔ بہر حال نہ صرف ذاتی سلامتی بلکہ اپنی قوم کے نام نیک کے برقرار رکھنے کی غرض سے کسی اجنبی کا ایسی کوشش کرنا داخل حماقت ہو گا کیونکہ معلوم ہو جائے پر ضرور اوس کی قومیت پر دہیا لگے گا۔ مین خود ایک راہنما کی مدد سے جس مقام تک بازار کی چھتوں پر سے ہوتا ہوا گیا وہ میرے خیال میں بس کے اندر واقع تھا جہاں سے مین عمارات متبرکہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس مقام سے گوہر شاد کی مسجد جو مسجد حضرت امام رضاؑ سے ملی ہوئی ہے اور جس کا مین اب نوکر کر کے والا ہوں کوئی استی یا سو گز ہوگی۔ اگر مجھے کوئی خاص امتیاز حاصل ہے تو وہ یہ کم مایہ امتیاز ہے کہ جہاں تک میرا علم ہے مشہد کی چار دیواری کے اندر جو پہلا انگریز ممبر پارلیمنٹ داخل ہوا وہ مین ہیں۔

### (۴) مسجد گوہر شاد

دوسری مسجد مسجد حضرت امام رضا علیہ السلام کے عقب میں واقع ہے مگر اس کا رخ امام صاحب کی مسجد کے مقابلہ میں ترجیحاً ہے۔ امام صاحب کی مسجد کی طرح اس کا بھی ایک بڑا صحن ہے اور اسکے گرد اگر دو منتر لہ حجرے بنے ہوئے ہیں اور کاشی کے کام کے رفیع الشان ایوان اور دو بڑے غیر ملح شدہ مگر کاشی ہی کے کام کے مینارے اسے زینت بخشتے ہیں۔ اس کی روکار خاص پر ایک کتبہ ثبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۸ھ میں بہ عہد شاہ رخ یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ ایک اور کتبہ جنوبی ایوان پر درج ہے جس میں لکھا

لے اس وقت تو مصنف صبح ممبر پارلیمنٹ ہی تھے مگر اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشہد کی چار دیواری کو اندازاً گزشتہ پندرہ سال کا کوئی دایرہ سرائے کسی داخل ہوا ہے تو وہ لارڈ کرزن ہیں۔ مترجم

کہ شاہ سلطان حسین نے شانہ حسین اسے از سر نو بنوایا۔ فریزر کے خیال میں جس نے اس مسجد کو دیکھا وہ مسجد بجا طو خوشنمائی اور عظمت و شان کے ایران کی تمام دوسری مساجد پر فوقیت رکھتی ہے۔ اور دیمیری اس کے خاص دروازے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”میں بڑی دیر کے بعد اس بات کا فیصلہ کر سکا کہ آیا میں اس دروازہ کو فضیلت دوں یا اون دو اسی نمونہ کے دروازوں کو جو میں نے سمرقند اور ہرات میں دیکھے تھے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اگر یہ ایک ہی کاریگر کے ہاتھ کے بنے ہوئے نہیں ہیں تو کم از کم یہ سب کے سب شاہ رخ کے زمانہ میں تو تعمیر کئے گئے۔ ممکن ہے کہ مدرسہ خانم واقع سمرقند اور نیز مصلائے ہرات رفعت و شوکت کے اعتبار سے مسجد گوہر شاد کے دروازہ پر فوقیت لے گئے ہوں لیکن یہ تو میں کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔“

مسجد گوہر شاد کے بیرونی حصہ پر آج کے دن یہ تعریف پورے طور سے صادق نہیں آتی تو کہ اس کا کاشی کا کام بلاشبہ نہایت خوشنما ہے۔ اس کے گنبد پر جو امام صاحب کی مسجد کے گنبد سے زیادہ بڑا اور زیادہ اونچا ہے نیلی۔ سبز اور نارنجی رنگ کی اینٹوں کا کام ہے جو بعض بعض مقامات پر سے اکبر لگئی ہیں۔

### بست کی دوسری عمارات

صحیح خاص کے محرابی درون میں سے ایک کے ذریعہ سے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں جسے مرزا جعفر ایک متمول ایرانی سوداگر نے جس نے ہندوستان میں بہت کچھ دولت پیدا کی بنوایا تھا۔ یہ عمارت مشہد کی تیسری نہایت ہی عمدہ عمارت ہے اور عالی شان اور

زینت و آرایش کے لحاظ سے دونوں مسجدوں کی کمر سر ہے۔ اسکے بانی نے بہت کچھ روپیہ بھی اسکے لئے وقف کر دیا ہے جو پچاس ساٹھ ملاؤں کے مصارف کا کفیل ہوتا ہے۔ چار دیواری کے اندر دوسرے مدرسے، صحن، رہنے کے مکانات اور حمام اور نیز ایک بہت بڑا کھانے کا کمرہ ہے جہاں زائرین کو حضرت کی طرف سے کھانا دیا جاتا ہے ہر نو ذی الحجہ کو تین دن تک مفت کھانا ملتا ہے اور اس دعوت عام پر ۳۰ من یا ۷۰ من سیر چانول روز صرف ہوتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام صاحب کے اسطرح کے پانچ سو یا چھ سو مہان ہر روز یہاں کھانا کھاتے ہیں۔

### کتب خانہ امام صاحب

خانہ امام صاحب کے متعلق ہم خائیکاف کے مرہون منت ہیں کہ اوس نے اپنی عالمانہ تحقیق سے ہکوجب ذیل اطلاع بہم پہنچائی۔۔ وہ بیان کرتا ہے کہ کتب خانہ کے قائم کئے جانکی تاریخ شاہ رخ کے زمانہ سے بیشتر نہیں قرار دی جاسکتی۔ قدیم ترین نسخہ جو اس کتب خانہ میں رکھا گیا قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا۔ اسکے بعد شاہ عباس اور شاہ سلطان جہاں نے یہاں کتابیں بھیجی۔ ۱۵۵۸ء میں خائیکاف کے آنے سے کچھ عرصہ پہلے کتب خانہ کی ایک فہرست مرتب کی گئی تھی جس سے اوسے معلوم ہوا کہ کتب خانہ میں ۳۹۹ تصانیف ۳۶۵ جلدوں میں تھیں جن میں ۱۰۴۱ قرآن تھے (۱۸۹ چھپے ہوئے اور ۸۵۲ قلمی۔ قلمی نسخوں میں سے بعض بلحاظ قطع و حجم و خوبی لا جواب تھے)۔ ۲۹۹ وایرون کے لئے کتب ادعیہ و اعمال تھیں۔ ۲۲۴ عام کتب فقہ تھیں اور ۲۲۱ کتابیں

صرف شیعہ عقاید کے متعلق تہین۔ اس بات کے معلوم ہونے سے تعجب ہوتا ہے کہ اس کتب خانہ پر جس شخص نے سب سے بڑا احسان کیا وہ نادر شاہ تھا جس نے باوجود جاہل ہونیکر اس میں چار سو قلمی نسخے رکھوائے۔

## خانقاہ کی آمدنی



نقاہ کی آمدنی نقد و جنس کثیر المقدار ہے۔ فریزر کہتا ہے کہ خاندان صفویہ کے آخری فرمانروا شاہ سلطان حسین کے زمانہ میں اٹھارویں صدی کے شروع میں یہاں کی آمدنی صرف ۱۲۰۰۰۰ تومان تھی لیکن ۱۸۲۱ء میں اوسکا بیان ہے کہ یہاں کی آمدنی ۱۰۰۰۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰۰۰۰ تومان تک ہے (ممکن ہے کہ اس میں چھاپے کی غلطی ہو اور اس کا مقصود صرف ۱۰۰۰۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰۰۰۰۰ تک کا ہو)۔ بیٹے نے ۱۸۲۱ء میں کل آمدنی کی تعداد ۱۰۰۰۰۰۰۰ تومان ہونا بیان کی جو اس زمانہ میں ۱۰۰۰۰۰ پاؤنڈ کے مساوی ہوتے تھے۔ جو اطلاع مجھ کو ملی اوسکی رو سے اسوقت اس خانقاہ کی آمدنی ۱۰۰۰۰۰۰۰ تومان (جس کے موجودہ مقرر تبادلہ کے حساب سے مع ۱۰۰۰۰۰۰ پاؤنڈ ہوتے ہیں) اور دس ہزار ہزار غلہ ہے۔ امام صاحب کی جائداد غیر منقولہ تمام ایران میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اسکے علاوہ مکانات کاروانسراؤں۔ دکانوں اور بازاروں کی شکل میں بھی بہت سی جائدادوں کی ملک ہے۔ مسجد کے چھ سو درہابہ دیباہ خادمین اور ہر ہفتہ کے لئے ایک سو کی ماموری غل میں آتی ہے۔ عمارات متبرکہ کے کل غلہ کی تعداد مجتہدوں۔ ملاؤں۔ متولیوں۔ ملازموں۔

۱۰ ایک ہزار = ۶۴۹ پاؤنڈ = (۲۴۲ سیر = ۸ من ۱۲ سیر)۔

نہ کر دن چاکر دن اور دوسرے ماتحتوں کو ملا کر دو ہزار ہوتی ہے۔

## مشہد کی آبادی



کی مجموعی معینہ آبادی آج کے دن بھی وہی ہے جو کہ کوئی کے زمانہ میں  
تھی یعنی قریباً ... ۳۵۰۔ لیکن مشہد کی زندگی میں مذہبی عنصر کو جس قدر دخل ہے اس کا اندازہ  
اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ سال تمام میں کوئی ایک لاکھ زائر اس شہر میں داخل ہوتے  
ہیں حالانکہ اوسط تعداد زائرین کی اس شہر میں ہر وقت ... ۵۰۰ سے لیکر ... ۸۰۰ نفوس تک  
ہوتا بیان کی جاتی ہے۔ ان اعداد سے اور نیز جو کچھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس سے  
ایک حد تک واضح ہو سکتا ہے کہ مجتہدین اور پیشوایان مذہب کے ہاتھ میں کیسی وسیع اور زبردست  
طاقت موجود ہے اور اسے مشہد کی سیاسی حالت سے لازمی طور پر کمان تک تعلق ہے۔  
اس میں خراشک نہیں کہ مشہد مختلف قوموں، مختلف پیشوں، مختلف اغراض اور مختلف  
مقاصد کا مجمع ہے جو خاندان کے ٹھکانے کے گرد گھومتا ہے۔ جس طرح مشہد کے حصہ وسطی  
میں متبرک چار دیواری قائم ہے اسی طرح اہل مشہد کی زندگی بھی اسی قالب سے قائم ہے  
جو اداہم، کرامت پرستی اور ریاکاری کا تیرہ انرجیوں طرف پھیلاتا ہے۔ کوئی کی اس  
رائے کے صائب ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا کہ مشہد کے ملاؤں میں سے اکثر گندم، نان  
اور جو فروش ہوتے ہیں۔ جبکہ مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ جو لوگ امام صاحب کی  
درگاہ کی زیارت کو آئیں ان کو جس طرح ہو سکے کوٹین مجتہد سے لیکر نانابائی تک کے ذہن  
میں یہی دہن سائی ہوئی ہے اور خدام درگاہ زائرین کے رویہ پر ہی ان کا نہیں کرتے

بلکہ امام صاحب کی درگاہ کو درست حالت میں رکھنے کے لئے جو روپیہ مخصوص ہونا چاہیے  
اوس پر بھی دست تغلب دراز کرتے ہیں۔

## خانقاہ کا انتظام



یہ زمانہ سے خانقاہ کا انتظام ایک عہدہ دار کے ہاتھ میں چلا آیا ہے جو  
متولی باشتی کہلاتا ہے۔ متولی باشتی کے لئے لازمی نہیں ہے کہ وہ طبقہ علماء سے تعلق  
رکھتا ہو بلکہ عموماً وہ ارباب دنیا میں سے ہوتا ہے۔ اپنے عہدہ کے امتیاز کی وجہ سے متولی  
باشتی مشہد میں احضار الخواص سمجھا جاتا ہے اور اقتدار و رسوخ کے لحاظ سے وہ گورنر جنرل  
خراسان سے کچھ کم نہیں بلکہ اکثر ادھر بھی فوقیت لے جاتا ہے۔ موجودہ شاہ کی طاقت  
کا یہ کچھ کم ثبوت نہیں تھا کہ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اوسنے اپنی یہائی رکن الدولہ  
کو جو میرے خراسان پہنچنے کے وقت وہاں کا گورنر جنرل تھا متولی باشتی کے عہدہ پر  
ماور کرنے سے مذہبی عنصر کو سلطنت کے انتظامی عنصر کا مطیع و محکوم بنا لیا۔ تاریخ میں یہ پہلا  
واقعہ تھا کہ دونوں عہدوں پر ایک ہی شخص کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس نسبت  
سے مجتہدین کی مذہبی طاقت گہٹ گئی اسی نسبت سے فرمانروائے وقت کی سیاسی طاقت  
بڑھ گئی۔ اقتدار اور ناموری کے لحاظ سے متولی باشتی کے بعد کمتر درجہ کے متولی ہیں۔  
جن میں سے بعض کی خدمت موروثی ہے اور بعض کو شاہ مقرر کرتا ہے۔ ان کے بعد  
مجتہد ہوتے ہیں جنہیں بہت کچھ امتیاز اور رسوخ حاصل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں  
شاہ کی طرف سے ان کے کچھ وظائف بھی مقرر ہوتے ہیں ان سب کے بعد ملاؤں کا

درجہ ہے جن کا کام یہ ہے کہ وعظ اور امامت کریں اور جو کچھ زایرون سے وصول کر لیں  
 اوس سے قوت بسر کریں۔ ممتاز مجتہدین کو نہایت درجہ مقدس خیال کیا جاتا ہے  
 جب وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے داخل ہوتے ہیں تو بہت سے لوگ اون کے  
 پیچھے نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے خالی وقت کا بہت کچھ حصہ  
 بلا تفریق و امتیاز جوش و خروش اور گریہ و زاری کرنے میں گزارتے ہیں۔ جب میں مشہد  
 میں پہونچا تو مذہبی ماتم کا زمانہ تھا۔ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام رضاؑ کی شہادت کا غم  
 کیا جا رہا تھا۔ غم سے نکالے جا رہے تھے۔ متبرک مقامات میں لوگوں کا ہجوم تھا اور  
 دھولون نقارون کے بجنے اور لوگوں کے چلانے سے رات نمونہ رستخیزین رہی تھی  
 انگریزی قونسل خانہ کے قریب جہان میں ٹھہرا ہوا تھا کوئی نہایت ہی خوش اعتقاد شخص  
 رہتا ہو گا۔ کیونکہ اوسکے شیون و بکانے تمام مکان سر پر اٹھالیا۔ مجھے اوس کے رونے  
 اور چلانے کی وجہ سے رات بھر نیند نہ آئی اور پڑا پڑا میں بھی دل میں اوسے کو تار تار۔

### چار دیواری کا رقبہ

بست کے ایک پھاٹک سے لیکر دوسرے پھاٹک تک جس زمین کا احاطہ چار دیواری  
 نے کر رکھا ہے۔ اوس کا رقبہ کم از کم چھ مربع میل ہو گا۔ مغربی دروازہ پر نقار خانہ قائم ہے اور  
 یہاں سے دوسرے ایرانی حوالہ حکومتوں کی طرح شام کے وقت ڈھول نفیری اور جہانج  
 کی غیر خوش آئند آواز بلند ہوا کرتی ہے۔





از انکہ میں خائفہ اور اس کے زایرون کا ذکر ختم کروں اس امر کا بیان کرنا بجا نہ ہوگا کہ مشہد کی زندگی کا سب سے زیادہ عجیب و غریب پہلو وہ سامان عیش ہے جو زایرون کے لئے انکے اثنائے قیام مشہد میں بہم پہنچایا جاتا ہے۔ زایرون کو جو دراز سفر اختیار کرنا پڑا ہے۔ جو مصیبتیں اور صعوبتیں انہیں سہنی پڑی ہیں۔ جو رنج و فراق اپنے گہراور اپنی بیوی بچوں سے جدا ہونے کے باعث انہیں برداشت کرنا پڑا ہے اس کے لحاظ سے ہر منظور می قانون مذہبی و دہرایا گئے ارباب اجتہاد ان کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ اثنائے قیام مشہد میں عارضی نکاح سے متنع ہولین۔ مشہد میں ایسی عورتوں کی ایک کثیر اور مستقل تعداد ہے جو ہنگامی زوجیت کے لئے تیار رہتی ہیں۔ فریقین کسی ملا کے پاس جھکنا دشوار نہیں ہوتا چلے جاتے ہیں اور اس کی اجازت سے

۱۔ مصنف نے اس وقتہ پر لفظ ”پراسٹیٹوشن“ استعمال کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس مقام کا موضوع متعہ ہے جو اہل تشیع کے نزدیک مذہبی لحاظ سے جائز اور متعہ ہے اس لئے میں نے لفظ مزبور سے قطع نظر کر کے متعہ لکھا ہے۔ صیغہ کے معنی کے سمجھتے ہیں ہی مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ صیغہ سے مراد نکاح ہے نہ کہ خود وہ عورت جس سے نکاح کیا جائے۔ لکھنا متعہ ایسی چیز نہیں جو مشہد ہی مخصوص ہو بلکہ اس مصنف کا خیال معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ہر مقام اور ہر وقت میں ہو سکتا ہے۔ صیغہ یعنی ہنگامی زوجہ سے ایک دن سے لیکر ۹۹ برس کی مدت تک کے لئے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ عورتیں چونکہ زمانہ کے لئے صیغہ بنائے جاتے ہیں کو عقدی یعنی حقیقی زوجہ ہونے پر ترجیح دینی ہیں۔ عقدی کو اس کا شوہر جب چاہو طلاق دے سکتا ہے لیکن صیغہ کو مدت معینہ معاہدہ ہے پہلے باسٹین نے اس صورت کے جبکہ اس سے برامالی سرزد ہو جائے نہیں کیا جاسکتا۔ بڑے شہر دن میں مدد عرصہ کے لئے جو عورتیں صیغہ بنائی جاتی ہیں انہیں نیم طوائف سمجھنا چاہیئے۔

معادہ نکاح مرتب کیا جاتا ہے جس پر فریقین کی مہرین ثبت کی جاتی ہیں۔ اور مقررہ سفر فیس کے ادا کرنے کے بعد نکاح قانونی طور سے کامل ہو جاتا ہے۔ پندرہ بیس دن یا جو کچھ بھی میعاد مقرر ہو اس کے گزر جانے کے بعد نکاح کی مدت ختم ہو جاتی ہے۔ عارضی شوہر کسی دور دراز سرزمین میں اپنی پہلی محبوبہ کے پاس واپس چلا جاتا ہے اور عارضی زوجہ چودہ دن کی عدت کے ختم کرنے کے بعد پھر کوئی نیا شوہر ڈھونڈ لیتی ہے۔ بالفاظِ کلیہ عیاشی کا ایک مہتمم بالشان طریقہ مذہب کی اجازت سے مشہد میں راج ہے۔ ایٹیا کے اور کسی شہر میں غالباً اتنی بدکاری نہیں ہوتی جتنی مشہد میں اور مجھے افسوس کے ساتھ یہ امر ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ جو دراز حضرت امام رضا کے مزار کی دہلیز کو بوسہ دینے کے لئے مجبور ہو کر ملے کرتے اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے آتے ہیں۔ اونکے دل میں اثنائے سفر میں اخیال سے بھی کچھ کم تشفی اور تسکین نہ ہوتی ہوگی کہ مشہد میں پہونچکر ان زحمتوں کی تلافی ہو جائیگی۔ اور وہاں ہم خوب کہیں کہیں گے۔

### نادر شاہ کا مقبرہ

وہ نامور فاتح نادر شاہ جس نے اس شہر کی سرپرستی کی اور اسکو مزین و آراستہ کیا ابتداء میں دفن کیا گیا تھا۔ اپنے حین حیات میں اس نے اپنے اور اپنے بیٹے رضا قلی میرزا کے لئے یہاں مقبرے بنوائے تھے جو مسجد امام صاحب اور دروازہ بالا خیابان کے بائیں واقع تھے۔ اب اون کا نشان بھی باقی نہیں۔ وحشی خواجہ میر آقا محمد خان قاجار نے جو اپنی مصیبت کے باعث اصلی کو بھولانہ تھا تخت چڑھتے ہی اپنے دیرینہ انتقام کی خواہش کو ان

دونوں مقابر کے سمار اور منہدم کرنے سے پورا کیا۔ نادر کی ہڈیاں اوس کے حکم سے  
 طہران لائی گئیں اور اپنے دوسرے رقیب کریم خان زند کی خاک کی طرح اوس نے  
 انہیں اپنے محل کی دیلیر کے تلے گروادیا تاکہ جب کہیں وہ باہر نکلے تو اوس شخص کی مٹی  
 کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا جائے جس نے اوس پر اور اوس کے خاندان پر مظالم عظیم  
 برپا کئے تھے۔ فریزر کے زمانہ میں یہ منہدم عمارات مشہد میں بلے کا ایک ڈھیر ہو رہی تھیں  
 دس سال بعد برٹش نے شلغون کا ایک کہیت اوس زمین پر لگا ہوا دیکھا جس میں فاتح ہندوستان  
 کی لاش دفن تھی۔

## مشہد میں یہودیوں کی آبادی

مشہد میں ابھی تک یہودیوں کے بہت سے خاندان آباد ہیں گو کہ انہیں اپنے  
 مذہبی طریقہ کے بموجب اداے عبادت کی سخت مخالفت ہے اور وہ صرف خفیہ طور  
 پر اپنی مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں۔ ۱۸۳۸ء میں ان کے جبراً مسلمان بنائے جانے کی  
 روایت مشہور ہے اور ایک سے زیادہ سیاح نے اوس کا اعادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر والف جو اس  
 واقعہ سے پہلے اور اس کے بعد دو دفعہ مشہد میں آیا اسے حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے  
 ”واقعہ یہ ہوا۔ ایک غریب عورت کے ہاتھ پر زخم تھا۔ کئی مسلمان طبیب نے اسے لپیٹنا  
 بتایا کہ کتنے کو مار کر اوس کے خون سے اپنا ہاتھ تر کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا مگر دفعۃً  
 تمام شہر کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ایسا کرنے سے  
 ہمارے پیغمبر کی تحقیر کی ہے۔ چند لمحوں میں ۵۳ یہودی مارے گئے۔ جو باقی بچے

وہ خوفزدہ ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اب وہ خفیہ طور پر پہلے سے بھی زیادہ بکے یہودی ہیں لیکن اپنے آپ کو انوشیم (مجبور کئے گئے) کہتے ہیں۔

والف یہ نہیں بیان کرتا (جس سے اس عام جوش اور بلوے کے پسینے کی توجیہ ہوتی) کہ یہودن اور کتے کے مارے جانے کا واقعہ بدقسمتی سے اوس دن پیش آیا جبکہ مسلمان عید الفصح کا جشن منانے میں مصروف تھے۔ ادھام پرستی اور بغض و عداوت نے بڑی آسانی سے ایک ایسے واقعہ کو جس سے کسی کے دل کا ستانا مقصود نہ تھا لوگوں کی نظروں میں اس صورت میں پیش کیا کہ گویا اوس کی غرض و غایت اونکے قومی مذہب کی توہین تھی اور اسی لئے فساد برپا ہو گیا۔ اوس زمانہ کے مقابلہ میں آج کل بہت کم تعصب یہان کے مسلمانوں میں ہے لیکن یہودی کو اب بھی چارے کے مشہد میں اپنا طرز عمل موبتاً اور منکسرانہ رکھے۔

## سرکاری عمارات

غایت بیان کرتا ہے کہ مشہد میں چودہ مدرسے اور سولہ کاروان سرائیں ہیں۔ اور

۱۵۔ دیکھو "میرٹو آف مشن ڈونچارا ان ۱۸۴۵-۱۸۴۳" (حالات سفارتہ بخارا ما سورہ ۱۸۴۳ء عراقی۔ ۱۸۴۵ء) جلد اول صفحہ ۲۳۹ و جلد دوم صفحہ ۷۲۔

۱۶۔ مسلمانوں کی روایت کے بموجب عید قربان کا جشن حضرت ابراہیم کی اس نیت کی یادگار میں منایا جاتا ہے کہ اونہوں نے حضرت ابراہیم (نہ کہ حضرت اسمعیل) کو قربان کرنا چاہا تھا۔ جو جانور اس موقع پر قربانی کئے جاتے ہیں۔ وہ مسلمان کے عقیدے کے مطابق بہت کچھ باعث ثواب ہیں اور یہ باور کیا جاتا ہے کہ جب مسلمان کو پل صراط پر جو تلواریں دمار سے بھی زیادہ تیز ہے جنت کی طرف جاتے ہوئے گزرتا ہے گا تو وہی قربانی کے جانور

ان کے نام اور نیز تاریخ ہائے قیام بھی اوسنے گن کر بتائی ہیں۔ جو ناظرین ان امور کے متعلق اطلاع حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ اوس کی کتاب پڑھ کر یہ باتیں دریافت کر سکتے

### صنعت و دستکاری

نئے شہد کی مقامی صنعت اور دستکاری کے متعلق کتابوں میں بہت کچھ حالات پڑھے تھے لیکن یہاں کی بنی ہوئی جو چیزیں میرے دیکھنے میں آئیں انہیں دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ خریدار کے لئے یہاں کے بازار سے زیادہ ناقص بازار اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ دمشق وضع کی تلواروں کے پہلے یہاں عرصہ قدیم سے بنتے ہیں اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابتداءً اس کام کے بنانے کے لئے تیمور نے دمشق کے کچھ کاریگر یہاں لا کر آباد کئے تھے لیکن چونکہ تلواروں اور پیش قبضوں کے بجائے اب بند و قون اور طہنچون کا رواج ہو گیا ہے اس لئے نئی تلواروں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ شیشی اور سوتی کپڑے اور مخل بیان تیار ہوتی ہے لیکن کیفیت کے لحاظ سے بخارا کے اسی قسم کے کام کے مقابلہ میں انہیں بہت ہی ادنیٰ درجہ حاصل ہے۔ شہر میں ۵۰ ریشم بافی اور ۳۲۰ شالبافی کے کارخانہ ہیں البتہ عمدہ قالینیں یہاں دستیاب ہو سکتی ہیں خصوصاً اصلی مشرقی وضع کی قالینیں جن کی بناوٹ غفٹ اور جن کے رنگ دیر پا ہوتے ہیں اور قاین اور بر جند سے آتے ہیں بہم پہنچ سکتی ہیں۔ کر دی وضع کے قالین بھی اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۵۔ اوس وقت ادن کے کام آئیں گے۔

۱۵ دیکھو مذکرہ اقوام جنوبی حصہ علاقہ وسط ایشیا "زبان فرانسیسی" صفحہ ۱۰۷۔

ایک جدا گانہ شان لئے جوتی ہیں لیکن اس قدر خوبصورت نہیں ہوتے فقط مشہد میں قالین  
بانی کے چالیں کا رواف ہیں۔ ترکمانی قالین اور زیورات اور ہتیار سابق میں مشہد  
کے بازاروں میں عام طور پر بچا کرتے تھے لیکن اب ان چیزوں کو روسی یا تو باوراء النہر  
میں تمام وکمال خرید لیتے ہیں اور یا وہ یورپ کو بھیج دی جاتی ہیں۔ ایران میں طہران کے  
بعد جو ہر شے کا مرکز ہے گوگلان ترکمانوں کے ڈیرون کے قریب استر آباد غالباً دوسرے  
درجہ پر بہترین مقام ہے جہاں ترکمانی ساخت کی چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ قدیم نامائی  
بلکہ باختری کے بھی بسا اوقات مشہد میں مل سکتے ہیں۔ میں نے یہ خیال کیا تھا اور میرا  
ایسا خیال کرنا حتیٰ بجانب بھی تھا کہ چونکہ نیشاپور کی مشہور و معروف فیروزے کی کانین یہاں  
سے اس قدر قریب ہیں اس لئے یہاں اس پتھر کے عمدہ عمدہ نمونے مشہد کے بازاروں  
میں موجود ہونگے۔ لیکن جو فیروزے میرے دیکھنے میں آئے وہ نہایت خراب تھے۔  
جتے اچھے پتھر ہوتے ہیں وہ کان سے نکلے ہی خرید لئے اور ٹالاک غیر میں بیع دے  
جاتے ہیں۔ جو پتھر باقی بچتے ہیں وہ مشہد میں آتے ہیں لیکن اون کی کیفیت اور قیمت  
ایسی نہیں ہوتی کہ زایرون کی توجہ اپنی طرف منطقت کرے۔ نہ مجھے وہ پتھر کے ترشے  
ہوئے پیالے۔ بادے۔ بدہنے اور دوسری قسم کے ظروف ہی پسند آئے جو ایک قدیم  
وضع کی خرا اور اوزاروں کے ذریعہ سے ایک نرم پتھر کو جو اس نواح میں نکلتا ہے ترک  
تیار کئے جاتے ہیں۔ اس پتھر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو بہورائل بے سرخی اور دوسرا  
نیلا ہٹ لئے ہوئے خاکی رنگ کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ سیاحان سابق نے ان صنعتی



کر دیا اس لئے امپیریل بینک خراسان میں قائم ہو گیا ہے جہاں اس کے لئے ایک وسیع میدان کھلا پڑا ہے۔ مشہد میں روس کے بہت سے روبل (ایک روسی مکہ) کے نوٹ (ان کی تعداد ..... ۲۰ بیان کی جاتی ہے) زیر رواج تھے۔ انگریزی ساورن کی قیمت ۳ تومان اور ۱۲ قران یعنی اوسط شرح تبادلہ کے حساب سے ۱۹ اشلنگ چھپنس تھی۔ ہندوستان کا روپیہ یہاں اپنی پوری قیمت پر یعنی اشلنگ ۵ پنس میں چلتا تھا۔

### گورنر جنرل مشہد کی ملاقات

ننائے قیام مشہد میں خراسان کے گورنر جنرل سے ملا۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں یہ اعلیٰ عہدہ دار شاہ کے دو بھائیوں میں سے جو بقید حیات موجود ہیں ایک ہے۔ اس کا نام محمد تقی مرزا اور اس کا خطاب رکن الدولہ ہے اور وہ اس وقت تیسری دفعہ گورنر جنرلی کی خدمت پر مامور ہوا تھا۔ گذشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں کچھ کچھ فصل سے وہ اس خدمت پر متعین رہ چکا تھا اور سچ میں کہی کہی کسی دوسرے نعوے دار کے شاہ کی نظروں میں جڑہ جانے یا زیادہ رشوت دے سکنے کے باعث ہٹا بھی دیا گیا جاتا رہا تھا۔ اس کی نسبت یہ بات مشہور تھی کہ وہ ایک زرم مزاج اور کمزور دل کا شخص ہے۔

۱۵۔ مال اور تجارت کی سیاسی رپورٹ نشان ۵۳، باب ۱۹۹۔

۱۶۔ سال روان (۱۹۹۱ء) کے موسم بہار میں رکن الدولہ کو خدمت گورنری سے پہر ہٹا دیا گیا جسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے روسیوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اس کی جگہ فخر اللہ خان صاحب دیوان جو سابق میں نخل سلطان کے ماتحت فارس کا گورنر رہا مقرر ہوا ہے۔



اور شاہی خاندان کا شبیہ کفایت شعاری روس کے حصّہ میں بھی آیا ہے لیکن سیاسی امور میں وہ دنیا سازی سے کام لیتا ہے۔ البتہ اس کے مشیر خاص کی ہمدردی علی الاعلان روسیوں کے ساتھ تھی۔

## ارک



رک یا قلعہ جس میں گورنر جنرل رہتا ہے شہر کے جنوبی و مغربی حصّہ میں واقع ہے اور ایک وسیع میدان شہر کے اور اس کے درمیان حائل ہے۔ ارک کے گرد اگر دست دیواروں اور برجوں کا ایک حصار کھینچا ہوا ہے اور دو برجوں کے درمیان ایک پہاگ میں سے جکے اوپر شیر و آفتاب کا ایک دھندلا سا منجھکا نگیز نقش نظر آ رہا تھا ہم اندر داخل ہوئے اور ایک لمبی ڈاٹ کی چھت کی گلی میں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع صحن میں پہنچے۔ یہاں ہم گہوڑے سے اترے اور ایک کثیف چار دیواری میں سے ہوتے ہوئے جس میں پہولوں کی پریشان کیاریاں تھیں ہم ایک چھوٹے اندرونی صحن میں داخل ہوئے جہاں بہت سے ملازمین اور خدام کھڑے ہوئے تھے جو ہر کو ایک دیوانخانے میں جو دوسرے سر پر پھالے گئے۔

## رکن الدولہ کے ساتھ میری گفتگو

یہاں گورنر ہم سے ملنے کے لئے بڑھا۔ وہ پست قد اور بہت ہی جسیم ہے لیکن اس کی چہرہ سے ہر اختر تیزی کے آثار پائے جاتے ہیں اور گو شاہ سے اس کی شکل نہیں ملتی تاہم نسل قاجار کے ممتاز خال و خط سے آراستہ ہے۔ اس کے سر کے بال تو سیاہ

تھے لیکن اوس کی ڈاڑھی کی کھونٹیاں سفید تھیں سر پر وہ برے کی کمال کی کلاہ پہنے ہوا اور اوس کا بانی کا لباس کشادہ دامن والے معمولی سیاہ کوٹ اور ایران کے امرکی پتلون پر مشتمل ہوا اوس کے ہاتھوں میں سفید سوتی داستا نے تھے اور خوش اخلاقی کے طور پر اوس نے اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر آڑا جوڑا رکھا تھا۔

ہماری گفتگو کچھ بہت زیادہ دلچسپ نہ تھی کیونکہ گورنر نے صرف اخلاق آمیز رسمی جوابات پر اکتفا کیا جب میں نے اوس سے دریافت کیا کہ آیا آپ کے خیال میں ریلوے کا ایران میں قائم کیا جانا قرین احتمال ہے۔ تو اس نے یہ ہم سا جواب دیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جن ریل کے سلسلوں کا ایران میں قائم ہونا ممکن ہے اون کے متعلق اوس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ظن غالب یہ ہے کہ طہران سے قم تک سب سے پہلے ریل کا سلسلہ قائم کیا جائیگا اوس نے یہ بھی بیان کیا کہ میرے صوبہ کی معدنی پیداوار بہت بڑی ہے جو غالباً صحیح ہو اور سونے۔ چاندی۔ سیسے۔ تانبے اور کونے پر مشتمل ہے۔ جب میں نے اوس سے یہ دریافت کیا کہ آیا اخلاق عامہ کو یہ بات معلوم ہے کہ شاہ نے حال میں یورپ کا جو سفر اختیار کیا ہے اوس کے اثنائ میں یورپ نے اور بالخصوص انگلستان نے اس کا استقبال کس طور پر کیا تو اوس نے یہ جواب دیا: ”عوام الناس کو یہ حالات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔ صرف عہدہ داروں اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو اس کی کیفیت معلوم ہے۔ طہران میں تین اخبار شائع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کی سوکاپیان ہر ہفتہ مشہد میں آتی ہیں۔ بعد میں جب شاہ کا سفر نامہ شائع ہوگا تو لوگ پڑھیں گے اور اس وقت اون کو ب حال معلوم

ہو جائیگا۔

رکن الدولہ کی ملاقات سے مجھ پر جو اثر ہوا وہ اس اثر سے مختلف نہ تھا جو متعدد دیرانی  
اعیان سلطنت کی گفتگو سے جن سے بعد میں مجھے ملنے کا اتفاق ہوا میرے دل پر پڑا  
اور وہ یہ کہ اگرچہ اعیان موصوف مجھ کو طور پر اپنے ملک کی اندرونی ترقی اور فلاح کے متمنی  
ہیں۔ لیکن علی طور سے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بالکل کوئی کوشش نہیں کرتے اور  
جس حالت میں ہیں اسی میں خوش ہیں۔

### فوج متعینہ مشہد

گلے باب میں صوبہ خراسان کی فوجی طاقت کے متعلق کسیدہ تفصیل  
کے ساتھ ذکر کروں گا۔ فی الحال میں صرف اس فوج کا ذکر کرتا ہوں جو مشہد میں ہے یہاں تین پیدل  
پلٹین آٹھ آٹھ سو جوانوں کی متعین ہیں جو بالعموم صوبہ آذربائیجان کے ترکی صوبہ سے  
بہرتی کی جاتی ہیں۔ اس احتیاط کا مقصد یہ سمجھا جاتا ہے کہ فوج والوں اور شہر کے  
لوگوں میں رابطہ اتحاد قائم ہونے نہ پائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ارک میں بیس ہلکی توپیں  
موجود ہیں۔ لیکن چونکہ وہ کبھی باہر نہیں لائی جاتیں اور توپچی ادن کے چلانے کی کبھی  
مشق نہیں کرتے اور توپخانہ کے گھوڑوں سے بھی ان کے متعلق کبھی کام نہیں لیا جاتا  
اسلئے حقیقی جنگ میں غالباً یہ توپخانہ زیادہ مہیب نہ ثابت ہوگا۔

### مشہد و ول خارجہ کے قوت

صرف دو طاقتوں کے وکیل مشہد میں متعین ہیں اور وہ طاقتیں برطانیہ کمان اور روس

زمین اور طائر ہر سہ کہ انہیں دونوں طاقتوں کو یہاں وکیل رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ جو واقعات برطانوی اور روسی قونسلوں کے یہاں مقرر کئے جانے کا باعث ہوئے اور جو میرے مشہد پہنچنے سے کچھ ہی عرصہ پہلے ظہور میں آئے ایسے نہیں کہ ان کا یہاں ذکر نہ کیا جائے۔ اول اول روس نے ۱۸۸۰ء کے آخری حصہ میں اس بابہ میں تحریک کی ۱۸۸۱ء کے عہد نامہ اخال و خراسان کے ساتویں فقرے کی رو سے اس کو ایران کی سرحدی چوکیوں پر وکیل ستین کرنے کا استحقاق حاصل تھا۔ لیکن اس عہد نامہ میں کسی تونس یا تونس خیل کے تقرر کا ذکر نہ تھا۔ مشہد کو کسی ممکن الوقوع صورت میں سرحدی مقام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا رہتا اور ترکمانوں کے جبرگڑے سے اس کا بعید ترین تعلق ہی نہ تھا۔ اس کے علاوہ شاہ اس امر کا خاص طور سے مخالف تھا کہ خراسان کے مذہبی دارالحکومت میں کوئی ایسی دست اندازی کی جائے۔ روس اور برطانیہ کلاں و دونوں ایک عرصہ دراز سے یہاں ویسی مخالفت کر رہے تھے مگر جو انگریزی عہدہ دار مثلاً جنرل مکلیں اور کرنل اسٹوارٹ بطور خاص اس سرزمین میں سیاسی خدمت پر مامور کئے گئے وہ کسی دوسری جگہ کو نہ کہتے تھے یا اپنا مستقر ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے تھے اور کبھی مستقل طور پر

۱۔ یہ فقرہ حب ذیل ہے:۔ اس عہد نامہ کی شرط کی پابندی اور تعمیل کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ جو کلاں سرحد ایران پر رہتے ہیں ان کے چال چلن کی نگرانی کی جائے ہر چھٹی شہنشاہ روس کی گورنمنٹ کو ایران کی تمام سرحدی چوکیوں کے لئے وکیلوں کے نامزد کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ ان تمام معاملات میں جو فریقین معاہدہ کے مقبوضات سے ملے ہوئے متعلقین امن و آسائش کے قیام کے متعلق ہوں و کلائے شیعین روسی اور ایرانی حکام کے باہمی تعلقات کا واسطہ ہوں گے۔

مشہد میں نہ رہے تھے کیونکہ اوہنیں ہمیشہ یہ یقین دلایا جاتا رہا کہ یہاں رہنے میں اوہنیں جان کا خوف ہوگا۔

## موسولساف کا تقرر

روس نے کچھ عرصہ سے فیصلہ کر لیا تھا کہ اوس کی اغراض متعلقہ خراسان اس امر کی مقتضی ہیں کہ مشہد میں اوس کا ایک وکیل سرکاری طور سے رہے۔ چنانچہ زار نے موسولساف روسی تونس متعینہ رشت کو جو ایران کے سیاسی مسائل کو اچھی طرح سمجھنے کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا دہر خیال کیا جاتا ہے مشہد کا تونس جنرل نامزد کیا اور شاہ کو اطلاع دی گئی کہ اوسے اس تقرر کی نسبت اپنی منظوری دینی ہوگی۔ یہ حکمانہ طرز عمل شاہ کو نہایت ناگوار گذرا اور کچھ عرصہ تک منظوری نہیں دی گئی۔ لیکن روس کی طاقت شمال کی طرف اس درجہ مستحکم ہے کہ جن تجاویز کو وہ معرض عمل میں لانا چاہے اون کی زیادہ عرصہ یا حقیقی طور پر مدافعت کرنا ایران کے لئے نہایت خطرے کا باعث ہے۔ چنانچہ کچھ وقت کے بعد منظوری دی گئی اور ۱۸۸۴ء کے موسم بہار میں موسولساف کی ماموری مشہد میں عمل میں آئی۔ جب ایک دفعہ روسیوں کے ساتھ ایسی رعایت عمل میں لائی گئی تو انگریزوں کو بھی اوس سے متمتع ہونے سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔ عرصہ جبریل مکملین چکچہ مدت سے افغانی و ایرانی سرحد پر گورنمنٹ ہند کی سیاسی وکالت نہایت قابلیت سے انجام دے رہا تھا ساتھ ہی مشہد کا تونس جنرل مقرر ہوا اور اپنی خدمت پر اپنے روسی ہم عہدہ معاون سے کچھ عرصہ پہلے پہونچکر اوس محدود سیاسی جماعت کا رکن رکین قرار پایا جو خراسان

کے دار الحکومت مین اسطور سے وجود پذیر ہوئی تھی۔

## روسی قونسل خانہ



رمنٹ روس کچھ عرصہ سے اس موقع کے لئے تیار کیا کر رہی تھی جو روسی ایجنٹ کی طرف سے یہاں مامور تھا اس سے رہنے کے لئے ایک وسیع مکان جس کے حوالی کشادہ تھے اور جو شہر کے ایک عمدہ حصہ میں واقع تھا دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس عمارت میں جو ایک بڑے شہنشاہ کے وکیل کے سرکاری مکان ہونے کے لئے بالکل موزون تھی موسوسان فوراً چلا آیا۔ اور روسی پرچم اس کے دروازے پر لہرانے لگا۔ چار روسی کامک اور ایرانی فوج کے کچھ سپاہی جو گورنمنٹ ایران کی طرف سے دونوں قونسلوں کی حفاظت کے لئے مامور ہوئے تھے باہر جاتے وقت قونسل کے آگے آگے چلتے تھے اور شہد کے لوگ جن کا مذہبی تقصیب بالکل سلبی خیانت ہو اس بہت جلد اس غیر غصہ کے جو اس فوجی شان کے ساتھ شہر میں نکلتا تھا عادی ہو گئے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ ایک لائق روسی افسر کے عمل کے ساتھ موجود ہونے اور وسیع حوالی اور ایک شاندار عمارت کی وجہ سے جو ان لوگوں کے دلوں پر پڑا ہو گا اس سے ضرور ہے کہ شہد مین روسیوں کا رسوخ بہت کچھ بڑھ گیا ہو اور گو اس رسوخ کو بعض دفعہ شامانہ اور فوجی حکم کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے لیکن پھر بھی اس سے اس رسوخ میں باعتبار شدید کیفیت ہونے کے کوئی فرق نہیں آتا۔ شہد مین ایک زبردست روسی وکیل کا موجود ہونا گویا اس بڑی طاقت کی محسوس علامت ہے جس کے نقل و حرکت اور منصوبوں کے متعلق مشرق کی

ہر بازار میں گفتگو ہوا کرتی ہے اور جس کا ہر وقت بڑھنے والا سایہ جسے دیسی لوگ بیخودی کے عالم میں سرسبز خم کے ہوئے دیکھتے ہیں ایک گرجے والے بادل کی طرح افق کی طرف سے یڑھتا ہوا ملک پر چھا رہا ہے۔

## انگریزی قونسل خانہ



خبر "ٹائمز" کو جو مراسلات میں نے بھیجا اون میں سے ایک میں جنسب ذیل تحریر مندرج تھی: "افسوس ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ اپنے مختار کے رہنے کے لئے یہ سطح کا شاندار مکان تیار نہیں کر سکی۔ اس ضرورت کے لئے روس کی طرح افغانستان نے پہلے سے تیاری نہ کر رکھی تھی اور جس عمارت پر اب برطانوی قونسل خانہ کی علامت ثبت ہے اور انگریزی پہر پڑا اڑتا ہے اس کی ظاہری شان ایسی نہیں کہ اپنے مکین کے رتبہ اور امتیاز کا کچھ بھی ثبوت دے سکے۔ یہ امر نہایت ہی باعث ذلت ہے کہ برطانوی قونسل جنرل ایسے بست اور تہہ حال مکان میں بود و باش رکھے۔ گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ اپنے سفیر کی شان اور حیثیت کے موافق فوراً کسی ایسے مکان کا انتظام کرے جس سے یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ایک عظیم الشان اور دوامتد طاقت کا رعب بیٹھ سکے۔"

مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ اس بارہ میں گورنمنٹ میری ہم خیال نکلی اور اس نے ایک مستند بہ رقم کی منظوری اس غرض سے دی کہ ایک قطعہ زمین خرید کر اس پر ایسی عمارت قائم کی جائے جو برطانیہ کلان کی عظمت و شان کے مطابق ہو۔ جنرل مکلیں جس نے خراسان میں برطانیہ کلان کی وکالت کی خدمت نہایت قابلیت سے انجام دی ہے۔



مشهد کا ہنگامی انگریزی سفارتخانہ



اوس کا پہلے پہل یہ قصد تھا کہ شہر پیہ کے باہر ایک شاداب اور سیر حاصل باغ جس کا رقبہ تقریباً تیس ایکڑ تھا خریدا جائے لیکن جو اطلاع مجھے سب سے بعد میں ملی وہ یہ ہے کہ یہ خیال ترک کر دیا گیا ہے اور غالباً شہر ہی میں کوئی قطعہ آرائشی خرید لیا جائیگا۔

### اراکین و تقررات

طائفی سفارت کے اراکین نظام سفارت کے پوری طرح سے ترکیب پاجا نے کے بعد دیکھ نہ سکی تھی کہ اس کی حالت ابتدائی ہے (قونسل جنرل۔ اوس کا مددگار اور ایک نائب قونسل ہون گے۔ ہندوستانی فوج "گائیڈس" میں سے دو سارجنٹ اور تین سپاہی پہرے کے لئے خانگی طور پر مامور کئے گئے ہیں ان کی خوشنما وردی اور خوش آئند وضع سے دیکھنے والے پر خواہ مخواہ اچھا اثر پڑتا ہے۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ ایران کی طرف سے ایک سارجنٹ اور چھ جوان سرکاری طور پر پہرے کیلئے متعین ہیں۔ انگریزی قونسل خانہ سے ۲۲ ترکمان سواروں کا ایک دستہ بھی متعلق ہے۔ یہ ترکمان پنجہ کے قبیلہ سارق سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت سے جب کہ سرحد افغانستان کا شروع شروع میں جھگڑا ہوا ہے انگریزوں کے ساتھ ہیں اور اب مشہد اور ہرات کے درمیان خانگی ڈاک لے جانے پر مامور ہیں اس ڈاک کا سلسلہ ہرات میں امیر افغانستان کی ڈاک سے جاملتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۳۵۶۔ جنرل مکلیں اب اپنی خدمت سے سبکدوش کیا جا چکا ہے (۱۹۱۱ء) اور اوس کی جگہ شہزادہ قونسل جنرل سٹرن نے ایماس مقرر ہو کر آیا ہے جو ہندوستان کی سول سروس (طبقہ ملازمت ملی) میں ہے۔

شہزادہ ممتاز اور سہزادہ رعد ہے۔

اگر امیر افغانستان اپنے ممالک محروسہ کے شمالی حصوں میں ہو تو بعض دفعہ دلیسرے  
 کشور ہند کا کوئی ضروری مراسلہ نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ اس دور کے راستہ سے  
 اسکے پاس پہنچ دیا جاتا ہے۔ جب ایک شاندار اور موزون حوالی کی عمارت تیار ہو جائیگی۔  
 تو برطانوی قونسل جنرل جو گورنر جنرل ہند کا ایجنٹ بھی ہے اس عانت اور تائید کی وجہ  
 سے اپنی شان اور حیثیت ایسی رکھ سکے گا جو اعلیٰ وقت ذوالریاستین کی رفعت و عظمت کے  
 نمایان ہوگی جس کا وہ مختار ہے اور جو ایسے ملک میں اور ایسے لوگوں کے لئے لوازم سی  
 ہے جن کی نظروں میں آداب ظاہری اور نمائش کو گویا حصول نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

### قونسلوں کی کارروائی



تو مشہد میں دونوں طاقتوں کی ظاہری سیاسی حیثیت کا حال ہے۔ اب میں  
 ان کثیر التعداد انتظامی کارروائیوں کا ذکر کرتا ہوں جو دونوں قونسلوں کو انجام دینی پڑتی  
 ہیں کیونکہ روس اور برطانیہ دونوں کی صدارت عظمیٰ کو مشہد میں تجارتی اغراض سے آنا پڑتا ہے  
 رعایا سے برطانیہ جو یہاں آتے ہیں زیادہ تر ہندو اور چند کشمیری ہوتے ہیں جو بمبئی سے  
 براہ بندرعباس یہاں تجارتی مال لاتے ہیں یا بعض دفعہ وہ افغان یا ایرانی ہوتے ہیں  
 جو انگریزی رعایا ہو گئے ہیں۔ جو افغان مشہد میں آتے ہیں وہ ادنیٰ حقوق سے جو انگریزی  
 رعایا کو حاصل ہیں مستفید ہونے کے لئے اپنی پوری ضمانندی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ  
 امیر اپنے علاقہ میں ہر تقاضا سے نخوت و غرور کسی ایسے حق کے تسلیم کئے جانے کا ہرگز  
 روادار نہیں۔ خراسان میں روس کی رعایا ارمنی۔ قاف کے مسلمان۔ ترکمان۔ ماوراء النہر کے

باشندے۔ سرط اور بخارا کی بہن۔ ان رعایا کے ناموں کے درج رجسٹر کرنے اور اودن کے کاروبار میں ادھنیں عاجل مدد دینے میں روسیوں کو اپنے طریقہ پروانہ راہداری کی وجہ سے بڑی مدد ملتی ہے کیونکہ اس طریقہ کے ذریعہ سے درخواست گزار کا شخص۔ قومیت اور دعاوی فوراً دریافت ہو سکتے ہیں۔ انگریزوں نے اس نہایت ہی مفید طریقہ کو کبھی اختیار نہیں کیا اور اس لئے جن اشخاص کو انگریزی نسل حمایت میں ہونے کا دعویٰ ہوا وہ ان کے دعویٰ کی حقیقت کی تحقیق میں بہت کچھ وقت اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے اور پھر بھی بسا اوقات ایرانی حکام کو اوپر اعتراض ہوتا ہے اور بڑی مشکل سے بہت دیر کے بعد اس کا تصفیہ اودن کے حق میں ہوتا ہے۔ پس ان مشکلات اور دقتوں کے لحاظ سے یہ مناسب ہوگا کہ کم از کم ایران میں پروانہ راہداری کے طریقہ کے رواج دئے جانے کے مسئلہ پر غور کیا جائے۔ بین یقین کرتا ہوں کہ گورنمنٹ ایران اس کو نہایت ہی پسند کرے گی۔

### طوس

مشہد کے نواح میں بہت کم مقامات دیکھے جانے کے قابل ہیں۔ خواجہ ربیع کی مسجد کا ذکر میں پیش کر چکا ہوں۔ مصلحاً جو ابتداء ۱۶۹۹ء میں عید قربان کی تقریب کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اور جس کی نسبت میگدیگربان کرتا ہے کہ شہر کے حوالی میں اگر کوئی کہہ بڑ دیکھنے

۱۷ میں نے سنا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے افغانوں کو یہ اجازت دیدی ہے کہ ایرانی عہدہ داروں کی وساطت سے روسی پروانہ راہداری لے لیا کریں۔ مگر میں اس اجازت کو نہ تو حق بجانب ہی کہہ سکتا ہوں اور نہ اس کی کوئی توجیہ ہی کر سکتا ہوں۔

کے قابل ہے تو یہ ہے۔ اب بالکل برباد ہو جانے کے باعث ایسا نہیں رہا کہ اوسکو دیکھا جائے۔ البتہ ممکن ہے کہ سیاحون کو یہ شوق دامنگیر ہو کہ گہوڑے پر سوار ہو کر طوس کے کہنڈرون کی جا کر سیر کر آئیں جو مشہد سے پہلے شمالی و مغربی سمت میں پندرہ میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ ایرانی روایات اس شہر کی قدامت۔ تاج اور انقلابات سے جو کسی زمانہ میں مشہور تھا معمور ہیں۔ موجودہ کہنڈرون سے جو واضح اور نمایاں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں کا بنایا ہوا فضیل دار شہر تھا جس کا دور قریباً چار میل ہو گا۔ اسکے شمالی و مشرقی گوشہ میں ایک ارک یا حصار وسطی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ وسط میں ایک وسیع گنبد دار ویران عمارت ہے۔ جو بلاشبہ کسی زمانہ میں مسجد ہوگی۔ مگر اب نقارہ خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اوڈونون نے جس نے ان کہنڈرون کو بغور دیکھا ہے اور اونکا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے غلطی سے اس عمارت کو مشہور و معروف قومی شاعر فردوسی کا مقبرہ سمجھا ہے۔ بلکہ اوسکو ثابت تک کا پتہ چلا یا ہے۔ فردوسی کا مرقداصل میں ایک گننام سی عمارت کے تلے تھا جو ستر سال پہلے نظر آتی تھی مگر اوڈونون کے سفر کے وقت اوس کا نشان بالکل معدوم

۱۵ فردوسی کو جو سنہ ۹۴۰ء کے قریب پیدا ہوا اور ۱۰۱۳ء میں انتقال کر گیا محمود غزنوی نے تاج ایران نظم میں کہنے پر سامور کیا تھا چنانچہ اوس نے شاہ نامہ لکھا جس میں ساہو ہزار بیت بزبان پہلوی درج ہیں اور ان میں صرف دو عربی الفاظ پائے جاتے ہیں حالانکہ اوس زمانہ میں زبان مردم کے ہر تین لفظوں میں دو عربی لفظی غیر ایرانی لفظ ہوتے تھے۔

۱۶ دیکھو دی مردادس (گلشن مرو) جلد دوم۔ صفحات ۱-۱۱-۱۲-۱۳ اس کا مقابلہ خانیقات کی تصنیف کے صفحات ۳۱-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱ سے بھی کرو۔

ہو گیا تھا اور گہون کے ایک کہیت سے کوئی زیادہ ممتاز یادگار اوس پر پہر قائم نہیں کی گئی۔

## تاریقی



کہ میں سابق میں ذکر کر چکا ہوں مشہد شمال کی طرف قلات نادر می سے اور شمال و مغرب کی طرف کوچان و بیختر دسے بذریعہ تاریقی ملا ہوا ہے۔ قلات سے تاریقی کا ایک سلسلہ درگڑ تک گیا ہے۔ اسکے علاوہ مشہد سے سرخس کی سرحدی چوکی تک جو روسی سرحد پر واقع ہے اکھرے تار کی ایک شاخ قائم ہے مگر یہ تار اکثر ٹوٹتا رہتا ہے اور اسلئے دارالسلطنت اور سرخس کے تعلقات پیغام رسانی کا سلسلہ منقطع ہو رہتا ہے۔ یہ سلسلہ سال ۱۹۱۱ء میں دریائے تجند کے دوسرے کنارے پر روسی سرخس سے لیجا کر ملا دیا گیا ہے۔ جہاں روس کی فوجی چھاؤنی قائم ہے اور دونوں تاروں کا مقام اتصال دریائے تجند کی تہ ہے اس سے مشہد کا تعلق تاریقی عاشق آباد اور مرو کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جو روسی تقویٰ کا مزید ثبوت ہے۔ فی الحال مشہد اور جنوبی علاقہ کے درمیان تار قائم نہیں ہے مگر اس تجویز پر بحث کی جا رہی ہے کہ دارالسلطنت کو برجند سے بذریعہ ایک سلسلہ تار برقی ملا دیا جائے۔ طہران اور مشہد کے درمیان ۷۰ میل لمبا جو خاص سلسلہ تاریقی قائم ہے اسکی راہ میں نیشاپور۔ سبزوار اور شاہ روہ پڑتے ہیں۔ اگرچہ اسکا تعلق گورنمنٹ ایران سے ہے لیکن اس کے مصارف اور نیز اس کا انتظام انڈو یورپین ٹیلیگراف و پاورمنٹ سے متعلق ہیں جبکی طرف سے ایک مہتمم شاہ رودین اور دو تار منشی طہران میں متعین ہیں۔ اس سلسلہ تاریقی کی ضروریات کے لحاظ سے یہ عمل بالکل ناکافی ہے اور

تار مہینے میں کئی کئی دن تک ٹوٹا رہتا ہے۔ اول اول اہل ایران نے تار کے دفن و نون کو بست کی طرح مقدس خیال کیا اور کئی واقعات مشہد اور دوسرے مقامات میں ایسے پیش آئے ہیں کہ تم رسیدون اور مفردون نے ان دفاتر میں آپناہ لی۔ اس خیال کی علت غائی یہ تھی کہ تار کا سلسلہ شاہ کے محل واقع طہران سے سید ہا اہما ہے اور اس لئے اون مکانات میں جو بذریعہ تار شاہ کے محل سے ملے ہوئے ہیں۔ امان طلب کی جاسکتی ہے۔

### اجنبیوں کے ساتھ برتاؤ کا طرز



تمہ پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اہل یورپ اور عیسائیوں کو جس متعصبانہ عداوت کی نظر سے دیکھتے کے لئے مشہد ہمیشہ سے مشہور چلا آیا تھا اب وہ بالکل رفع ہو گئی ہے یہ سچ ہے کہ حکام کے مشورے سے ابھی تک احتیاط عمل میں لائی جاتی ہے اور مشہد کے یورپین رہنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تکلیف دہ تھا کہ شہر میں گھوڑے پر سوار جاتے وقت آگے اور پیچھے سواروں کا ایک دستہ حفاظت کے لئے ہوتا تھا۔ اس سے شتر بے مہار کی طرح ہر کوچہ و بزن کی دیکھ بھال کرنے کی اوس خواہش کا امتناع ہوتا ہے جو یورپین سیاحوں کی طبیعت کا خاصہ ہے لیکن جو اہل مشرق کے خود دار اور متانت کے خیالات سے اس درجہ مختلف ہے۔ مین آٹھ دن تک مشہد میں رہا اور ہمیشہ گھوڑے پر آتا جاتا رہا لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں چاہتا تو جہان میری مرضی ہوتی بلاروک ٹوک کے پیدل بھی آجا سکتا اور چند سال کے عرصہ میں یورپینوں سے لوگوں کی نگاہیں یہاں بھی ایسی ہی آشنا ہو جائیں گی جیسی کہ بخارا کی گلیوں یا اصفہان

کے بازاروں میں۔

## مشہد سے دوسرے راستے

سرخس (براہ ملک در بند و پل خاتون - ۹۶ میل) - سرسے برس (۸۳۲ء)  
 "ٹریولس انٹونجیارا" (سفر بخارا) - جلد سوم - صفحات ۵۶ - الی - ۶۵ + کپتان آنریبل - جی نیپیر  
 (۱۸۶۴ء) - "جرنل آف دی رائل جاکریفیکل سوسائٹی" (روزنامہ رائل جاکریفیکل سوسائٹی) -  
 جلد چہل و ششم - صفحہ ۱۴۶ (۱۸۶۶ء) + سرسی - میگلیگر (۱۸۷۵ء) "جرنی تہر و خراسان"  
 (سفر خراسان) - جلد دوم - صفحات ۱ - الی - ۳۰ +

مشہد سے ہرات (دورستے سب سے زیادہ معروف راستہ براہ تربت شیع جام و  
 غوریان سے - فاصلہ ۲۲۰ میل) - جے - بی فریزر (۱۸۲۲ء) - "جرنی انٹو خراسان"  
 (سفر خراسان) - صفحات ۱۱۸ و ۱۱۹ + لفٹنٹ - کے - کونولی (۱۸۳۰ء) - "اوور لینڈ  
 جرنی ٹو انڈیا" (ہندوستان کا سفر خشکی کی راہ سے) جلد اول - باب دوازدہم + جر -  
 پی - فیوریہ (۱۸۴۴ء) - "کاروان جنیز" (سفر بذریعہ کاروان) - باب دہم و سی ویکم +  
 کپتان کلاڈ - کلارک (۱۸۵۵ء) - "جرنل آف دی رائل جاکریفیکل سوسائٹی" جلد سی ویکم  
 صفحات ۴۵ - الی - ۴۷ + ایچ سی - مارشل (۱۸۶۲ء) - "ٹریڈ تہر و اسلام" (سفر دنیائے  
 اسلام بسواری آپ) - صفحات ۱۱۳ - الی - ۱۳۱ + سرسی - میگلیگر (۱۸۷۵ء) -  
 "جرنی تہر و خراسان" (سفر خراسان) جلد اول باب ہشتم و نہم +  
 مشہد سے سیستان - (براہ تربت حیدری - باجستان - برجند و لاش جوین) -





# آٹھواں باب

## خراسان کے سیاسی و تجارتی حالات

دیکھو آتا سرے یہہ دریا کیسا لہرانا ہوا  
میرے کھیتوں اور مینوں پر تم ڈھاتا ہوا  
بن گیا اس کے عل تو اک عظیم الشان ملال  
پھیلتا اٹھتا۔ ابھرتا اور خم کھاتا ہوا  
شیکسپیر۔ ہنری بلع۔ حصہ اول۔ تیسرا ایکٹ۔ چوتھا سین۔

۴۔ خراسان کے حالات میں تصانیف مندرجہ باب پنجم ششم و ہفتم کے علاوہ جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-  
جاگرفیکل سیسٹم آف دی پرنسپل اسپائر (سلطنت ایران کا جغرافیہ تذکرہ) مصنفہ جے میکڈونلڈ کینئر (۱۸۸۱ء)۔ جرنل آف دی رائل  
جاگرفیکل سوسائٹی (روزنامہ جرنل آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی) جلد ہفتم صفحہ ۳۰۸ (بابت ۱۸۳۸ء)۔ ہر قومہ جے۔ بی۔ فریزر (۱۸۲۲ء)  
”جرنل آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی“ (بابت ۱۸۴۱ء) جلد یازدہم صفحہ ۱۳۶۔ فرورسٹ جیٹنگ (۱۸۳۲ء)۔ جرنل آف دی رائل جاگرفیکل  
سوسائٹی (بابت ۱۸۶۱ء) جلد ہیڈیم صفحہ ۳۴۔ فرورسٹ کینان کلاڈ کلاک (۱۸۵۷ء)۔ ایسٹرن پرنسپل ڈی ہرٹ ٹریٹری (شرقی ایران علاقہ ہرٹ)  
بزبان روسی مقام سینٹ پیٹرسبرگ مصنفہ آرٹھر (۱۸۶۹ء)۔ جاگرفیکل سیکرین (رسالہ جغرافیہ) بابت یکم اکتوبر ۱۸۷۷ء۔ عمر تہذیب و تہذیب جے جی  
”۱۸۷۷ء“۔ جرنل آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی جلد پنجم صفحہ ۶۲ و ۱۲۵ (۱۸۷۶ء)۔ فرورسٹ جی۔ بی۔ نیپر (۱۸۷۲ء)۔ ہرٹ ٹریٹری  
دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی، سکر ویو اور رائل جاگرفیکل سوسائٹی جلد پنجم صفحہ ۱۶۶ (بابت ۱۸۷۶ء)۔ ہرٹ ٹریٹری آف دی رائل جاگرفیکل  
سوسائٹی (سلسلہ جدید جلد سوم) (۱۸۸۱ء)۔ جلد پنجم صفحات ۱۳۷ الی ۱۵۰ (۱۸۷۶ء)۔ ہرٹ ٹریٹری آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی (۱۸۸۸ء)  
”دی ٹریٹری آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی“ (۱۸۸۸ء)۔ ہرٹ ٹریٹری آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی (۱۸۸۸ء)۔ ہرٹ ٹریٹری آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی (۱۸۸۸ء)  
سرحد کے درمیان کے ترکمان (مصنفہ جرنل ٹیڈوسی نوچ۔ مقام طفلس ۱۸۸۸ء)۔ کو اسارا لاکن و الرجال و روایات خراسان  
پرایک مضمون فرورسٹ ای۔ ایچ۔ شندلر و مندرجہ رسالہ ”ایکٹیوٹی“ جلد اول (بابت ۱۸۸۵ء) +

## اس باب کا مقصد

اس باب میں خراسان کی سیاسی اور تجارتی حالت پر بحث کرنا چاہتا ہوں کیونکہ فن تجارت حقیقت میں تہذیبِ ملکی ہی کی ایک شاخ ہے اور کم از کم ایسے ملک پر تو یہ قول ضرور راست آتا ہے جہاں تجارت اور سیاست کے مقاصد کی تکمیل پلوہ پہلوں میں آتی ہو۔ جہاں تجارتی ایجنٹ اکثر صورتوں میں تبدیل لباس کے ساتھ سفیر سلطنت ہوتے ہوں۔ اور جہاں تجارت کے راستوں اور منڈیوں کا قبضہ کشور کشائی کا پیش خمیہ ہو۔ میں اپنے ناظرین کے سامنے اُن سیاسی و تجارتی اسباب کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو خراسان کے علاقہ کو یورپ کے فن تہذیبِ مملکت کا سمٹ بنا کر سکہ خراسان کے وجود مجازی کو حقیقت کے لباس سے آراستہ کرتے ہیں۔

میراثِ منشائے فصل میں اوس حصہ کا بیان کرنا ہے جو برطانیہ کلان اور روس سکہ مزبور کے تشوہ نامین لے رہے ہیں بالے سکتے ہیں اور نیز اس امر کا ظاہر کرنا ہے کہ اس کے تصفیہ آئندہ سے اون کی کیا اغراض وابستہ ہیں۔ میں اُن صغریٰ و کبریٰ کی مدد سے جن کے بہم پہونچانے میں مجھے کچھ کم وقت پیش نہیں آئی اور جو کسی دوسری کتاب میں باقاعدہ اور مرتب طور پر دیکھنے میں نہ آئیں گے یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ وہ تصفیہ آئندہ از روئے احتمال کس پنج پر ہوگا۔ اولاً میں اون اجزاء کی تصریح کرتا ہوں جن سے مجھے بحث ہے۔

## صوبہ خراسان

خراسان بھی سرزمینِ خورشید ابرن کا وہ صوبہ ہے جو اس مملکت کے مغرب سے شمال و مشرق

مین واقع ہے۔ مغرب کی جانب ۵۶ درجہ کے طول بلد اور مشرق کی طرف ۶۱ درجہ کے طول بلد  
مین یا یون کہئے کہ دریائے خال ٹھوسے ہری رود تک اس کا علاقہ پھیلا ہوا ہے اور اوسط  
عرض اس کا تین سو میل سے کچھ اوپر ہوگا۔ اس کا زیادہ سے زیادہ طول شمالی اور مغربی گوشہ  
سے لیکر جنوبی و مشرقی سرحد تک ۶۰۰ میل ہے لیکن اوسط طول پانچ سو میل قرار دیا جاسکتا ہے  
اس کی شمالی سرحد سلسلہ کوہ البرز کی وہ مشرقی شاخ ہے جس کا مین بیشتر تفصیل کے ساتھ ذکر کرچکا  
ہوں اور جو اس کو اوس علاقہ سے جدا کرتی ہے جو کسی زمانہ میں ترکمانوں کے زیر نگین تھا لیکن اب  
دولت روس کے ماوراء النہری علاقہ پر مشتمل ہے۔ اس کے جنوب کی طرف وہ حبیب صحرا واقع  
ہے جو سمندر کی طرح کرمان کے دامن تک پھیلا ہوا چلا گیا ہے اور اس کے پیوند کو گویا دو سر  
ملکوں سے جدا کرتا ہے۔

## طبعی کوائف

اس وسیع علاقہ میں جس کے رقبہ کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ سے لیکر دو لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے حالات طبعی  
مناظر اور آب و ہوا کے لحاظ سے قدرت نہایت ہی غیر متماثل ہیں اور مختلف الاوان لباسوں میں  
ظاہر ہوئی ہے۔ شمال میں تو ایسے پہاڑ ہیں جسکی بلند ترین چوٹیاں برف سے ہمیشہ ڈھکی رہتی ہیں اور  
۴۰ سلسلہ کوہ اعلیٰ داغ کے جنوبی پہلوؤں سے نکل کر دریائے خال برا مشرق کی سمت میں چشتالی یا جین کے  
سیدان میں سے بہتا ہوا دریائے قزاس (آب سیاہ) سے جاملتا ہے۔ یہاں سے اس کا رخ جنوب کی طرف بل جاتا ہے اور شہر  
طہران کی درمیانی شاہراہ کو بمقام پل البرٹیم قطع کرتا ہوا چپا چاس میں تک اور بہرہ کر دشت کو یہاں جذب ہوتا ہے۔

بارہ ہزار سے لیکر تیرہ ہزار فٹ تک بلند ہیں اس مقدہ اور پرہیزگار مین پہاڑ سلسلہ در سلسلہ واقع ہیں اور ان کی درمیانی وادیوں جنکا اوسط ارتفاع تین ہزار سے لیکر چار ہزار فٹ تک ہو گا۔ ان کے پہلوؤں کے رشحات سے اپنا کام و زبان تر کر کے زراعت اور آبادی کا مرکز بن گئی ہیں۔ ان میں سبز کھیت لہلہاتے ہیں اور دیہات و قصبات ان کو رونق بخشتے ہیں۔ برخلاف اس منظر کے جو قریب قریب کوہستان الپس کے مناظر کے مشابہ اور مماثل ہے دشت کویر جس سے زیادہ بھیاںک اور وحشت انگیز منظر انسان کے دیکھنے میں کبھی نہ آیا ہو گا خراسان کے وسطی حصہ میں اپنا فالج زدہ ہاتھ پھیلائے نظر آتا ہے۔ اسکے بعد جنوب و مشرق کی طرف ایک جدید کوہستان پھیلتا ہوا چلا گیا ہے جس میں پہاڑوں کی چوٹیاں ۶۰۰۰ فٹ کی بلندی تک اٹھی ہیں اور اونکے دامن میں سبز و مزرعہ وادیوں واقع ہیں۔ بالآخر اس کی تلافی کے لئے دشت لوط آ نمودار ہوتا ہے جو باوجود اختلاف کے وحشت افزائی اور ویرانی کے اعتبار سے دشت کویر کا مد مقابل قرار دیا جاسکتا ہے۔

## دریا اور زراعت

ایران کے دو بڑے مقلات کی طرح یہاں بھی زراعت کا دار و مدار پانی کی اوس مقدار پر ہے جو دریاؤں اور ندیوں کے ذریعہ سے بہم پہونچے۔ سیل یا نیپان جو مٹی اپنے ساتھ بہا لاتی ہیں ان دونوں سمراؤں کی مزید اور تفصیل کیفیت اس کتاب کی ایک اگلی فصل میں درج کی جائے گی جس کا موضوع مشرقی صحو بیات ہیں۔

اوسکی ایک تہ ریت پر جم جاتی ہے اور جو قابلِ زراعت زمین اس طرح پیدا ہوتی ہے اوس کو دیہی  
 ندیان یا سیلاب بعد میں سیراب کرتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی سیل جسکا نام کسف ہے جنوب  
 کی سمت میں برجند کے قریب ایک محدود رقبہ زمین کو آباد کرتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سی اور چھوٹی  
 چھوٹی ندیان ہیں جو دریائے ہری رود سے شروع شروع میں آکر ملتے ہیں۔ ان کے  
 سوا خراسان کے دریا اس صوبہ کے شمالی حصہ تک محدود ہیں جسکا اس وجہ سے اوس  
 علاقوں میں شمار ہونے لگا ہے جو ایران کے خرمن کہلاتے ہیں۔ یہاں کشف رود جسکا  
 ذکر میں پیشتر کر چکا ہوں دادی مشہد میں سے بہتا ہوا ہری رود میں جا ملتا ہے۔ مغرب کی  
 طرف کے علاقہ کو اتریک اور گرگان سیراب کرتے ہوئے بحیرہ اخضر میں جا گرتے ہیں۔  
 ان دونوں کے درمیان اوس مقام کے قریب جہان یہ اپنا نصف فاصلہ طے کر چکتے ہیں  
 ترا سو اور قال مور کی ندیان جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے دشت کویر میں گم ہو جاتی ہیں۔ غرض کہ یہ  
 مجموعی تعداد ہے اوس صوبہ کے دریاؤں کی جو کل اطالیہ سے بقدر اوس کے نصف کے  
 زیادہ بڑا ہے اور جو ہسپانیہ کے کل رقبہ سے کچھ ہی کم ہو گا۔

## آبادی

خراسان کی آبادی میں بھی اوسی قدر تنوع ہے جس قدر کہ اس کی طبعی خصوصیات میں  
 فوارحات کی متواتر موجیں اپنے ساتھ ایشیا کی مختلف بڑی بڑی اقوام کے نمونے لائیں اور  
 خود پیچھے ہٹ کر اوس سرزمین میں مستقل طور پر چھوڑتی گئیں۔ یہاں علاوہ ایرانی قوم

کے اور خاندان آریہ کے دوسرے لوگوں کے جنکا ابتدا سے یہ علاقہ مولد و منشاسے ۱۰۷۰  
مغلوں کی نسلیں بھی پائی جاتی ہیں جو تیمور اور چنگیز خان کے ساتھ آئے۔ اور وہ عرب  
دیکھنے میں آتے ہیں جنہیں فتوحات اسلام کے اٹھارے ہوئے دریا کی لہر میں یہاں پہا  
لائیں۔ انکے علاوہ یہاں تاتاری۔ ترکمان اور ترک بھی آباد ہیں جو حقیقت میں ایک خاندان  
واحد کی مختلف شاخوں کے آپس میں بدلے جاسکتے والے نام ہیں اور جنہوں نے مغلوں  
کے بعد اول تو سلجوقی اور پھر عثمانی حملہ سے مغرب میں تہلکہ ڈال دیا۔ انسا میکلو پیڈیا بریٹانیکا  
کی سب سے آخری طبع میں خراسان کی آبادی حسب ذیل مندرج ہے۔

۴۰۰۰۰	تاجیک	(۱) ایرانی
۲۵۰۰۰	کرد	
۱۰۰۰	بلوچی	
۲۵۰۰۰	تیموری	(۲) منغل
۵۰۰۰	پزارائی	
۱۰۰۰۰	افشار	(۳) تاتاری
۱۰۰۰۰	قاجار	
۱۰۰۰۰		(۴) عرب
۱۱۶۰۰۰	میزان کل	

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی تعداد سے تعداد مذکورہ بالا گنی ہے۔ اصل میں خراسان کی کل

آبادی ۵۰۰۰۰ اور ۴۰۰۰۰ کے درمیان ہے۔ ۱۸۷۲ء کے خوفناک قحط کی وجہ سے یہاں کی آبادی بہت گھٹ گئی اور اوس نے اب تک اس صوبہ کو نشین نہیں دیا۔

## تاریخ



اسان کی تاریخ نہایت متم بالشان اور انقلاب انگیز واقعات سے معمور ہے۔ سرحد ایران پر واقع ہونے کے باعث یہ مختلف اقسام کی مسلح کشاکشوں کا دلگزل اور اونکے لئے ایک مرغوب الطبع میدان کا رزار بنا رہا۔ اس کے بلاد و امصار کی وسعت و فراخی کی مدح میں مورخین عرب رطب اللسان ہوئے اور تاجپوشوں اور کشورستانوں کے جذبات کی آندھیاں اتنی آئین کہ ان کے چمن اڑ گئے۔ بڑے بڑے شہنشاہوں نے اس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور عظیم الشان سلطنتوں کا یہ دار بنار ہا ایک زمانہ وہ تھا کہ اس کا نام سن کر ذہن اوس مملکت کے تصور کی طرف منتقل ہوتا تھا جسکی شمالی سرحد خوارزم (خجوا) اور مرونگ اور ریائے حیحون تک پھیلی ہوئی تھی۔ جسین بلخ جوام الباء و عھا واقع تھا جس کا مرکز ہرات تھا اور جوند ہار سے بہت دور پرے تک چلی گئی تھی۔ زمانہ البعد میں جب اس کے اجزائیکے بعد دیگرے پراگندہ ہوتے گئے اور خود مختار حکومتیں اس کے منتشر حصوں میں قائم کی گئیں تو اس کی حدود و بتدریج سطحی چلین حتیٰ کہ سلاطین ایران کے لئے یہ کتابھی بعض

۱۔ ملک شاہ ارباب ارسلان کے بیٹے کی نسبت یہاں تک بیان کیا ہے کہ یوزشلمیر۔ مکرمعظہ۔ مدینہ منورہ۔ بغداد۔ اصفہان۔ رے۔ بخارا۔ سمرقند۔ اور گنچ اور کاشغر میں اوس کی صحت کے لئے ہر روز دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ دیکھو تاریخ ایران مصنفہ سیکر جلد اول صفحہ ۲۱۷۔

اوقات مشکل ہو گیا کہ اونکے قبضہ تصرف میں درحقیقت خراسان کا کس قدر حصہ تھا۔ اس صدی (انیسویں صدی) کے آغاز میں شمال کی طرف سمرجند لڑائیوں کی وجہ سے ویران ہو جانے اور سرکش سرداران قبائل اور مصروف پیکار جرجون کے موجود ہونے اور عام طور سے ہرات کی سیاسی قسمت کے تغیر پذیر ہونے کے باعث خراسان شاہان قاجار کے علاقہ کا کمزور ترین اور زردین آنے والا حصہ ہو گیا۔ گویا کہ باقی ہر ایک اعتبار سے ایک متحد اور متحدہ دولت کے لئے یہ ایک طرح کا آئرلینڈ بن گیا جس کی وجہ سے آئے دن ممالک محروسہ شاہ کجکلاہ میں غم و شہر برپا ہونے لگا۔ بہ زور شہر مطیع و منقاد اور مسخر کئے جانے پر بھی ایک عرصہ تک اس کی ظاہری سطح امن و سکون کے نیچے فساد و شورش کی چنگاری دہی رہی اور ہر وقت یہی خوف و امنگیر رہا کہ کہیں واقعات اس شہر ارہ کو ایک بیڑہ کتے ہوئے شعلہ کی شکل میں منتقل نہ کر دیں۔ مٹرا بٹوک نے ۱۸۶۲ء میں حسب ذیل رائے سپرد قلم کی:

”خراسان میں جنگ و جدل ہر وقت برپا رہتا ہے۔ لوٹ مار قتل و غارت۔ فساد و بغاوت پانچ۔ دس۔ بیس ڈاکوؤں کی گردن زنی ایسے واقعات ہیں جو ہر سفتہ پیش آتے رہتے ہیں اور قلعوں یا قصبوں کا محاصرہ سال میں ایک دفعہ ضرور کرنا پڑتا ہے اور ہر پانچ یا دس سال کے بعد ایک بہت بڑی جنگ پیش آیا کرتی ہے۔

خراسان کا پورا الحاق اور انضمام ممالک محروسہ شاہ کجکلاہ کے دو سر علاقوں کے ساتھ گزشتہ دس یا پندرہ سال سے عمل میں آنا بیان کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ شاہ مین گو اور کچھ



عیوب سہی لیکن اس امر کے لئے تو وہ ضرور سزاوارتھیں۔ یہ کہ اس نے بلاشبہہ دشمن اپنے کا ہیدہ مگر ابھی تک متحدہ ممالک کو خوب سیٹھا ہے۔ خاندان قاجار کے سابق کے ہر بادشاہ کے مقابلہ میں اس کی گرفت صوبہ خراسان پر زیادہ مستحکم ہے اور مشہد میں بھی اس کی حکومت ویسی ہی ہے جیسی طبرستان میں۔

## مالگزاری

۱۸۸۹ء میں سال گزرتا تھا کہ فتح علی شاہ کے زمانہ میں خراسان کی مالگزاری دو لاکھ تومان اور پچاس ہزار خروار غلہ تھی ۱۸۹۰ء میں یہ مقدار تین لاکھ چالیس ہزار تومان اور ۴۵۰۰۰ خروار غلہ ہو گئی۔ ۱۸۹۹ء میں ان اعداد میں اور اضافہ ہو گیا اور مالگزاری کی مقدار پانچ لاکھ اونتالیس ہزار تومان (۱۵۴۰۰۰ پاؤنڈ) اور ۴۳۰۰۰ خروار غلہ (جس میں سے دو تہائی گیمہون اور ایک تہائی جو تھے) اور ۱۳۶۰۰ خروار کاہ قرار پائی۔ ان اعداد سے واضح ہوتا ہے کہ باوجودیکہ تومان کی قیمت گھٹ گئی ہے پھر بھی اس صوبہ کی پیداوار کی استعداد روز افزون ترقی پر ہے اور نیز یہ کہ گورنمنٹ کا انتظام اب زیادہ اچھا ہے۔

۱۵ ایک خروار =  $\frac{1}{4}$  ۲۲ سیر = آٹھ من ساڑھے چار سیر۔

۱۵۵ یہ اعداد اس نقشہ کے اعداد کے قریب قریب مطابق ہیں جو مجھے بطور خود ملا اور جو آگے چل کر دیکھا جائیگا۔ اس میں خراسان کی مالگزاری حسب ذیل بتائی گئی ہے: نقد پانچ لاکھ آٹھ ہزار دو سو اڑھٹھ تومان۔ گیمہون اور جو ساٹھ ہزار ایک سو تیس خروار اور پچال اور دہان بارہ ہزار چار سو چوبیس خروار۔

## تقسیم

۱۔ کل محال کی تقسیم نہایت ہی دلچسپ طریقہ پر عمل میں آتی ہے جسکی توضیح آگے چل کر کی جائے گی۔ اس میں سے شاہ کو  $\frac{1}{10}$  مالے تومان (لے  $\frac{1}{10}$  پائونڈ) نقد اور  $\frac{1}{10}$  مالے تومان (لے  $\frac{1}{10}$  پائونڈ) جو غلہ کی اوس مقدار کی قیمت ہوتی ہے جو اوس کے حصہ میں آتا ہے یعنی جملہ  $\frac{1}{10}$  پائونڈ ملتے ہیں باقی کی رقم افواج اور عہدہ داران دیوانی کی تنخواہوں اور وظائف وغیرہ میں صرف ہوتے ہیں۔

## نظم و نسق

دوسرے عہدوں اور خدمتوں کی طرح ایران میں گورنری کا عہدہ بھی بالعموم سب سے زیادہ بولی بولنے والے کے ہاتھ میں لایا جاتا ہے اور خریدار جو دایم دیتا ہے اوسکو صوبہ متعلقہ کی پیداوار کی زیادتی یا کمی کا معیار قرار دیا جاتا ہے اور اوس کے لحاظ سے اس کی قیمت مشخص کی جاتی ہے۔ خراسان کا گورنر جنرل جو مشہد میں رہتا ہے بالعموم یا تو شاہی خاندان کا کوئی رکن ہوتا ہے اور یا کوئی اعلیٰ درجہ اور تہہ کا سرکاری عہدہ دار اوس کے ماتحت متعدد ضلع کے حاکم یا سردار متفاوت اقتدار و سرخ کے ساتھ ایسے علاقوں پر حکومت کرتے ہیں جو وسعت و پہنائی کے اعتبار سے قریب سے لیکر قسمتوں اور قسمتوں سے لیکر صوبوں کے ہمسرہ ہوتے ہیں۔ ان حاکموں کا تقریباً بالعموم شاہ کرتا ہے خواہ خدمت موردی ہی

کیونکہ نہولیکن اونہیں اولاً شاہ کے نائب متعینہ مشہد کے پاس جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ ان حاکمون کے ماتحت پھر چھوٹے چھوٹے افسر۔ سرکردہ اور چودہری ہوتے ہیں جنکو اونکے بالادست نامزد کرتے ہیں اور اونہیں بھی اپنے بالادستوں کے پاس جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔

## خراسان کے سیاسی مسئلہ کی ابتدا

ان سرداروں اور حاکمون کے اغراض و مقاصد کی رقابت۔ جن قوموں پر وہ حکومت کرتے ہیں اون کے اختلاف و تنوع۔ اور سب سے زیادہ اون کی سرحد کا دو غیر طاقون یعنی روس و افغانستان کے ساتھ جو مخالف ہی ہو سکتی ہیں ملا ہوا ہونا خراسان کے سیاسی مسئلہ کو معرض شہود میں لاتا ہے اور انہیں کثیر التعداد و اسباب کو مد نظر رکھ کر یہ مسئلہ نہایت دشوار ہو سکتا یا حل کیا جاسکتا ہے۔

## صوبہ استرآباد

خراسان کی جنوبی اور مغربی حدود کا اکثر حصہ چونکہ سرحدی علاقہ نہیں ہے بلکہ ایران کے دوسرے صوبیات سے ملا ہوا ہے اور اوس میں یا تو ایرانی رہتے ہیں اور یا وہ بالکل ہی غیر آباد ہے لہذا اوسے سرحد کی تدبیر ملکی کے مسئلہ میں کچھ دخل نہیں۔ اس مسئلہ کا تعلق صوبہ استرآباد سے شروع ہوتا ہے جو اوس خطہ پر مشتمل ہے جو بحیرہ اخضر کے جنوبی و مشرقی گوشہ یعنی خلیج استرآباد اور ضلع شاہ رود کے درمیان واقع ہے اور جس میں ایک زرخیز قطعہ زمین جو

گرگان اور اتریک کی ندیوں کے مابین مشرق کی طرف طول بلد کے چھ پنوں خط متوازی تک چلا گیا ہے شریک ہے۔ صوبہ استرآباد میں اسی نام کا صرف ایک شہر ہے جو اس کا دارالحکومت ہے۔ اس شہر کی آبادی آٹھ ہزار ہے اور حاکم استرآباد یہیں رہتا ہے۔ سکی بندرگاہ بندرگز ہے جو تیس میل کے فاصلہ پر خلیج متذکرہ بالا کے کنارے واقع ہے۔ یہاں کا حاکم اب تک سردار امیر خان سیف الملک شاہ کی ایک حرم کا بھائی تھا لیکن کچھ عرصہ ہوا کہ یا تو کسی دوسرے کے مامور اور یا خود مستعفی ہو جانے کے باعث وہ علیحدہ ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں ہر ایک صفت ایسی موجود تھی جو اس کو ایسے اہم عہدہ کے فرائض کی انجام دہی کے ناقابل بناتی اور یہ کہ وہ استرآباد میں محض اس غرض سے بھیج دیا گیا تھا کہ طہران میں رہنے نہ پائے۔ صوبہ استرآباد کی فوجی جمعیت برائے نام ۳۸۰۰ ہے جس میں سے عین سو جوان ایک قلعہ میں جو گرگان کے کنارے دارالحکومت سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مستحکم مقام ہے مامور ہیں۔ ۲۹۰۰ کی جمعیت کا حصہ ہوا کہ اسی مقام پر میدان میں خیمہ زن تھی۔ باقی کے جوان یا تو مختلف مقامات پر متعین ہیں اور یا سرے سے ہتھیار بند ہی نہیں۔ اس کل جمعیت میں ایک چوتھائی جوان ایسے ہیں جو غیر حاضر رہتے ہیں اور آگے چل کر ایک باب میں جو ایران کے شمالی صوبجات کے عنوان سے لکھا گیا ہے استرآباد کے صوبے۔ اسکی نوعیت۔ اس کے ذرائع آمدنی۔ اسکی آب و ہوا اور اس کے صدر مقام کے متعلق مزید کیفیت درج کی جائے گی۔ یہاں اس پر بحیثیت اس تعلق کے بحث کی گئی ہے جو اسے ملک ایران کے سردی یا سیاسی مسئلہ سے ہے۔

اس لئے اس تعداد کو کل مین سے منہا کر دینا چاہیے۔ صوبہ استرآباد اگرچہ خراسان سے جدا ہے اور گورنر جنرل خراسان کے ماتحت نہیں۔ لیکن اسکو خراسان کے سیاسی معاملات پر رابے زنی کرتے وقت اس وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ایران کے دوسرے حصوں اور طہران سے خراسان مین مغرب کی طرف سے داخل ہونے کی تمام راہیں اس مین سے گذرتی ہیں اور اس کو تین جداگانہ مسائل کے تصفیہ مین جن مین سے ہر ایک کو خراسان کے ساتھ نہایت قریب کا تعلق ہے براہ راست دخل ہے گو کہ یہ خراسان کے باہر واقع ہے۔ یہ مسائل عاشورا دامن روسیوں کے بھری چوکی قائم کرنے۔ سمندر سے شاہ رود تک کی سڑک کو اپنے حیطہ اقتدار مین رکھنے اور گرگان اور آذربائیجان کے درمیان یوست ترکانون کی اطاعت گزینی پر مشتمل ہیں۔

## روسی عاشورا دامن

نقشہ پر روسی نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ خلیج استرآباد کی طبعی بناوٹ خاص طرح کی ہے۔ یہ خلیج ایک دوسری مثال اون قدرنی مظاہر مین سے ایک کی پیش کرتی ہے جس کا انزلی کے متعلق پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے جہاں بحیرہ اختصر کی مغربی ہوائیں پایاب مرواہیوں یا کھاڑیوں کی سمندر والی طرف پر ریت کے لمبے لمبے ڈھیر لگادیتی ہیں۔ خلیج استرآباد پانی کا ایک بہت بڑا قطعہ ہے جس کا طول ۴۰ میل اور عرض ۲۰ میل ہوگا۔ جانب شمال کھلے سمندر کی دستبرد سے اس کی حفاظت خشکی کی ایک لمبی دیواری کرتی ہے جو مغربی ساحل سے شروع ہو کر تیس میل تک

سمندر کے اندر چلی گئی ہے اور تین چھوٹے چھوٹے جزیروں پر جا کر ختم ہوئی ہے جن میں سے  
 بعید ترین جزیرہ کو محض ایک تنگ آبناے بحیرہ اخضر کے مشرقی یا ترکمانی ساحل سے جدا کرتی  
 ہے جہاں تک ایران کے دو سکر جری موقعوں کی حالت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے  
 شاید ایران کبھی بھی اس کو تجارتی یا دوسکر اغراض کے لئے کام میں نہ لاتا۔ لیکن روس  
 نے اس امر کا بھی پختہ انتظام کر لیا کہ اگر اوس کا ڈرپوک ہمسایہ ایسا خیال کبھی دل میں بھی لائے  
 تو اوس کو سکر سے یہ موقعہ ہی نہ ملے۔ عہد نامہ گلستان کی رو سے جو ۱۸۱۳ء میں مرتب  
 ہوا اور جسکی شرائط کو بعد میں عہد نامہ ترکمان چائے ۱۸۲۸ء نے مستحکم کر دیا روس نے  
 ایران سے یہ شرط منوالی تھی کہ کوئی مسلح جہاز جس پر ایرانی پھر براڈوتا ہو بحیرہ اخضر پر آنے  
 نہ پائے۔ لیکن یہ نظر مزید اطمینان و استحکام روس نے ۱۸۴۲ء کے قریب خود موقعہ پر اگر  
 جزیرہ عاشوراد کو اپنے قبضہ میں لے لیا جو جزیرہ نماے میان قلعہ کے ایک کنارہ پر واقع ہے

۱۸۳۷ء۔ رالفن نے اپنی کتاب ”انگلینڈ اینڈ ریشیا ان دی ایسٹ“ (انگلستان اور روس مشرق  
 میں) کے صفحہ ۱۳۷ پر جب ذیل واقعات بقید سن درج کئے ہیں۔

۱۸۳۷-۳۸ء۔ روسیوں نے اول اول عاشوراد میں قدم رکھا۔

۱۸۳۲ء۔ سرجے میکنیل نے ادون کے موجود ہونے کی اطلاع اول اول فارن آفس کو کی۔

۱۸۳۷ء۔ روس نے جزیرہ پر مکانات تعمیر کئے اور ترکمانوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے شروع کئے  
 ایران نے روسیوں کو یہاں سے ہٹا دینے کے لئے انگلستان سے استنات کی۔

۱۸۴۹ء۔ انگلستان نے کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ (دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۷۹)

اس جزیرہ نما کا ذکر اگے چل کر کیا گیا ہے۔ روس نے اپنی مداخلت کو جس عذر سے حق بجانب ثابت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸) ۱۷۵۷ء ایران نے سرکاری طور پر روس کو تخلیہ عاشوراد کے لئے لکھا لیکن جواب

یہ ملا کہ اگرچہ روس کو اس امر کا اعتراف ہے کہ عاشوراد ایرانی علاقہ ہے لیکن تخلیہ ناممکن ہے۔

۱۷۵۷ء۔ روسی قبضہ اس جزیرہ پر اور زیادہ مستحکم ہو گیا اور بحری قوت میں روس نے اضافہ کر دیا۔

۱۷۶۶ء میں شاہ خود عاشوراد گیا اور وہاں پہونچ کر اس نے ترکمانوں کے برخلاف روس کے اقتدارات کو تواری کو تسلیم کر لیا۔

۱۷۶۷ء میں روس نے گزین کچہ فوجی جمعیت متعین کرنے کی تیاریاں کیں مگر ایران کو معلوم ہو گیا اور اس نے پیشہ تنی کر کے اپنی طرف سے وہاں فوج مامور کر دی۔

۱۷۶۹ء۔ روسیوں نے کراسنو واطسک پر قبضہ کر لیا۔

۱۷۷۰ء۔ روس نے اتریک تک ساحل کی زمین کا دعویٰ پیش کیا۔

۱۷۷۱ء۔ روس نے چکشلیار پر قبضہ کر لیا۔

۱۷۵۱ء میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا التسن ذرا جاننا ذکر کیا اور گریٹنڈی شیل کو کتاب "گلکسپنر

آف لائف ان پرشیا"، (زندگی کی جھلک ایران میں) کے صفحات ۳۱۵ الی ۳۲۲ میں تفصیل مندرج ہے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت ترکمان جزیرہ میں آئے اور وسیووا کو بدست باغافین پانچ

اون میں سے بعض کو قتل کر ڈالا۔ اس پر گورنمنٹ روس مصر ہوئی کہ گورماز ندران کو جو شاہ کا حقیقی

بہائی تھا اس خدمت سے ہٹا دیا جائے۔ حالانکہ اس بارہ میں اس پر کسی طرح کی ذمہ داری عائد نہ ہوتی

تھی۔ مگر روس نے یہ دھچکی بھی دی کہ اگر اس کی اس خواہش کی تعمیل نہ کی گئی تو وہ بھی سیرا فیس

بلا لیا جائے گا۔

کرنا چاہا وہ یہ تھا کہ ترکمان بحری قزاق بحیرہ اخضر کے جنوبی اور مشرقی ساحلوں پر منڈلاتے پھرتے تھے اور موقعہ پا کر لوٹ مار کرتے تھے اور قیدیوں کو غلام بنا کر لے جاتے تھے اور اس لئے یہ ضرور تھا کہ اون کا استیصال کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روسیوں نے نہ تو اس وقت اور نہ اس کے بعد اس جزیرہ کی نسبت ایرانیوں کے حق ملکیت پر جس میں کوئی کام نہیں ہو سکتا کوئی اعتراض کیا بلکہ اپنی مداخلت و قیام کے جواز کو اقتدارات پولیس کے استعمال پر مبنی قرار دیا ہے جنہیں ایرانی خود استیصال میں لانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور جنہیں کچھ عرصہ بعد ایرانیوں نے بحق روس خاموشی کے ساتھ تسلیم کر لیا۔ اس غرض سے روس نے ایک بیڑا تیار کیا جس کا ایک حصہ چار یا پانچ غیر مسلح اور ایک مسلح جہاز پر مشتمل ہے ایک روسی امیر البحر کی سرکردگی میں ابھی تک روسی بحری صدر مقام کے قریب پڑا رہتا ہے۔ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ترکمانوں کی بحری غارتگری کا ایک مدت دراز سے قلع و قمع ہو چکا ہے۔ لیکن با این ہمہ روسیوں کو اپنی امانت کے واپس کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں گزرا اور اگر اون پر یہ ظاہر کیا جائے کہ عاشورا داروں کی ملک نہیں ہے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ اون کی نوہن کی گئی ہے۔

## جزیرے کی نوعیت

لیکن جزیرہ عاشورا داخو ایک دلدل والی نشیبی اور نہایت ہی مضرت جگہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مسیح نے جو ۱۸۹۰ء میں یہاں آیا بیان کیا کہ یہ بیڑا اب کم ہو کر دو پیغام رسانی کی کشتیوں اور دو یا تین ناکارہ جہازوں کی شکل میں بدل گیا ہے۔



ہے کہ گزشتہ پچاس سال سے اس کو سمندر بند پر کھار ہے۔ اور درحقیقت اس کے حوالی میں اس قدر تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کہ پچیس سال پیشتر کی بھی جو کیفیت اس کے متعلق تھی اس کی تصدیق ہونی مشکل ہے۔ ایٹوک نے اس مقام کو جیسا ۱۸۶۲ء میں پایا اس کی ایک نہایت ہی باریک اور تفصیلی کیفیت سپرد قلم کی ہے۔ اس زمانہ میں یہاں دو جزیرے تھے۔ عاشورا دے کبیر اور عاشورا دے صغیر۔ اول الذکر میان قلعہ (جسے روسی پانگمن کہتے ہیں) کی لمبی راس کے کنارے سے بذریعہ ایک آبناے کے جس کا عرض قریب نصف میل کے ہو گا جدا تھا اور اس کا طول ۱۱ میل اور عرض ۳ میل تھا۔ یہی روسیوں کا بحری اور فوجی صدر مقام تھا۔ اس کے بعد نصف میل تک پایاب پانی اور پھر وہ ریتیلی گردن زمین دو میل لمبی آتی تھی جسے عاشورا دے صغیر کہتے ہیں۔ اسکے بعد پایاب پانی میں چبے ہوئے پھر کچہ ریت کے تودے آتے تھے جنکے درمیان ایک تنگ سارہ تھی جو ترکمانی ساحل تک پھیلا ہوا چلا گیا تھا۔

## نیاجزیرہ

اس اُستامین ایک اور جزیرہ جسے روسی عاشورا دے وسطی کہتے ہیں عاشورا دے کبیر صغیر کے درمیان پیدا ہو گیا ہے۔ اور ہر اوس زیادتی کی تلافی کے لئے جو اس نئے جزیرے کے قیام کی وجہ سے عمل میں آئی ہے عاشورا دے کبیر کے ساحلون پر سمندر کی کاوش اس وجہ سے

۱۵ ایک سفیر کا روزنامہ جلد دوم صفحہ ۲۱ الی ۲۳۔

ہو رہی ہے کہ کتب جزیرہ طول میں ایک میل سے کم اور عرض میں صرف ایک تہائی میل رہ گیا ہے۔  
اسی قطعہ زمین پر امیر البحر کا مکان۔ سپاہیوں کی بارکین۔ ایک گوجا۔ ایک کلب اور فوجی صدر مقام  
کے معمولی عمارتی لوازم قائم ہیں۔

## تبدیلی مستقر کی خواہش



واقعات بیان بیان کئے گئے ہیں اون کے لحاظ سے مقام تعجب نہیں کہ روسی نہیں  
ترکمانوں کو کامل طور پر مطیع و متقاد بنانے کے بعد سے عاشوراد امین کچھ نہیں کرنا پڑتا اور جو اس مقام  
میں اپنے موجود رہنے کی کوئی قوی حجت نہیں پیش کر سکتے اپنی حرص بھری نگاہیں ایک عرصہ سے  
خیلیج کے اندرونی سواہر کے کسی محفوظ تر اور زیادہ صحت بخش مقام پر ڈالتے رہے ہوں۔ بیس  
سال سے زیادہ کی مدت گزرتی ہے کہ اونہوں نے گز کی بندرگاہ پر ایک فوجی جمعیت متعین  
کر کے قبضہ کر لینا چاہا تھا لیکن گورنٹ ایران نے پیشہ دستی کر کے وہاں اپنی طرف سے کچھ فوج  
بامور کر دی۔ غرض کہ گز پر تو روسی قبضہ کر نہیں سکے جو اگرچہ بجائے خود ایک بہت ہی ذلیل مقام ہے

بندر گز جو بعض دفعہ کنارہ بھی کہلاتا ہے ساحل پر چند ذلیل جہو پنڈیوں اور سارون کا مجموعہ  
ہے۔ یہاں ایک ایرانی جنگی خانہ۔ روسی ارسنیر کی چند دکانیں اور ایک روسی قونسل اور  
مد کا کیس اینڈ مہر کری اسٹیشپ کمپنی کے نائب کے مکانات واقع ہیں۔ موضع گز  
اسے جو ایک ہزار کی آبادی کا ایک معمولی ایرانی گاؤں ہے اس کا فاصلہ تین  
میل ہے۔

لیکن شاہ کو ادس کے دے دینے میں نہایت درجہ تامل ہو گا کیونکہ اس پر قابو پانا گویا آغاز انجام ہو گا۔ اس لئے اب یہ افواہ ہے کہ روسی قرا سو کی ندی کے کنارے پرچہ استرا آباد کے مشرق کی طرف ۳۰ میل کے فاصلہ پر نکلتی ہے اور گرگان کے دہانہ سے چند میل کے فاصلہ پر جانب جنوب بحیرہ اخضر میں جا گرتی ہے کسی مستحکم مقام کے حامل کرنے کے آرزو مند ہیں۔ لیکن ایسے مقام کا قبضہ بھی ہنسر کہ گز ہی کے قبضہ کے ہو گا اور استرا آباد اس کی وجہ سے چور طور پر اون کی زمین آجائے گا۔

## واقعات گزشتہ کی تجدید

قبل اس کے کہ میں اُن وجوہ پر غور کروں جو اس غیر خوش آئند مقام میں روسیوں کے اس استحکام کے ساتھ قدم جانے کی محرک ہیں میں اپنے ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں کہ اون کا یہاں موجود ہونا گویا تاریخ کا محض اپنے تئیں دہرا نا ہے۔ یہ ایک عجیب اور دلچسپ اتفاق ہے کہ کو کہ میں نے کسی کو اسپر التفات کرتے نہیں دیکھا کہ دو سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ کاسکون کی ایک جماعت نے اسی طرح بغیر اجازت کے عاشورا پر قبضہ کر لیا تھا اور کچھ عرصہ تک یہ قبضہ اونہوں نے بر جبر قائم رکھا تھا۔ ہمہ دان چارٹون کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی روس کے کاسکون نے گزشتہ ڈیوک آف مسکو دی کے ایسا سے جس نے اونکو

لے کارویشن آف ننگ سلیمان دی تھروڈ (ناچو شی شاہ سلیمان ثالث) (صفحات ۱۵۲ الی ۱۵۴) جواکوف سفر نامہ کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوئی۔

اوس توہین آمیز سلوک کے انتقام لینے کے لئے ایران پر حملہ کرنے کی اشتعالک دی جو شاہ عباس اعظم نے اوس کی سفارت سے کیا تھا یا زندران پر حملہ کر کے اوسکے دارالحکومت فرج آباد کو تاخت و تاراج کیا۔ اس پر موسم سرما ایران میں بسر کرنے کے قصہ سے ادمنون نے ”جزیرہ ٹائے میان قلعہ میں اپنے مورچے جمائے۔ میان قلعہ وہ گردن زمین ہے جو تیس میل تک بحیرہ اخضر میں نکلی ہوئی چلی گئی ہے اور ہر نون جنگلی سوروں اور جنگلی بکریوں اور انواع واقسام کے ہرن کی قسم کے شکار کا رہنما ہے۔“ ایرانیوں نے بلا درنگ ادن پر حملہ کیا اور اپنے اونیسویں صدی کے جانشینوں کے مقابلہ میں زیادہ جری یا قسمت کے زیادہ پایا اور ہونے کے باعث ادمنون نے حملہ آوروں کے پسپا کرنے میں کامیابی حاصل کی لیکن اس سکون نے عاشورا دامن جا پناہ لی اور کچھ دیر تک وہاں رہے۔

## پیشتر اعظم

رومی پیشتر دون کے موقع پر ظاہر ہونے اور استر آباد پر قبضہ کرنے کے قریب ہونے کی یہ ایک ہی مثال نہیں ہے۔ پچاس سال بعد ۱۶۲۲ء میں پیشتر اعظم نے جو فن حرب کے اصول کے لحاظ سے اُن مقامات کی قدر و قیمت کو خوب جانتا تھا جن پر قبضہ ہونا چاہئے تھا اور جو وسط ایشیا کے علاقوں پر قابض ہونے کی وقعت و اہمیت سے بخوبی آگاہ تھا۔ گو کہ یہ خیال اوسکے جانشینوں سے منسوب کر دیا گیا ہو ۱۶۲۲ء کے افغانوں کے حملہ کی وجہ سے ایران کی حالت ابتر اور غیر منتظم پاکر ایران پر شمال کی طرف سے حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کیں

فارس طرے جو پہلا انگریزی سیاح ہے جس نے ۱۸۰۲ء میں خشکی کی راہ سے ہندوستان  
 سے یورپ تک کا سفر کیا اور جو اس سفر کی اثنائیں یہاں سے گزرنا حسب ذیل دلچسپ روایت بیان  
 کی ہے۔ روسی فوج کے ایک رسالہ کے کمان افسر نے ۱۸۰۶ء میں گز سے ۲۵ میل  
 جانب غرب اشرف میں جہان شاہ عباس کا مشہور محل لب ساحل واقع ہے ایک مستحکم عمارت بنائی  
 شہر مرغ کی۔ لیکن اونہوں نے اپنے مد مقابل کی قوت کا پورا اندازہ نہ کیا تھا۔ آغا محمد خان قاجار  
 نے جو بعد میں ایران کے تخت پر بیٹھا اس عمارت کو جیتے ہوئے دیکھ کر بہت کچھ اظہار مسرت کرنے  
 کے بعد روسی افسروں کو دعوت طعام دی اور اونہیں قید کر لیا اور صرف اس شرط پر ان کو رہا کیا کہ وہ  
 اپنی توہین پٹالین اور قلعہ کو زمین کے برابر کر دیں۔ اوس نے محض اسی قدر کارروائی پر اکتفا نہیں  
 کی بلکہ باقاعدہ تلافی کے لئے گورنمنٹ روس سے بھی درخواست کی۔ غرض کہ بحیرہ خضر کے جنوبی  
 ویشتی زاوہ میں ایران کے خشکی کے علاقہ پر قبضہ کرنے کے متعلق روس کی تیسری کوشش کا  
 خاتمہ اس طرح ہوا۔ چوتھی کوشش جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کمتر تعجیل اور زیادہ تر صبر و  
 استقلال کے ساتھ کی جا رہی ہے اور اس کا نتیجہ شاید ان لوگوں کے دیکھنے میں آجائے جو  
 اس واقعہ کی مفصل اور مکمل کیفیت سے جے۔ ایم۔ نیل کی کتاب ”بربروگر سس اینڈ پریزنٹ پوزیشن  
 آف ریشیان وی ایسٹ“ (روس کی ترقی اور موجودہ حالت مشرق میں) کے صفحات ۳۳ الی ۳۴  
 میں درج ہے۔ دو کتا ہے کہ روسی افسر دن کو بیڑیاں بنائی گئیں اور بالآخر اونہیں کوڑے مار مار کر ان  
 کے جہازوں تک پہنچا دیا گیا۔ مقابلہ کے لئے بی۔ ڈارن کی کتاب ”کیسپیا“ (بحیرہ خضر) (زبان  
 روسی) کو بھی دیکھنا ہے۔

## روسی تعدی کی وجوہ



ببین اُن وجوہِ نظر ڈالتا ہوں جو روس کی سرکشی نہ کم ہونے والی خواہش کی محرک ہوئی  
 ہیں کہ اسے سرزمینِ ایران کے اس گوشہ میں قدم رکھنے کے لئے جگہ ملے۔ اس خواہش  
 کی یہ وجہ نہیں کہ استرآباد و بجا کے خود ایسا مقام ہے جہاں سے بآسانی ایران پر حملہ کیا جاسکتا  
 ہے۔ اس کی حربی حیثیت کے متعلق انیسویں صدی کے نصفِ اول میں جو خیالات رائج تھے  
 وہ بعد کے زمانہ کی رائے سے مختلف اور اس کے مقابلہ میں زیادہ مبالغہ آمیز تھے۔ اگر باکو سے  
 ہندوستان تک ایک خط کھینچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خط استرآباد کے بیچ میں سے ہو کر  
 گزرتا ہے۔ جب شہنشاہانِ بال و نہپوں نے مل کر شہداءِ مین ہندوستان پر حملہ آور ہونے  
 کے منصوبہ پر بحث کی تو پیش قدمی کے لئے یہی راستہ اُن کے ذہنِ نظر تھلا س کے بعد جرنیلِ زلف  
 نے بھی جنگِ کریمیا کے اثنائین زارنکوس کی خدمت میں ہند پر حملہ آور ہونے کی تجویز پیش کرتے  
 وقت اسی راستہ کا حوالہ دیا۔ دونوں صورتوں میں حملہ آور افواج کے فوری متسامشہد اور ہرات  
 تھے اور اس زمانہ میں اگر یورپ کی کسی سلطنت کی فوج مشہد یا ہرات کی طرف بڑھتی تو وہ بلاشبہ  
 استرآباد کی راہ سے جاتی۔ لیکن اس اثنائین ماوراء النہر کی حالت یکسر بدل گئی ہے۔ جہاں پہلے  
 ترکمانی صولت، معرکہ آرا تھی اب وہاں روسی حکومت استحكام کے ساتھ قائم ہے۔ بحیرہِ اخضر  
 کی طرف سے خشکی کا دور دراز سفر کئے بغیر مشہد یا ہرات آباد اور ہرات پر مراد پنجدہ سے حملہ کیا جاسکتا

ہے۔ پس لشکر اندازی کے مقام ہونے کی حیثیت سے روس کے نزدیک استر آباد کی وہ قدر و قیمت باقی نہیں رہی جو سابق میں تھی۔ اس کے علاوہ جہانگیر کا معلوم ہوا ہے اس کے ذرائع پیداوار بھی ایسے نہیں کہ ایک بہت بڑی فوج کو جو میدان جنگ پر بھیان سے رسد بہم پہنچ سکے۔ گو کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۶۳ء میں تیس ہزار ایرانی فوج اسکے فوج میں خیمہ زن رہی۔ اب یہ مقام حملہ آور ہونے کے لئے اتنا مفید نہیں جتنا کہ بچاؤ کے لئے۔ مجاہد یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسکی آنکھ مشرق کی طرف دیکھ رہی ہے نہ کہ مغرب کی طرف۔ اور جنگی اعتبار سے اسکی اہمیت اس مسئلہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جسکا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں یعنی شاہ رود کی سرک کا قبضہ اور اس لئے وہ قوت جو اس کا قابض ایران کے باقی حصے اور خود دار السلطنت کے برخلاف عمل میں لاسکتا ہے۔

## استر آباد اور شاہ رود کا موقع

استر آباد کو شاہ رود سے شاہ کوہ یعنی کوہستان البرز کا وہ وسطی سلسلہ جدا کرتا ہے جو شمالی خراسان کی کثیر التعداد چٹانوں میں تقسیم ہو جانے سے پیشتر یہاں اپنی ایک خاص طبعی شان قائم رکھتا ہے۔ استر آباد سے پندرہ میل جانب جنوب اس سلسلہ کی بلند ترین چوٹی کا ارتفاع تیرہ ہزار فٹ ہے۔ اسے شاہ رود کی سمت میں جس کا فاصلہ خچر کی راہ سے ۵۵ میل ہو گا دو درے قطع کرتے ہیں جن میں سے کم از کم ایک تو ضرور اس قابل ہے کہ باد وود اور تھاع اور نوعیت علاقہ کے ایک بہت عمدہ فوجی شرک کی صورت میں منتقل کیا

جاسکے۔ جو فوج ان دونوں درون میں سے ایک کی راہ سے دھاوا کر کے شاہ رود  
پر جو بالکل غیر محفوظ ہے قبضہ کر لے گی اسکو حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔  
اول تو وہ اپنے آپ کو ایک ایسے علاقہ میں پائے گی جو نہایت ہی شاداب  
ہے اور جہاں پانی کثرت سے موجود ہے اور گرمیوں میں یہی بہت بڑی فوج

۱۵ شاہ رود اور استر آباد کے درمیان جو دو سٹرکین (ایک براہ درہ ترک اور دوسری  
براہ زیارت) ہیں انہیں حسب ذیل سیاحوں نے بیان کیا ہے۔ لفٹنٹ اے کوٹولی  
(۱۸۳۰ء) ”اور ولینڈ جرنی ٹرانڈیا“ (ہندوستان تک کا سفر خشکی کی راہ سے) جلد اول  
صفحات ۱۸۲ الی ۱۸۴ + کپتان کلاڈ کلارک (۱۸۴۲ء) ”پروسیڈنگس آف دی رائل جاگرفیکل  
سوسائٹی“ جلد ہفتم صفحات ۱۹۳ الی ۱۹۴ + کرنل بی۔ لود (۱۸۸۱ء) ”پروسیڈنگس  
آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی“ (سلسلہ جدید) جلد پنجم صفحات ۷۵ الی ۸۴ (۱۸۸۳ء)  
جو سٹرک استر آباد کو گزرتے گئے ہے اور طول میں ۲۷ میل ہے اسے حسب ذیل سیاحوں  
نے بیان کیا ہے۔ ای۔ بی۔ ایٹمک (۱۸۶۲ء) ”جرنل آف اے ڈپلومیٹ“ (ایک  
سفیر کا روزنامہ) جلد دوم۔ صفحات ۴۵ الی ۴۹ + کپتان آرمیل جی۔ نیپیر (۱۸۶۲ء)  
”جرنل آف دی رائل جاگرفیکل سوسائٹی“ جلد چہل و ششم صفحات ۱۱۳ و ۱۱۵ +  
سرسی بیلگر گر (۱۸۶۵ء) ”جرنی تھرو خراسان“ (سفر خراسان) جلد دوم  
صفحات ۱۶۳ الی ۱۶۶۔



رہ سکتی ہے ٹائیپو سٹریکٹ مازندران۔ سمندر کے ساحل اور دارالسلطنت طہران سے آتی  
 ہیں اون کے مقام اتصال پر او سے قبضہ حاصل ہو جائے گا۔ نائنائٹ خراسان میں مغرب کی  
 سمت سے داخل ہونے کا جو ایک ہی راستہ ہے اوس کی زمین آجائے گا اور یہاں  
 سے خراسان کے وسط کی طرف دو آسانی کے ساتھ طے کی جاسکتے والی سڑکیں ایک تو  
 براہ جاجرم۔ بجنر دو کوچان شمال کی سمت میں اور دوسری براہ سبز دار و نیشاپور مشرق کی جانب  
 مشہد کو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ استر آباد اور شاہ رود کا قبضہ  
 گویا شمالی ایران کی کلید ہے۔ جو فوج اس مقام پر متعین ہوگی وہ خراسان کا تعلق دنیا کے  
 باقی حصوں سے منقطع کر سکتی ہے اور دارالسلطنت سے ملک بھم پہنچنے کی کامیابی کے  
 ساتھ مزاحم ہو سکتی ہے۔ شمالی ایران کو بلجائنا شکل ایک تیتے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو کا  
 سر طہران میں ہے اور ڈنک مشہد میں۔ گز اور شاہ رود کے درمیان جو تنگ طبقہ زمین واقع  
 ہے وہ گویا اس تیتے کی کمر ہے۔ اگر کمر کو کاٹ ڈالو تو سب کا سر کاٹا جاتا ہے اور ڈنک اگر کچھ  
 کر سکتا ہے (اور وہ بھی اوس صورت میں جبکہ وہ ایرانی ڈنک نہ ہو) تو وہ یہ ہے کہ مرنے  
 مرنے خار دیتا جائے۔ روسیوں کے عاشورا دامن موجود ہونے کے واقعہ کو جو ہمیشہ اس  
 درجہ دقیق اور اہم سمجھا گیا ہے تو اوس کا اصلی باعث مالک محمد رسد شاہ کے اسی حصہ کی طبعی نوعیت  
 ملے کرنیل ویلنٹائن بیکر اپنی کتاب ”وکلادوس ان دی ایسٹ“ (گھٹا مشرق میں) کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھتا ہے  
 کہ بطام کے میدان میں (جو شاہ رود کے نزاع اور مضانات پر مشتمل ہے)۔ بطام تین ٹیس کے فاصلہ پر گورنر  
 کے رہنے کی جگہ ہے) ساٹھ ہزار فوج رہ سکتی ہے۔

ہے۔ اس نواح میں اون کے مفاد اور اغراض و مقاصد کی نگرانی ایک قونسل متعینہ استر آباد اور  
دکھارامسورہ بندرگاہ و شاہ روڈ سے متعلق ہے۔

## ایرانی اور روسی ترکمان

بین تیسرے مسئلہ یعنی یومت قبیلہ کے ترکمانوں کے مالہ و ماعلیہ کی طرف متوجہ  
ہوتا ہوں۔ اس مسئلہ میں بھی ایک اہم اور معنی خیز حصہ لیتا ہے۔ ۱۸۸۱ء کے عہد نامہ  
فرارادوسرحد کی روس اور ایران کی سرحد دریاے اتریک اپنے دہانہ سے  
لیکر چات کے مقام تک جہاں سمبر کی ندی ادوس سے ملتی ہے قرار پایا تھا گو کہ کسی خاص وجہ  
سے جبکی توضیح نہیں کی گئی روسی سرحد کا ایک نشان ابھی تک دریاے اتریک کے جنوب کی  
طرف قائم ہے۔ اسکے علاوہ بعض روسی افسروں کی نسبت یہ بھی سنا گیا ہے کہ عہد نامہ  
کے مرتب ہونے کے بعد بھی اونہوں نے فوج کے ایک دستہ کے ساتھ دریاے اتریک  
کو عبور کر کے اون ایرانی یومتوں سے جو گرگان پر آباد تھے خراج وصول کیا۔ لیکن اس فعل  
کو قانون مابین الاقوام حق بجانب تسلیم نہیں کر سکتا اور نیز سیاسی لحاظ سے دریاے اتریک  
ہی کو حد فاصل سمجھنا چاہیے۔ اس دریا کے شمال کی طرف یومت قبیلہ کے وہ ترکمان آباد ہیں  
جو روس کے زیر حکومت ہیں اور دریا کے جنوب کی طرف اسی قبیلہ کے ترکمان ایرانی حکومت میں  
رہتے ہیں۔ لیکن ثانی الذکر ترکمانوں کی خانہ بدوش جماعتیں سال کے بعض حصوں میں دریا کو  
عبور کر کے روسی علاقہ میں چلی جاتی ہیں اور اون کو عہد نامہ کی رو سے اس بات کی اجازت بھی ہے

تاکہ وہ اپنی چراگاہوں کو بدل سکیں۔ روسی یومت اب پوری طرح سے اطاعت گزین ہو چکے ہیں اور خواہ اون کو روسی حکومت سے اطمینان ہو یا نہ ہو پھر بھی اون میں اتنی سکت باقی نہیں کہ سرکشی کر سکیں البتہ ایرانی یومت جو دو علیحدہ علیحدہ قبیلوں عطا بائی اور حبضربائی میں منقسم ہیں ایرانی حکومت کے دعوے کو آسانی کے ساتھ تسلیم نہیں کرتے اور ۱۸۸۹ء میں اونہوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ مشرق کی طرف گوکلان ترکمان آباد ہیں جو ایک زیادہ اطاعت کیش قوم ہے۔ ان لوگوں نے یومت ترکمانوں کی پشت پناہی سے بچنے کے لئے اپنی رضا و رغبت سے ایران کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔ اب وہ شاہ کے خزانہ میں محصول ادا کرتے ہیں اور تین سو بے قاعدہ سواروں کی جمعیت اس کے لئے بہم پہنچاتے ہیں۔

## ایرانی یومتوں کی بغاوت

یومتوں کا مفسدہ ماہ فروری ۱۸۸۸ء میں شروع ہوا اور کہیں مارچ ۱۸۸۹ء میں جا کر فرو ہوا۔ اس بغاوت کے برپا ہونے کی وجہ گوکلان طور پر نہیں لیکن ایک بہت بڑی حد تک ایرانی حکام کی بے عنوانی اور بے نظمی تین۔ اس نے ایسی خطرناک شکل اختیار کر لی کہ ایک وقت میں تیرہ ہزار ایرانی فوج گورنر جنرل خراسان اور بجنورد اور کوچان کے خاندان کی ماتحتی میں یومتوں کے ملے حکومت استرآباد کی کمزوری اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ گوکلان ترکمان صوبہ استرآباد کی سرحد پر رہتے ہیں پھر بھی ایٹھائی بجنورد اور خراسان سے خراج وصول کرتا ہے اور وہی ان سواروں کی جمعیت کو جو بہم پہنچاتے ہیں۔ اپنی کمان میں رکھتا ہے۔

برخلاف معرکہ آرا تھی۔ اس موقع پر ایرانی فوج کی بزدلی کی ایسی ایسی حکایتیں سننے میں آئی  
ہیں کہ اونہیں باور کرتے ہوئے شامل ہوتا ہے۔ مثلاً ہزار ہزار اور دو دو ہزار کے دستوں  
کو گنتی کے ترکمان جنگی تعداد میسیون یا کئی سو سے متجاوز نہ ہوگی روز روشن میں روک  
کر پکارتے تھے۔ مگر قرین انصاف ہوگا اگر اسکے ساتھ یہ بھی درج کر دیا جائے  
کہ اس رسوائی کے معرکہ میں ایرانی سپاہیوں کی جس قدر محرک بزدلی ہوئی اسی قدر اون  
کی تباہ حالی اور بے قناعتی بھی ہوئی۔ اون کی تنخواہ جب طہران سے آتی تھی تو اونہیں سے  
کم از کم نصف سیف الملک کی جیب میں چلی جاتی تھی اور ان بہو کے ننگے۔ اور مفلس  
سپاہیوں سے اس امر کی توقع رکھنا کہ وہ میدان کارزار میں نبرد آزما کرین گے شاید رحم و  
انصاف کا خون کرنا تھا۔ دونوں طرف جبر و تشدد کے وحشیانہ واقعات پیش آتے رہے  
اور ایرانیوں کی طرف سے بہت زیادہ ہستی ہوئی۔ جو مرد اون کے ہاتھ آیا او سے اونہوں  
نے زندہ نہ چھوڑا اور جو عورت اونہیں ملی او کی اونہوں نے عصمت بگاڑی۔ انجام کار دغا  
اور سازش کے معمولی ایرانی طریقوں سے بغاوت کا استیصال کیا گیا۔ ایک قبیلہ کو دوسرے  
قبیلہ کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور بالآخر حاجی نذر خان عطا بایون کے سرگروہ کو جو اس مفسدہ  
کی روح و روان تھا ایرانی علاقہ میں دہوکے سے لاکر مار ڈالا گیا۔ اسکے ساتھ ہی مفسدہ فرو گیا

۱۵۔ یوت ترکمانوں کے متعلق اگر اطلاع مطلوب ہو تو دیکھو آچر الای (۱۳۳۶ء) کی کتاب برلیشنس ڈی وائچر (حالات سیف)  
صفحات ۳۳۱ الی ۳۳۶ اور یادداشت قاضی سید احمد مندرجہ تجزیل آف دی رائل جاگرافیکل سوسائٹی، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۷  
صفحہ ۱۲۲ (۱۳۳۶ء)۔

## حکومت عالیہ کی کمزوری

قسم کے واقعات نہ صرف حکومت عالیہ کی قابل تاسف ناقابلیت پر دلالت کرتے ہیں بلکہ خارجی طور پر ان کا صرف ایک ہی نتیجہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ شمال میں روس کی ہمت اپنے دعوامی کے متعلق اور زیادہ بڑھ جائے۔ یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ دولت روس اس دعوے کو استحقاقاً پیش کرتی ہے اور اسے اس امر کی توقع بھی ہے کہ تمام ترکمان توہین اوس کے زیر نگین آجائیں۔ اور یہ بھی یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایرانی یونٹوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائے تو وہ اوس گرانتر خراج سے بچنے کے لئے جو ان کے ہم قبیلہ لوگوں کو دیا ہے انٹریک کے روسی کنارے پر دینا پڑتا ہے شاہ کے مطیع و منفاد رہیں گے۔ لیکن ہر نئے فساد کا پرہیز نہ ہونا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایران کا اس فساد کے رفع کرنے پر قادر نہ ہونے کا خفیہ سا بھی ثبوت دنیا ایک ایسی طاقت کے لئے جسکی نیت و سبب دیکھو پیش قدمی کا بہانہ ہو جاتا ہے۔ اور ایران کو چاہیے کہ احتیاط کے ساتھ اس امر کو مد نظر رکھے کہ کہیں وہ خود جان بوجہ کر اپنا سر اپنے دشمن کی کند کے حلقے میں نہ پھنسا دے۔ اگر روس انتظار و صبر کو اپنا مسلک قرار دینے کے بجائے بڑے بڑے آنے کا طرز عمل اختیار کرنا تو ان فسادوں کی بنا پر اسے آسانی کے ساتھ اپنے مفید مطلب موقع مل جاتا۔ درپردہ اسکی پھر روسی کا ایران میں کے ساتھ نہ ہونا اس قابل غور ہے اس کی تصدیق حال (۱۹۱۷ء) کی اس خبر سے ہوتی ہے کہ کئی سو روسی یونٹ ایرانی علاقہ میں چلے آئے ہیں اور برضا و رغبت خود شاہ کی رعایا میں گئے ہیں۔

واقعہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ مفسد یومنون کے پاس روسی ساخت کی کارنوس والی بند و قین اور کارنوس  
پائے گئے۔

## بجینزد



یہ ستر آباد سے گزر کر جو اپنے اہم اور پیچیدہ سیاسی مسائل کے تار و پود میں الجھا ہوا  
ہے ہم اب خراسان خاص میں پہنچتے ہیں اور اپنا منہ مشرق کی طرف موڑ کر ہم اسکی سرحد کے  
معاہدہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ ترکمانوں کو چھوڑ کر ہم کرودن میں پہنچتے ہیں اور بجینزد کے ضلع  
میں ہمیں کرودن کے وہ پہلے قبائل ملتے ہیں جن کے آباد و اجداد کو سرحد خراسان کے  
قاہم رکھنے کی غرض سے ستلہء عم کے قریب شاہ عباس نے لایا یا اتھا۔ کوچان کا حال جس باب  
میں مندرج ہے اس میں پہلے ہی تفصیل و وضاحت کے ساتھ میں اون واقعات کو بیان  
کر چکا ہوں جو ان فوجی نوآبادیوں کے قیام کا باعث ہوئے اور ان لوگوں کے قبض و دخل کی  
شرایط اور ان تعلقات کو جو انہیں حکومت عالیہ سے ہیں درج کر چکا ہوں اور جو کچھ میں نے  
لکھا ہے وہی بجینزد پر ہی صادق آتا ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ کوچان میں تو زیادہ تر ظفران کو کر دیا  
ہیں۔ اور بجینزد میں یہی تک زیادہ تر شاہ دلو قبیلہ کے کرودن کی بستی ہے۔ کوچان کے کرودن کی طرح  
اون پر بھی ایک خان حکومت کرتا ہے جسے ایلخان کا خطاب حاصل ہے اور جب کا تقرر اگرچہ شاہ کے حکم  
سے عمل میں آتا ہے لیکن بالعموم اسے بر سلسلہ وراثت حکمران خاندان میں سے منتخب کیا جاتا ہے  
یہ ایلخان اپنی ریاست کی مالگزاری کی تحصیل خود کرتا ہے اور اسکے معاوضہ میں سلطنت کے لئے فوجی

گلک بہم پہنچاتا ہے اور اوس کا درجہ عام طور پر ایک معمولی صوبہ کے گورنر سے زیادہ ہوتا ہے۔  
 سواروں کی جو جمعیت ایٹھانی بجندو بہم پہنچاتا ہے اوسکی تعداد اس وقت پانچ سو ہے۔  
 اوس کا علاقہ بجندو کی مرتفع وادی پر مشتمل ہے جو وادی ہاکے کو چان و شروان اور دریا  
 اتریک کے حصہ بالا سے ملحق اور جاجر م واقع میدان اصفرائین کے جنوب کی طرف واقع ہے۔<sup>۱۵</sup>

## کوچان

چان کا ذکر میں پتیر کرچکا چون اسکی فوج کشتنبت کی تعداد اس وقت چہ سو ہے۔

## درگز

کوچان کے شمال و مشرق کی جانب اور وسطی سلسلہ کوہ البرز کے شمالی پہلو دن پر درگز  
 (یعنی جباؤ کی وادی) کا قلیل الرقبہ صدی ضلع واقع ہے اور کوہ البرز کے شمالی فاصل آب پر  
 اگر مقبوضات ایران میں سے کوئی قابل ذکر علاقہ رہ گیا ہے تو وہ فقط یہی ایک ہے۔ اس  
 ولایت مقام میں جو ایک چالیس میل لمبے اور تیس میل چوڑے طاس یا وادی پر مشتمل ہے کچھ تو

<sup>۱۵</sup> بجندو اور اوس کے علاقہ کے حالات کے لئے دیکھو کتاب ”کلاؤس ان دی ایٹھ“ (گھٹا مشرق میں) صفحہ ۱۱۸

مصنفہ کرنل ویلٹائن بیکر (۱۸۷۷ء) + ”جرنی تہ درخسان“ (سفر خراسان جلد دوم صفحات ۹۳ الی ۱۰۷)

مصنفہ سر سی۔ میگلیگر (۱۸۷۵ء) + ”دی وار ان ترکمانیہ“ (ترکمانیہ کی جنگ) - جلد چارم فصل مقیدیم

مصنفہ جرنل گراؤیکاف (۱۸۷۷ء) +

کر دیتے ہیں اور زیادہ تر ترک یا تاتاری آباد ہیں جو تورانی حملہ کی قدیم موجوں کی نشانیاں ہیں۔  
 درگز کا صدر مقام محمد آباد ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے ۱۲۰۰ فٹ ہوگی۔ ۱۸۸۰ء  
 میں اسی مقام پر اوڈانوون کرنیل اسٹوارٹ سرجو ایک لمبی گھوڑے کے سوداگر  
 کے بھیس میں تھا ملا اور تین ہفتہ تک بغیر اس بات کے شناخت کرنے کے  
 کہ وہ انگریز ہے اوس کے ساتھ رہا۔ درگز کو آتریک سے پہاڑیوں کے ایک  
 بست سلسلہ نے جدا کر رکھا ہے اور انہیں کی وجہ سے اس کا الحاق ابھی تک  
 روسی علاقہ کے ساتھ نہیں ہوا۔ گو کہ متعدد دیہات جو اس کے مضافات سے  
 نیچے کے میدان پر واقع تھے اور اس سے متعلق تھے اب اس کے قبضہ سے  
 نکل گئے ہیں۔ ۱۸۳۲ء سے پہلے یہ گویا ایک خود مختار علاقہ تھا لیکن خراسان  
 کے دوسرے سرحدی علاقوں کی طرح اسے بھی اوس زمانہ میں عباس مرزانے  
 مسخر کیا اور اوس وقت سے ادہنین شریط اور قیود کے ساتھ جو کوچان اور بجنورد  
 سے متعلق ہیں یہ بھی سلطنت ایران کے ماتحت ہے اگرچہ انتہائی سرحد پر ہوئے  
 اور اس لئے ان تعلقات کے باعث جو اس کے سردار کو ترکمانوں کے ساتھ  
 ہیں حکومت عالیہ کے فرامین کا نفاذ گورنر مشہد کی طرف سے ایسے باقاعدہ اور  
 مناسب طور پر نہیں ہوتا جیسا کہ ہونا چاہئے۔ خان درگز کا تعلق ایک حکمران خاندان سے  
 ہے جسے نادر شاہ کے وقت سے موروثی طور پر حکومت ملتی چلی آئی ہے۔ لیکن اب نہ تو خود  
 اسے زیادہ امتیاز حاصل ہے اور نہ درگز کو اور یہاں کی فوجی کمک کی تمام جھک



## روپیوں کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے



ان ہر مدی اضلاع میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں اس دستبرو کی مدافعت کے لئے مواد موجود ہو جو شمال کی طرف سے ظہور میں آئے۔ دونوں ایلٹائی (جن میں سے ایک کے حالات میں ایک ابتدائی باب میں بیان کر چکا ہوں) اپنے اپنے علاقہ کے ذی امتیاز سردار ہیں۔ روس کے مقابل معرکہ آرا ہونے کی نسبت اور کادوئے مشیخت اور لفاظی کے لحاظ سے گو کیسا ہی زبردست ہو اور اگر بیچ بچھا جائے تو ہر دو سے وہ اس

سب سے پہلا انگریز جس نے درگزمین اگر بیان کے حالات بیان کئے تھے۔ پی۔ فریزر تھا جو ۱۸۳۲ء میں بیان آیا۔ دیکھو اس کی کتاب ”اے ونٹر بس جرنی“ (سفر سرما) جلد دوم مراسلات نہم۔ دہم۔ دیازدہم + حالات مابعد کے لئے دیکھو کتاب ”کلاڈوس ہن دی ایٹ“ (گٹھا مشرق میں)۔ صفحات ۲۲۹ الی ۲۷۲۔ مصنفہ کرنیل ولیمین بیکر (۱۸۶۳ء) + ”جرنی تھر وخراسان“ (سفر خراسان) جلد دوم۔ صفحات ۷۰ الی ۷۶۔ مصنفہ سر۔ سی۔ میگلر (۱۸۶۵ء) + ”دی مرو اوس“ (گلشن مرو) جلد دوم۔ صفحات ۳۰ الی ۶۵۔ مصنفہ اسی۔ اوڈونوین (۱۸۸۸ء)

طاقت کے دشمن ہیں جسکی نزدیکی کی وجہ سے اُن کا قدیم دشمن واقعہ اس درجہ کم ہو گیا ہے۔  
 لیکن بر امر مشتبہ ہے کہ اگر روس حقیقت میں حملہ آور ہوا تو آیا وہ اس کے مقابلہ میں ایک  
 اونگلی بھی اٹھائیں گے یا نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ  
 روسی ہر یاد مخالف کا سلسلہ کئی سال سے اُن کے پاس پہنچتی رہنا جراثیم تخریب کے اندام  
 پذیر ہونے کا بہت بڑی حد تک باعث ہوا ہوگا۔ ابھی سے روس کو ان دونوں علاقوں میں  
 سے ہر ایک میں قدم جانے کی جگہ مل گئی ہے۔ میں اس فوجی سٹرک کا ذکر کر چکا ہوں جو  
 عاشق آباد اور کوچان کے درمیان واقع ہے اور اصول فن حرب کے لحاظ سے جو وقت ثابت  
 اسے حاصل ہے اس کی طرف بھی میں اشارہ کر چکا ہوں۔ ایک اور سٹرک جسے روس  
 نے بنایا ہے گیارہ پتی سے شروع ہوتی ہے اور جو پہاڑ کچھ دور پر مغرب کی طرف واقع ہیں  
 اُن کے ایک درہ میں سے گزر کر گرگاب اور فیروزہ ہونی ہوئی شہر دان اور دہان سے کوچان  
 پہنچتی ہے نیز ایک تیسری سٹرک روس کے فوجی مقام چکشلیار واقع بحیرہ خضر سے شروع  
 ہو کر دریائے اتریک کے کنارے کے ساتھ ساتھ اس کے منبع کی سمت میں براہ چات مجنزد  
 کو جاتی ہے۔ روس نے اپنے وکیل (جو روسی مسلمان ہیں) مجنزد کو کوچان اور محمد آباد میں مقیم کئی  
 مہینے بظاہر وہاں تجارت کی غرض سے رہتے ہیں لیکن تجارتی کاروبار کی مشغولیتوں سے جو  
 فرصت انہیں حاصل ہوتی ہے اسے وہ اُن احتیاط آمیز خبروں کی بنا پر جو انہیں ملین اپنے  
 ملک کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں صرف کرتے ہیں۔

## قلات نادری

ق کی طرف سفر کرتے کرتے ہم اوس حیرت انگیز قدرتی منظر کے پاس پہنچتے ہیں جو تاجدار شاہ کے زمانہ سے جس نے اسے اپنا قلعہ بنایا قلات نادری کے نام سے مشہور ہے۔ اس تعجب خیز مقام کی طبعی اور نیز اودن خصوصیات پر جو بر لحاظ فن حرب اسے حاصل ہیں پیشتر بحث کی جا چکی ہے۔ مین یہی بیان کر چکا ہوں کہ دولت فارس کی طرف سے یہاں (براہ نام) پانچ سو سیدہ لون کی جمعیت دو توپوں کے ساتھ متعین ہے اور یہ جمعیت مختلف زمین آسکنے والے مقامات پر مامور ہے۔ یہاں کے باشندے زیادہ تر ترک ہیں اور یہاں کا حاکم حاجی ابو الفتح خان جو شہد سے بھیجا گیا ہے ایک گانون مین جو اس علاقہ کے اندرونی حصہ میں واقع ہے رہتا ہے اور ایران کے سرحدی رسالہ کے لئے ۵۰ سواروں کی جمعیت بھیج دیتا ہے۔

## روس کی آرزو مین

گزشتہ کچھ عرصہ سے روس نے قلات کو عجب محبت بھری نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا ہے اور یہ افواہ کہ دولت ایران نے اس قلعہ کو روس کے حوالہ کر دیا ہے قصداً شلٹن کی گئی ہے تاکہ انتقال ملکیت کے اس خیال سے لوگ آشنا ہو جائیں۔ جن لوگوں کو اس بات سے انکار ہے کہ روس کی ایسی نیت ہے اودن کے لئے یہ جواب کافی ہو گا کہ چند

سال کا حصہ گزرتا ہے کہ روس نے باقاعدہ طور پر ایران کو قلات کے معاوضہ میں مشہور اور زرخیز موغان کے میدان میں سے جو بحیرہ اخضر کے مغربی ساحل پر واقع ہے اپنے حصہ کا قطعہ دینے کی تجویز پیش کی تھی لیکن ایران نے اسے نامنظر کر لیا۔ جیسا کہ میں پیشتر بتا چکا ہوں روس کو قلات کے قبضہ کی وجہ سے یہ فائدہ حاصل ہے کہ اول تو وہ تمام نمایاں اوس کے قبضہ میں آجائیں گی جو اٹک کی سمت میں بہتی ہیں اور خاص طور سے اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ ایک وسطی مقام اس سے ہاتھ آجائے گا جہاں سے وہ تمام سرحدی اقوام کو مطیع کر کے سکیگا۔ اس کے علاوہ قلات کے قبضہ سے روس کے اقتدار اور اثر میں نمایاں اضافہ ہو جائیگا۔ ایران اس حیرت زام مقام کو روس کے حوالے کر دینے میں ہرگز رضامند نہیں اور اسکی حفاظت اور نگہداشت میں ایسی رقیبانہ احتیاط سے کام لے رہا ہے جسے اس کے عام تباہی اور ضعف سے ایک عجیب و غریب تناقض ہے کسی اجنبی کو شاہ کجکلاہ کی خاص اجازت کے بغیر اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی اور بہت سے روسیوں کو اور خود مجھے اس میں داخل ہونے کی کوشش میں ناکام ہونا پڑا۔ روس کا طرز عمل اس نواح میں فی الحال اودن ندیوں کی نسبت اپنا حق قائم کرنے پر جو اس کے مقبوضات واقع میدان کی آبپاشی کرتی ہیں اور نیز سرحدی قوموں کو اپنے دائرہ اثر میں لانے پر مشتمل ہے۔ اٹک کے میدان سے بتدریج بڑھ کر وہ دامن کوہ کے اکثر حصوں کو اپنے قبضہ میں لا چکا ہے اور حق آبپاشی کے جگہ سے جو ان ندیوں سے متعلق ہیں جو اگرچہ روسی دیہات کو سیراب کرتی ہیں لیکن جنکا منبع اصل میں ایرانی علاقہ ہے اور جو بہتی ہی ایرانی علاقہ ہی میں ہیں انہیں بڑھا چڑھا کر ہمیشہ

دست اندازی کا بہانہ بنایا جاسکتا ہے۔ غرضکہ ان دونوں مقاصد کی تکمیل کے لئے قلات کا قبضہ روس کے حق میں بدرجہ غایت مفید ہوگا اور جب تک یہ مقام اوسکے ہاتھ میں نہ جایگا اوس وقت تک اسے جبر نہ آئے گا۔

## سرحد روس و فارس

۱۸۸۱ء میں قطع طوری پر مرتب ہوا اور جس میں اون ضرورتوں کے لحاظ سے جو اس سال کی جدید روسی فتوحات کے باعث پیش آئیں ماوراءالنہر اور خراسان کی سرحد کا تعین کیا گیا تھا۔ اوس کی رو سے وہ سرحد جو دریائے ازربک کے دہانے سے شروع ہوتی ہے موضع لطف آباد پہونچنے سے پہلے دفعۃً رک جاتی ہے۔ موضع لطف آباد ایرانی ضلع درگز سے نیچے اٹک میں واقع ہے۔ عہدنامہ کی رو سے یہ گاون ابرانیوں کے پاس رہتے دیا گیا لیکن کسی مشبعہ تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس مقام سے سرحد تک جو دریا بے تہجد کے کنارے پر واقع ہے ٹھیک سرحد کیا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس سرحد کا تصفیہ ایک خفیہ عہدنامہ کی رو سے ہوا جو ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۳ء میں مرتب ہوا اور کوشنزدن نے خود اس مقام پر جا کر حد بندی کی۔ اس عہدنامہ کا حال میں آگے چلکر بیان کروں گا۔ لیکن چونکہ عام طور سے اس امر کے متعلق کوئی یقینی بات معلوم نہیں بلکہ یوں کہتے کہ چونکہ لوگوں کو اس کا حال بالکل معلوم نہیں اس لئے روس اس عدم یقین یا لاعلمی کو اوس مداخلت اور دست اندازی کا بہانہ بنا لیتا ہے

جس کا ذکر میں نے مندرجہ بالا فقرہ میں کیا ہے۔

## آبِ تَجْنَد

خس کے قریب پہنچ کر ایک مرتبہ پھر ہم کو دریا سے تَجْنَد کی شکل میں ایک معین سرحد نظر آتی ہے۔ شروع شروع میں یہ دریا بہری رود کہلاتا ہے لیکن پل خاتون پر کشف رود کے ملنے کی وجہ سے تَجْنَد ہو جاتا ہے اور خس کے مقام پر ایرانی اور روسی فوجی چوکیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے بعد اس حالت میں جبکہ اس میں پانی ہوتا ہے شمال کی طرف صحرائین سے بہتا ہوا اگر رتا ہے اور تَجْنَد یا کلاری بنت کے مقام پر ماوراء النہر ریو کا ایک پل اس پر بند ہا ہوا ہے۔

## خسِ جدید و قدیم

خسِ دوہین - قدیم اور جدید - اور سیاحتوں اور مدبروں کو ان کے مواقع اور حالات طبعی کے اختلافات کی نامم معلومات کی وجہ سے بہت کچھ غلط سمجھ کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خسِ قدیم دریا کے دہنے یا مشرقی کنارے پر واقع ہے اور ایک زمانہ دراز سے ترکمانوں کے قبیلہ سلور کا صدر مقام چلا آیا ہے۔ یہ قبیلہ ترکمانی نسل کی اولین شاخوں میں سے ہے جنکا ذکر مورخین عرب نے ساتویں صدی عیسوی میں کیا۔ اس صدی میں جس یورپین سیاح کا سب سے اول خس میں ۱۱۰۰ء عرب سیاح الاصطخری (جسے آؤسے غلطی سے ابن حوقل کہتا ہے) دسویں صدی (۱۰۰۰ء) میں

آنا تاریخ میں مذکور ہے وہ ایک پادری والف نامی تہاجر پہلی مرتبہ بخارا کو دہان سے کے بہو دیون اور  
ترکمانوں میں دین عیسوی کی اشاعت کرنے کی غرض سے جاتے ہوئے کئی ہفتہ تک سرخس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۳) عیسوی میں سرخس میں وارد ہوا۔ اوس نے نیشاپور سے اس کا

فاصلہ چہ منزل ہونا بیان کیا ہے اور اوس کے بعد کہتا ہے۔ ”سرخس ایک شہر ہے جو مرو اور نیشاپور  
کے درمیان ایک سطح میدان پر واقع ہے۔ سوائے آب پوشنگ کے اور کوئی ندی اسے سیراب نہیں کرتی۔

پوشنگ کی ندی ہری رود سے نکل کر سرخس کی طرف آتی ہے لیکن شدت کی گرمیوں میں یہاں تک

پہنچنے نہیں پاتی۔ سرخس اندازاً مرو اور دجستان بڑا ہوگا۔ یہ ایک آباد اور خوشحال شہر ہے۔ ہوا یہاں

کی پاکیزہ اور صحت بخش ہے۔ باشندے کنوؤں کا پانی پیتے ہیں اور آسیاؤں میں گھوڑے یا

گدھے لگاتے ہیں۔ ”دیکھو“ دی اورنٹیل جاگرافی آف ابن جوئل (مشرقی جزائر ابن جوئل) مترجم سٹوڈیو

اؤس کے صفحات ۲۱۹ الی ۲۲۱ مجتہد کی یہ کیفیت زمانہ حال کے سیاحوں کے بیان سے بالکل

مطابق ہے۔ جب موسویسا راول اول ۱۱۸۲ھ میں وارد سرخس ہوا تو اوس نے بیان کیا کہ دریا

کی نہ عام طور سے خشک رہتی ہے اور اوس کا پاٹ تین سو گز سے لیکر نصف میل تک ہے۔ عرب

سیاح ابن بطوطا ہی ۱۳۸۴ھ میں شہر سے سرخس کو آیا۔ دیکھو سفرنامہ ابن بطوطا مترجمہ پادری ایس۔

لی۔ صفحہ ۹۶۔ سرخس کے جو حالات ابتدائی زمانہ کے مصنفین نے لکھے ہیں ان کے لئے دیکھو

سفرنامہ ناصر خسرو صفحہ ۹۔ ”دیکھو بشیر امیر بانی سلمیائی“ (حالات دول اسلامیہ از نقصان

مقدسی صفحہ ۳۱۲ الی ۳۱۳۔ دفر بنگ فارس صفحات ۳۰۶ و ۳۰۸ مصنفہ یاقوت۔

۱۵۔ مصنف کاغذ کا کتب سیاح الاصطخری کو اوس کے غلطی سے ابن جوئل کہتا ہے کئی وجوہ (دیکھو صفحہ ۳۰۸)

مقیم رہا۔ اس کے بعد ۳۳۷ھ میں وہ اس امر کی تحقیق کی غرض سے پھر ادھر سے گزرا کہ بخارا میں اسٹاڈنٹ اور کو نولی کا کیا حال ہے۔ اس اثنا میں برس و س دن تک ۳۳۷ھ میں بمقام سرخس۔ یہ تبدیل لباس چھپا رہا اور شناخت کئے جانے سے بال بال بچا۔ اوس کا بیان ہے کہ ”یہ مقام ایک چھوٹا سا برباد شدہ کمرہ در قلعہ ہے جو ایک پہاڑی پر واقع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۴) سے مغالطہ انگیز ہے۔ اول تو اصطخری جس کا پورا نام ابو اسحق ابراہیم بن محمد النخوی الفارسی الاصطخری ہے عرب نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے ایرانی ہے۔ چنانچہ اوس کی کتاب سالک الممالک میں جو یورپ (لینڈن) ۳۷۷ھ میں چھپی ہے اوس کا فارسی خطبہ بھی درج ہے۔ ثانیاً اصطخری اور ابن جوقل جیسا کہ مصنف کے الفاظ مندرجہ تو سین سے مترشح ہوتا ہے ایک ہی شخص کے دو نام نہیں ہیں بلکہ محقق اور سیاح ہونے کے اعتبار سے۔ یہ دو جدا جدا ذی امتیاز شخص ہیں۔ ابن جوقل کو تو ایک زمانہ جانتا ہے کہ وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ شمالی دوسری حصہ افریقہ۔ مغربی و جنوبی حصہ ایشیا۔ روس۔ ہندوستان اور چین اور دیگر مختلف سرزمینوں میں اس نے سفر کیا اور ۳۷۷ھ میں وفات پائی (دیکھو ”سائیکلو پیڈیا آف ٹیمز“ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸) (۱۲۹۹) (۱۳۰۰) (۱۳۰۱) (۱۳۰۲) (۱۳۰۳) (۱۳۰۴) (۱۳۰۵) (۱۳۰۶) (۱۳۰۷) (۱۳۰۸) (۱۳۰۹) (۱۳۱۰) (۱۳۱۱) (۱۳۱۲) (۱۳۱۳) (۱۳۱۴) (۱۳۱۵) (۱۳۱۶) (۱۳۱۷) (۱۳۱۸) (۱۳۱۹) (۱۳۲۰) (۱۳۲۱) (۱۳۲۲) (۱۳۲۳) (۱۳۲۴) (۱۳۲۵) (۱۳۲۶) (۱۳۲۷) (۱۳۲۸) (۱۳۲۹) (۱۳۳۰) (۱۳۳۱) (۱۳۳۲) (۱۳۳۳) (۱۳۳۴) (۱۳۳۵) (۱۳۳۶) (۱۳۳۷) (۱۳۳۸) (۱۳۳۹) (۱۳۴۰) (۱۳۴۱) (۱۳۴۲) (۱۳۴۳) (۱۳۴۴) (۱۳۴۵) (۱۳۴۶) (۱۳۴۷) (۱۳۴۸) (۱۳۴۹) (۱۳۵۰) (۱۳۵۱) (۱۳۵۲) (۱۳۵۳) (۱۳۵۴) (۱۳۵۵) (۱۳۵۶) (۱۳۵۷) (۱۳۵۸) (۱۳۵۹) (۱۳۶۰) (۱۳۶۱) (۱۳۶۲) (۱۳۶۳) (۱۳۶۴) (۱۳۶۵) (۱۳۶۶) (۱۳۶۷) (۱۳۶۸) (۱۳۶۹) (۱۳۷۰) (۱۳۷۱) (۱۳۷۲) (۱۳۷۳) (۱۳۷۴) (۱۳۷۵) (۱۳۷۶) (۱۳۷۷) (۱۳۷۸) (۱۳۷۹) (۱۳۸۰) (۱۳۸۱) (۱۳۸۲) (۱۳۸۳) (۱۳۸۴) (۱۳۸۵) (۱۳۸۶) (۱۳۸۷) (۱۳۸۸) (۱۳۸۹) (۱۳۹۰) (۱۳۹۱) (۱۳۹۲) (۱۳۹۳) (۱۳۹۴) (۱۳۹۵) (۱۳۹۶) (۱۳۹۷) (۱۳۹۸) (۱۳۹۹) (۱۴۰۰) (۱۴۰۱) (۱۴۰۲) (۱۴۰۳) (۱۴۰۴) (۱۴۰۵) (۱۴۰۶) (۱۴



ہے اور جس میں چند کچے جو نہ پڑے ہیں جو شہد کے بیہ دیون نے بنائے ہیں۔ برنس نے سرخس کی نسبت یہ بھی بیان کیا ہے کہ اوس وقت یہاں کے ترکمان باشندوں نے بظاہر خان خیمو کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔

## عباس مرزا کا سرخس قدیم کو مسخر کرنا

سرخس کی سفر کے تہوڑے ہی عرصہ بعد عباس مرزا ولیعہد نے جو خراسان کو مجدد وفتح کرنے اور اوسے پورے طور سے دولت فارس کا مطیع و منقاد بنانے کی محکم کو انجام دے رہا تھا اپنی فوج کے ساتھ یہاں آکر اس مقام کو برباد کر ڈالا۔ اس کے اکثر باشندوں کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا اور جو باقی بچے اور نہیں قید کر کے شہد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۵) کا جب مقابلہ کیا تو سوائے ایک آدم لفظ کے صفحے کے صفحے متحد اللفظ پائے۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں میں سے ایک نے اپنی تصنیف کو قلم بند کرنے وقت دوسرے کی کتاب کے اجزاء کا بالالتزام اقتباس کر لیا۔ چونکہ یہ دونوں ہم عصر ہیں اسلئے یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ کس کی کتاب اصلاً و مجدداً لکھی گئی۔ البتہ بادی النظری شہادت کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصطرخی کا فاخدا بن جو قل ہے جسکی نسبت بلحاظ علم و فضل اسماعیل نظر اور وسعت تجربہ اور قریباً تمام دنیا کے سیلچ ہو نیکیے یگان نہیں ہو سکتا کہ اوس نے ایک دوسرے مصنف کی کتاب کے صفحہ کے صفحہ عینہ اپنی کتاب میں درج کرنے میں ہرجم

۱۵ دیکھو ڈیولس انٹو بخارا، (سفر بخارا) جلد سوم صفحات ۴۲ الی ۵۶۔

لے گیا۔ جہان سے بعد میں اون کے ارشدہ دارون نے جو قبیلہ سلور سے تعلق رکھتے تھے اور یونان میں رہتے تھے اون کو چار پاؤنڈ فی کس کے حساب سے فدیہ دے کر رہا کر لیا۔ ان

۱۵ ”تسنج کو چان کے بعد عباس مرزا عازم سندھ جس پر اجمان کے باشندوں کو اوس نے بے خبر پاکر فوراً شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ شہر والوں نے اول ڈیڑھ لاکھ اور اوس کے بعد دو لاکھ تومان تاوان کے طور پر دینے کی آمادگی ظاہر کر کے امان چاہی لیکن عباس مرزا نے اس رقم کے لینے سے فرط حقارت سے انکار کر دیا اور صمم قصد کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس قتل و غارت کی کبیگاہ کو خاک میں ملا دوں گا۔ غرض کہ اوس نے شہر کا محاصرہ کر کے اوس پر ایک بارگہ چلایا اور ایک دن سے کچھ ہی زیادہ مدت میں اوس کو سر کر لیا۔ اس کے بعد اوس نے فوج کو حکم دیا کہ شہر کو لوٹ کر آگ لگا دے چنانچہ غارتگری کے بعد اس کو پہونہ زمین کر دیا گیا۔ بہت سے باشندے تو مارے گئے اور جو باقی بچے ان میں سے تین ہزار قیدی بنائے گئے۔ مال غنیمت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ زمانہ حال میں شاید کہیں اتنی لوٹ کسی فاتح کے ہاتھ نہ آئی ہوگی۔ سونے کی یہ کثرت تھی کہ بورے کے بورے اوس سے بہرے ہوئے تھے اور انواع و اقسام کے بیش قیمت مال کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ قزاقوں کی ایک بہت بڑی کمین گاہ تھی۔ جو مال غنیمت یرمان سے دستیاب ہوا اور جس میں سے اکثر سپاہیوں کے ہاتھ آیا اوس کی یہ کیفیت تھی کہ صرف سونے ہی کی قیمت تین اور چار لاکھ پاؤنڈ کے درمیان ہوگی۔ جے۔ بی۔ فریرز ”۱۷۱“ سے منظر ز جرنی“ (موسم سرما کا سفر) جلد دوم صفحہ ۲۹۔ یہ بیان اگرچہ بلاغی ایک حد تک مبالغہ آمیز ہے لیکن اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ یہ قریب قریب اسی زمانہ یعنی ۱۸۳۲ء میں شہر تحریر میں لایا گیا۔

مین سے بعض ابھی تک سبب قدیم مین پائے جاتے مین اور ایک نوآبادی زہرہ آباد مین دریا کے ایران کی طرف کے کنارہ پر اوس کے منبع کی سمت مین واقع ہے۔ مگر یہ قبیلہ انحطاط پذیر ہو کر فی زمانہ سی شمار قطار مین نہیں رہا۔

## سبب قدیم

مدت بعد (مشہد) کے قریب (ایران مین) نے اس سبب قدیم مقام کو مرو کے تقی ترکمانون کی سفاکانہ دستبرد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ایک بہت بڑا کثیر الزوایا قلعہ جس کے جوانب چوبیس برجوں سے مستحکم تھے اور جس پر متعدد پرانی توپیں چڑھائی گئیں دریا کے تہذ کے بائیں یا مغربی کنارے پر دریا سے بقدر نصف میل کے فاصلہ کے تعمیر کیا۔ موسوڈی بلاکول (یہ وہ ناشاد قرانیسی عکاس ہے جو مشہد مین اوس مشہد ایران مین کے ساتھ مرو کو گیا تھا جو مقام کوشید خان کالہ تہ تیغ کی گئی اور جو خود ترکمانون کے ہاتھ مین چڑ کر قریباً ڈیڑھ سال تک ادن کے غیمون مین قید رہا) راستہ مین سرخس سے ہو کر گزرا اور اوس نے اس نو تعمیر شدہ قلعہ کا حال بیان کیا ہے۔ اس کے بعد جس سبب کا یہاں گروہ ہوا وہ میگلر گر تھا جو مشہد مین آیا اوس نے اس قلعہ اور اوس کی پیدل اور سواروں کی سات سو کی جمعیت اور گیارہ کم و بیش کپڑا توپوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب مین قلعہ کا ایک نقشہ اور تصویر بھی دی ہے۔ اس کے بعد

۱۸۸۶ء (سفر دینا) (زبان فرانسیسی)۔ اپریل ۱۸۸۶ء

۱۸۸۶ء "جہنم و خراسان" (سفر خراسان) جلد دوم۔ صفحات ۳۰ الی ۳۳۔

۱۸۸۲ء میں موسولیا مشہور و معروف روسی انجینیر جو اس وقت روسی پیشقدمی کے پیش خیمہ کا  
مہتمم تھا اور اس کے بعد جماعت مامورہ تصفیہ سرحد افغانستان کا کارکن ہوا اور اب  
دربار بخارا میں سفیر ہے۔ پیالیش و مساحت کے اوس دورہ پر وارد سرخس ہوا جس کی  
وجہ سے اول اول یورپ والوں کو اوس علاقہ کا حال معلوم ہوا جو سرخس اور ہرات  
کے درمیان ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ قلعہ سرخس کی جمعیت کی شبہ حالی کی یہ کیفیت  
تھی کہ بجائے اس کے کہ غنیم پر اوس کی ہیبت طاری ہو وہ خود خوف زدہ ہو کر گویا قلعہ بند  
ہو رہی تھی۔ کیونکہ کبھی اوس کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ قلعہ سے باہر نکل کر غنیم پر حملہ آور ہو بلکہ  
برجوں پر رات کے وقت گگ روشن کرنی رہتی تھی تاکہ اس نواح میں دشمن کے موجود  
ہونے کی اطلاع ہو جائے۔

## سرخس قدیم پر روسیوں کا مکر قبضہ

دو سال بعد ماہ اپریل ۱۸۸۴ء میں زیادہ تر اوس اطلاع کی بنا پر جو موسولیا نے فراہم  
کی تھی اور اوس انٹرنیٹ ریکارڈ غیر مصدقہ پیش قدمی کے سلسلہ میں جو ۱۸۸۵ء میں جنگ کشک اور قبضہ  
پنجہدہ پر منتہی ہوئی ایک روسی فوج نے آکر سرخس قدیم پر چوریا کے مشرقی کنارے پر واقع  
سرخس کی حفاظت کے لئے اوس نے وہاں کسی کو موجود نہ پایا قبضہ کر لیا۔ یہاں روسیوں  
نے بہت جلد ایک مستحکم قلعہ اور فوجی بارکین تعمیر کر لیں اور قدیم سرخس کا جس میں اس طرح سے  
اور سب نوجوان بڑی اور جسے اس لحاظ سے میری دانست میں اب سرخس جدید نہ کہنا چاہئے

اوس وقت سے لیکر اب تک روس کی سترہ صدی فوجی چھاؤنیوں میں شمار ہے۔ روسیوں کے قبضہ میں پہلے جانے کے بعد اس کی اگر کوئی کیفیت میرے دیکھنے میں آئی ہے تو وہ کانٹ ڈے شو لے ایک نوجوان فرانسیسی افسر فوج کی قلمبند کی ہوئی ہے جو ۱۸۸۸ء میں برطانیہ لباس کرنیل علی خاناف کے ہمراہ مرو سے روانہ ہو کر اس راستہ سے ہوتا ہوا گیا۔ اوس کا بیان (ترجمہ شدہ) حسب ذیل ہے۔

سرخس کی نسبت شہر کے لفظ کا اپنے حقیقی معنوں میں استعمال کرنا داخل مبالغہ ہوگا۔ یہ محض ایک فوجی چوکی ہے جس کے گرد افسروں اور بعض تجارت پیشہ لوگوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اس نواح میں جو ترکمان قومیں آباد ہیں اون کو جب روس نے اپنے ظل حمایت میں لے لیا اور ایرانیوں نے اس کی نسبت اظہار ناراضی کیا تو روسیوں نے اوس کا یہ جواب دیا کہ یہ فوجی چھاؤنی قائم کر دی جس میں اونہوں نے دو فوجی دستے جن کی مجموعی تعداد پندرہ سو سے لیکر ۱۶۰۰ جوان تک ہوگی متعین کر دی۔ روسیوں نے ایرانیوں کو یہ ایک ایسا سبق سکھایا کہ اونہیں پوری طرح سے معلوم ہو گیا کہ ہم اس علاقہ کو اب کبھی نہیں بے سکتے۔ اسکے ساتھ ہی ایک نہایت بودے اور سطحی عذر کی بنا پر روس نے وادی تچند میں ایک زبردست سترہ صدی چھاؤنی قائم کر دی جسکی وجہ سے اُن دو مٹر کون میں سے ایک اوس کے قبضہ میں آگئی جو ہر اٹ کو جاتی ہیں۔ سرخس میں ایک بہت بڑی فوجی بارک کے علاوہ جو نہایت عمدہ ہے صرف ایک سو مکانات ہوں گے جن میں عمدہ داران فوجی یا دیوانی اور ناہر لوگ بود و باش رکھتے ہیں۔ یہاں دو بازار اور دو چوک

ہین جن میں سے ایک میں خرید و فروخت کی رونق دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ قصبہ کی شکل ایک طویل شکل متوازی الاضلاع کی سی ہے جس کا طول نصف میل اور عرض دو سو گز ہو گا۔ یہاں حاکم ضلع رہتا ہے۔

## حربی حیثیت

نے اپنی سابق کی تصنیف میں اصول فن حرب کے لحاظ سے سبب خس کے موقعہ کے اس اعتبار سے معنی خیز ہونے کے متعلق میگلر گیگر کی رائے کا اقتباس درج کیا ہے کہ اس کے قبضہ کی وجہ سے وہ سڑک زد میں آجاتی ہے جو وادی ہری رود سے ہرات کو جاتی ہے۔ یہ موقعہ اب ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر بالکل روسیوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ سبب خس میں جو ایرانی جمعیت متعین ہے اور جو تین سو پیدل اور ایک مختصر سے توپخانہ پر مشتمل ہے وہ گویا عملی لحاظ سے اس بڑے قلعہ میں محصور ہے جبکہ وہ کسی حالت میں حفاظت نہیں کر سکتی۔ مشہد اور خس کے درمیان جو سلسلہ تار برقی قائم ہے وہ بالعموم بگڑا یا ٹوٹا رہتا ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ اگر روسی دریا کے دو سر کنارے پر آکر خالی کارنوسون کی

۱۵ "اکرشن این ترکستان" (سیر ترکستان) (بزبان فہ انہوی)

صفحات ۸۰ الی ۸۲۔

۱۶ "ریشیان منڈل ایشیا" (روس کا طرز عمل وسط ایشیا میں) صفحہ ۱۳۱۔

ایک باڑ مارین تو ایرانیوں کو بھگتے ہی بن پڑے۔

## مشرقی سرحد



شمالی و مشرقی گوشہ کا منتاسہ اور دراصل ایک زاویہ  
حادثہ میں واقع ہے جو صحرا میں نکلا ہوا چلا گیا ہے۔ یہاں پر پہونچکر جنوب کی طرف اپنا رخ  
کرتے ہیں اور اوس وادی میں سے گزرتے ہیں جس میں دریا سے بہری رود بہتا  
ہے اور اول تو درہ ذوالفقار تک ایران اور روس کے درمیان اور اوس کے  
بعد ایران اور افغانستان کے مابین سرحد قائم کرتا ہے۔ یہاں ہمارا اوس علاقہ  
کے شمال حصہ میں بھی گزر ہوتا ہے جو سرحد پر یا اوس کے قریب واقع ہے اور  
جس میں مختلف مخلوط النسل اور غیر مذہب کی قومیں آباد ہیں۔ یہ قومیں اگرچہ ایران کی  
رعایا ہیں لیکن حکومت ایران کے آگے سداطاعت پوری طرح سے نہیں جبکہ اتین  
اور سرحد کے سیاسی مسائل کا تصفیہ اُن کی وجہ سے بہت کچھ الجھن میں پڑ گیا ہے

## ضلع مشہد

جس علاقہ میں اول اول اُن عناصر خارجہ سے ہمارا مقابلہ ہوتا ہے وہ ضلع مشہد  
ہے جو بہری رود تک پھیلا ہوا چلا گیا ہے۔ دارالحکومت کے حوالی و جوانب میں تو ایرانی عنصر  
کو تفوق حاصل ہے لیکن جب ہم سرحد کے قریب پہونچنے میں تو ہمارا گزر ایسی تو آبادیوں یا

جامعتوں میں ہوتا ہے جو قوم و مذہب کے لحاظ سے چار ایماق اچا آبادیان (یعنی سرحد افغانستان کے خانہ بدوش قبیلوں سے تعلق رکھتی ہیں)۔ یہ قبیلے جمشیدی اور ہزارائی ہیں۔ اول الذکر ایرانی الاصل ہیں لیکن اس قبیلہ کے اکثر لوگ مدت ہوئی کہ ایران کو چھڑ کر افغانستان میں جا آباد ہوئے۔ جو باقی بچے انہیں ششمین محاصرہ ہرات کے بعد واپس لا کر کانگوش میں جو مشہد کے قریب آباد کیا گیا اور ان پر یہ خدمت عاید کی گئی کہ ایک تنخواہ یاب فوجی جمعیت حکومت عالیہ کے لئے بہم پہنچایا کریں۔ فوج طلایہ ماسورہ سرحد کا ایک دستہ ابھی تک انہیں میں سے بہرتی کیا جاتا ہے لیکن اگرچہ وہ ایرانی الاصل ہیں اور زبان بھی ایرانی بولتے ہیں مگر ان کی اطاعت گزاری اور وفاداری کی حالت نہایت ناقابل اعتبار ہے۔ برخلاف اس کے ہزارائی ایرانی النسل نہیں ہیں۔ ان کا تعلق تورانی قوم سے ہے جیسا کہ ان کے منغل خاں

۵ چار ایماق جیسا کہ ان کے نام سے واضح ہوتا ہے ابتدا میں چار قومیں تھیں۔ یعنی جمشیدی۔ فیروز کوہی۔ تیموری اور تیمونی۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد دو اور قومیں ہزارائی اور قباچی ان میں شامل ہو گئیں۔ فیروز کوہی۔ تیمونی اور قباچی جن میں سے اول الذکر دو قومیں ایرانی النسل کہلاتی ہیں ایران میں نہیں پائی جاتیں۔ البتہ باقی کی چار قوموں کے لوگ ایران میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر ٹیلیو نے جو تقسیم کی ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق اصلی چار ایماق تیموری۔ تیمونی۔ داہی اور سوری ہیں اور جمشیدی اور فیروز کوہی تیموری کی شاخیں ہیں اور ہزارائی اور داہی دراصل ایک ہیں۔



وخط۔ ترجمی آنگھون اور تقیل ریش و برت سے واضح ہوتا ہے اور میں سے کچھ لوگ مشہد  
میں جا بے لیکن زیادہ تر جنوب کی طرف بمقام حسن آباد ضلع باختر میں پائے جاتے ہیں۔  
سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگرچہ اون کی رگون میں ایرانی خون نہیں دھرتا اور  
مذہب یا تعلقات کے لحاظ سے بھی وہ ایرانی نہیں ہیں پھر بھی وہ فارسی بولتے ہیں۔ مذہب اون  
کاسنت و جماعت ہے اور گو وہ ساڑھے چار سو سواروں کی جمعیت حکومت عالیہ کے لئے  
بہم پہنچاتے ہیں تاہم اون کی اطاعت کیشی باختر کی قسم کی نہیں۔

### اضلاع جام باختر و خاف

مشہد کے بعد جنوب کی طرف یکے بعد دیگرے سرحدی اضلاع جام یا تربت شیخ جام  
اور باختر اور خاف آتے ہیں۔ یہ تینوں اضلاع ایک ولایت واحد پر مشتمل ہیں جو ایک عربی الاصل  
ایرانی حاکم کے ماتحت ہے جسے نصرۃ الملک کا خطاب حاصل ہے اور جو ان تینوں ضلعوں  
سے ۱۰۲۵ سواروں کی جمعیت بہم پہنچاتا ہے۔ جو آبادی اوس کے زیر حکومت ہے اوس کا  
اکثر حصہ اقوام چارایاں میں سے ایک سے تعلق رکھتا ہے لیکن جن قوموں کا ذکر اوپر کیا جا چکا  
ہے ان سے اس نام کی وجہ تسمیہ خود تیمور اعظم ہے جس نے اون کو اس جرم کی پاداش میں  
کہ اونہوں نے اوس کی مان کو جو حج کرنے گئی تھی لوٹ لیا تھا فرط غیظ و غضب سے جلا وطن  
کر کے یہاں لاکھ پور رہایا ایک سیہ کے حوالے کر دیا جسکے ساتھ اوس نے اپنی بیٹی کا عقد بھی  
کیا تھا۔ تیموریوں کی بستیان خراسان کے دو حصوں علی الخصوص نواح نیشاپور اور  
سبزوار میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اون کا اکثر حصہ ان تین سرحدی اضلاع میں جن کا

ذکر کیا جا رہا ہے آباد ہیں۔ دولت ایران نے اپنی کوتاہ اندیشی اور سختی و زیادتی کی وجہ سے دوسری خانہ بدوش قوموں کی طرح اس قوم کو بھی اپنی طرف سے بد دل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کو اس نواح میں خود اپنے زرخیز سپاہیوں کی طرف سے ویسا ہی کھٹکا لگا ہوا ہے جیسا کہ رومۃ الکبریٰ کو اپنی گاتھ اور گال قوم کی فوجوں کی طرف سے تھا۔ اس موقع پر یہ ایزاد کر دینا خالی از فائدہ نہ ہو گا کہ ہزارا بیوں اور جمشید بون کی طرح تیموری بھی سنی مسلمان ہیں۔

## قائن

آگے بڑھ کر جانب جنوب قائن کا وسیع اور ممتاز ضلع واقع ہے جس میں دس بلوق یعنی قلعہ اریان ہونگی اور چار دس صحرائ تک پھیلا ہوا چلا گیا ہے جو خراسان کو کرمان سے جدا کرتا ہے۔ قائن کا حاکم ایک عرب امیر ہے جس کے خاندان میں سیہان کی حکومت متواتر چلی آئی ہے۔ جنوبی سرحد ایران پر جس قدر سردار ہیں اون میں حاکم قائن کو دہی درجہ و اعزاز اور طاقت حاصل ہے جو شمال میں بخمداد اور کوچان کے ایلخانیوں کو چال ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاکم قائن کو ان دونوں پر تفوق ہے۔ موجودہ حاکم میر عالم خان دولت ایران کے وابستگان میں غالباً سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس وقت اوس کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہوگی۔ ارادہ کی تقصیر اور سخت گیر ہونے کے باعث اوس کی دھاک بندہ گئی ہے اور اوس نے اپنے علاقہ کے غارت گردوں اور لطیف روں کے جتھوں اور علی الخصوص افغانوں اور بلوچیوں کے گرد ہون کا جہلا خوف و تعرض اس نواح کو آکر برباد کر چایا کرتے تھے پوری طرح سے قلعہ و قمع کر دیا ہے

وہ اس درجہ طاقتور ہے کہ حکومت عالیہ بھی اوس کے معاملات میں نہایت احتیاط کے ساتھ دست اندازی کرتی ہے۔ ۱۷۷۶ء میں جب مسئلہ سرحد سیستان کے تصفیہ کے لئے کمیشن بھیجا تو میر عالم خان ہی گورنر تھا اور سڈرالف۔ گولڈ اسٹڈ سے وہ کچھ زیادہ اخلاق کے ساتھ نہیں پیش آیا۔ لیکن چونکہ خود اوس کے علاقہ کا رقبہ اوس وقت معرض خطر میں تھا کیونکہ سیستان اوس صوبہ کا ایک حصہ ہے اس لئے اوس کی کج رخی کو ایک حد تک حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کے بعد سے وہ ان تمام انگریزوں کے ساتھ جو ادھر سے گزرے ہیں ملاطفت اور مدارا سے پیش آتا رہا ہے اور سوا ایک پر شکوہ خطاب حاصل ہے جو شاہ نے اوس سے عطا کیا ہے اور سپاہ ایران میں اوسے امیر تومان یعنی میجر جنرل کا درجہ حاصل ہے۔ دولت عالیہ کے ترفیع اور ترقی کی علامت ایرانی تو پختانہ کا ایک حصہ ہے جو برجنہ کے قلعہ میں مامور ہے (۱۷۹۶ء) میں میر عالم خان کا انتقال ہو گیا۔

### آبادی اور دارالحکومت

اس علاقہ کے باشندوں کی تعداد جو ایرانی اور عربی الاصل ہیں آسی ہزار سے کم نہ ہوگی سابق میں دارالحکومت قائن تھا مگر اب برجنہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ برجنہ کا شہر قائن سے بڑا ہے۔ اس کے گرد شہر پناہ نہیں۔ آبادی چودہ ہزار ہے۔ کرنل اسٹوارٹ کا بیان ہے کہ انہیں یہاں بانس پیدا ہوتی ہے اور خرچ میں بھی کثرت ہی کے ساتھ لائی جاتی ہے چنانچہ صد ہا لوگ یہاں ہر سال

کثرت استعمال سے مراکز تھے۔ تاین اور سیستان سے ملاکر امیر سات سو سوار اور دو  
پیدلون کی پلٹین دولت عالیہ کے لئے بہم پہنچاتا ہے۔ یہ دونوں پلٹین یکے بعد دیگرے  
بہرتی کیجاتی ہیں۔ جب ایک سیستان میں خدمت پر مامور کی جاتی ہے تو دوسری برجندہ  
میں رخصت کر دی جاتی ہے۔

## سیستان

کینن پریس پر بیان کر چکا ہوں سیستان صوبہ قائن کا ایک بلوق یعنی ضلع یا تعلقہ  
ہے۔ یہاں کا حاکم امیر قائن کا ایک نائب ہے جس کا مستقر نصرت آباد ہے۔ ۱۸۸۹ء میں

۱۸۸۹ء تک ایک نہایت ہی دلچسپ مضمون جو کرنیل سی۔ اسی۔ اسٹوارٹ نے ”دی ہرات ویلی اینڈ دی پرنس  
بارڈر فرام دی ہری روڈ ٹو سیستان“ (ہادی ہرات شہر حد ایران از ہری روڈ تاہر سیستان) کے عنوان سے  
لکھا ہے اور جو ”پروسیڈنگس آف دی رائل جاکریفیکل سوسائٹی“ (سلسلہ جدیدہ بابت ۱۸۸۶ء  
کی جلد ہشتم میں صفحات ۱۳۷ الی ۱۵۶ میں مندرج ہے) قائن کا حال کمیشن مامورہ تصفیہ سرحد  
سیستان (۱۸۷۶ء) نے لکھا ہے۔ (کرنیل ایون اسمتھ ”ایسٹرن پرنشیا“ (مشرقی ایران)  
جلد اول۔ صفحات ۳۳۶ الی ۳۴۳ + ۲۔ ایچ ڈبلیو۔ بلیو۔ ”فرام دی انڈس ٹو دی ٹانگرس“ (از اٹک  
تاہر و جلد) صفحات ۳۲۰ الی ۳۲۲) سر۔ سی۔ بیگلرگیر نے بھی اپنی کتاب ”جرنی تھر و خراسان“  
(سفر خراسان) میں صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ برقائن کا حال لکھا ہے۔ برجندہ کے حالات کے  
لئے انہیں مصنفین کی کتابوں کے صفحات ملحقہ کا مطالعہ کرنا  
چاہیے۔

خراسان کی کل مالگزاری میں سیستان نے بہ قدر عرصہ (معاملہ محض) نہ مان (۶۹۵۷ ٹن) غلہ کے حصہ دیا۔ لیکن سیستان کی بحث پاؤنڈ) نقد اور ۲۴۰۰۰ (۶۹۵۷ ٹن) غلہ کے حصہ دیا۔ لیکن سیستان کی بحث میں بجائے خود جدا گانہ طور پر اس قدر سیاسی تجارتی۔ اور حربی مسائل شامل ہیں کہ میں اون کے لئے ایک علیحدہ باب وقف کروں گا جس میں اس کی گزشتہ تاریخ اور آئندہ حالت سے بحث کی جائے گی۔ سیستان کے جنوبی و شہرینی گوشہ پر پہنچ کر خراسان کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں سے دشت زاوشت لوط شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ہم صوبہ ایرانی بلوچستان میں پہنچتے ہیں۔ اس صوبہ کے حالات اس کتاب کی تیسری جلد میں بیان کئے جائیں گے۔

## روس کے سیاسی دائرہ اثر کی توسیع

جس سرحدی علاقہ کے حالات میں دورہ ذوالفقار سے سیستان تک بیان کرتا ہوا چلا آ رہا ہوں (جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں یہ وہ سرزمین ہے جس میں ایسی قومیں آباد ہیں جن کی ناصل ایرانی ہے نہ زبان ایرانی اور جنہیں ایران کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں) اوس میں روس نے اپنے سیاسی رسوخ کی توسیع کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ چونکہ وہ ایرانیوں کے شیعہ عقائد کے خلاف سنی مسلمانوں کی حمایت کا دم بہرتا ہے اس لئے وہ گویا اون کے متعصبانہ جذبات کا جہادستان بن کر اون کو اپنے ساتھ مانوس

کرتا ہے۔ اون کی بے قاعدہ فوجی جمعیت سے اسے کسی زمانہ میں حل کر پیش قیمت کمک  
 پہونچنے کی توقع ہے۔ چونکہ اون کی آبادی کا موقع ایسا ہے کہ ہرات کا ایک پہلو اور دریا  
 بلخند تک کا علاقہ اس کی زمین سے اس لئے روس اون کی تسخیر قلوب کو اس بات  
 کا ذریعہ سمجھتا ہے کہ وہ افغان تمان کو گزند پہونچانے کی دھمکی دے سکے اور ہندوستان  
 و بلوچستان کی سرحد کے زیادہ قریب پہونچ جائے۔ سیستان کو جو مشہد اور  
 سمندر کے وسط میں واقع ہے روس زیادہ تر رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ  
 اس سے یہ معلوم ہے کہ اس علاقہ کا کسی رقبہ طاقت کے قبضہ میں آجانا خراسان میں اس  
 کے کامل نفوذ کے امتناع کا آغاز ہوگا۔ روسی دیسی اقوام کے پرچہ نویس تربیت شیخ  
 جام۔ خاف اور قباکین میں متعین ہیں۔ روسی کا پروردازوں کی نسبت اس علاقہ میں اپنے طور پر  
 مصروف تحقیقات ہونا سنتے میں آیا ہے اور یہ ایک کہلی ہوئی بات ہے کہ انگریزی  
 سرحد کی سمت میں جو غیر معروف اضلاع واقع ہیں ان کے متعلق ذرا ذرا سی خبروں  
 کے بارے میں بھی روسی حکام اضطراب آمیز دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔

۱۸۸۲ء میں ماوراء النہر کے نو ترکیب دادہ صوبہ کے گورنر نے عاشق آباد میں اس مضمون کا اعلان  
 تک جاری کر دیا کہ الھک کے علاقہ میں ہندی مسلمانوں کے دیہات کا تعلق روس سے ہے اور وہ آئندہ ایران کو منقسم  
 کاخراج ادا کریں۔ چونکہ اس سے ان دیہات کے باشندوں کا باامصول بہت کچھ ہلکا ہونا متصور تھا اسلئے بہت  
 سے گاؤں ایسے تھے جنہوں نے اشتیاق کے ساتھ اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اب جنوب کی طرف پہر روس  
 عارضی طور پر اسی حکمت علی سے کام رہا ہے۔

دوسرے الفاظ میں گویا خراسان کے پورے دور پر شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی سمت میں سلسلے طور پر ایسے مقامات واقع ہیں جہاں روسی دست اندازی۔ اثر یا سازش سعدی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے۔ غرض کہ جو حال روسیوں نے اس نواح میں پھیلایا ہے اوس میں اون کے شکار کا بھنسنا یقینی ہے۔ استر آباد۔ کوچان۔ قلات۔ سرخس۔ خاف اور سیستان وہ متعدد مقامات ہیں جہاں روس اپنی پیش قدمی کے پیش خیمے قائم کر رہا ہے اور بعید از قیاس نہیں کہ انجام کار یہی مقامات اوس کے لئے داخل ہونے کے دروازے بن جائیں۔ نقشہ پر ایک سیرمی نظر ڈالنے سے اور روس کے ماوراء النہر کے موقعہ کو مد نظر رکھنے سے جو تین سو میل تک خراسان۔ کی شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ ملا ہوا چلا گیا ہے واضح ہو گا کہ جو موقعہ ایک زبردست طاقت کے قریب ہونے کے باعث جس کے قبضہ میں پہاڑ ہوتے بہت ہی نازک ہو جاتا اوسے ایران جیسے کمزور اور دہلے والے ہمسایہ کی نزدیکی کی وجہ سے اوس نے اپنے لئے سجدہ مغیہ مطلب بنالیا ہے۔

### ماوراء النہر کی ریلوے کا اثر

روس کی فتح ماوراء النہر اور اسکے بعد اوس کا سرحد ایران کے بیرونی حصے کے ساتھ ساتھ صحرائیں ریلوے کا قائم کرنا ایسے واقعات ہیں جنہوں نے مسائل تدبیر ملکی پر قومی اثر ڈالا ہے اور جو آگے چل کر اوس کے ہمسایوں کی سیاسی قسمت کے فیصلہ میں بہت بڑا حصہ لینگے۔ لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسکو وسعت کے اعتبار سے ایک

ایسے باب کے موضوع سے چندان تعلق نہیں جسے مملکت ایران کے فقط ایک ہی صوبہ سے بحث ہے۔ اور اس لئے میں اس بحث کو ایک آئندہ باب پر ملتوی کرتا ہوں جس میں ایران کے متعلق روس کے طرز عمل اور روز افزون اثر کے مسئلہ سے جسکا جرنیل ایننگٹن کی ریلوے ہمیشہ ایک مہتمم ہاٹان جزو قرار دی جاسکتی ہے، کامل طور سے بحث کی جائے گی۔

### اندرونی اضلاع

قبل ازاں نگہ میں خراسان کے سیاسی مباحث سے قطع نظر کرون میں ایک دفعہ او اس کی انتظامی تقسیم ناظرین کے سامنے پیش اور جو اطلاع میں سرحدی صوبہ جات کے متعلق درج کر چکا ہوں اور سین خراسان کے اندرونی اضلاع کی مختصر کیفیت ایزاد کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اضلاع دو قسموں میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ ایک تو سرحدی اضلاع کی اندرونی قطار اور ایک وہ اضلاع جنہیں سرحد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

### طبس

جنوب سے شروع ہو کر جہان ہم نے سیستان کا ذکر چھڑا تھا اور قائن کے خط متوازی کے قریب سے اندرونی سمت میں روانہ ہو کر ہم صوبہ طبس میں پہنچتے ہیں۔ اس کی سرحد جانب جنوب صوبہ یزد سے ملتی ہے جہاں سے یہ دوسو میل کے فاصلے پر واقع ہے طبس کے باشندے کچھ تو عرب ہیں اور کچھ ایرانی ہیں اور ان پر ایک سردار حکومت کرتا ہے جسکے خاندان میں یہاں کی سرداری موروثی چلی آئی ہے۔ اس سے بھی

۱۵ دیکھو اس کتاب کی جلد چارم باب سی ام۔



وہی اقتدارات حاصل ہیں (گودہ ایسا طاقتور نہیں) جو کہ ابن خافون۔ ایل خانیون اور امیر ون کو حاصل ہیں جنکا ذکر پیش کیا جا چکا ہے۔ خان طبس کا نام مرزا محمد باقر خان ہے اور اسے عماد الملک کا خطاب حاصل ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فوجی کمک ہیچ ہو چنانچہ نے یا ذاتی طور پر موقع اور متنازعہ ہونے کے اعتبار سے اور سپر عماد الملک کا لقب سوزون طور سے صادق آتا ہے۔ یہ علاقہ وسیع مگر افلاس زدہ ہے اور باشندے بے شغل اور صلح پسند ہیں اور اب یہاں اس صورت حالات کا کوئی سد غ نہیں ملتا جسے ملکہ نے اٹھارہویں صدی کے اختتام پر یہ لکھ بیان کیا تھا کہ یہاں کے سردار علی لحاظ سے خود مختار اندہ طور پر حکومت کرتے ہیں اور ان کی رعایا بہادری اور جرات کے لئے مشہور ہے۔

### ترشینر

طبس کے شمال میں ترشینر کا قلیل القدر قبضہ واقع ہے۔ یہاں بھی زیادہ تر عرب لوگ آباد ہیں۔ اور یہ ایک حاکم کے ماتحت ہے جو گورنر جنرل مشہد کے تابع ہے۔ ترشینر یہاں کے لئے مشہور ہے جو بے نظیر ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ ریشم یہاں بہت اچھا ہوتا ہے۔

۱۵ دیکھو تاریخ ایران مصنفہ ملکہ۔ جلد ثانی صفحات ۱۲۳ و ۱۲۴۔ اور سوت میر حسین خان وہان کے زبردست حکمران عرب خاندان کا سردار تھا۔ اور اگرچہ آبادی اس علاقہ کی صرف تیس ہزار تھی تاہم وہ ہزار سوار اور چھ ہزار پیدل کی فوج اس کے پاس تھی۔

۱۶ مافوق الدین ظہوری جو بیجا پور کے سلطان عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعرا تھا اور جسکی سہ ہزار فارسی کتب اور بے گنت منہیات میں شامل ہے ترشینر ہی کا ہے والا تھا۔ مترجم

جب گیلان میں ریشم کے کیڑوں میں بیماری پھیلنے کی وجہ سے وہاں کے ریشم کا بیوپار برباد ہو گیا تھا تو ایک فقط ترش شیر ہی ایسا مقام تھا جہاں یہ بیماری پھیلنے نہیں پائی تھی۔ یہاں فیروز کے کی کاٹین بھی ہیں مگر فیروزہ نیشاپور کے فیروزے جیسا خوش رنگ و خوش آب نہیں ہوتا۔

## تربت حیدری

شیر حقیقت میں اضلاع اندرونی کی تیسری صف میں واقع ہے نہ کہ دوسری میں۔ کیونکہ اسکے اور تربت شیخ جام کے درمیان ضلع تربت حیدری واقع ہے جو اصول فن حرب کے رو سے بائیں اعتبار اہم و ممتاز ہے کہ یہ پیشقدمی کے اوس خطرہ واقع ہے جو ایک حملہ آور فوج ہر اس کے براہ خاف مشہد کی طرف سیستان اور دارالحکومت کے باہمی سلسلہ تعلق کے منقطع کرنے کی غرض سے اختیار کرے۔ اس میں زیادہ تر قزاقی قبیلہ کے ترک آباد ہیں اور کسب قدر بلوچی بھی ہیں۔ سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ یہ صوبہ ایک حیرت انگیز حکمران اسحق خان نامی کی مساعدا سے دولت و طاقت کی معراج پر پہنچ گیا تھا۔ اسحق خان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ فن تجارت میں بھی اسے ایسی ہی دستگاہ حاصل تھی جیسی کہ فن سپہگری میں اور علم و فن میں بھی وہ ایسا ہی بالکل تھا جیسا نظم گسری میں وہ اپنے نیم خود مختار صوبہ سے ایک لاکھ پاؤنڈ کی مالگزار میں تحصیل کرتا تھا۔

اسے مکالمے تاریخ ایران کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۲۸ میں لکھتا ہے کہ تربت حیدری کی آمدنی اس زمانہ میں ایک لاکھ تومان تھی جس کے دو لاکھ پاؤنڈ ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ اس نے بسا اوقات دوسرے مقامات پر تومان کو ایک پاؤنڈ کے مساوی قرار دیا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ میزان ثانی الذکر کی تصدیق کر دینی چاہیے۔ لیکن غالباً یہ اندازہ بھی مبالغہ آمیز ہے۔

اپنے اکثر ہسایون کی طرح تربت حیدری کے باشندے بھی اپنی جنگجویی اور آزادی کے زمانے کو خیر باد کہہ چکے ہیں اور اب انکو ایرانیوں نے پوری طرح سے مطیع و منقاد بنا لیا ہے۔  
 ترشیز کی طرح اس علاقہ میں بھی شہوتون اور دوسرے بیوہ دار درختوں کے جھڑپوں کی افراط ہے لیکن ترکمانوں کی غارتگری اور اس بڑے قحط نے جو ایران کی تاریخ میں مشہور ہے اسے برباد کر ڈالا۔ ترشیز اور تربت حیدری دونوں ملکر درپٹنیں خراسان کی فوجی طاقت میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس کا عقرب ذکر کیا جائے گا۔

### نیشاپور اور سمرقند

ایران کے دو اندرونی بلوق (اضلاع) جنہیں دوسرے درجے میں بھی سرحدی مسائل سے کوئی تعلق نہیں نیشاپور اور سمرقند ہیں۔ ان دونوں اضلاع کی گورنری کی خدمت بڑے آرام کی ہے اور علی العموم شاہی خاندان کے کسی رکن کو عطا کی جاتی ہے نیشاپور کا گورنر اس وقت رکن الدولہ کا چچا زاد بھائی ہے اور سمرقند اس کے سب سے بڑے بیٹے کے زیر حکومت ہے۔  
 میں جب مشہد سے سفر کرتا ہوا طہران کو جاؤں گا تو ان کے دارالحکومتوں میں داخل ہونے وقت ان کے ذاتی حالات بھی کیسے بیان کروں گا۔ ان دونوں اضلاع میں سے ایک بھی ایرانی فوج کے لئے ملک کے طور پر کوئی جمعیت بہم نہیں پہنچاتا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۶۸ء میں شاہ مجلہ کے یہاں ان کے بعد سے ان دونوں مقامات کی خاص طور سے سستہ کر دیا گیا ہے۔

### شاہ رود بظام

بالآخر ہم شاہ رود بظام کے وسیع اور متمول ضلع میں واپس آتے ہیں جس کا ذکر ستر باب

کے حالات بیان کرتے وقت میں ایک حاشیہ میں پیشتر درج کر چکا ہوں۔ یہاں کا حکم فتح علیشاہ کا بیٹا ہے جو اپنے بہائیوں میں ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ شاہ رود بسلام کو اسے تڑا باد سے صرف البرز جدا کرتا ہے۔ اب میرا کام ختم ہو گیا ہے کیونکہ میں خراسان کا دورہ تمام کر چکا ہوں اور اس نہایت ہی اہم صوبے کی انتظامی شاخوں میں سے ہر ایک کا حال بیان کر چکا ہوں۔

## خراسان کی کل فوجی طاقت

قبل اُنکے کہ میں اپنی بحث کی اس شاخ کو ترک کر دوں میں خراسان کی مجموعی فوجی طاقت کی میزان درج ذیل کرنا چاہتا ہوں۔ گو کہ ضمنی طور پر جا بجا میں نے اسکی اکثر خدمات کا پیشتر حوالہ دیا ہے۔ اس اندازہ میں مقامی جمعیتیں یعنی شام قلیچیون (توڑے دار بند و قون والے سپاہی وغیرہ) کی تعداد شامل نہیں جو بوقت جنگ ضرورت کے پورا کر نیکے لئے بہرہ کی جاسکتی ہیں بلکہ مستقل فوج شامل ہے جو چند روز کے عرصے میں بہم پہنچا کر میدان جنگ میں بھیجی جاسکتی ہے۔

پہل فوج (سرباز یعنی فوج باقاعدہ)

۱۔ معمولی شاہی رجمنٹیں

دو رجمنٹیں قرالی ترکون کی جو زرشین اور تربت حیدری میں بہرہ کی جاتی ہیں اور جن میں آٹھ

آٹھ سو جوان ہیں۔ - - - - - ۱۶۰۰

دو رجمنٹیں جو بہرہ میں بہرہ کی جاتی ہیں اور جن میں آٹھ آٹھ سو جوان ہیں ۱۶۰۰

(ان چاروں رجمنٹوں میں سے صرف دو کو وقت واحد میں کاظم پلین

لایا جاتا ہے۔ باقی کی دور خصت کر دی جاتی ہیں)

۲۔ غیر معمولی شاہی رخصتیں

چار رخصتیں جو بالعموم آذربائیجان میں بہرتی کی جاتی ہیں اور جنہیں سے تین

مشہد میں متعین رہتی ہیں۔ فی رخصت آٹھ سو جوان۔ ۳۲۰۰

میزان ۶۴۰۰

رسالہ (زیادہ تر اجورہ دار)

بیقاعدہ (یعنی جو قابل خدمت ہیں مگر مرض نقل و حرکت میں نہیں آئے گئے)

نمبروری اور تربت شیخ جام " " " " ۱۰۲۵

جمشیدی " " " " ۳۰۰

ہزارانی " " " " ۴۵۰

نظفران کوگرد (ماتحت ایلخانی کوچان) " " ۶۰۰

شاہد کوگرد } ماتحت ایلخانی بجنورد " " ۵۰۰  
گوکلان ترکمان } " " ۳۰۰

درگز (ترک) " " " " ۱۰۰

قلات نادری " " " " ۱۵۰

تاین اور سیستان " " " " ۴۰۰

طبس " " " " ۱۵۰

مختلف شہر و دیار (سبزو دار وغیرہ) " " ۴۰۰

میزان ۴۶۴۵

توپ خانہ .. " " " ۲۰۰

(بیس آسانی سے حرکت میں لائی جانے والی جنگی توپیں مشید کے ارک میں ہیں  
و قلات میں اور چہ توپیں سرخس کے بچوں پر پڑ رہی ہوں ہیں)

پیدل " " " " ۶۴۰۰

سوار " " " " ۶۶۷۵

توپ خانہ " " " " ۲۰۰

سیران کی ۱۱۲۷۵

الغرض یہ ہے خراسان کی مجموعی فوجی طاقت جو میر بہ شے نے بین آئی۔ اگر ٹھیک طرح سے  
اسے قواعد سکھائی جائے اور اسکے افسر معقول ہوں تو یہ ایک عمدہ فوج ہو سکتی ہے لیکن  
اسکی موجودہ حالت ایسی ہے کہ ممکن نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے اور لب تک تبسم نہ آنے پائے

## خراسان کی تجارت

بین اب اوس طرز عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو برطانیہ کلان اور روس نے ناجوازہ حیثیت  
سے خراسان میں اختیار کیا ہے۔ گذشتہ کئی سال سے روس نے باوجودیکہ تجارتی شوق  
اوس کی قومی خصوصیات کا جزو نہیں ہے وسط ایشیا کی منڈیوں کو اپنے حیطہ تصرف میں لانے  
کی آرزو کو دل میں جگہ دی ہے۔ یہ شوق جس کا ابتدائی محرک پطیر اعظم تھاروسیون کو اوس شہنشاہ  
سے ترکہ میں ملا ہے اور اب جس تن دہی سے اس خیال کی تکمیل علی صورت میں اس خطہ میں کی  
جاری ہے اور سے اوس کا ہلی اور سہل انکاری سے نمایان تضاد ہے جو روسی دوسرے

مقامات میں ظاہر کر رہے ہیں۔ مشرق میں روس کے فن تدبیر مملکت کے اصول موضوعہ کا یہ ایک جزو اعظم ہے کہ تجارتی قبضہ مقدم ہونا چاہیے اور سیاسی قبضہ موخر۔ اور تجارتی گماشتوں اور نمائندوں کا تقرر۔ وسائل آمدورفت و رسل و وسائل کا افتتاح اور مشرقی منڈیوں میں آنے والوں سے باہر جانے والے مال کی نسبت محصول کے خاص خاص استثناء کا اجراء۔ اوس کے ایشیائی طرز عمل کی مستقل صورتیں ہیں۔ چونکہ خراسان بحیرہ اخضر سے اس قدر قریب واقع ہے جس کی جہاز رانی بلا مشارکت احد سے روسیوں کے یہ قدرت میں ہے اور اسکے علاوہ ماوراء النہر سے بھی ملا ہوا ہے جسے اونہوں نے ۱۸۸۱ء میں فتح کیا لہذا تجارتی اغراض کی تکمیل کے لئے یہ ایک نہایت ہی موزوں میدان ہے اور اسکی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ گویا روسیوں کی تجارتی کامیابی کا منتہا ہے۔

### انگریزوں کی سابق تجارت مشہد کے ساتھ

لیکن قبل ازان کہ میں موجودہ صورت حالات پر اسمان کے ساتھ نظر ڈالوں میں اس واقعہ کی طرف جہاں اس ضمن میں کسی کتاب میں مندرج نہیں پایا ناظرین کو متوجہ کیا چاہتا ہوں کہ یورپ اور خراسان کے درمیان جس قوم نے سلسلہ تجارت قائم کیا وہ انگریز تھے نہ کہ روسی۔ ٹوٹیرہ سو سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ اول اول انگریزی تاجروں نے بحیرہ اخضر سے مشہد تک کی اوس شاہراہ کے افتتاح کی کوشش کی جس سے ہمارے رقیب اب اس قدر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ایران کے ساتھ برطانیہ کے تجارتی تعلقات کی داستان پر میں اس سر زمین کی غیر معرود بافرا مویش شدہ تاریخ کے ابواب میں سے ایک نہایت ہی حیرت انگیز باب کی حیثیت سے

نظر ڈالتا ہوں اور آگے چلکر مین اوس شجاعت اور استقلال کا بھی کچھ ذکر کروں گا جس سے کام لیکر اوس زمانہ میں جبکہ سوداگروں کو صاحب سیف بھی اویسی طرح ہونا پڑتا تھا جیسے کہ صاحب قلم انگریزی تجارتی کمپنیوں کے کارپردازوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ برطانیہ کلان کا علم اور اوس کا پر شکوہ نام اُن سرزمینوں میں لیجا کر قائم کیا جہاں سب کو اپنی جانیں معرض خطر میں ڈالنی پڑتی تھیں اور اکثر لوگوں کی زندگیاں جو کمون مین تلف ہوتی تھیں۔ اور جہاں سے صحیح وسلاست پلٹ کر آنے والوں کے لئے زوتو ابناے ملک کی طرف سے نعرہ ہمارے تحسین بلند ہوتے تھے اور نہ شاہی انجمنوں کی طرف سے تمغے ملتے تھے۔ منجملہ اون خیالات کے جو جان ایٹن (یہ وہ طباع مگر سٹون مزاج انگریز ہے جس نے اٹھارویں صدی کے وسط میں بحیرہ اخضر کی انگریزی تجارت کی اوس تجدید میں جان ڈالکر خود ہی اوسے ضائع کر دیا جس کی تاریخ جو ناس پہنچے نے جو خواس کا زمانہ میں امتیاز کے ساتھ شریک تھا نہایت شرح و بسط سے قلمبند کی ہے) کے تصور نے پیدا کئے ایک یہ تھا کہ مشہد میں ایک انگریزی کارخانہ قائم کیا جاوے اور اسٹر آباد کی راہ سے لندن کا ادنیٰ کپڑا سنگا کر خراسان کے دارالخلافہ میں مشرق کی لائنداد دولت کے معاوضہ میں فروخت کیا جائے۔ جن امید بہرے لفظوں میں اوس نے یہ تجویز برطانوی سفیر متعینہ سینٹ پیٹرس برگ کے سامنے پیش کی تھی اونہیں اب ہم کیا ہی برا العجبی سے پڑھتے ہیں۔

مشہد سے بخارا تک کی تجارت میں انگریزی تاجروں کو کسی دُور دست حریف کی رقابت کا خوف نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ادن کو سلطنت روس میں سے اپنے مال کے لئے جانے اور بحیرہ



اخضرین جہاز چلانے کی اجازت رہے گی اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ شہنشاہ روس اپنے فائدے کے خیال سے رعایا کے برطانیہ کو ان کے حق میں تسلیم کر لے گا اور وقت تک اس تجارت میں ان کے سامنے کسی اور کی پیش نہ جاسکے گی ۱۵

جو واقعات کہ فیاض اور بھولے بھالے روس اور روسیہ پیدا کرنے والے انگلستان کی اس خیالی تصویر کے قالب میں جان پڑنے کو مانع آئے ان کا ذکر میں آگے چل کر کر دینگا۔ یہاں میں صرف مختصر سی تاریخ اس واقعہ کی بیان کرنا ہوں کہ مشہد پر اس کا اطلاق کس صورت سے ہوتا ہے۔ مادہ دسمبر ۱۸۴۳ء عین ہنرے خود کچھ تجارت کا مال لیکر استر آباد تک آیا اور اس کا قصد تھا کہ اپنے مال کو بذریعہ کاروان مشہد لے جائے لیکن وہ آگے نہ جاسکا کیونکہ اس کے زمانہ قیام استر آباد میں نادر شاہ کے برخلاف علم نبادت بلند کیا گیا اور اس کا مال لوٹ لیا گیا اور قریب تھا کہ وہ خود بھی غلام بن کر ترکمانوں کے ہاتھ بیچ ڈالا جائے۔ لیکن روسی کمیٹی (جو لندن سے تجارت کرتی تھی) دو کارپرداز مشہد پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ان میں سے ایک جس کا نام منگو گریم یا گریم تھا واپس آئے وقت ۱۸۴۳ء عین بمقام سمنان مارا گیا۔ دوسرا وان میرپ نامی دو سال ۳ مہینے تک یعنی ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۵ء تک مشہد میں مقیم رہا مگر اسے کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ اس نے صرف ۵۵۰۰ پاؤنڈ کی مالیت کا مال بیچا۔ وہ سلامتی کے ساتھ

۱۵ دیکھو: ہسٹریکل اکاؤنٹ آف برٹش طریقہ اور وہی کسیسین زکیمبرہ اخضرین انگریزی تجارت کے تاریخی حالات) مستفقہ جرنال میں ہنرے۔ جلد اول صفحات ۳۷ اے ۳۸۔

۱۶ دیکھو: زکیمبرہ اخضرین انگریزی تجارت کے تاریخی حالات کا مستفقہ جرنال میں ہنرے جلد اول صفحات ۳۷ اے ۳۹۔

اپنے ملک میں واپس پہنچا لیکن اسکے بعد کسی کو ایسے خطرناک تجربے کے دہرانے کی ہمت نہ پڑی۔ اور تین سال کے عرصہ کے اندر اندر ہر ایک انگریزی سوداگر نے اس خیال سے اس سرزمین کو خیر باد کہی کہ جان بچی لاکھ بن پائے۔

## حالات مابعد

میں انگریزی تجارت کے قیام کے متعلق جو پہلی کوشش کی گئی اوسکی تاریخ یہ ہے جو بیان ہوئی۔ موجودہ صدی (اونیسویں صدی) میں دارالخلافہ کے طہران میں منتقل ہو جانے۔ وسائل آمد و رفت اور رسل و رسائل کے متعلق زیادہ طمانیت اور سمت جنوب میں خلیج فارس سے بندر عباس کی راہ کے افتتاح مکرر کی وجہ سے مشہد ایک دفعہ پھر برطانوی یا انگریزی دہندی تجارت کے دائرہ اثر میں آگیا ہے۔ حالانکہ روس کو بھی شمال کی طرف متوازن دست اندازیوں کی وجہ سے اس بلوچ میں کچھ کم فائدہ نہیں پہنچتا قدیم سیاحوں نے وقتاً فوقتاً روسی تجارت کا اس علاقہ میں روز افزون ترقی کرنا بیان کیا ہے

اس کا مقابلہ کرنیل ویلنٹائن بیکر کی کتاب ”کلاوڈوس ان دی ایسٹ“ (گھٹا مشرق میں) کے صفحہ ۳۰۵ سے کر دیکھیں وہ کہتا ہے کہ ”وسط ایشیا کی کل تجارت بندریج روس کے ہاتھوں میں چلی جا رہی ہے“ ای۔ اوڈونون کی کتاب ”دوی مرداوسس“ (گلشن مرد) بھی اس بارہ میں دیکھنی چاہئے۔ اس کتاب کی جلد اول میں صفحہ ۳۸۰ پر وہ کہتا ہے۔ ”روس کامل طور سے یورپ کے مال میں مشہد کی تجارت کا مالک ہے۔ البتہ کسی قدر شکر مار سیلس سے آتی ہے۔ ادنیٰ اور سونی کپڑے۔ چینی کے ظروف۔ کانچ کی کشتیاں۔ لیمپ اور دوسری یورپ کی بنی ہوئی چیزیں سب روسی ساخت کی ہیں“

اور یہ خیال بادمی النظرین حتی بجانب معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی سودا گروں کے ہاتھ سے خراسان کی تجارت چند سال سے ایسی نکل گئی ہے کہ اوس کا پھر حاصل بہونا محال ہے۔

## بادمی النظرین روس کا تفوق

بادمی النظرین چونکہ دینے والی خبر صحیح معلوم ہوگی۔ اسلئے آباد سے مشہد تک

خراسان میں جتنے ذی اعتبار شہر واقع ہیں (مثلاً شاہ رود۔ سبزوار۔ نیشاپور۔ بخمد۔ غرض) اور کوچان) اونہیں سے کسی ایک کے بازاروں میں اگر کوئی شخص جا کر دیکھے تو اسے روسی اثر کی علامات بدیہی نظر آئیں گی۔ دوکانیں روسی ساخت کی انواع و اقسام کے سوتی کپڑوں مثلاً لٹھے۔ خاصے اور چھینٹ وغیرہ۔ روسی ساخت کی شکر۔ روسی چینی کا بیج اور دھات

کے برتنوں اور مہذب اور متمدن زندگی کی جملہ ازاں ضروریات سے بھر پوری معلوم ہوتی ہیں۔ خراسان میں یا تو براہ بندرگز و اسلئے آباد و شاہ رود اور یا براہ عاشق آباد و کوچان داخل ہو کر ان اشیاء کی ایک موج ذخار صوبہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہتی ہوئی جاتی ہے اور ویسی بازاروں میں کسی غیر ملک کی ساخت کی اگر کوئی چیز متبادلہ کے لئے

سراوٹھاتی ہے تو اسکو مغرب کر دیتی ہے۔ فرانسیسی شکر مارکیٹس سے براہ ممبئی منگوائی جا با کرتی نہیں۔ اب یہ تجارت بھی سدود ہو گئی اور قند یا بوریے کی قسم سے کوئی شکر سوائے روسی شکر کے یہاں دیکھنے میں نہیں آتی۔ روسی ٹی کا تیل جو باکو سے آتا ہے تمام بازار میں بکتا ہے

۱۸۸۸ء میں ۳۶۰۰۰ پاؤں کی مشہد میں درآمد ہوئی۔ لیپ۔ جہاز۔ ہاٹڈیان۔ بلورین اور برون کے شمع دان۔ کشتیان۔ شیشے کے آئینے۔ گلاس۔ سماوار۔ چاؤ وانیلیان۔ ششتریان

تالے۔ ارزان قسم کی چہرہ بان۔ کانٹے اور چاقو سب روسی ساخت کے ہیں اور سری نگاہ سے دیکھنے والے کو انہیں دیکھ کر یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کل ضروریات زندگی کے بہرہ پہنچانے کا ٹھیکہ روس ہی لے لیا ہے۔

## ایرانی شمار اعدادی



عین مشہدین تھا تو میں نے روسی اور انگریزی و ہندی تجارت کی جداجدا مقدار قیمت کی حتی الامکان صحیح کیفیت کے دریافت کرنے کی خاص طور پر کوشش کی۔ اور جن لوگوں کو ان معاملات میں رائے زنی کا بہترین استحقاق تھا اور جن میں زلیکھر و کپنی (یہ ایک ہی یورپین تجارتی کوٹھی ہے جو یہاں قائم ہے) کا ایجنٹ بھی شریک تھا اون سے اس بارہ میں استفسار کیا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ایران میں حصول شمار اعدادی قریب قریب ناممکن ہے اور جو اعداد کہ بعد از وقت بسیار ملتے بھی ہیں وہ بسا اوقات ناقص یا غلط ہوتے ہیں۔ تجارت کی مجموعی مقدار کے متعلق جو اندازہ ایران میں کیا جاتا ہے وہ اکثر صد تون میں جنگلی خانہ کے نقشہ جات پر مبنی ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ استقرار کی یہ بنا لازمی طور پر قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ یورپین سودا گروں یا اونکے گماشتوں سے اگر اعداد کے متعلق کوئی استفسار کیا جائے تو وہ اطلاع مطلوبہ کے بہرہ پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن ویسی سودا گروں یا نو پنا حساب بتانا چاہتے ہی نہیں اور یا حساب سے رکھتے ہی نہیں۔ اس لئے جو اعداد کہ اب میں درج کیا چاہتا ہوں نہ تو وہ اور ایسے حسابات جسے مراکار انگریزی کے عہدہ داروں نے شائع کیا ہے خراسان کے متعلق ایران کے دوسرے حصوں کی طرح صحیح تصور ہو سکے ہیں۔ البتہ

ان اعداد کو تخمیناً صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

## جو کیفیت مجھے مشہد میں معلوم ہوئی

مشہد میں جن لوگوں کی ذبانی مجھے وہاں کے حالات معلوم ہوئے اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ اگرچہ خراسان میں باعتبار کمیت روسی مال تجارت بڑھا ہوا ہے لیکن کیفیت و قیمت کے لحاظ سے ابھی تک انگریزی مال کو اوپر تفوق حاصل ہے۔ سستاناں جو ہر جگہ نظر آتا ہے اور تمام خوردہ فروش سودا گروں کی دوکانوں میں بہا بڑا ہے سب کا سب روس سے آتا ہے اور اوس کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن زیادہ قیمتی مال در آمد جو خراسان میں کچھ تو مغرب کی طرف سے براہ تبریز و طہران و شاہ رود۔ مگر زیادہ مقدار میں جنوب کی طرف سے براہ بندر عباس و کرمان آتا ہے وہ برطانوی یا انگریزی و ہندی الاصل ہوتا ہے اور پانڈون میں حساب لگانے سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ اوس وقت مشہد کی تجارت جس قدر کہ بمبئی کے ساتھ تھی اوسکی مالیت تمام روس کی تجارت سے زیادہ تھی۔ مثلاً مشہد کا محصول جنگی ۱۸۸۰ء میں (یعنی وہ محصول جو مال تجارت و درآمد شدہ پر لیا گیا) گورنمنٹ سے پچاس ہزار تومان (۱/۲۰ تومان = ۱ پانڈون) کے مساوی میں خرید لیا گیا تھا اور یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ اس میں سے ہمیں ہزار تومان اوس مال پر لگایا جائے گا جو بندر عباس سے آتا ہے اور میں ہزار تومان باقی کے تمام مال ۱۸۸۰ء کو نوئی بیان کرتا ہے کہ ۱۸۸۳ء میں مشہد کے محصول جنگی کا ٹیکس پندرہ ہزار تومان میں دیا گیا۔

”اور لینڈ جرنل ٹوٹنڈیا“ (شنگلی کی راہ سے ہندوستان تک کا سفر) جلد اول صفحہ ۲۹۱۔

پر جو ایران اور روس سے آتا ہے حالانکہ روس کے مال پر جو محصول لگایا گیا اوسکی مقدار دس ہزار  
تومان بھی نہ تھی۔

## انگریزی قونسل کی رپورٹ

اوس وقت یہ وثوق آمیز دعویٰ مجھے محتاج تو مخفی معلوم ہوا لیکن جو تفصیلی کیفیت  
مجھے قونسل جنرل میکین کی قابل تحسین تجارتی رپورٹ بابت ۱۸۹۹ء کے ذریعہ سے معلوم  
ہوئی اوس سے میں دعویٰ مطور کی تشریح اور کئی ایک اعتبار سے اوسکی تصحیح کر سکا  
ہوں۔ یہ پہلی رپورٹ ہے جو مشہد یا خراسان کے متعلق مرتب کی گئی ہے اور مشہد  
جیسے اہم تجارتی مرکز میں ایک انگریزی قونسل کے موجود ہونے کو بجائے خود حق بجانب  
ثابت کرتی ہے۔ یہ رپورٹ اُن سفارتی اور تجارتی مالی رپورٹوں کے ایک سلسلہ میں  
درج ہے جو انگریزی فارن آفس نے جاری کیا ہے۔ اور بلاشبہ یہ ایک سالانہ سلسلہ  
کا پہلا نمبر ہوگا۔

## انگریزی اور روسی مال درآمد کی قیمت

اس رپورٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ کل قیمت اوس انگریزی دہندہ وستانی مال کی جو  
۱۸۹۹-۹۰ء (ایرانی سال کا شمار اوس زمانہ سے ہوتا ہے جب کہ آفتاب نقطہ اعتدال برسی  
پر پہنچتا ہے۔ یعنی ۲۱ مارچ ۱۸۹۹ء سے ۲۱ مارچ ۱۸۹۹ء تک) میں خراسان میں لایا  
گیا ۸۴۳۰۰ پاؤنڈ اور روسی مال کی مجموعی مالیت ۱۱۰۴۰۰ پاؤنڈ تھی۔ لیکن اعداد اول الذکر

۱۵ دیکٹر اینڈل سیریز (سلسلہ سالانہ) بابت ۱۸۹۹ء نمبر ۵۳۔

میں یقینی طور پر اوس کالی اور سبز چینی چار کی قیمت کا ایک بڑا حصہ شریک کرنا چاہیے جو بمبئی سے جہاز پر بارہو کر آئی اور جسے بلاشبہ انگریزی تاجروں نے چین سے منگوایا۔ اس چینی چار کی مجموعی قیمت ۴۳۳۰۰۰ تومان یا ۱۳۷۱۲۳ پاؤنڈ تھی۔ لیکن یہ تقریباً کل کی کل بھارا اور خیرا وغیرہ کو جاتے وقت مشہد میں سے ہو کر گذرتی ہے۔ خراسانی مذاق ہندوستان کی کالی چار کو زیادہ پسند کرتا ہے جسکی درآمد مالیتی ۱۲۰۰۰ پاؤنڈ اوس انگریزی و ہندوستانی مال درآمد کی مجموعی مقدار میں پیشتر شامل کی جا چکی ہے۔ چینی چار کی قیمت کے ایک بڑے حصہ کے اس میں شریک کر دینے سے وہ ابہام رفع ہو جاتا ہے جو بصورت دیگر میرے اطلاع دینے والوں کے بیانات میں پایا جاتا ہے۔

## انگریزی و ہندوستانی تجارت کے راستے

یہاں میں کچھ دیر ٹھہر کر اون آسائنوں پر غور کروں گا جو یورپ کی رقیب طاقتوں کو ایک دوسری کے مقابلہ میں خراسان میں حاصل ہیں۔ برطانوی یا انگریزی و ہندوستانی مال درآمد کی راہیں نام کو تو متین ہیں لیکن عملی لحاظ سے صرف دو ہیں۔ پہلی راہ وہ دور دراز خشکی کی راہ ہے جو ترکی بندرگاہ تر بزان سے جو بحیرہ اسود کے ایک گوشہ میں واقع ہے شروع ہو کر طران اور تبریز کو طے کرتی ہوئی آتی ہے۔ اس کی مسافت پندرہ سو میل ہے اور سفر کاروان اونٹ پر بھاری بھتنے میں طے ہوتا ہے۔ دوسرا راستہ بندر عباس واقع ساحل خلیج فارس سے مشہد کو آتا

طے تر بزان سے مشہد تک ہر ملے ہوئے اونٹ کا کاروبار ۲۷۰۰ تومان یعنی ۷ پاؤنڈ ۱۱ شلنگ اور بندر عباس سے (براہ کرمان) مشہد تک ۹ تومان یعنی ۲ پاؤنڈ ۱۱ شلنگ ۶ پنس ہوتا ہے۔

ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ نزدیک کی راہ کرمان۔ راہوار نہایت اور تون سے ہوتی پہلی گزرتی ہے اور ۴۰ میل لمبی ہے اور خچر پر ۴۰ اور اونٹ پر ۵۰ دن میں طے کی جاسکتی ہے۔ دور کی راہ یزد میں سے گزرتی ہے کبھی کبھی سوداگر اسے اختیار کرتے ہیں اور وہ زیادہ تر اس وجہ سے کہ بار برداری کے حامل کرنے میں ادھر آسانی ہے اور یزد کے پر رونق بازار میں اونہیں مال بیچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ تیسرا راستہ جو ہندوستانی تجارت کے لئے قریب ترین اور راست ترین ہے ریل کے ذریعہ سے براہ درہ بولان انگریزی سرحد چین واقع بلوچستان میں اور وہاں سے براہ قندھار و ہرات مشہد کو آتا ہے۔

ہندوستانی سرحد سے یہ راستہ صرف تیس منزل یا ۶۰ میل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ راستہ تجارت کی جان ہوتا تھا لیکن امیر افغانستان کے تقید اور سختی کی وجہ سے جس نے اپنے ذرائع آمدنی کی توسیع کو حق راہ رومی کے بیش قرار اور گرانبار محصول کے مطالبہ پر مبنی قرار دیا ہے اور جو اپنے ہمسایوں کی آسانی اور تجارتی ترقی کی طرف سے بالکل بے پروا ہے یہ راستہ عملی طور سے بالکل مسدود ہو گیا ہے۔ اول الذکر دو ممکن الاختیار راستوں میں سے تریزان کی طرف کے راستہ سے ۱۸۹۶ء میں ۲۳۴۰۰ پاؤنڈ کی مالیت کا برطانوی مال تجارت اور بندر عباس کی راہ سے انگریزی و ہندوستانی مال (بہ استثنائے چارچین) ۶۰۸۷۰ پاؤنڈ کی مالیت کا آیا۔

۱۵۱ امیر ہرنند ٹروٹ (ایک من سولہ سیر) پر ۲ پاؤنڈ ۲ شلنگ اور مزید برآں ہر لے ہوئے اونٹ پر ۲ پاؤنڈ ۲ شلنگ کا محصول لیتا ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کابل کی سڑک پر امیر ہندوستانی مال کے ہراونٹ کے بوجہ پر جو تجارت کو جاتا ہو ۸۰ روپیہ محصول لیتا ہے۔ یہ حفاظت نہیں بلکہ امتناع ہے۔



## محصول مال در آمد



طانیہ کلان اور ایران کے مابین جو عہد نامہ ہے اوس کی رو سے داخل ہونے کی بندرگاہ یا شہر میں برطانوی مال تجارت پر اصل قیمت کے لحاظ سے صرف پانچ فیصدی محصول لیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے برطانوی مال پر تبرزان سے بلا محصول گذر کر تبریز میں اور انگریزی و ہندوستانی مال پر بندر عباس میں یہ محصول لیا جائے گا۔ لیکن چونکہ خراسان میں منزل مقصود یا راستے کے بڑے بڑے شہروں میں انگریزی تاج رہنیں ہیں اسلئے ایرانی عمال چنگی مقدار واجب الوصول سے کسی قدر زیادہ حاصل کر لیتے ہیں اور غیر علاقہ کے مال تجارت کو بھی اوسی طریقہ کے ذیل میں لاتے ہیں جو دیسی مال کے متعلق زیر رواج ہے اور جسکی رو سے ہر بڑے شہر میں چیزوں پر محصول چنگی لیا جاتا ہے اسی طرح سے برطانوی مال آمدہ تبرزان پر تبریز میں ۵ فیصدی کا محصول ادا کرنے کے بعد اوس کو ایرانی تاجروں کے حوالہ کر دینا پڑے گا جو ڈہائی فیصدی کا مزید محصول اس پر خراسان میں داخل ہوتے وقت ادا کریں گے۔ گویا کہ محصول کی مجموعی مقدار ساڑھے سات فیصدی ہوئی۔ اسی طرح سے مجموعی مقدار اوس محصول کی جو بندر عباس سے براہ کرمان آنے والے مال پر لگایا جائے گا تقریباً ساڑھے سات فیصدی اور یزد کے زیادہ پھیر کے راستے سے نو فیصدی ہوگی۔ اگر منزل مقصود پر یا بندگان مال انگریز ہوں تو پانچ فیصدی کی شرح مقررہ سے جس قدر زیادہ محصول ہو گا وہ نہ لیا جائے گا۔ ایرانی عمال چنگی متعینہ بناؤر کی ایک اور تجویز یہ ہے کہ پانچ فیصدی کی مقررہ شرح سے بندر

کم محصول لین لیکن رقم وصول نہ ہو کی امید نہ دین تاکہ وہ دوسرے شہروں میں اپنے ہم  
شغل بہائیوں کو نہ صرف اوس کمی کے پورا کرنے کا موقع دین جو پورا محصول نہ لینے کی  
وجہ سے واقع ہوئی ہو بلکہ بعض دفعہ دو گنا وصول کرادین۔

## روسی تجارت کی راہیں

یہ ہیں وہ مشکلات جو برطانوی یا انگریزی و ہندوستانی تجارت کو اس سب زمین  
میں پیش آتی ہیں۔ روس کے لئے چار تجارتی راستے کہلے پڑے ہیں۔ (۱) وہ راستہ جو  
طفلس سے شروع ہو کر تبریز ہوتا ہوا طہران پہنچتا ہے۔ (۲) راہ رشت و طہران۔  
(۳) ازگرنابہ شاہ رود براہ استر آباد۔ اور (۴) عاشق آباد سے لیکر کوچان تک کی طرح  
جو ماوراء النہر ریلوے سے متعلق ہے۔ اول الذکر تین راستوں کو آخری راستے  
نے عملی طور سے مسدود کر دیا ہے جو طول میں صرف ڈیڑھ سو میل ہے۔ اس راستہ کو شروع  
سے لیکر آخر تک ایک ایسی طرح کی شکل میں منتقل کیا جا رہا ہے جس پر گاڑی چل سکتی ہے  
اور میں اپنے سفر کے حالات بیان کرتے وقت پیشتر اس کا ذکر بھی کر چکا ہوں جو عظیم الشان  
فوائد روس کو حاصل ہیں اور ان کی توضیح کی اس مقام پر حاجت نہیں۔ ہم اگر ان فوائد کا مقابلہ  
کر رہے ہیں تو اوسکی وجہ محض یہ ہے کہ بعض بڑی بڑی اشیاء درآمد مثلاً چار اور نیل روس  
بہم زمین پہنچا سکتا۔ اس حالت پر انگریزی قونسل نے اسے زنی کرتے وقت حسب ذیل

۱۵ ماہ مئی ۱۸۹۱ء میں مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح کے اوس حصہ پر جو کوچان اور شہد کے درمیان واقع ہے  
اوس پختہ پور اور گڑھوں کے بجائے اب بہاری بے کمائی کی گاڑیاں جن میں دو تین بلکہ چار گھوڑے جتے  
ہوتے ہیں آنے جانے لگ گئی ہیں۔

تحریر قلمبند کی ہے جسے پڑھ کر ہمیں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔

”یہ ظاہر ہے کہ ماوراء النہری ریلوے کا عاشق آباد میں مشہد سے صرف ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر موجود ہونا اور ان شہروں کا عنقریب ایک نہایت عمدہ مکادمی (کنگر کی گٹی ہوئی) سڑک سے ملا دیا جانا ایسے واقعات ہیں کہ انگریزی مال تجارت جسے سمندرون کو عبور کرنا اور دور دراز خشکی کے ناہموار راستے طے کرنا پڑتے ہیں رومی مال کے ساتھ ایران کے ان علاقوں میں بھی مقابلہ کا دعویٰ اوس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ ہماری اپنی ریلوے کی اس علاقہ میں توسیع نہ ہو جائے۔

## محصول چنگی

روس کو اپنی فوقیت کا حال اچھی طرح سے معلوم ہے اور وہ مالی ساز و باز سے اس تفوق کو اور زیادہ رفیع کرنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ ایسی چالوں کو وہ حضرات جنہیں انگلستان میں فن سیاست مدن کے ماہر ہونے کا دعویٰ ہے جایز نہیں رکھتے۔ برخلاف اس کے اس قسم کی منصوبہ بازی ممالک غیر اور بالخصوص دولت روم سے

میرے خیال میں اس لفظ کا استعمال بیان غیر موزون ہے کیونکہ مجھے یقین واثق ہے کہ بیچارے مکادم کو اگر قبرین سے اڑھار عاشق آباد و مشہد کی سڑک پر ڈال دیا جائے تو وہ اپنے ذمی وقعت نام کے اس بڑے طور پر تشہیر کئے جانے کے مشاہدہ سے مبہوت رہ جائے گا۔

۴۔ جان لاؤڈن مکادم نے جس کا سن ولادت ۱۸۶۶ء اور سن وفات ۱۹۳۳ء ہے، اولی انگلستان میں سنگریزوں کی کٹی ہوئی سڑک کے تیار کرنے کے طریقہ کو رواج دیا۔ چنانچہ اس قسم کی پختہ سڑک کو اس کے نام کے لحاظ سے ”مکادم لاؤڈن“ کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ مکادمی کیا ہے۔ مترجم

کی تجارتی حکمت عملی کا نمایان عنصر ہے۔ روسی مال پر سہ صد ایران سے گزرتے وقت پانچ فیصدی کا محصول مقررہ دولت روس کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے لیکن ایرانی روپی کی برآمد کو ترقی دینے کے لئے اس کے حق میں بمقابلہ اوس روپی کے جو بحیرہ بالٹک یا بحر اسود کی راہ سے لائی جاتی ہے روس دس فیصدی کی رعایت مرعی رکھتا ہے۔ جنگی کے متعلق ایک فرمان کی رو سے جو ماہ فروری ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا ایرانی مال تجارت پر جو ماہوار النہر جاتا ہے مالیت کے لحاظ سے ڈھائی فیصدی محصول لگایا جاتا ہے۔ لیکن بعد کے ایک فرمان مصدقہ فروری ۱۸۹۰ء کی رو سے اگر اس قسم کا مال یورپ کو جانے کی غرض سے فقط ماہوار النہر میں سے گزرے تو عاشق آباد یا ماہوار النہر ہی ریلوے کے کسی دوسرے اسٹیشن سے روانہ کئے جانے کی حالت میں اوس پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا۔

## مال درآمد کی کثیر ترین مقدار باعتبار نوعیت

### (۱) انگریزی و ہندوستانی مال

انگریزی و ہندوستانی مال تجارت جو بندرعباس کی راہ سے لایا جاتا ہے اوس کا سب سے بڑا حصہ چین کی چار کو نکال کراچی تک چار ہے۔ یعنی ہندوستان کی سبز چار ماہی ۱۴۰ پاؤنڈ (جو زیادہ تر بخارا کو جاتی ہے) اور ہندوستان کی کالی چار جو خراسان میں پسند کی جاتی ہے۔ اس کے بعد نیل کی باری آتی ہے جس کی مجموعی قیمت ۱۰۰۰۰ پاؤنڈ ہوتی ہے اور جس میں سے نصف سے زیادہ نیل روسی وسط ایشیا کے

جاتا ہے۔ اس نیل پر جو محصول درآمد لیا جاتا ہے اوس سے وصول محصول کے اوس  
 اقتضائی طریقہ کی توضیح ہوتی ہے جس کا ذکر پیش کر لیا جا چکا ہے کیونکہ مین فی صدی محصول  
 بند عباس مین لیا جاتا ہے۔ ایک فی صدی کرمان مین اور ۲ فی صدی مشہد مین  
 پہونچنے پر۔ اگر اس کے ساتھ ڈھائی فی صدی کا وہ محصول جو روس اسپر ماورا راہ النہر  
 مین سے گزرتے وقت لگاتا ہے اور ڈھائی فی صدی کا مزید محصول جو خان بخارا اپنی  
 سرحد پر وصول کرتا ہے ملا دیا جائے تو تاتاری دارالحکومت مین پہونچنے تک اسکی  
 قیمت ایسی گرانبہا ہو جاتی ہے کہ معمولی چیزوں کا شمار بھی بیش بہا لوازم تنعم مین ہونے لگتا  
 ہے۔ خاکی رنگ اور فیروز سفید لٹھے۔ چادرین اور قمیصوں کے کپڑے۔ روسی مال کے  
 مقابلہ مین انگریزی ساخت کے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں اور یہ مال تقریباً بارہ ہزار تاتاری  
 کی مالیت کا براہ بند عباس آتا ہے۔ کشمیری شالین تانبے کی چادرین۔ ٹین اور اودیٹا  
 اور گرم مصالحہ وہ چیزین ہیں جو اس تفصیل کے نمایان حصہ کو تکمیل کو پہونچاتی ہیں۔

## (۲) برطانوی مال

تبریز اور طران کی راہ سے سوتی کپڑے اور چٹنیں جو اسی قسم کے روسی ساخت کے  
 مال درآمد کے مقابلہ کی تاب لا سکتی ہیں آتی ہیں۔ انگریزی چاقو اور قینچان اور چینی اور  
 سٹیل شبن مین نیل برنگہ ریشمی اور سوتی کپڑے۔ رنگنے۔ شیشے پر رنگ چڑھانے اور اون  
 لاجوردی اور سفید کاشی کے کام کی اینٹوں پر مینا کاری کرنے کے کام آتا ہے جو عمارات مذہبی اور  
 اماکن شعلہ اغراض دنیاوی کی تزئین کا نہایت نمایان جزو ہیں۔

کا بیچ کے ظروف جو بازاروں میں بہت کم دکھائی دیتے تھے لیکن جو اسی راستے سے  
 آتے ہیں فوراً ہی بک جاتے ہیں باوجودیکہ اسی قسم کی روسی ساخت کی چیزوں کے  
 مقابلہ میں ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے معلوم ہوا کہ  
 کثرت رائے اس خیال کی ہوید ہے کہ جن ستے روسی ساخت کے سوتی کپڑوں کا  
 ذکر اور کیا جا چکا ہے ان کی درآمد حد اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے اور اس مال سے  
 دوکانیں اس قدر بھر رہی ہیں کہ جو قیمت ان چیزوں کی دستیاب ہوتی ہے اوسکا  
 نتیجہ سوائے مالکوں کے نقصان کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ روس اور انگلستان  
 کی اشیاء تجارت کے باہمی مقابلہ کی خاص نوعیت بلاشبہ یہ ہے کہ پایداری اور  
 عمدگی کے لحاظ سے تمام انگریزی اشیاء روسی اشیاء سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن  
 جو درجہ اور فاصلہ کہ ان چیزوں کو ملے کر نا پڑتا ہے اور اس لئے جو بیش قیمت لازمی  
 طور پر ان کی لگائی پڑتی ہے اوس کے لحاظ سے یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ وہ  
 روسی چیزوں سے مقابلہ کر سکیں۔ جب ہم انگلستان اور روس کی تجارتی حالتوں کا مقابلہ  
 کرتے ہیں تو ہمیں یہ خیال میں تو (قطع نظر ان اشیاء کے جن میں روس کو مقابلہ کا  
 دعوے نہیں ہو سکتا مثلاً نیل۔ معدنیات اور چار) یہ بات جبراً انگیز معلوم ہوتی ہے  
 کہ باوجود ان تمام مزاحمتوں کے برطانیہ کلان کے ہاتھ میں پہر ہی اس قدر تجارت  
 موجود ہے۔ یہ دو سوال ہے کہ آیا یہ تجارت قائم رکھی جاسکتی ہے یا نہیں۔  
 اور اس سوال کے اثبات میں جواب دینے میں مجھے تامل ہے۔

## (۳۱) روسی مال

روسی مال کی کل مقدار قیمتی ۱۱۰۴۰۰ پاؤنڈ میں جو مادرار النہری ریلوے کے ذریعہ سے لائی جاتی ہے تیسرا حصہ سادہ اور رنگین سوئی کپڑوں کا ہے جس مال کی کھپت یہاں مقدّمہ کثیر میں ہوتی ہے اوس میں دو سرائیمبر شکر کا ہے جس نے ہر ایک دوسرے علاقے یعنی فرانس یا ہندوستان کی شکر کی قدر بازار میں کم کر دی ہے۔ روسی شکر یہاں ساڑھے چار پینس فی پاؤنڈ (یعنی ۹ فی سیر) کے حساب سے بکتی ہے اور اس کمی قیمت کی وجہ زیادہ تر وہ رعایت ہے جو دولت روس نے روسی شکر کے برآمد کنندہوں کو کے لئے مرعی رکھی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ ممکن نہیں کہ ہندوستانی شکر خواہ وہ گنے ہی کی بنی ہوئی کیون نہو اس کا مقابلہ کر سکے۔ روسی چینی اور کانچ کے ظروف کی مالیت جو تقریباً ہر جگہ پائے جاتے ہیں ۱۱۵۰۰ پاؤنڈ ہے اور روسی دھات کے برتنوں کی قیمت اس سے صرف بقدر ایک ہزار پاؤنڈ کے کم ہے۔

## مال برآمد

(۱) جو روس کو جاتا ہے

اگر ہم خراسان کے مال برآمد کی طرف متوجہ ہوں تو طبعی اعتبارات سے اس امر کی

۱۵ ایک روپل (۲ شلنگ) فی پاؤنڈ (۸ سیر) کے حساب سے باہر بھیجے جانے والی روسی شکر کا

محصول واپس دیدیا جاتا ہے۔ لیکن وسط ایشیا اور ایران میں چونکہ اس کٹوتی سے یہ فائدہ حاصل ہو چکا

ہے کہ بازار تمام دو ستر مقابلہ کرنے والوں سے خالی ہو گیا اس لئے ماہ مئی ۱۸۹۱ء سے موقوف کر دی گئی ہے۔

تقریب ہوگی کہ ہندوستان کے مقابلہ میں روس کے ساتھ اوس کے تجارتی تعلقات بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ جو ہندوستانی مال خراسان میں سے گذر کر روسی علاقہ کو جاتا ہے اوس کو نکال کر اوس مال کی مجموعی قیمت جو روس میں جانے والا ہے لیکن جس میں سے کچھ دو سکرپور میں ممالک کو بھی جاتا ہے ۱۱۵۰۰ پاؤنڈ ہے۔ روئی کی مالیت اوس رعایت کی نائید سے جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے تقریباً ۳۰۰۰ پاؤنڈ کی معتد بہ رقم تک پہنچی ہے۔ اُون کی قیمت اس سے آدھی ہے۔ ترکمانی اور ایرانی قالین مالیتی ۵۰۰ پاؤنڈ یورپ کو بھیجے جاتے ہیں لیکن سب کر سب روسی شہروں کو نہیں جاتے سب میں آخر فیروزون کی مجموعی پیداوار جو نیشاپور کے نواح کی مشہور کانوں سے نکلتے ہیں اور جنکی سالانہ قیمت تقریباً ۲۳۰۰۰ پاؤنڈ ہوتی ہے اُون میں سے ۱۸۰۰۰ پاؤنڈ کے فیروزے ماوراء النہری ریلوے کے ذریعہ سے یورپ کو بھیجے گئے۔

## روس و ایران کی باہمی تجارت کا نشو و نما

روسی و ایرانی تجارت میں ماوراء النہری ریلوے کی عمدہ کارگزاری کی وجہ جو عظیم الشان اضافہ ہوا ہے اوس کا تصور ناظرین کے ذہن میں پیدا کرنے کے لئے میں اُون اعداد کا جوینے اوپر کے فقرہ میں درج کئے ہیں ۱۸۸۶ء کے پہلے ۹ مہینوں کے اعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عاشق آباد میں ریل صرف ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء میں پہنچی تھی۔ جنوری سے اکتوبر ۱۸۸۶ء تک اوس مال کی قیمت جو ایران سے عاشق آباد کو بھیجا گیا ۶۱۰۰۰ پاؤنڈ اور اوس مال کی قیمت جو عاشق آباد سے ایران میں لایا گیا ۳۶۰۰۰ پاؤنڈ تھی۔ ۱۸۸۹ء



کی مقدار جیسا کہ مین ظاہر کر چکا ہوں علی الترتیب ۱۱۵۰۰ پاؤنڈ اور ۱۱۰۴۰۰ پاؤنڈ تھی۔  
بالفاظ دیگر مال برآمد کی مقدار ۳ سال کے عرصہ میں تقریباً دو گنی اور مال درآمد کی گنی ہو گئی ہے۔

## (۲) جو ہندوستان کو جاتا ہے

مین مہتمم بالشان اعداد کو مقابلہ مین اوس مال برآمد کی قیمت جو انگریزی عملداری ہند میں بیجا جاتا ہے صرف ۳۹۰۰۰ پاؤنڈ ہے جس میں سے قریباً کل کی کل افیون خراسان کی مالیت پر مشتمل ہوتی ہے جس کا زیادہ تر چینی بازاروں میں بھیجا مقصود ہوتا ہے۔ دس سال گزرتے ہیں کہ خراسان کی مجموعی پیداوار افیون صرف ۱۶۰ ہنڈریڈ ویٹ (۲۲۴ من) ہوتی تھی۔ جو مال کہ خود اس صوبہ کے خرچ میں آنے کے بعد بچتا ہے اوس میں سے جس قدر مال ہندوستان کو جاتا ہے اوس کی قیمت ۴۱۰۰ پاؤنڈ اور جو قسطنطنیہ کو جاتا ہے اوس کی قیمت ۱۴۳۰۰ پاؤنڈ یا دونوں ملا کر ۵۱۴۰۰ پاؤنڈ ہوتی ہے۔

## ایران و افغانستان کی باہمی تجارت

خراسان کی تجارت کے تفصیلی حالات کو مکمل کرنے کی غرض سے ایرانی و افغانستانی تجارت کے اعداد بھی اوس میں شریک کرتے چاہئیں۔ مال درآمد و برآمد کی قیمت میں بہت کم فرق ہے کیونکہ یہ دونوں ملک ایک دوسرے کی ضروریات کے مساوی طور پر کفیل ہوتے ہیں۔ لیکن افغانستان تو زیادہ تر اپنے یہاں سے پوستینیں اور پستہ وغیرہ جو وہاں کی خاص پیداوار ہے بھیجتا ہے اور ایران سے جو چیزیں افغانستان کو جاتی ہیں وہ زیادہ تر شکر۔ سی برتنوں اور سوتی۔ اونی اور ریشمی پارچات پر مشتمل ہیں۔ خراسان



وغیرہ پر مشتمل ہے جس کا حساب پہلے ہی اوس مال کے ذیل میں لگایا جا چکا ہے جو بندر عباس سے آتا ہے۔

## برطانیہ کھان کو کیا کارروائی کرنی چاہئے

جوڈمالت پر نظر غائر ڈالنے اور خراسان کے ساتھ دواول خارجہ کی تجارت آئندہ کے متعلق کسی حد تک رائے زنی کرنے کے بعد یہ جانہ ہوگا اگر اس مقام پر مین یہ بتاؤں کہ دولت برطانیہ کو اوس حصہ تجارت کے قایم رکھنے اور فروغ دینے میں جو قدرتی طور سے اوس کے ہاتھ میں ہے اور بانی کے حصہ کو انجام کار اپنے ہاتھ سے نکل جانے سے روکنے کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ پانچ احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جانی ممکن ہیں گو کہ اون میں سے ہر ایک بدرجہ مساوی قرین احتمال نہیں کہی جاسکتی۔ اول تو جنوب کی طرف کے خاص تجارتی راستے کی حفاظت اور اہتمام کے لئے انگریزی تونس مقرر ہونے چاہئیں۔ جب مین بندر عباس میں تہا تو وہاں ایک بھی یورپین موجود نہ تھا حالانکہ برطانوی اغراض تجارت کی حمایت کے لئے صرف ایک غیر سرکاری شخص تھا۔ کرمان میں ایک انگریزی نائب تونس اور یزد میں ہی ایک تونس کی طرح کا ایجنٹ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً جو سڑک کرمان سے شمال کی طرف براہ راہ ہوا۔ نامی بند اور تونس جاتی ہے اور جو خلیج فارس سے مشہد تک کی سب سے بڑی کاروان کی راہ ہے وہ آسانی سے ٹوڑے سے خرچ میں دن کنوڈن اور نہروں کو جو کسی زمانہ میں اسے سیراب کرتی تھیں لیکن جواب اٹ گئی ہیں صاف کرنے اور نئی زندگی بخشنے سے بہت اچھی حالت میں لائی جاسکتی ہے۔ ثالثاً میری رائے میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ نہ صرف موجودہ راستہ کو

درست کیا جائے بلکہ ایک نیاراستہ انگریزی مقبوضات بلوچستان سے ایرانی سہہ حد تک کہولا جائے اور یہ راستہ افغانستان میں ہو کر گذرے بلکہ کوئٹہ سے شروع ہو کر سیستان پہنچا ہو اور جند جاہو پہنچے۔ ان تمام تدابیر کا اختیار کیا جانا ممکن ہے اور انگریزی و ہندوستانی دائرہ اثر کو اس طرح سے توسیع دینے میں جس میں کسی طرح کی دستبرد کم کو زمین کاہلی یا سہل انکاری سے کام لینا قابل معافی نہیں متصور ہو سکتا۔ چوتھی تدبیر یہ ہے اور اس پر بلاشبہ گورنٹ ہند نے اپنی توجہ بھی مبذول کی ہے کہ امیر افغانستان کو اطلاع دیجائے (۱) سیاست مدن کے اصولوں کی بنا پر جنہیں میری وائٹ من عبدالرحمن خان جاہل حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا بلکہ دولت عالیہ محافظہ کی خواہش کی بنا پر کہ مناسب ہو گا کہ امیر افغانستان اپنے مالی انتظام میں جو نہ صرف روس کی رعایا کے لئے مضر ہے بلکہ اس طاقت کو جو اس کی رفیق خاص ہے ناگوار کر رہا ہے ترمیم کرے۔ پانچویں اور آخری تدبیر جس پر میں زیادہ شرح و بسط کے ساتھ معاملات سیستان پر رائے زنی کرتے وقت بحث کروں گا یہ ہے کہ جس طرح روس نے شمال کی طرف ماوراء النہر میں ریلوے قائم کی ہے اسی طرح جنوب میں بھی انگریزی ریلوے کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے تاکہ ہم روس کے ساتھ برابر کے مرقعہ اور اوس کے ہتھیاروں کے ساتھ نہرو آؤ ماہو سکیں۔

## روس کا خراسان پر حرص و آرز کے دانت تیز کرنا

اب میں اون وجوہ کی تصریح کرتا ہوں جنکے لحاظ سے قطع نظر کسی تجارتی نفع کے دونوں دولتین یعنی روس و برطانیہ کلان خراسان کو اس شدید اشتیاق کے پہلو سے دیکھنے پر مجبور

ہیں اور یہ بیان کرتا ہوں کہ جو وسیع سیاسی نقشہ میں نے اس باب کی تفصیل کی ضمن میں کہیں چاہا ہے اس میں روسی طرز عمل کے پیش نظر کون سا موقع ہے اور برطانیہ کلان کی اغراض متخالف اور ذمہ داریاں اس سے کہاں اور کس حد تک متعلق ہیں۔ تسخیر ممالک اور توسیع حدود و سلطنت کی خواہش جس سے روسی مصنفین کو اس ادعا کے ساتھ انکار ہے ایک ایسی خواہش ہے کہ جس شخص کی آنکھیں کھلی ہوں وہ اس بات پر یقین لائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روسیوں کے دل میں یہ خواہش سب سے زیادہ زبردست جذبہ ہے۔ ہر بڑی دولت کے اٹھانے نشوونما میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جبکہ جدید ممالک کا مسخر کرنا اس کی آرزو میں کامیاب سے زیادہ زبردست جز ہوتا ہے۔ روس اس وقت نشوونما سے سلطنت کے اس استحصالی درجہ میں ہے۔ برطانیہ کلان اس منزل کو طے کر چکا ہے اور اپنے زمانہ میں "مے مرڈانگن" "کشور کشائی" کے نشہ میں چورہ چکا ہے اور اب ایک ایسے منات اور وقار کے درجہ پر پہنچا ہے جبکہ اس سے فتح و تسخیر کی چندان ہوس نہیں رہی۔ بالفاظ دیگر خراسان کے ساتھ روس کی جو اغراض وابستہ ہیں ان میں اس حرص و آرزو سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو اس شخص کے دل میں موجزن ہو جو قبضہ کر لینے پر تلا ہوا ہو۔ برخلاف اس کے انگلستان کی نہ تو یہ آرزو ہے کہ وہ خراسان کو اپنے مقبوضات کے ذیل میں لائے اور نہ اس ملک کی گز بہر زمین کو بھی وہ کبھی اپنے تصرف میں لائے گا۔

### ماوراء النہر اور خراسان کا مقابلہ

جو وجوہ کہ بہ ظاہر روس کے خراسان پر قابض ہونے کی خواہش کی محرک ہیں ان کے

ڈھونڈنے کے لئے دور زمین جانا پڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ماوراء النہر کی فتح سے روس کے قبضہ میں ایک ایسا علاقہ آگیا ہے جس کا زیادہ تر حصہ بحر ویرا نے ہیں، اور جس میں اگر کوئی زرخیز مقام ہے تو صرف وہ سیر محل قطعات زمین ہیں جو کوہستان کے دامن میں واقع ہیں۔ اس کوہستان کی دوسری طرف تین سو میل کے فاصلہ تک ایک ایسا علاقہ پہلا ہوا چلا گیا ہے جس کے میدانوں اور دالیوں میں جو کثیر تعداد چٹانوں اور پہاڑیوں کے سلسلوں کے مابین واقع ہیں میوے۔ معدنیات۔ انواع و اقسام کی پیداوار علی الخصوص اناج کی شکل میں دولت فراوان چھپی ہوئی ہے۔ غرض کہ روس کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو ایک دیران اور پتھر میلے قطعہ زمین میں خیمہ زن ہو جسے صرف ایک گھنی باڑ نے ایک وسیع و دلکش مرغزار سے جدا کر رکھا ہو جس میں اسے اپنے لئے کہانا۔ اپنے جانوروں کے چارہ اور دونوں کے لئے آرام و آسائش کی صورت نظر آرہی ہو۔ بہلا ایسے شخص کا جی کیا نہ لگے گا کہ اس باڑ میں سے گزر کر اس زرخیز و شاداب اور سہانے مرغزار کی گونا گوں نعمتوں پر دست درازی کرے۔ اسی قسم کے خیالات ہیں جو رویوں کے دل میں خراسان کے متعلق چوڑی زبانی ہیں۔ اون کی یہ عین آرزو ہے کہ اخال قفق سے کوچان میں اور عاشق آباد سے مشہد میں چلے آئیں۔ یہاں سامان رسد و نمین اس قدر ملے گا کہ عظیم الشان فوجوں کے لئے کفایت کرے گا۔ کوہستانی قلعے یہاں وہ ایسے ایسے پائین گے جنہیں کوئی حملہ آور سحر نہیں کر سکتا۔ اسکے علاوہ انہیں ایک غریب و مطیع رعایا ملے گی۔ ایک ایسے میدان پر وہ خیمہ زن ہو گئے جہاں پیشقدمی کی نئی نئی تجاویز قائم کی جاسکتی ہیں اور ایک ایسی حد پر وہ پہنچ

جائیں گے جہاں سے وہ آئندہ پیش قدمی کر سکتے ہیں۔

## ہندوستان پر حملہ آور ہونیکے لئے ایک عارضی مستقر

ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عارضی مستقر کی ضرورت ہے۔ اس وقت افغانستان علاقہ واقع وسط ایشیا کو روسی نظردن میں اور یہی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس وقت افغانستان علاقہ واقع وسط ایشیا کو روسی علاقہ سے تیسریسٹ رجوے کی سرحد یعنی وہ فرضی خط جد کرتا ہے جو ۳۵۰ میل کے فاصلہ تک پہنچ رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روسی جب چاہیں اس خط کو عبور کر سکتے ہیں مگر ایسا کرنے سے کوئی ایسا علاقہ تو ان کے ہاتھ میں آئے گا نہیں جس سے انہیں کوئی فوری فائدہ حاصل ہو۔ البتہ یہ نتیجہ اسکا ہو سکتا ہے بلکہ ہونا یقینی ہے کہ برطانیہ کھان کے ساتھ روس کی جنگ چڑھ جائے۔ اس میں زیادہ تر آسانی ہے کہ وہ بے پادوں پکا کاٹ کر وہ غنیمت پر ایک جانب سے بے خبر پڑیں۔ درہ ذوالفقار سے سیستان کی جنوبی سرحد افغانستان سے ملتی ہوئی چلی گئی ہے۔ اور جس طاقت کا عمل اس سرحد کے ایرانی حصہ پر ہوا اس کی زمین ہرات آجاتا ہے (شہد سے ہرات تک گاڑی کی ۲۳۰ لمبی شکر موجود ہے) اس کے علاوہ وہ سڑک بھی جو فرہ اور گرگشک ہوتی ہوئی قندھار جاتی ہے اس کے قابو میں آسکتی ہے اور رود پلہند کے ساحل تک وہ بڑھ کر قبضہ کر سکتی ہے۔ روس کا عمل دخل اگر خراسان میں اور بالخصوص سرحدی علاقہ کے اوس گوشہ میں ہو جائے جس کو میں نے اس تفصیل سے بیان کیا ہے تو اوس کو انگریزی و افغانی سرحد کے متعلق عہد و پیمان کی کسی خلاف ورزی کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ افغانستان

کی پوری مغربی سرحد اوس کے اثر یا حملہ آوری کی زد میں ہے۔ مزید برآں سیستان میں اوسکا خطہ ماس بلوچستان کے ایک ایسے حصہ کے قریب ہے، ہرگز گزرتا ہے جسکی ملکیت تنازعہ خفیہ اور قبضہ غیر متقل وغیر آئینی ہے اور جسے انگریزی سرحد پشین سے صرف ایک قلیل فاصلہ جدا کرتا ہے۔ بالآخر یہاں تک پہنچ کر روس سمندر کے قریب آجاتا ہے اور جب ایک دفعہ اوس کی ریلوں کے سلسلے نصرت آباد تک قائم ہو جائیں گے تو بحر ہند کی کوئی بندرگاہ جنوبی سمندرون کی موج پیمائی کا وہ موقعہ دیکر جکاروس ایک عرصہ دراز سے آرزو مند ہے اوس کے اطمینان قلبی و مسرت دلی کا باعث ہوگی۔

### برطانیہ کلان کی اغراض خراسان میں

جن طبعی حالات کی میں نے توضیح کی ہے۔ روس کے دل میں پیش قدمی کے جو ارادے جتنا ناممکن التردد ثبوت پیش کیا جاتا ہے جاکزین ہیں۔ اور اودن کارروائیوں کی اہمیت جن سے افغانستان کی اغراض کو ایسا قریب کا تعلق ہے۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ ان سے اوس دلچسپی کی پوری نصرت ہوتی ہے جو انگلستان کو شاہ کے ممالک محروسہ میں مجبوراً لینی پڑتی ہے۔ جو لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خراسان ہندوستان سے دور ہے اس لئے اوسے بلا غل و غش بجاں خود چھوڑ دیا جاسکتا ہے وہ اوس مخبرانہ سفسطہ کا اعادہ کرتے ہیں جس نے نہ صرف ایران بلکہ افغانستان

سے یہ منصوبے خیالی ڈھکوسلے ہی نہیں ہیں بلکہ روس حقیقت میں دن کو عملی لباس پہنانے کی تمنا رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت آگے چل کر ایک باب میں ہم پہنچے گا جس میں ایران میں روس کے طرز عمل سے بحیثیت مجموعی بحث کی گئی ہے۔



کے ساتھ ہمارے تعلقات کو اس پچیدگی اور الجھن میں ڈال دیا ہے جسے ہم کچھ عرصہ سے  
 دیکھ رہے ہیں۔ افغانستان کی نسبت بسا اوقات یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ہمارے  
 ہندوستانی قلعہ کا شمالی و مغربی پشتہ ہے۔ اور کسی دشمن کو اس پشتہ کی اطراف پر بھی  
 متصرف ہو جانے کا موقعہ دینا گویا فن حرب کے اصول کے اعتبار سے ایک  
 مناسبت غلطی کا ارتکاب کرنا ہو گا۔ خراسان میں برطانیہ کلان  
 کے اغراض و مقاصد یہ ہیں کہ اس نواح میں برطانوی یعنی افغانی حقوق کی حفاظت کی جائے  
 سیاسی مساوات قوت یعنی مملکت ایران کی قوت کو برقرار رکھا جائے۔ اور بے  
 زیادہ یہ کہ جنوب کی طرف کی اُون راہوں کی نگہبانی کی جائے جنکا کھلا ہونا انگریزی تجارت کے  
 لوازم میں سے ہے اور جن پر بجائے ایک موافق طاقت کے ایک مخالف طاقت کا قبضہ  
 ہو جانا ہندوستان کے خطرے کا باعث ہو گا۔ یہ امر تشفی و تسکین کا موجب ہے کہ جنرل  
 مکلیں جو حل میں مشہد کے قونسل جنرل مقرر ہوئے ہیں وہ سیستان کے بھی قونسل ہیں۔  
 لیکن سیستان میں ایک خود مختار انگریزی افسر کا مقرر کیا جانا واجبات سے ہے کیونکہ  
 انگریزی دہلوی سرحد کے قریب ہونے کے باعث انگریزی اغراض و مقاصد کے  
 اعتبار سے سیستان کا موقعہ نہایت اہم ہے۔ اور اگر ریلوے کے قیام اور علیٰ طریقہ  
 سے آپاشی کے انتظام سے یہاں کی پیداوار کے ذرائع کو ترقی دی جائے تو یہ دائرہ  
 تجارت کا ایک ایسا مرکز بن سکتا ہے جس کے اثر کے قطر وسطی و جنوبی ایران تک پہنچیں گے  
 اور جو شمالی خراسان میں روسی تفوق کا رد عمل بھی کرے گا۔

## ایرانی اطاعت کیشی



خرنمین میں اس امر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ میری واپس تین اہل خراسان روس اور برطانیہ کلان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور ان دونوں طاقتوں میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی تجاویز کے معروض نفاذ میں لانے میں ان لوگوں سے کس اعانت یا مخالفت کا توقع ہو سکتی ہے۔ ابتدائی سیاحوں مثلاً فریزر اور میکگرگر اور پنڈت کربیان ہے کہ شمالی خراسان میں شاہان خاندان قاجار کو عام طور پر تنفر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور حکومت عالیہ طہران کی طرف سے لوگ سخت بد دل ہو رہے تھے۔ لیکن زمانہ کے مروجہ اور موجودہ شاہ کے زبردست عہد حکومت نے اس تنفر کو زائل کر دیا ہے اور خراسان بھی سبلی طور سے

۱۴ جرنی انٹو خراسان (سفر خراسان)۔ باب بست و دوم۔ ”مشہد سے جب ہم نے سفر شروع کیا تو راستہ میں مجھے یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ ایران کے موجودہ حکمران خاندان کو سب لوگ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اظہار تنفر کے بغیر خاندان قاجار کے بادشاہوں کا نام نہیں لیا جاتا اور ان کے نام کو بے رحمی ظلم اور نا انصافی کا مرادف تصور کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ۱۸۲۲ء کا ہے۔ ۱۵ ”جرنی تہر و خراسان“ (سفر خراسان) جلد اول۔ صفحہ ۲۸۔

”خراسان میں ایک اور خیال پہلا ہوا ہے اور عموماً کے لحاظ سے اسی پایہ کا ہے جس پایہ کا یہ خیال کہ روسی قوم بھی موجود ہے۔ اور وہ خیال یہ ہے کہ خاندان قاجار کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے بکرات و مرآت لوگوں کو یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے سنا اور اس کے ساتھ جو الفاظ شاہان قاجار کی شان میں استعمال کئے جاتے تھے وہ مدحیہ نہ تھے بلکہ قدحیہ۔ یہ واقعہ ۱۸۲۲ء کا ہے۔

ایسا ہی اطاعت گزار ہے جیسا کہ ایران کے دو سرعلاقتے۔ سبلی اطاعت کیشی سے میری مراد یہ ہے کہ فرمانروائے اعلیٰ کی حکومت کو آبادی کا زیادہ حصہ مجبورانہ طور پر تسلیم کرتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی مخالف کارروائی جس سے شاہی خاندان کی تبدیلی متصور ہو یہ لوگ نہ کریں گے لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ لوگوں کے دلوں میں سچا جوش و فدا داری موجزن ہے یا قومی سودت و اتفاق کی ایک چنگاری بھی وہاں سلگنی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ پس اگرچہ یہ امر قرین احتمال نہیں ہے کہ اہل خراسان شاہ کے برخلاف علم بغاوت بلند کریں گے لیکن ساتھ ہی یہ امر قرین احتمال نہیں کہ وہ لڑائی کے وقت شاہ کا ساتھ دین گے اور اس لئے اون کی اطاعت کی کچھ قدر وقیمت باقی نہیں رہتی۔ اتفاقاً ان کے برخلاف جو سنی ہیں اور جن کے ساتھ اون کی پشت پناہی عداوت چلی آتی ہے بلاشبہ اتحاد قومی کا جذبہ خراسانیوں میں پیدا ہو سکتا ہے لیکن میں ایک ایشیائی غنیم کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کے امکان پر اس وقت بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ روس کی منصوبہ بازی اور دست اندازی پر۔ پس اگر روس کل خراسان کی طرف بڑھے تو سوال یہ ہے کہ اس صوبہ کے باشندے ایسی حالت میں کیا کریں گے؟

## روسیوں کی وقعت

میراجواب یہ ہے کہ اگر اس پیش قدمی کے ساتھ خفیف سے خفیف فوجی طاقت کی بھی نمائش کی جائے گی تو اہل خراسان کچھ بھی نہیں کریں گے بلکہ خاموش بیٹھے ہوئے قسمت پر صابر و شاکر ہو کر آقاؤں کی تبدیلی پر راضی ہو جائیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ

اس تبدیلی سے اگر اودن کی حالت بدستور قائم نہ رہی تو کسی قدر بہتر تو ضرور ہو جائے گی اور بدتر تو کسی حالت میں ہو ہی نہیں سکتی۔ حکومت ایران کی بوسیدگی اور بد نظمی نے ان غریب لوگوں کو جو ایک عرصہ دراز سے اسکے مظالم سہتے آئے ہیں ایسا بدل کر رکھا ہے کہ وہ شوق کے ساتھ محکومیت کے ہر دوسرے پہلو کے تسلیم کرنے پر رضا مند ہیں جس سے اگر اور کچھ نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اودن کی حالت میں تبدیلی پیدا ہونے کی صورت نکل آئے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا روسی ایران میں ہرزل عزیز نہیں یا نہیں کیونکہ میں وسیع معیار پر ذاتی طور سے اس سلسلہ کی تحقیق نہیں کر سکا اور جو اطلاع کہ اس بارہ میں متعدد لوگوں سے مجھے ملی وہ آپس میں نہایت درجہ متناقض تھی لیکن جو شہرت کہ روسیوں نے بخارا اور خیو امین غلاموں کے آزاد کرنے سے جن میں سے اکثر صوبہ خراسان کے ایرانی تھے

ملہ میں نے اس واقعہ کی نسبت کسی کو شبہہ کرتے نہیں پایا تھا لیکن اتفاق سے ایک روسی کتاب سیری نظر سے آگزی جو اسکاٹلینڈ پرشیا (مرفع ایران) کے نام سے موسوم ہے اور سینٹ پیٹرسبرگ میں طبع ہوئی۔ اسکا مصنف پی۔ اگواڈینکاف نامی ایک روسی ہے جس کو ”امپیرسل جاگرفیکل سوسائٹی“ نے سٹالہء امین تاجرون کے ایک کاروان کے ہمراہ جبکا قافلہ سالاجرنیل گلوخاف کی تھا اور جو مشہد کو جا رہا تھا مامور کر کے بھیجا۔ اگواڈینکاف کے احوال کا اکثر حصہ ایک روسی سوداگر بامگارٹن نامی کی آرا کا گویا خلاصہ ہوتا تھا۔ یہ بامگارٹن کئی سال تک شاہ رودین سکوت پذیر رہا اور وہاں بیکریٹسیر سیکرٹریکا بگاردو دوسرے انگریزی سیاحین نے اسے دیکھا۔ بامگارٹن نے جو غالباً ایک صاحب الرائے شخص تھا اور جسے مخالف روس ہرگز نہیں تصور کیا جاسکتا اس امر سے انکار کیا کہ خیو امین قیدیوں کی رہائی سے روس نے ہر عزیز کی محفل کی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بیان کیا کہ باوجودیکہ ایرانی روسیوں کی خوشامد کرتے ہیں بہرہی وہاں نہیں نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اودن کی دلجوئی اور خوشنودی بھی اس خیال سے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انکی غلط کارروائیوں اور تمام گھبرائی کی اطلاع شاہ کو کر دیں

اور سہ صدی علاقہ کو ترکمانوں کی دستبرد اور تاخت و تاراج سے بچانے سے حاصل کی ہے اور اس کے علاوہ طاقت اور کثرت تعداد کی وجہ سے جو عرب روسیوں کا قایم ہے اور نیز یہ خیال کہ وہ برابر آگے بڑھے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ یہ سب کی سب باتیں ایسی ہیں کہ جو قوم قدرتی طور پر بودی تھی وہ اس پیشقدمی کو تسلیم اور تعظیم کی نظر سے دیکھنے لگی۔ بعض اشخاص ایسے ملین گے جن کا یہ خیال ہو گا کہ تبدیلی سے یقیناً سفید شہنشاہ مترتب ہوں گے۔ جمہور کی رائے یہ ہو گی کہ یہ تبدیلی اٹل ہے۔ غرض کہ چند لوگوں کی ہمدردی اکثر کی بے توجہی کے ساتھ مل کر مخالفت کا زور توڑ دے گی اور تسخیر کے لئے راستہ صاف کر دے گی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیا مذہبی مخالفت کی آگ کو تو مشتعل نہیں کیا جائے گا اور کافروں کے برخلاف جہاد کرنے کے لئے عوام کو براہِ انگیزش تو نہیں کیا جائے گا تو اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ امر قرین احتمال نہیں ہے کہ روس اس وقت تک پیش قدمی کا عزم کرے گا جب تک کہ وہ اس امر کی طرف سے اطمینان نہ کرے کہ مشرق میں مذہبی عنصر زور و روں پر ہے اور بلاشبہ لوگوں کے جذبات و احساسات اُسکے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اگر لوگوں کو یہ خیال ہو کہ یہاں کی زیارت گاہ کو یا اون اوقاف کو چولن کی آمدنی کا ذریعہ ہیں یا اُن حقوق اور رعایات کو جو اس سے وابستہ ہیں کسی قسم کا صدمہ پہنچایا جانے والا ہے یا اون میں کسی قسم کی دست اندازی کی جانے والی ہے تو اس میں ذرا شک نہیں کہ عداوت و مخالفت کی آگ اُن کے دلوں میں پھڑک اٹھے گی۔ لیکن روس نے اپنی مسلمان رعایا کے مذہبی خیالات اور اوسکے اہام کو ہمیشہ تعظیم و تحمل کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس لئے ان شکوک و شبہات کا آسانی سے دفعیہ ہو سکتا ہے اور طرہ یہ ہے کہ مشہد کے ملاؤں اور

مجتہدوں کو بھی اپنے اکثر دوسری ہونٹوں کی طرح رشوت لینے میں کسی طرح گپس و پیش نہیں۔  
 اس سے مجھے یہ خیال ہونا ہے کہ گوجان کے سن رسیدہ خان نے جو مجھ سے یہ  
 بات کہی تھی کہ خراسان کے تمام لوگ جتہا باندہ کر مشہد کی خاطر لڑیں گے تو اس نے  
 ایک بالکل غویب بات کہی تھی۔ میرا یہ گمان ہے کہ اگر مشہد کے حصہ میں مسخر ہونا لکھا  
 ہے تو وہ بلا کسی قسم کی کشمکش کے مسخر ہو گا اور خراسان کی ملکیت کا انتقال خون کے ایک  
 قطرہ کے ضائع ہوئے بغیر ہو سکتا ہے۔

### انگلستان کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے

جب میں ایسے حیرت انگیز اثر اور رسوخ کو روسیوں سے مشہد کرنا ہوں تو اس سے میری  
 ہرگز یہ مراد نہیں کہ اس بارہ میں انہوں نے کوئی استثناء حاصل کر لیا ہے۔ اگر انگریز بھی  
 ویسا ہی دباؤ ڈال سکیں یا انجام کار ویسی ہی تدابیر اختیار کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ جس  
 گرجوئی کے ساتھ ان کے مخالفین کو خیر مقدم کہا جاتا ہے اس سے بدرجہا دباؤ گرجوئی  
 کے ساتھ ان کا خیر مقدم کہا جائے گا۔ روسیوں کا طرز عمل ایران میں زیادہ تر جابرانہ اور  
 تحکمانہ ہے اور گو اس قسم کا طرز عمل باعث تڑپ بلکہ محرک تعظیم ہو لیکن اس سے فزونی ثانی  
 کو مانوس نہیں کیا جاسکتا۔ برخلاف اس کے انگریزوں کی راست بازی اور دیانت داری  
 کی وجہ سے دولت انگلستان کا باوجود عدم نمائش طاقت یعنی کثرت انواع و اقسام  
 حدود ممالک کے اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھا جانا نہایت ہی قابل تحسین ہے۔  
 مشرقی سرحد خراسان کی تیموری اقوام جن کا میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں انگریزوں کو نہایت

دوستانہ نظر سے دیکھتی ہیں اور جون جون ہم بلوچستان و سرحد ہندوستان کے قریب پہنچتے جاتے ہیں انگریزوں کی بے تعصبانہ اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے اون کا ہر دلعزیز ہونا زیادہ ثابت ہوتا جاتا ہے۔ ایرانی اب اس بات کا بخوبی اندازہ کرنے لگے ہیں کہ انگریزوں کی یہ خواہش نہیں کہ اون کی مملکت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حصہ پر بھی اپنا قبضہ کریں حالانکہ روسی تصرف غاصبانہ پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن بات اصل میں یوں ہے کہ روسی اون سے قریب تر ہیں اور زبردست ہی ہیں اور انگریز دور ہیں اور اپنی طاقت کی سرخی نمائش نہیں کرتے۔ پس اگرچہ انگریز سی دائرہ اثر کی توسیع کو رضامندی کے پہلو سے دیکھا جاتا ہے اور توسیع کا موقع دینے سے پہلو تہی نہیں کی جاتی لیکن لوگوں کے دلوں میں ایسا عزم نہیں پایا جاتا اور نہ یہاں کوئی ایسی جماعت ہی موجود ہے جو روسی منصوبہ بازی کی کامیابی کے ساتھ مدافعت کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ خراسانی اپنے دو سر کرنا بنائے جنس کی طرح اس وجہ تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس کے پاس لاٹھی ہو بھینس اوسی کے حوالے کر دیں۔

### مشرقی خراسان میں دوسری راہیں

(۱) مشہد سے تربت حیدری تک۔ دیکھو کتاب ”زام دی انڈس ٹودی ٹانگرس“ (از اٹک ٹا بے و جلد) مصنفہ ایچ۔ ڈبلیو۔ بلیو (۱۸۶۲ء) اور کتاب ”ایسٹرن پرنشیا“ (مشرقی ایران) مصنفہ کرنل ایون اسمتھ (۱۸۶۲ء) صفحات ۳۵۳ الی ۳۵۶۔

(۲) تربت حیدری سے باجستان تک۔ دیکھو کتاب ”از اٹک ٹا بے و جلد“ صفحات ۳۵۶ الی ۳۵۷۔

۱ اور کتاب "مشرقی ایران" صفحات ۳۲۹ الی ۳۵۳۔

(۳) باجستان سے قائن تک۔ دیکھو کتاب "از اٹک تا بہ دجلہ" صفحات ۳۲۵ الی ۳۲۹۔

۲ اور کتاب "مشرقی ایران" صفحات ۳۲۳ الی ۳۲۹۔

(۴) قائن سے برجند تک۔ دیکھو کتاب "از اٹک تا بہ دجلہ" صفحات ۳۰۹ الی ۳۲۵۔

۳ اور کتاب "مشرقی ایران" صفحات ۳۳۷ الی ۳۴۲۔

(۵) فرہ (افغانستان) سے نیشاپور تک (براہ برجند، تون و باجستان)۔ دیکھو کتاب کاروان

جرنیز "سفر نذریہ کاروان" مصنفہ جے۔ پی۔ فیئربر (۱۸۴۵ء) صفحات ۴۳۷ و ۴۳۸۔

(۶) فرہ (افغانستان) سے سمنان تک (براہ خور و طبس) دیکھو کتاب "سفر نذریہ

کاروان" صفحات ۴۳۹ و ۴۴۰۔

(۷) طبس سے برجند تک (براہ تون و قائن)۔ دیکھو کتاب "جرنی تہر و خراسان" (سفر

خراسان) جلد اول۔ صفحات ۱۳۷ الی ۱۶۶۔ مصنفہ سوسی۔ میگلرگر (۱۸۵۵ء)

(۸) برجند سے پابہری (ہرات) تک (براہ فارگ ویزدون)۔ دیکھو کتاب "سفر خراسان"

مذکورہ فقرہ بالا۔ جلد اول۔ صفحات ۱۷۸ و ۲۰۲۔

(۹) شاہ رود سے ہرات تک (براہ ترشہ و خاف) دیکھو کتاب "جرنی تہر و خراسان" (سفر

بنگلہاں سے انگلستان تک کا سفر) جلد دوم۔ صفحات ۲۲۱ الی ۲۲۳۔ مصنفہ جی۔

فاسٹر (۱۸۴۳ء) اور نیز دیکھو تحریرات کپتان کلاڈ کلاک (۱۸۵۷ء) مندرجہ جی۔

آف وی رائل جاگرفیکل سوسائٹی۔ جلد سی و یکم صفحات ۴۷۰ الی ۵۰۵۔ مطبوعہ ۱۸۶۱ء



# نوان باب

## معاملاتِ سیستان

کے ہیں اسے خوش توفیے طے سیستان کے ہاسون و دشت یکسر  
پہاڑے توفیے زرہ کا پانی گیا ہے ہلند پر تو اکشر  
”سہراب درستم“ دیتا ہوتا رنڈ

## ایران کی مشرقی سرحد

اور القمار واقع دریائے ہری رود سے جو جدید سرحد روس و افغانستان میں ۸۵-۸۶ میل  
کا نقطہ آغاز اور اس لحاظ سے علاقہ ہائے روس و افغانستان و ایران کی حدود کا مقام انصاف  
سے سرحد ایران چڑھیک جنوب کی طرف قریباً ۹۱ درجہ خط متوازیہ طول بلد پر کئی سو میل تک چلی  
گئی ہے کہیں تو ناکافی طور پر معین کی گئی ہے اور کہیں مشتبہ طور پر۔ کہیں اوپر بہت کم علم و آراء  
کیا جاتا ہے اور کہیں مطلقاً اس کی تعین ہی نہیں کی گئی ہے۔ ورہ ذوالفقار سے گوٹر واقع  
ساحل بحر ہند تک اس سرحد کا کل فاصلہ یہ خط راست سات سو میل ہے۔ یہ سرحد سلطنت

ایران کو مشرق کی طرف دو ہمسایوں یعنی افغانستان اور بلوچستان سے ملاتی ہے جنہیں سے کسی کے ساتھ بھی اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ ایران میں اور ان دونوں حکمرانوں میں ہمیشہ یہ جدی نزاعات برپا ہوتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے علاقہ پر یہ دولتیں عارضی یا مستقل دست اندازی و تصرف کرتی رہتی ہیں تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تینوں اقوام کے اس قسم کے جھگڑوں میں استحصالی اعتبار سے ایران سب سے زیادہ فائدہ میں رہتا ہے۔ شاید اس کو خیال ہے کہ شمالی و مشرقی اور شمالی و مغربی حدود پر جو نقصان اس کو روس کے فشار جابرانہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے اس کی تلافی ان نواح میں کسی قدر توسیع غاصبانہ سے کر کے اپنے آئندہ پوچھے۔

### (۱) ذوالفقار سے سیستان تک

یہ سرحد جکامین ذکر کر رہا ہوں قدرتی طور پر چار حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ہر ایک کے مدارج ثبات اور سیاسی حالات مختلف ہیں۔ ان میں سے پہلا حصہ ذوالفقار سے سیستان کی شمالی حد تک پہلا ہوا ہے اور اس کا فاصلہ تخمیناً تین سو میل ہے۔ ہرات اور روس کے توابعات کے خراسان سے علیحدہ کئے جانیکے بعد کے زمانہ سے دولت افغانستان و ایران کے درمیان اس نواح میں کم و بیش ایک مسلحہ حد قائم رہی ہے لیکن اس حد کی یقین کہی نہیں ہوئی اور یہی عدم تعین اون نزاعات متوالیہ کا محرک ہے جو علی العموم آبپاشی کی اون نہروں کے قبضہ متنازعہ سے پیدا ہوتے ہیں جنہیں اس سرزمین کی سب سے زیادہ قیمتی اور اکثر صورتوں میں مبادر فیاض کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کا ایک جگہ افغانستان و ایران میں ایک سرحدی ضلع کی بابت جو کہ ہستان اور غوریان کے درمیان کے خطوط متوازیہ پر واقع ہے میرے آنے سے کچھ عرصہ پیشتر سے جاری تھا۔ انگریزوں کو جن سے عموماً ان موقعوں پر ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور جو کئی مرتبہ اس کام کو جس کے لئے اون کا شکریہ کہہ نہیں ادا کیا گیا انجام دے بھی چکے ہیں اس دفعہ اس نزاع کے انفصال کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس فیضہ نامرضیہ کا فیصلہ کر بھی دیا لیکن میری رائے میں بقول میگلرگر کے اس فیصلہ میں سب سے بڑا دھصف یہ تھا کہ فریقین میں سے ایک کی ہی اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ میں نے اس نزاع کا صرف اس غرض سے ذکر کیا کہ اس سے اون سوال مخ کیا نمایاں ترین مثال ہم پہنچتی ہے جبکہ ایسی غیر معین اور طبعی اعتبار سے اس قدر غیر مشخص سرحد پر جہاں حد بندی کے نشانوں کی پرکس برابر وقعت بھی نہ سمجھنے والی خانہ بدوش قومیں آباد ہوں آئے دن پیش آتے رہنا لازماً سے ہے۔

## (۲) سیستان

دوسرا حصہ سرحد سیستان ہے جسے سرحدی کمیشن برطانیہ و ایران و افغانستان نے بہ سرکردگی سرفہ گولڈ اسٹڈنٹ نے معین کیا اور یہی اس باب کا موضوع غالب ہے۔ اس حصہ سرحد کا طول شمالاً جنوباً تقریباً ۱۲۰ میل ہے لیکن چونکہ اس نئی سرحد کا خط جسکو کمیشن نے ثالثانہ حیثیت سے معین کیا ہے منحرف ہو کر جنوب و مشرق کی سمت اختیار کرنا ہوا اور یہاں پہلے سے جلتا ہے اور پہر جنوب و مغرب کی طرف پلتا ہے لہذا جو مثلث اس طرح سے بنتا ہے اس کے دو قونین اضلاع

کے طول کا مجموعہ وتر سے بہت زیادہ ہے۔

### (۳۵) سرحد ایران و بلوچستان

احسنہ وہ ہے جو سیستان کی جنوبی سرحد معینہ ۱۸۷۶ء کے منتہا سے شروع ہو کر کران کی حد معینہ سال مابین کے شمالی سرحد پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ حصہ کوہ ملک سیاہ سے جلمک تک چلا گیا ہے جس کا طول ۲۰۰ میل ہے۔ سرحد کا یہ حصہ کبھی معین نہیں ہوا اور کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کہاں ہے اور کیا ہے۔ کوئی دو نقشے بھی ایسے زمین گے جن میں یہ سرحد ایک ہی طرح پردہ کھائی گئی ہو۔ اور اکثر نقشوں میں تو اس لاعلمی کی تلافی ایک صریح قیاس کے ذریعہ سے کی جاتی ہے یعنی کوہ ملک سیاہ سے ایک خط مستقیم جنوب و مشرق کی طرف سے جو اربلک تک کھینچ دیا جاتا ہے۔ اس حصہ میں مشرق کی طرف ایران کا ہمسایہ بلوچستان ہے لیکن خانہ بدوش بلوچ قومین جو سرحد پر رہتی ہیں اپنے آپ کو خان قلات کا ماتحت نہیں سمجھتے اور عملی لحاظ سے خود مختار ہیں۔

### (۳۶) سرحد مکران

آخری حصہ جلمک اور گوٹڑ کی بندرگاہ کے مابین واقع ہے اور اس کا طول ۳۰ میل ہے میں اس کو سرحد مکران کہتا ہوں کیونکہ وہ حصہ ملک جس میں ہو کر یہ سرحد جو فاصل ایران و بلوچستان ہے گزرتی ہے۔ اسی نام سے موسوم ہے۔ اس سرحد کی تعین کے وقت یعنی ۱۸۷۶ء میں سلیف گولڈ اسٹڈ کو بہت بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس پر پورا پورا عملدرآمد جاری نہیں۔ سرحد کے ان آخری دونوں حصوں یعنی سرحد ایران و بلوچستان بالا دہان

سے ایک اگلے باب میں جو صوبجات شرقی سے متعلق ہے بحث کی جائے گی۔ یہاں اذکار صرف اس واسطے کیا گیا کہ رد و پیش کے مواقع کے لحاظ سے ناظرین کے ذہن میں سیستان کا موقع پوری طرح سے ممکن ہو جائے۔

## ضلع سیستان

باب گذشتہ میں بیان کر چکا ہوں کہ سیستان ایرانی صوبہ قائن کا ایک بلوک یعنی ضلع ہے جو میر عالم خان والی پرجند کے زیر حکومت ہے اور خان موصوف اس ضلع کے انتظام اور فوج متعینہ نصرت آباد کی کمان کے واسطے اپنا ایک نائب مقرر کر کے بھیجتا ہے۔ یہاں میں اوں حالات کا ذکر کر دوں گا جو اس ضلع کے مقبوضات ایران میں شامل ہونے کے محرک اور ایک جماعت مامورہ تصفیہ سرحد کے مسئلہ میں یہاں پہنچے جانے کے باعث ہوئے۔ نیز ان واقعات کی توضیح کے لئے ضرور ہے کہ اس علاقہ کا اور اس کی ابتدائی تاریخ کا کسی قدر ذکر کیا جائے۔

## سیستان کی وجہ تسمیہ

سردہری رالنسن کہتا ہے کہ مشہور زمین عرب یا ایران میں سے کسی نے بھی کہی اس امر میں شبہ نہیں کیا ہے کہ سیستان یا سجستان۔ گستان یعنی ملک گان یا سکیاہ سے ماخوذ ہے۔ گو کہ مقام تعجب ہے کہ تیسرے قوم جیسی خانہ بدوش باویہ پیادوں کی ایک

لے بعض موزین انگلستان نے اسکو "ساغس" کا شوق قرار دیا ہے "ساغس" ایک قسم کی لکڑی ہے جو اس نواح میں پیدا ہوتی ہے اور جسے ایرانی جلائے کے کام میں لاتے ہیں۔

جماعت جرتیسری صدی عیسوی میں شمال کی جانب سے یہاں آئی اس ملک کو جس میں وہ صرف تلویرس تک آباد رہی اپنے نام سے مستقل طور پر منسوب کرتی گئی۔ اگرچہ ساسانی تاجدار بہرام ثانی نے جکازمانہ حکومت ۲۴۵ء سے ۲۶۷ء تک ہے اس قوم کو اپنی مملکت سے ایسا خارج کیا کہ مدین ہوئیں کہ زمانہ نے اون کو صفحہ تاریخ سے مثل حرف غلط میٹ دیا ہے تاہم اس علاقہ کا نام ان کی مستقل اور دائمی یادگار ہے۔

## لفظ سیستان کا اطلاق

ریخ کے مختلف زبانوں میں اس ملک کے حکمرانوں کے مقبضات جیسے جیسے بڑھتے رہے ہیں ویسے ہی سیستان کا اطلاق مختلف الرقبہ ممالک پر کیا جاتا رہا ہے لیکن اس نام کا صحیح اطلاق ہمیشہ اس بڑے دریاچہ خٹاس پر ہوا ہے جس میں رود ہمند اور دوسری ان ندیوں کا پانی اکٹھا ہوتا ہے جو یہاں ایک نشیبی قطعہ زمین میں بہر طرف سے سمٹ کر آتے ہیں۔ اس نشیب کی حدود نمایاں ہیں اور اس کا طول شمالاً جنوباً ڈھائی سو میل ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ زمانہ سابق میں یہ نشیب ایک بڑی جہل کے پانی سے بہا ہوتا تھا اور اگر تمام نہریں اور آبپاشی کے نالے جو دریاؤں کا بہت سا پانی خرچ کر ڈالتے ہیں بند کر دئے جائیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ بہت جلد یہ نشیب پہر اپنی قدیم حالت پر آجائیگا۔

## سیستان کی موجودہ حالت

وہ علاقہ جو آج کل سیستان کے نام سے موسوم ہے تین بڑے نشیبوں پر مشتمل ہے جو

۱۔ دریاے ہمند کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو مضمون درباب خٹاس ہمند قوسہ سی مار۔ مارکیم مشمولہ رودند و اریل جاگرفیکل سوسائٹی (سلسلہ جدید) جلد اول صفحہ ۱۹۱۔

سال کے موسم اور بہار کی طغیانی کی مدت کے اعتبار سے جھیلیوں اور دلدلوں اور خشک زمین کی شکل میں بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے نشیب میں دو چھوٹی چھوٹی جھیلیں ہیں جو شمال کی طرف سے ہاروت رود اور فرہ رود جنوب کی طرف سے دریا سے ملندہ اور مشرق کی طرف سے خوش یا خشک رود کے بہہ کریمان آنے سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ان دونوں جھیلیوں کے درمیان ایک گھناہستان حاصل ہے جسے نے وارکتے ہیں اور پانی کی چوہندارا جھیلیوں میں ہوتی ہے اس کی کثرت یا قلت کے اعتبار سے اس نے زار میں کبھی تو دلدل ہو جاتی ہے اور کبھی خشک ہو کر بہتر رہ جاتی ہے۔ طغیانی کے موسم میں یہ دونوں جھیلیں جو معمولی طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں مل کر ایک ہو جاتی ہیں اور دونوں کے متفقہ سیلاب نیزار کے سر سے گزر کر دوسرے نشیب میں جس کو ہامون کہتے ہیں اور جو ایک بہت بڑے اُتھلے ظرف کی شکل میں جنوب کی طرف میلون چلا گیا ہے گرتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں جب انگریزی کمیشن کے اراکین کریمان آئے تو ہامون بالکل خشک تھا اور وہ جاتے اور واپس آتے وقت اس کی تہ پر سے ہو کر گزرے لیکن ۱۸۸۷ء میں جب روسی و افغانی سرحدی کمیشن کے بعض اراکین کو سٹے سے ہرات کو جاتے وقت اس راہ سے گزرے تو ہامون ایک بڑی جھیل ہو گیا تھا جس کا پانی میلون تک پہنچا ہوا تھا اور مشہور و معروف پہاڑ کوہ خواجہ جو ہامون کی مغربی حد کا ایک ممتاز نشان ہے پانی کی وسط میں ایک جزیرہ کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ جب کثرت

۱۸۸۶ء کوہ خواجہ جسے کوہ ستم بھی کہتے ہیں سیاہ آتشیں سنگ خارا کی ایک تن تنہا چٹان ہے جو ہامون کی سطح سے چار سو فٹ بلند ہے اور کئی میل تک اس میں بطور ایک نمایاں حد بندی کے پلایے کے قطر آتی ہے۔ قریب کیا ہی فرما کر وایان سبتان نے اس پر ایک مستحکم قلعہ بنا کر کہا تھا اور ان میں سے ایک فرما کر وایان نے سات سال تک اس قلعہ میں محصور رہ کر نادر شاہ کی افواج کا ہر دے پیچ چلون کی مدافعت کی تھی۔ قلعہ کی غرض سے بھی سبتانی بیان آیا کرتے ہیں۔ نوروز کے دن یعنی ۲۱ مارچ کو کریمان سیلا لگتا ہے اور اس چٹان کی سطح چوٹی پر گھوڑ دوڑ ہوتی ہے نیز مطالعہ کے لئے دیگر مضمون درباب ”سیر کوہ خواجہ“ مرقوم ہے۔ نوٹ: متضمنہ جزئیات دی ہیں جا کر بغیر کسی سوسائٹی جلد چیل و چہارم صفحہ ۱۸۸-۱۸۹ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

سے طغیانی آتی ہے تو خود ماسون کا پانی بہہ نکلتا ہے اور جنوب کی سمت اختیار کر کے سریشلا کی گھاٹی کو اپنی گزرگاہ بناتا ہوا نشیب ہاے متذکرہ بالا میں سے تیسرے نشیب میں جس کا نام زرہ ہے جاگرتا ہے۔ کمیشن کے قیام کے زمانہ میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ باشندہ دن میں سے کسی کو یاد نہیں پڑنا کہ یہی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ زرہ میں ماسون سے پانی آیا ہو۔ کیونکہ اب بجائے اس کے کہ چیلین پانی سے چھلکتی ہوئی نظر آئیں زیادہ تر یہی اتفاق ہوتا ہے کہ پانی کے خرچ ہو جانے سے خود دریا خالی ہو جاتے ہیں اور زرہ کی جیل عام طور سے ہمیشہ بیا بان شورہ زار ہی رہتی ہے۔ لیکن ۱۸۸۵ء میں ایک انگریزی افسر نے جو غربی بلوچستان میں سیاحت اور تحقیق کی غرض سے سفر کر رہا تھا سریشلا یا شیللا

۱۸۸۵ء سرسی۔ سیگلر گرجب ۱۸۸۵ء میں بلوچستان کی سیاحت اور تحقیق حالات کر رہا تھا تو وہ ڈھالی دن تک برابر بیا بان زرہ کے کنارے کنارے جنوب کی طرف گیا لیکن کھاری پانی کا ایک جوڑ بھی اوس کو کہیں نہیں ملا۔ اوس کا بیان حسب ذیل ہے۔ ”پانی تو درکنار نمی کا بھی کہیں نشان نہ تھا اور ہر طرف سواے ریت کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نباتات استخوان بوسیدہ کی طرح خشک تھیں اور ہاتھ لگاتے ہی اٹا اٹا ہو جاتی تھیں“ آخر کار ہزار دقت ایک ٹکڑا ہوا پانی زمین سے نکالنے میں سیگلر گرجب کو کامیابی ہوئی۔ اس پانی کی کیفیت وہ اپنے انوکھے اور سادہ طرز میں یوں ظاہر کرنا ہے۔ ”اگر کوئی شخص زرہ جانے اور وہاں سے پانی لانے کی تکلیف سے بچنا چاہے تو میں اس کو ایک ایسا نسخہ بتا سکتا ہوں جس سے وہ بلا وقت گھر بیٹھا پانی بنا سکتا ہے جو زرہ کے پانی کا ہی مزہ دے گا۔ سب سے پہلے تھوڑا سا رے سے سڑا پانی لیکر اوس میں اس قدر نمک ملاؤ کہ ذائقہ کے اعتبار سے وہ دیسا ہی خراب ہو جائے جیسا کہ رنگت کے اعتبار سے اس کے بعد او سے لندن کی گلیوں کی لالٹینوں کے اجڑوں کی رہی دو۔ پہر اس میں کسی پرانے پیپ کا مدقون کا سڑا ہوا پانی ملا کر خوب ملاؤ۔ بس زرہ کا پانی تیار ہو گیا“ ”وائٹڈ رگزان بلوچستان“ (سیاحت بلوچستان) صفحہ ۱۸۴۔



کی گھاٹی میں سے دو فٹ گہرائی ہوتا ہوا دیکھا جس کے زرہ کے شمالی حصہ میں جمع ہونے سے ایک وسیع جیل (ہاسون) بن گئی تھی اور یہ بیان کیا جاتا تھا کہ اس کا دور سو میل سے زیادہ ہے۔

## گوناگون تبدیلیاں

کرہ بالا بیان سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ سیستان کی ہیئت کدالی کس درجہ تغیر پذیر ہے اور موزخین کو اوس کا مختلف وقتوں کا جغرافیہ کس قدر پریشانی اور وقت میں ڈالنے والا ہے۔ کیونکہ نہ صرف جیلین بڑھتی گھٹتی اور خشک ہوتی رہتی ہیں (دوہ رقبہ جو ان جیلوں کی تلون مزاجی کے سرحد قے ہوتا ہے) النس کے بیان کے مطابق ایک سو میل طویل اور پچاس میل عرض ہے) بلکہ دریا بھی ہمیشہ اپنا راستہ بدلتے رہتے ہیں اور جب جی چاہتا ہے کسی مصنوعی نہر کو اپنی گزرگاہ بنا کر اوسے اصلی دریا کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور اس طرح آئندہ جغرافیہ نگاروں کو الجھن میں ڈالنے کے اسباب پیدا کر دیتے ہیں۔ لہذا یہ تعجب خیز نہیں کہ اگرچہ اس ملک میں دریائی نئی مٹی لا کر بلا تفریق و امتیاز اراضیات پر زرخیزی اور بار آوری کے خزانے شمار کرنے ہیں تاہم جس قدر ویران شہر اور مکانات اس ملک میں ہیں شاید ہی دنیا میں کسی اسی طول و عرض کے قطعہ زمین میں ہوں گے۔

## روایتی تاریخ

یہ تو سیستان کی ہیئت کدالی کا مختصر خاکہ تھا۔ اب میں اوس کی تاریخ کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ ازمنہ قدیم ہی سے کوئی بات سیستان میں ایسی چلی آتی ہے جو ہمیشہ ایرانی قوت متخیلہ پر قوی اثر ڈالتی رہی ہے۔ کبھی یہ ملک نمرود و شکاراغلن کے خیالی تعلق کے لحاظ سے مہر نمرود کو کہلایا۔

کبھی جہشید نے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ کبھی زابل کے عظیم الشان بیٹے رستم نے جہشید سے پانچویں پشت میں تھا یہاں نشوونما پایا۔ برطانیہ کے روایتی افسانوں میں شاہ آر تھر کو وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو رستم کو ایران کی داستانہاے قدیم میں حاصل ہے۔

کیونکہ شاہ آر تھر پہر بھی انسان خدیف البدن تھا اور اگر ہم ٹینیسن (ملک الشعراء انگلستان) کے ہم داستان ہوں تو آر تھر وینسویں صدی کا ایک جنگلیں برہ جاتا ہے لیکن رستم نے نہ صرف توران کے بت پرست و جشیون اور افراسیاب کو پکایا بلکہ عفراتیوں اور جنوں کو بھی نیچا دکھایا۔ غالباً انگلستان کے قومی محافظ سینٹ جارج از دہا افگن سے رستم کو زیادہ موزون طور پر تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جس طرح ہم اپنے سکون پر سینٹ جارج کے عدم المثال کارناموں کی علامتیں منقش کرتے ہیں اسی طرح ایرانی رستم کی شجاعت و تہور کی داستان کی تصویروں سے اپنے دروازوں - محرابوں اور ستونوں کو مزین کرتے ہیں۔

### ابتدائی تاریخ

اسکندر اعظم کے زمانہ میں سیستان روایت کی ظلمت سے نکل کر تاریخ محققہ کی روشنی میں آتا ہے اوس وقت اسکا نام درنگیان تھا جو اوس سرزمین کا مرادف ہے جسے ہرودوٹس نے سرنگیان سے تعبیر کیا ہے۔ سکندر غالباً اپنے مشرق کے سفر میں یعنی ہندوستان جاتے ہوئے اس طرف سے گزرا اور مراجعت کے وقت اگرچہ وہ جنوب کی راہ اختیار کر کے گیدروسیا (کرمان) ہو تا ہوا کرمانیہ (کرمان) کو چلا گیا لیکن اوس نے فوج کا ایک سربراہ

دستہ کر میٹیس کے زیر حکم آکر کوٹیا اور دنگلیانا کی جانب روانہ کیا۔ ساسانی بادشاہوں کی سلطنت کے زمانہ میں سیستان مذہب زردشت کا پر رونق مرکز تھا اور ہین اوس نسل کا آخری تاجدار یزدگرد عرب فاتحین سے بھاگ کر مرد جاتے ہوئے چان اوس کی قسمت کا فیصلہ ہوا آیا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی عربوں کی ہی سلطنت میں یہ صوبہ ترقی کی معراج کمال کو پہنچا اور اسی زمانہ سے وہ وہ وسیع کھنڈر بھی منسوب کئے جاتے ہیں جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ نوین صدی میں یعقوب بن لیث ایک کوڑہ گرد نے جو ہرن بھی تھا لیکن اپنی طبیعت میں سپہگیری اور

سیستان کی ابتدائی تاریخ اور وہاں کے باشندوں کے حالات میں سب سے بڑی سند سنہری النسن کا وہ مضمون ہے جو نوٹس آن سیستان (احالات سیستان) کے عنوان سے "ہیرل آف دی رائل جاکوئیکل سوسائٹی" کی جلد چہل و سوم کے صفحات ۲۷۲ الی ۲۹۴ میں چھپا ہے (مستند ۶)۔ اس بارہ میں ڈاکٹر بلیو کا وہ ناوار اور صحیح خلاصہ جس کا عنوان "فراموی انڈس ٹودی ٹانگرس" (از انکم تابوہلہ) ہے ۲۴۸ سے لیکر ۲۶۹ صفحے تک اور نیز در انکم اوسری انڈودی اتھنا گرافی آن افغانستان (تحقیقات نسل ہائے افغانستان) مرتبہ ۱۹۵۹ء بھی دیکھنی چاہیے۔ ایرانی سیستان کے زمانہ حال کے خاص باشندے یہ ہیں سیستانی جو دوسری فائق و متاثر قوموں کے مقابلہ میں بہت ہی ذلیل حیثیت رکھتے ہیں۔ کیانی جنہیں کجغیر والی نسل کے سے ہنر کا دعویٰ ہے۔ کرد غالی یعنی کردستان کے کردوں کی وہ شاخ جس نے یہاں اگر غوری خاندان ملک کر دیہ قائم کیا زاس خاندان کی حکومت ۱۲۲۵ء سے ۱۳۸۳ء تک قائم رہی)۔ ایرانی جو تاجیک کہلاتے ہیں اور بلوچ جسکی خاص نسلین سیستان میں سر بندی (جن کو تیمورچان میں لے گیا تھا لیکن ناور شاہ بہرہان لے آیا) اور شاہ رخ ہیں۔

۵۲ ان کے مفصل حالات خصوصاً پشاوران کے حالات کے لئے دیکھو کتاب ڈاکٹر بلیو کے صفحات ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳۔  
۵۳ مورخیت جب کاؤر گلستان سعوی میں ہے وہاں کا چوٹا پنہائی تھا جو اسکے بدخوش نشین ہے۔ مترجم

”آئین سروری“ کے خدا واد جو ہر کہتا سنا خاندان صفاریہ کی بنیاد ڈالی اور اپنے زور بازو سے وہ قلیل العمر سلطنت قائم کی جو شیراز سے لیکر کابل تک پہنچی ہوئی تھی لیکن صدی مابعد میں محمود غزنوی کے آئین حملہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ الاصلطخری جو اس زمانہ میں سیستان گیا شہا بیان کرتا ہے کہ اس ملک میں آباد شہر ہیں۔ بڑی بڑی نہریں ہیں اور کثرت سے دولت ہے۔ چنانچہ اس کے قدرتی ذرائع دولت میں ایک سو نے کی کان بھی شریک تھی جو بعد میں ایک زلزلہ کے آنے سے ضائع ہو گئی۔ تیرہویں اور چودہویں صدیوں میں سیستان کو بھی اطراف و جانب کے دوسرے بلاد و امصار کی طرح اون دو ناگمانی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا جو چنگیز خان اور تیمور گیک کی انسانی صورتوں میں بنی نوع انسان پر نازل ہوئیں اور ان کے ہاتھوں یہ لہلہاتا ہوا گلشن تباہ ہو کر ویرانہ زاغ و زغن بن گیا اور

ایسا اجڑا کہ پہر نہ آباد ہوا

سیستان کے کیانی حاکموں نے جو سلسلہ اکینہ کے اول تاجدار کب قباؤ کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے تھے سلاطین صفویہ کے عہد میں پہر اس ملک کو آباد کیا لیکن گردش ایام نے اس ملک کو پھر روز بد کہا یا اور ۱۲۲۷ء میں افغان حملہ آوروں اور اس کے بعد نادر شاہ کے

۱۵ دیکھو وہ مضمون جس کا عنوان ہے ”دی کنگر آف دی صفاریں ڈویشٹی آف نیمروز ار سجستان“ انیمروز یا سجستان کے سلاطین صفاریہ (مرقومہ میجر ایچ۔ جی۔ ریورٹی۔ شمولہ جنرل آف دی ایٹیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد پنجاہ و چارم (۱۸۸۷ء) صفحہ ۱۳۹۔

۱۶ دیکھو تاریخ سلیم۔ جلد اول صفحات ۱۳۸ الی ۱۵۲۔

۱۷ دیکھو ”اورینٹل جاگرافی“ (جغرافیہ شرق) صفحات ۲۰۳ الی ۲۰۹۔

ہاتھوں (جس نے اون کا استیصال کیا) اس قسمت ملک کے مصائب و آلام درجہ انتہائی کو پہنچ گئے۔ نادر شاہ کی وفات کے واقعہ تک جو ۱۷۰۷ء میں پیش آیا سیستان دولت افشاریہ کی عظیم الشان مگر مقصود بہ حدود میں شامل رہا۔ اسکے بعد جب اولوالعزم سپہ سالار احمد شاہ ابدالی نے اپنے آقا کے نقش قدم پر چل کر افغان تان میں سلطنت درانیہ کی بنا ڈالی تو سیستان کا الحاق اس کی مملکت کے ساتھ ہو گیا۔ اس زمانہ سے سیستان اول اول آج کل کی سیاسی تہاشگاہ میں نظر آنا شروع ہوتا ہے اور گزشتہ تیس سال سے برطانوی و ہندوستانی تدابیر مملکت کی بساط کا ایک اہم مہر ہو گیا ہے۔

## تاریخ مابعد

احمد شاہ کی وفات کے بعد تیمور شاہ کو اس کی وفات تک جو ۱۷۰۷ء میں ہوئی سیستان پر براج خراج دیتا رہا۔ اس کے بعد جب درانی سلطنت کے اجزا پر آگندہ ہونے شروع ہوئے تو سیستان کہیں تو ہرات کے تابعیات میں رہا اور کہیں قندھار کے۔ سلطنت ایران کو دوسرے معاملات میں مصروف ہونے کی وجہ سے اتنی فرصت نہ تھی کہ اسکے واپس لینے کی کوشش کرتی لیکن ۱۷۰۷ء سے یار محمد والی ہرات کی وفات کے بعد ایران نے اس بد نظمی اور نا اتفاقی سے منتفع ہو کر جو افغانستان میں پہلی ہوئی تھی اپنے حقوق اور دعوای پیش کرنا شروع کئے۔ اسے اب یاد آ گیا کہ نادر شاہ اگرچہ حقیقت میں ایک ترکمانی غاصب تھا لیکن پھر بھی ایران کا بادشاہ

۱۷۰۷ء رضاقلی خان نے جو زمانہ حال کے ایرانی مصنفین میں لجامہ فضل کمال اور باعتبار ضخامت تصانیف اعلیٰ درجہ رکھتا ہے گزشتہ نصف صدی کے انہیں گنہگار طور پر فارسی زبان میں تاریخ سیستان کہی ہے۔

تہا اور سیستان نے ایران کے سلاطین سابق کی طرح اوس کو بھی خراج دیا تھا۔ علی خان حاکم سیستان کو راضی کر کے ایرانی جہنڈا سیستان میں نصب کیا گیا اور اسکے صلہ میں ایک ایرانی شاہزادی حاکم مذکور کے جہالہ نکاح میں دی گئی۔ اسی زمانہ میں ایران نے ۱۷۵۷ء میں ہرات پر حملہ کیا جس کی وجہ سے برطانیہ کلاں کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کا نتیجہ صلحنامہ پیرس ہوا جسکی رو سے ایران کو ہرات کے حقوق فرمانروائی اور افغانستان کے معاملات میں دست اندازی کے دعاوی سے دست بردار ہونا پڑا۔ باین ہمہ علی خان فوج ایران کا ایک دستہ ساتھ لیکر سیستان کو واپس آیا گوکہ اس بات پر گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے متوازا اعتراضات بھی ہوتے رہے اور ہمیشہ علی خان اور اوس کے بعد اوس کا جانشین تاج محمد (جس نے دوست محمد خان کی مہم ہرات کے وقت ایران سے مدد مانگی تھی) شاہ ایران ہی کی فرمانروائی کو تسلیم کرتے رہے۔ اس عرصہ میں وزیر اعظم سلطنت برطانیہ صلحنامہ پیرس کی ایک شرط کی خلاف ورزی پر برابر اعتراض کرتا رہا اور سلطنت ایران ہمیشہ صلحنامہ مذکور کی دوسری شرط سے استعفیٰ اٹھانے کے متعلق وزیر موصوف کو توجہ دلاتی رہی جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ دوسری سلطنت ایران اور افغانستان میں نا اتفاقی ہو جانے کے انگریزی سلطنت سے بچاؤ کر لے۔

۱۷۷۱ء میں شاہ عبدالنہ کے فقرہ ۶ میں مندرج ہیں۔ پہلی شرط حسب ذیل تھی شاہ بکلاہ ایران اقرار کرتے ہیں کہ وہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں آئندہ دست اندازی کرنے سے احتراز کریں گے۔ شاہ بکلاہ یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ہرات اور تمام افغانستان کی خود مختاری کو تسلیم کریں گے اور ان ریاستوں کی خود مختاری میں مداخلت کرنے کی کسی کوشش نہ کریں گے۔ دوسری شرط کے الفاظ یہ تھے۔ ممالک ہرات و افغانستان اور دولت علیہ ایران میں اختلافات برپا ہونے کی صورت میں دولت ایران اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ وہ تصفیہ نزاع کے لئے دولت برطانیہ کی دوسرے مصالحت سے استمداد کرے گی اور اس وقت تک فوج کشی نہ کرے گی جب تک کہ یہ مصالحت بے سود ثابت نہ ہو۔

شیر علی بھی جو اپنے باپ دوست محمد خان کی جگہ سلطنت عین امیر افغانستان ہوا دل سے چاہتا تھا کہ کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو جائے۔ لیکن اس زمانہ میں میدان اس عدم مداخلت کے واجب ففرین طرز عمل کے ہاتھ تھا جس کا لارڈ لارنس مانا ہوا حامی اور موید تھا۔ اور اسی اصول کو مد نظر رکھ کر گورنمنٹ شیر علی کو امیر تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی حالانکہ گورنمنٹ کو بعد میں اسے بخیر و وظیفہ دینا پڑا۔ غرض کہ ایک مدت تک جانین میں باہمی عذر۔ اعتراض اور حیلے حوالے ہوتے رہے تا آنکہ نوبرمبر ۱۸۶۱ء میں لارڈ رسل نے جب کا اس روز روز کی تو تو میں میں اور خرخشہ سے ناک میں دم آگیا تھا ایک تحریر بھیجی جس کا مضمون یہ تھا کہ ”ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ اس معاملہ میں دخل دینا نہیں چاہتی اور فریقین کو اختیار دیتی ہے کہ اپنے اپنے دعاوی کا بذریعہ شیر تصفیہ و انفصال کر لیں۔“ لارڈ رسل کی یہ کارروائی اس عالمگیر اصول کی تلقین پر مشتمل تھی کہ جس کی لاٹھی اوس کی پہنیں۔ گو کہ ایسا کرنے میں اوسنے جرات کا اس قدر ثبوت نہیں دیا جس قدر راستبازی اور تدبیر کا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر ایران ۱۸۶۱-۶۵ء میں اس ملک پر فوج لیکر چڑھ کر آیا اور اوس پر قبضہ کر کے اس علاقہ کے تمام ایرانی باشندوں کو دائرہ انقیاد میں لے آیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کیا کہ بلوچی رعایاے افغانستان سے ساز باز کر لیا۔ افغانستان کچھ عرصہ تک خاموش رہا لیکن شیر علی نے جو افغانستان پر پورا تسلط جما چکا تھا اور اپنا وقار قائم رکھنا چاہتا تھا اپنے دعوے پر زور دینا چاہا۔ اس نازک موقع پر بدین خیال کہ کہیں اوس اشارہ کی بنا پر جو لارڈ رسل نے اپنی مرسلت میں کیا ہے جدال و قتال تک نوبت نہ پہنچ جائے لارڈ کلینٹن نے یہ تجویز پیش کی کہ معاملہ کا تصفیہ بمصالحت و تراضی طرفین ہو نا چاہیے۔ فریقین نے یہ تجویز زیادہ خوش

سر ایف۔ گولڈ اسٹمپ کا کمیشن (۱۸۶۲ء)

اور اس کی سماجی کیفیت کچھ تو خود جرنیل گولٹ اسٹڈ اور اس کے پرسنل اسٹنٹ میجر (حال کرنل) ایون اسٹڈ نے قلمبند کی ہے اور کچھ ڈاکٹر بیلیمو نے جسے لنہ مشرقیہ میں دستگاہ کمال ہونے کے باعث شہرت حاصل ہے اور جرنیل (بعد میں سر۔ آر) پالک کے ہمراہ گیا تھا۔ جرنیل موصوف ہندوستان سے بطور وکیل وایسراے (الارڈ میو) بھیجا گیا تھا لیکن اس کے بھیجے جانے کی غرض و غایت منتحق منوئی۔ حد بندی کا مسئلہ جو بعد میں معمولی طور پر آسان ہونے کے نہایت ہی مشکل تھا۔ سیٹان کے متعلق افغانان کا دعویٰ بالکل

۱۔ دیکھو کتاب "الشرق پرشیا" (مشرقی ایران) کا دیباچہ اور صفحات ۲۲۵ الی ۲۹۵۔  
 ۲۔ دیکھو "ریکارڈ آف دی سیدان مشن" (حالات سفارت سیدان) جو سرکاری طور پر شائع ہوئے اور نیز  
 "فرام دی انڈس ٹودی ٹانگرس" (انڈیا تک تابہ وجہ)۔  
 ۳۔ مسئلہ حد بندی سیدان پر تھوڑے سے تصرف کے ساتھ جس کے لئے مزائے حرم کی روح سے  
 بین معافی مانگتا ہوں غالب کا یہ مشہور شعر صادق آتا ہے۔

یہ مسئلہ اگر نہیں آسان تو پہل ہے + دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں مترجم



صاف اور معقول تھا اور اس بنیاد پر مبنی تھا کہ سیستان زمانہ قدیم یعنی احمد شاہ بانی سلطنت افغانستان کے زمانہ سے جزو سلطنت افغانستان چلا آتا ہے۔ اسی طرح ایران کا دعویٰ بھی صاف اور معقول تھا اور اس بنیاد پر مبنی تھا کہ سیستان اس سے بھی زیادہ قدیم زمانہ سے جزو سلطنت ایران چلا آتا ہے اور اس دعوے کی ایک قوی تر دلیل یہ تھی کہ ایران نے اس علاقہ کو حال میں مکر فتح کر کے اپنا اعلیٰ دخل بھی اوس میں کر لیا تھا۔ یہ تمام مواد نہ صرف عقل و دقیقہ سنج کی موٹنگائیوں بلکہ منطق ظاہرین کی کچھ بحثوں کے لئے کچھ کم نہ تھا۔ جو مشکل اس معاملہ کے تصفیہ میں آکر پڑی تھی اوسے دو مشرقی کمشنروں کے طرز عمل نے جو اس کمیشن کے اراکین تھے پیچیدہ کر دیا تھا۔ ایرانی کمشنر مرزا معصوم خان آغاز ہی سے علانیہ طور پر اس کے برخلاف تھا اور اوس سے جس قدر ہو سکا اوس نے اس معاملہ کی چلتی گاڑی میں رڈز اٹکایا۔ افغان کمشنر بھی کچھ بہت زیادہ قابل عملد آمد باتیں نہیں کرتا تھا۔ آخر کار جو کچھ مقامی پیمائش و در تحقیقات ممکن تھی وہ پوری کر کے سر ایف گوڈ اسٹڈ یہ دیکھ کر کہ قضیہ زمین برسر زمین فیصلہ نہ ہوا محال ہے مجبوراً ظہران چلا گیا جہاں اوس کے فیصلہ کو بہت کچھ رد و کد کے بعد شاہ نے منظور کیا۔

## سیستان کے حصے خرابے

جنرل گوڈ اسٹڈ نے مناسب سمجھا کہ دونوں ملکوں کے مقبوضہ حصص سیستان کی تصریح و تفریق کروے۔ ان حصوں کا نام اوس نے سیستان خاص اور سیستان بیرونی رکھا۔ سیستان

جنرل گوڈ اسٹڈ نے اس کے متعلق خود ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے ”بندر عباس سے شہنشاہ کا سفر براہ سیستان“ یہ مضمون جنرل آف دی رائے جاکر فیکل سرسائیٹی کی جلد چہل و سوم مطبوعہ ۱۸۷۳ء کے صفحات ۶۵ الی ۸۳ پر مندرج ہے۔

خاص کی تعین اوس نے اس طرح کی ہے۔ وہ حصہ جسکے شمال میں نے زار اور جنوب میں وہ  
 بنگلی نہر ہے جو دریائے ہلند سے سہ کوہہ اور دوسرے قرب و جوار کے دیہات کی آب رسانی  
 کے واسطے نکالی گئی ہے۔ جس کے مشرق کی طرف دریائے ہلند کی قدیم اور اصلی تہ اور مغرب  
 کی جانب ہامون اور کوہ سیاہ کے واسطے ہیں۔ اس کے رقبہ کا اوس نے ساڑھے نو سو میل  
 مربع اور آبادی کا ۴۵۰۰۰ تخمینہ کیا ہے جس میں سے ۲۰۰۰۰ سیستانی۔ ۱۵۰۰۰ فارسی  
 بولنے والے نو آباد اور ۱۰۰۰۰ بلوچی خانہ بدوش تھے۔ سیستان بیرونی وہ حصہ ملک ہے  
 جو شمال کی طرف دریائے ہلند کے جھیل والے دہانے سے لیکر کنارہ راست پر رودبار تک جو  
 ہلند کے کنارے پر جنوب کی طرف واقع ہے ختم ہوتا ہے۔ البتہ گوڈا سٹڈ کا فیصلہ مختصر  
 الفاظ میں یہ ہے۔ اوس نے سیستان خاص ایران کو اور سیستان بیرونی افغانستان کو دیا۔  
 و دونوں حصے کے درمیان حب ذیل حد فاصل مقرر کی گئی۔ سیاہ کوہ سے لیکر جو ایرانی ضلع  
 نہند ان کی شرقی حد ہے نے زار کے جنوبی دامن پر سے گزرتی ہوئی ہلند کے بائیں کنارے  
 تک۔ وہاں سے ہلند کے منبع کی طرف اوس نقطہ تک جو بندہ کلان واقع کوہک سے ایک میل اوپر

۱۷۰۰ سالہ اسچ رائسن جب ذیل قحط زاد ہے اصل سیستانی آریہ قوم کے خط و خال والے ایرانی ہیں۔ اور حقیقت میں  
 اگر قدیم نسل آریہ کے عجیب اطرافین لوگ ایران کے کسی حصہ میں پائے جاتے ہیں تو وہ بھی سیستانی اور ہرات کے  
 جمشیدی ہیں۔ و در اکینید کے ایرانیوں کی زبان بشکل صورت اور عام خصوصیات سلطنت ایران کے کسی اور حصہ  
 کے نسبت اس بیرونی گوشہ میں زیادہ حفاظت کے ساتھ قائم رہی ہیں۔  
 ۱۷۰۰ سالہ یہ وہی رودبار ہے جس کی طرف سدی نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

بیکے ویدم ادم حصہ رودبار  
 کہ پیش آدم بر پٹنگے سوار مترجم  
 ۱۷۰۰ سالہ یہ بند جسے بعض دفعہ بند امیر یا بند سیستان یا کوہک بند بھی کہا جاتا ہے ایک نہایت بڑا پتھر ہے جو دریا کے  
 پاٹ میں جھاڑوں کی شاخوں لکڑی کے ٹرے ٹرے پتھروں اور کوئی چوڑی مٹی جلتی کی ٹیخ شش یا مٹی سے پرین غرض تیار  
 کیا گیا ہے کہ دریا کے پانی کا زیادہ تر حصہ نہر سے کوہہ میں جاشامل ہو۔

کی جانب ہے۔ اور وہاں سے جنوبی و مغربی سمت میں بجز راست کوہ ملک سیاہ تک جو اوس کوہستان کا جو صحرا سے زرہ کی مغربی حد سے شمالی سلسلہ ہے۔ یہاں سیستان کی حد ختم ہوجاتی ہے اور اس لئے فیصلہ بھی ختم ہوتا ہے اس نقطہ کے جنوب کی طرف وہ غیر معینہ اور غیر معمولی حد سے چوہلک تک چلی گئی ہے اور جبکا میں پیشتر ذکر بھی کرچکا ہوں۔

### آزادانہ رائے

وجودیکہ جرنیل گولڈ اسمڈ ایسی ہدایات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا جو نامکن التعمیل بہتین اور باوجودیکہ پیہم رکاوٹیں اوس کی راہ میں جایل بہتین تاہم اگر وہ اس بارہ میں کوئی نااطبق فیصلہ دے رکھا تو اس کی وجہ محض وہ پیش بینی تھی جو اس امر کی محکم ہوئی کہ کیشن کرہندوستانی اراکین کے یہاں پہونچنے سے پہلے وہ مقامی پالیٹکس ختم کر لے اور ان تمام باتوں کو مد نظر رکھ کر جرنیل موصوف اپنی معاملہ فہمی کے لئے سزاوارتحمین ہے۔ اسپین شک نہیں کہ ایک بے لاگ آدمی کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلہ کی رو سے سلطنت ایران نفع میں رہی کہونکہ جو خطہ باعتبارسیہ حاصل اور زرخیز ہونے کے حقیقت میں اس ملک کی جان ہے اور جسکی نسبت دولت ایران قبضہ قدیم اور حق و خلیکاری کے دوہرے وعادی پیش کرتی تھی وہی اوسکو ملا۔ دولت ایران نو دس سال قبل بھی اس علاقہ کی نسبت اپنے حقوق پیش کئے تھے اور اگر اوس وقت اس معاملہ کا تصفیہ ہوتا تو ذرا شک نہیں کہ اس دوسرے دعوے (حق و خلیکاری) کی عدم موجودگی میں جو فیصلہ ہوتا وہ اس کے حق میں اس قدر مفید ہوتا جیسا کہ اب ہوا ہے لیکن باوجود کہ اس کے دولت ایران اس فیصلہ سے ناراض ہی رہی اور

اس تقیم کو اس نے ہمیشہ اس نظر سے دیکھا کہ انگریزوں نے اس کا نقصان کر کے اپنی ماتحت ریت (افغانستان) کو نفع پہونچانے کی کوشش کی یا افغانستان اپنی طرف ناراض رہا کہ ملک کا سب سے زیادہ سیر حاصل اور شاداب خطہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور سنا جاتا ہے کہ اسی بات پر انگریزوں کی طرف سے شیر علی کا دل کبھی صاف نہ ہوا۔ سمر حد پر اس فیصلہ کے مطابق پوری پابندی کر ساتھ عملدرآمد نہیں ہوتا لیکن اگر ہم یہ بات مان بھی لیں کہ اس فیصلہ سے رفع نزاع عین کامیابی ہوئی تب بھی یہ مشتبہ ہے کہ آیا حکومت انگریزی کا اس قسم کے نزاعات کا انفصال اپنے ذمہ لینا اصل معنی پر یعنی جسے جبکی فریقین ہمیشہ غیر صحیح تاویلین کرتے ہیں اور جس سے سوسائے بذاتی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ دولت برطانیہ کی طرف سے ایسے کمیشنوں کا بیٹھنا گو دولت موصوفہ کی مالی بہت کے شیوہ پر دال ہو لیکن فصل خصومات کے اس طریقہ کے لحاظ سے فریقین میں سے کوئی بھی اسکا ممنون نہیں ہو سکتا۔

## سیستان کی موجودہ حکومت

ایرانی سیستان کا خاص شہرہ کوہہ ہر جو مٹی کے تین بڑے بڑے تو دون پر آباد ہونگی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔ شہر اومین جب کمیشن کا دھان گذر ہوا تو اس شہر میں تقریباً ۱۴۰۰۰ کے چھوٹے چھوٹے تھے جن میں سے نصف سے زیادہ نہ اوس وقت آباد تھے اور نہ اب ہیں۔ تقسیمہ صوبہ کے سب سے زیادہ شاداب خطہ میں واقع ہے اور باشندے سب کے سب شکاری کرتا ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں انتظامی اور فوجی صدر مقام نصرت آباد ہے (جسے گولڈاسٹر نصیر آباد لکھتا ہے) جہاں امیر قان کا ڈپٹی گورنر (نائب صدر) رہتا ہے اور واپیل پلٹون میں سے

ایک پلٹن جبکی تعداد برائے نام ... لیکن حقیقت میں .. ۸۰۰ سے بھی کم ہو اور جو کل علاقہ سے بہرتی  
 یکم جاتی ہے اور کچھ رسالہ اور چند توہین مستعین ہیں۔ فوجی خدمت مدۃ العمر تک انجام دینی پڑتی ہے  
 اور اون خاندانوں میں جن میں سے سپاہی بھرتی کئے جاتے ہیں یہ خدمت متواتر ہے۔ سپاہیوں  
 کے پاس ایرانی ساخت کی منہ کی طرح سے پیری جانیوالی بند و قین ہیں اور اونکو ہر دو سال سیکر  
 سے دروی ملتی ہے۔ اون کی سالانہ تنخواہ بیس قران (نور و پیہ) اور سارے سال تہہ میں گیون بیان کی جاتی  
 ہے اور جب سیستان میں فوجی خدمت پر مامور ہو تو خوراک بھی ملتی ہے۔ افغانی سیستان کا صدر مقام  
 چکھن سور یا چغن سور ہے (جسکو کونولی چک ناسور اور فیئر شین نام کہتے ہیں) جو ہند کی جیل کے  
 مشرقی معاون خوش یا خشک رود پر واقع ہے۔

### بلوچ و پی سیاح

انگریزی کمیشن کے بھیجے جانے سے پہلے اون یورپی سیاحوں کی تعداد جو سیستان میں آئے  
 اور جنہوں نے اپنی سیاحت اور مشاہدات کی روداد چھوڑی بہت ہی کم ہے۔ سر جان ملکم نے تجویری  
 مرتبہ ہمارے ایران میں سفارت کی غرض سے جانیکا ارادہ کر رہا تھا ۱۸۰۴ء میں کہ پتان گرانٹ (جو بعد  
 کو بغداد اور کرمان شاہ کے درمیان والی سڑک پر قزاقوں کے ہاتھ سے مارا گیا) اور کہ پتان کرشی (جو  
 ۱۸۱۲ء میں بمقام اسلام در مہناہیت بہادری کے ساتھ ایرانی فوج کی طرف سے روسیوں سے  
 مقابلہ کرتے ہوئے کام آیا) اور لفٹنٹ (بعد میں سرزہری) پانچ کو کرمان۔ بلوچستان اور سیستان

۱۵۔ یہ اعداد جو ۱۸۰۴ء میں اخذ کئے گئے ایران کی بیدل فوج کی عام تنخواہ سے مطابقت نہیں رکھتے اور اگرچہ ایک نابین جبکا  
 موضوع فوج ایران پر بحث کی جائیگی۔ لیکن بلاشبہ تقسیم تنخواہ بھی ویسی ہی بے قاعدہ ہے جیسا کہ طریقہ تقسیم تنخواہ۔

کے حالات دریافت کرنے کے واسطے یہی پکستان گرائٹ کا سفر نامہ میں سال بعد شائع کیا گیا۔  
 کرسٹی اور پانچر کی سیاحت بلوچستان کے حالات پر جو تادریک کتاب پانچر نے لکھی ہے اس سے شائقین کتب  
 اسفار بہت کچھ متبع ہوئے۔ پانچر کو نوشکی میں چوڑا کرکری ٹھہرا کی جانب ہرات کو براہ سیستان روانہ  
 ہوا اور اس کے سفر نامہ کا راجو بھی علیحدہ ہندین شائع ہوا (خلاصہ پانچر کی کتاب کی آخرین بطور ضمیمہ شامل ہے)  
 ۱۸۳۵ء میں ایک نوجوان انگریزی فوجی افسر پکستان ایڈورڈ کوٹلی نے جو پالیسی کی غرض سے سرائیٹ  
 کی کمبرن کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا سیستان میں ٹکر کر کے موجودہ معلومات کے خزانہ میں پیش بہا اضافہ  
 کیا۔ چند سال بعد لٹنٹ اریج نے کوٹلی کا اقتدار کیا اور جو اطلاع اس نے ہم پہونچائی اگرچہ وہ  
 زیادہ ضخیم تھی لیکن اس سے اطلاعات سابقہ کا تکملہ ہو گیا۔ یہ اطلاع ہی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال  
 کی روداد میں شائع ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں سیستان نے پہلا یورپین سلج ڈاکٹر ایف۔ فاربس بھینٹ لیا۔  
 ڈاکٹر موصوف جو کامیابی کے ساتھ ایران کی شمال مغربی سرحد کی سیاحت و دریافت حالات کرنیکی وجہ سے  
 پہونچ ہی مشہور ہو چکا تھا مشہور آیا اور وہاں سے براہ تربت حیدری ورجندہ طبرستان پہونچا جہاں ایک  
 شخص ابراہیم خان نامی سردار لاش جوین نے اس کو مار ڈالا اس واقعہ قتل کے حالات ڈاکٹر فاربس کے

۱۔ دیکھو "ٹریولس ان بلوچستان اینڈ سندھ" (سفر بلوچستان و سندھ) مصنفہ اریج پانچر ۱۸۱۶ء۔

۲۔ دیکھو ضمیمہ تصنیف مترکہ صدر صفحات ۴۰۶-۴۱۱-۴۱۱۔

۳۔ اس نے دو حصوں میں جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں شائع کے جن میں سے ایک کا عنوان "ایکسپدیشن  
 فزیکل جاکوینی آف سیستان" (سیستان کے جغرافیہ طبعی کے کوئیٹ) ہے اس کے ساتھ ایک نقشہ بھی ہے جو درجہ یونین جلد مطبوعہ

۱۸۴۰ء کے صفحات ۷۱۰-۷۲۶-۷۲۶ میں درج ہے دوسرے حصوں کا عنوان جو یونین جلد مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحات ۳۱۹-۳۲۰

۴۔ ۳۲۰-۳۲۱ میں درج ہے جرنل کیپٹ وائس ٹریولنگ ان سیستان (روزنامہ سیستان) ہے۔ دیکھو اسے ڈسکرپشن

آف دی کٹری آف سیستان (بیان حالات ملک سیستان) جلد سیزدہم ۱۸۴۴ء کے صفحات ۱۱۵-۱۲۱-۱۲۱۔

ذاتی ملازم نے بیان کے ہیں لیکن اسکا طرز بیان کسی قدر بے ربط ہو یہ حالات ۱۸۵۵ء کی روئیداد  
 رائل جاکوفیکل سوسائٹی میں شائع ہوئے تین سال بعد سرحدی کمیشن کے اراکین کا جب سیستان میں  
 گزر ہوا تو وہ اسی قاتل سے جو اوس زمانہ میں چکپہن سو کا حاکم تھا دو چار ہوئے اور اس داستان غم کو  
 تفصیلی حالات اون کے سننے میں آنے لائے انہیں معلوم ہوا کہ بابا ایم خان ایک وحشی اور نیم جنون شخص تھا جو  
 چرس اور ہنگ کا تہا درجہ عادی تھا چنانچہ جیل کے کنارے آبی جانوروں کا شکار کرتے کرتے  
 اوسے نشہ کی ترنگ میں بچا رہا وہ اکثر فارس کا بھی شکار کرتا لہذا اسی زمانہ میں ایک اور نوع فوجی افسر لفتنٹ  
 میٹن سن افغانی سمت دریائے ہند پر پہونچ کر زمین واد سے سیستان کی جیل تک دریائے سطور کے  
 کنارے کتا رکھ کر سفر کیا۔ وہ بھی ایک یا دو سال بعد قندھار کے باوے میں جو کابل کے حادثہ کے بعد  
 مارا گیا چند سال بعد یعنی ۱۸۵۵ء میں فرانسیسی افسر فریسیٹان میں پہونچا جسکے حالات اوسنے اپنی دلچسپ  
 کتاب میں قلمبند کیے ہیں۔ خانیکان روسی جبکی تحقیقات مسائل طبیعیہ کی قدر قیمت اوس حاسدانہ تحقیق کو جو  
 سے جس کو علم و فن کے اس میدان میں وہ انگریزی متقدمین کی مساعی کو دیکھتا ہے کچھ زیادہ بڑھ چکا  
 یہاں ۱۸۵۹ء میں آیا اور پشت لوٹا سے گزر کر کرمان گیا۔ یہ فہرست ہی اون یورپین سیاحوں کی جنہوں نے  
 جرنیل گولڈ اسمڈ اور ایسکے ہمراہیوں کے سیستان جانے سے قبل اس ملک کے حالات قلمبند کئے۔

۱۔ جلد چہارم ص ۲۵ دیکھو فراہم دی انڈس ٹوڈی ٹانگرس (اوانگ تاہ وجہ) صفحات ۲۱۶-۲۱۹۔ اور اسکا مقابلہ برٹن پشیا  
 (مشرق ایران کے صفحہ ۳۱۷ سے گزرو۔ ۲۵ دیکھو کاروان چینر (مشرق بریجہ کاروان) باب بستہ ہفتم۔ ولست و ہشتم۔

۲۔ دیکھو تکرہ اقوام جنوبی حصہ حالات درمیانہ (پشیا) راجون فرانسسوی صفحات ۱۵۳-۱۵۴-۱۶۴۔

۳۔ سیستان کے حالات جنہوں نے مصنفین زمانہ حال کے فریو گولڈ اسمڈ کے کمیشن کی رپورٹ کے علاوہ سپر و فلم کئے گئے

ہیں۔ دیکھو کتاب "گلورس" جلد سی و دوم صفحات ۱۶۰-۱۸۶-۲۰۰ (۱۸۵۹ء) اور رسالہ پیٹرینس متھینیج (۱۸۵۹ء) صفحات

۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱

## سیتان کی سیاسی اہمیت



آئین میں اس مضمون کو شروع کرتا ہوں جس کی طرف میں ناظرین کو آہستہ آہستہ لایا ہوں اور جس کی اہمیت کا اظہار میں نے اس باب کے عنوان کی وساطت سے کر دیا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ معاملات سیتان سے مراد وحد بندی کا قدیم مسئلہ یا ایران و افغانستان کے دعویٰ بالمقابل کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ حصہ ہے (بشرطیکہ ایسا ہو) جو سیتان وسط ایشیا کے امور سیاسی اور روس برطانیہ عظمیٰ کی تباہی پر ملکی و حربی بین غالباً لگایا لے سکتا ہے۔ پرکار کی مدد سے اگر نقشہ کا معائنہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ علاقہ سیتان مشہد اور سمندر کے وسط میں واقع ہے لہذا موقوفہ کے لحاظ سے اسے خراسان کی بڑی بڑی چھاؤنی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ وہ ارض واسطہ ہے جس میں ہو کر کسی طاقت کو جو مشہد سے جانب جنوب بڑھنا چاہے خصوصاً اس طاقت کو جو بحر ہند تک جاسکے کی خواہشمند ہو اور سطح سے اس طاقت کو بھی جو جنوب کی طرف سے خراسان اور مشہد تک جاسکے کی آرزو مند ہو مگر زرا پڑ گیا اس مسئلہ کی پہلی صورت دولت روس سے متعلق ہے اور دوسری صورت برطانیہ عظمیٰ سے۔

## سیتان کے فوائد روس کے حق میں

روس کیلئے سیتان مفاد موجب یہ بھی رکھتا ہے اور مفاد سالب بھی۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان دونوں میں جو اسکے لئے زیادہ مفید کوئی ہے۔ اگر وہ کسی وقت خراسان کا الحاق قرین مصلحت یا ضرورت سے سمجھے تو سیتان پر قابض ہونے کی حالت میں اس کو خراسان کا حصہ شمالی ہی نہیں بلکہ سب کا سب صوبہ ملجایا گیا۔ اسکے ساتھ ہی وہ ہندوستان کی بڑی بڑی سرحد واقع بلوچستان کے بالکل قریب بلکہ اس سے بالکل متصل

۱۔ میں اپنی کتاب "ریشیا اور وسط ایشیا" (روس کا طرز عمل وسط ایشیا میں) میں اس معاملہ کی مختصر مگر جامع کیفیت نقل کر چکا ہوں۔ دیکھو صفحات ۳۷۹-۳۸۱۔



ہو جائیگا۔ اس وقت اوس کی سرحد اور ہندوستانی سرحد میں سلطنت افغانستان کے پورے پانچ سو  
 سین فیصل برہنہ جواگر چہ ملک کی ہیئت کدائی کے اعتبار سے اوس کے چڑھ آنے کو مانع نہیں لیکن اگر  
 جنگجو اقوام سے معمور ہیں جنگوں کی اگر اپنے بادشاہ کی وفاداری سے متاثر نہ بھی ہوں تاہم آزادی  
 اور خود مختاری کے جذبات سے لبریز ہیں۔ بالفاظ دیگر افغانستان میں ہو کر جو کوئی بھی پیش قدمی کریگا  
 اوس کو افغانستان کے ساتھ سخت جنگ کرنی پڑیگی۔ اگر ایسا مہتمم بالشان اور اوکل میں لانا مقصود ہو تو  
 محدود و موثر محکمہ کا نقص لازم آئے گا۔ کثیر التعداد افواج کے اجتماع کی ضرورت داعی ہوگی اور  
 روزانہ خطرات برداشت کرنے پڑیں گے۔ بہ خلاف اسکے اگر روسی فوج خواہشمند ہو زمین نہیں  
 کہو گا کہ ہندوستان پر حملہ کر نیکی کیونکہ اس قسم کے بعید الامکان واقعہ سے بحث کر نیکی بہ ضرورت  
 نہیں بلکہ ایک ایسی جگہ جو ہندوستان سے متصل ہو اور جہاں سے ہندوستان کو حملہ کا خوف ہوا پھر  
 حیطہ تصرف میں لانے کی اور سیستان پر قبضہ کر کے خطرات مذکورہ بالا بالکل دور ہو جائیں گے کسی روسی  
 وہ برطانوی عہد نامہ کے ٹوٹنے کی نوبت نہ آئیگی اور وحشی افغانوں کو جنگ کرنے کی ضرورت نہ پڑیگی۔  
 روس کی بڑی ہوئی سرحد ہندوستان کی بڑی ہوئی سرحد سے بقدرتیں سویل کے زیادہ قریب ہو جائیگی  
 اور اس تبدیلی موقعہ کے باعث اسی نسبت سے ہندوستان کی وجہ تشویش۔ اخراجات و خطرات بڑھ جائیں گے  
 احتمال اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ روس سیستان سے بھی کوٹہ پر حملہ آور ہوگا لیکن اتنا تو یقینی ہے  
 کہ اس مستقر سے اوسکو سرحدی اقوام کے ساتھ سازش کرنے اور بوجھ پتان کے قطععات کے  
 تعمیری ہضم کرتے جانے کے غیر محدود موقعے ملتے ہیں۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ افغانستان کو مقابلہ  
 میں روس کو پہلے سے زیادہ استقامت حاصل ہو جائیگا۔ روس کا خراسان میں ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ روس

ہرات میں ہے اور روس کا سیستان میں ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ روس سہوار اور فرہ میں ہی ہے۔ اور یہ دونوں  
 ہنایت قبیح اور ہتھم بالشان مقامات ہرات سے قندھار پر چڑھائی کرتے وقت راستہ میں پڑا ہوا  
 میں اس وقت فواید موجبہ کے اوس دوسرے پہلو پر جبکہ روس سے سیستان کا قبضہ روس کے  
 حق میں نافع ہوگا یعنی جبکہ روس سے اوسکو جنوبی سمندر تک پہنچنے میں آسانی ہوگی زور نہیں دیتا  
 کیونکہ میں یہ ماننے لیتا ہوں کہ کوئی بھی برطانوی وزیر یا گورنمنٹ خلیج فارس یا بحر ہند پر کسی روسی بندرگاہ  
 کے ہونے کی اسی طرح کبھی روداد نہ ہوگی جس طرح کوئی زار بحیرہ اخضر پر کسی انگریزی بندرگاہ کے  
 قائم کر جانے کو مجاہد نہ رکھتا۔ یہ سچ ہے کہ روس جنوبی سو اہل کی جانب کی بحری مخرج کے حامل کرنیکا  
 بدبھختیت خواہشمند ہے اور اون دو طریقوں میں سے جن سے وہ اس مقصد کو پورا کرنا چاہتا ہے  
 ایک یہ ہے کہ وہ جنوب کی طرف دست درازی کر کے مشہد سی براہ سیستان آئے۔ اور یہ امر روس کی  
 نظر میں قبضہ سیستان کی آئندہ قدر و قیمت پر متبذو ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ایسے واقعات کے صدور  
 کا لزوم و اہستہ ہر جو بعید الامکان ہیں اور میں اون کو اس قدر خراج از حد تصور سمجھتا ہوں کہ اون کی مزید جرح  
 و تعیل میری پالیسی کا صانع نہ کرونگا۔

## سیستان کے فواید برطانیہ عظمیٰ کے حق میں

روس کے حق میں سیستان کے فواید سالہ اوس شکل کی صہ میں جو برطانیہ عظمیٰ کے حق میں سیستان  
 کے فواید موجبہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر روس چاہتا ہے کہ سیستان کو خود لے لے تاکہ وہ  
 برطانیہ عظمیٰ کے قبضہ میں جانے نہ پائے۔ روس کو معلوم ہے کہ اگر سیستان پر انگریز قابض ہو گیا تو نہ صرف  
 اوس کی اون آرزوؤں کا خون اور مضبوطی کا خاتمہ ہو جائے گا جبکہ اوپر ذکر کیا جا چکا بلکہ خود انگلستان

کی طاقت اس درجہ بڑھ جائے گی کہ وہ اپنے رقیب کی ریشیائی وقعت کا رنگ پہنیکا کر دو گامین اکو  
 خزانہ زیادہ و مصاحبت کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ میں نے گذشتہ باب میں اوس غظیم الشان تجارتی معرکہ کا  
 ذکر بالتفصیل کیا ہے جو خراسان میں روسی اور برطانوی و ہندوستانی مال تجارت میں برپا ہے۔ میں  
 یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ جو نواید روس کو اپنی ماڈرن نہری ریلوے سے حاصل ہیں اور روز بروز زیادہ مقدار میں  
 حاصل ہوتے رہیں گے اور ان کی مدد سے روس اس قابل ہو گیا ہو کہ شمالی و مشرقی ایران کے بازاروں  
 میں اپنے مصنوعات کا انبار لگا دے اور اپنے صرف ایک ہی رقیب برطانوی ہندوستان کے  
 مال کی قیمت شہد کی منڈیوں گھٹا دی۔ میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اب وہ نازک وقت آ گیا ہے کہ اگر برطانوی  
 و ہندوستانی تجارت کو ذرائع بار برداری کی آسانیوں اور کم خرچ راستوں کے قیام سے ملک نہ پہونچائی گئی  
 تو کیا نہ ایک دن اسے شکست فاش ہوگی۔ صرف ایک ہی طریقہ ایسا ہے جس سے ہندوستانی مال اپنی  
 روسی رقیب سے مساوات کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ روس ہی کی چالوں کو اختیار کیا جا  
 یعنی جنوب کی طرف سے ایک سلسلہ ریلوے آگے بڑھایا جائے جو شمال کی طرف کی ماڈرن نہری  
 ریلوے کا جواب ہو اور جس طرح ماسکو کی بنی ہوئی چیزیں یہاں لائی جاتی ہیں اسی طرح بمبئی کے مصنوعات  
 بھی یہاں پہونچائے جائیں۔ نچر دن اور اونٹوں پر لا کر بہ طر مسافت بعیدہ اور بہ صرف زرخیز نہیں بلکہ دفائی  
 طاقت کی درمروت مدد سے ایسی ریلوے کیلئے ضرور ہو کہ ہندوستان سے چلکر سیدھا سیستان کا رخ کرے۔

### مجوزہ سلسلہ ریلوے کی حربی وقعت

میرے خیال میں ایسی ریلوے کے تجارتی نواید سے انکار ہی نہیں ہو سکتا جو ہندوستان کو خراسان  
 کے بازاروں سے بالکل قریب کر دیگی لیکن فوجی پہلو سے بھی جو نواید اس سے مترتب ہو گئے ہیں کچھ کم

نایان نہیں ہیں کیونکہ اس سے انگلستان کو موقعہ مل جائیگا کہ ملک افغانستان کے جس پہلو کی مختلط  
 اونٹن بیڑا اٹھایا ہو اسکی حفاظت کر سکے۔ اسکے علاوہ ریل کی وجہ سے انگلستان روس کی خواہش  
 کشور کشائی کے اوس نشوونما کو روک سکیگا جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور جو ممکن ہے کہ دونوں سلطنتوں  
 کے تعلقات دوستانہ کیلئے خطرہ کا باعث ہوں۔ اب میں توقف کرتا ہوں اور اس امر کی طرف اشارہ  
 کرتے سے محترز رہتا ہوں کہ اگر کبھی سخت ضرورت داعی ہوئی تو ہندوستانی فوج اس موقعہ کو بآسانی  
 چڑھائی کے وقت استعمال میں لاسکتی ہو کیونکہ ایسی حالت کو تصور میں لاتے ہوئے بھی مجبوراً کراہ معلوم  
 ہوتا ہے کہ برطانوی یا ہندوستانی سپاہی کو کچھ کبھی ایران میں بارادہ مخالفت گزرنے یا معاوضہ متعلق  
 کی تدبیر عمل میں لانے کی ضرورت درپیش آئے۔ بہر حال ناظرین کو اپنی رائے قائم کرنے میں نقصہ سید ہوگی  
**اصول انجیزی کی رو سے اس ریلوے کی تیاری کی آسانیاں**

اب اس سلسلہ ریلوے کے قیام کے متعلق علی الحانہ سے صرف دو اہم سوال باقی رہتے ہیں پہلا سوال  
 یہ ہے کہ آیا اصول فن انجیزی ایسی ریلوے کی تیاری کے موید ہو سکتے ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ جس ملک میں  
 اس ریلوے کا اجراء عمل میں آئے گا اس کو کقدر مالی نفع حاصل ہو تاقرین احتمال ہو؟ اگر نفع نہ دیکھا جائے  
 تو اس حصہ کی ہیئت اضنی خود بخود صاف ہٹائے گی کہ سیستان پر پہنچنے کا سب سے زیادہ ممکن المرور لاچار  
 سب سے زیادہ قریب نہیں (رستہ ہند کی وادی میں ہو کر شک یا قندھار سے ہے اس مسافت کا بڑا حصہ  
 (یعنی ہزار حصہ سے جو دریائے ارگنداب کے مقام اتصال سے نیچے کی طرف ہے) رودبار تک جس کا فاصلہ  
 ۶۰ میل ہے اجمو بہان گرم میں کہلاتا ہے وہی ہے جس کو جنوبی ایران میں گرم یہ کہتے ہیں۔ اس شانہ خطہ کو کسی  
 حصہ پر انسان کے جذبات کا قہر اس وجہ نازل نہیں ہوا جیسا کہ کل چرمان سلفین یہاں ہری کہتے ہیں



اوسکے ملک میں بچھائی جائے اور اگر وہ راضی بھی ہوا تو چونکہ پہلا غالباً دوسری زیادہ ضروری تھا و نیز گل  
میں لائی جائیگی۔ لہذا اگر عمل کے پوتے پوتے اسٹیشن پر زندگی میں کی سیٹی کی آواز باطل نہیں کیں گے۔

## نوشکی سے سیستان تک کا سلسلہ ریلوے



اس سلسلہ کے قیام کا ایک اور بھی راستہ ہے جو زیادہ سیدھا ہونیکی وجہ سے قریب تر ہے  
اور زحمت مذکورہ بالا سے پاک ہے اس واسطے کہ اس امر کی مطلق ضرورت نہیں کہ وہ افغانستان میں سے  
ہو کر گزرے۔ جاننا چاہیے کہ برطانیہ عظمیٰ کی پشین ریلوے سلسلہ کو خواجہ عمران کے شمالی پہلو کو ایک نقطہ تک  
آگئی ہو اور نیز یہ کہ اس سلسلہ کو دین سنگ نکالی گئی ہے اور چرن جو آج کل منہا ہے ریلوے ہو کھلے میدان پر قندھار سے  
ستر میل سے بھی کم فاصلہ پر ہے پس جو سلسلہ ریلوے اس سرحدی ریلوے کو خواجہ چمن کے اسٹیشن  
سے یا کسی دوسرے مقام سے سیستان تک قائم کیا جائے گا وہ ستر تا ستر پوچستان کے علاقہ میں سے  
ہو کر گزرے گا جو دولت برطانیہ کے ساتھ اتحاد کرتا ہے اور جس مقام پر وہ واہی ہلندہ میں جاسکے گا اسی کو اعتبار  
سے بیابان واسطے کم یا زیادہ ہو جائے گی۔ نقطہ انحراف عمداً نوشکی تجویز کیا جاتا ہے جہاں سے  
سندھ پشین ریلوے کی اسٹیشن چرن تک سو میل سے کم اور کوئٹہ تک نوے میل سے کم اور دروازہ تک آتی  
میل سے کم سافت ہو نوشکی سے ہلندہ تک بیابان میں کسی قسم کی مزاحمت راضی سدا راہ نہیں ہیں بخیر  
حیثیت نہ جو رکاوٹیں زمین میں پڑیں گی۔ اون رکاوٹوں سے کچھ بھی نسبت نہیں کہتیں جو جرنیل  
ایٹکناف کی راہ میں حائل تھیں اور جن پر وہ ایسی آسانی سے غالب آیا۔

## افغانستان کی حالت آئندہ

پیش بندی کے بغیر ہی صورت حالات کا تصور ہم میں لاسکتے ہیں جو افغانی اور بلوچی راہوں میں

کسی رقابت کی منزل ہم ہی نہ ہو بلکہ جسکی رو سے بہترین راہ بلا لحاظ اسکے کردہ کو جسے علاقہ میں سے گزرتی ہے اختیار کی جا سکے اور وہ صورت یہ ہے کہ افغانستان برصا و غبت خود نظم و نسق سلطنت کے لحاظ سے برطانیہ کے ظل حمایت میں آجائے بعض اہل الرائے اس صورت کے انگلستان اور افغانستان کے تعلقات سابقہ کے صرف ایک ہی معقول و جائز نتیجہ سے تعبیر کر کے ہیں اور اس میں فرما شک نہیں کہ اس سے زیادہ عملی نتیجہ اور کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اگر افغانستان کا انتظامی لحاظ سے انگلستان کو ظل حمایت میں آنا فرض کر لیا جائے تو زیادہ عرصہ نہ گزرنے پائے گا کہ افغانستان میں انگلستان جہاں پاس ہے گا ریل کی پٹریاں بچھا دیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب سے پہلے ایرانی سرحد تک ریلوے کی سلسلہ قائم کرنے کے مسئلہ پر توجہ صرف کی جائے گی (لیکن مخفی نہ رہے کہ جب افغان اور انگریزوں کی اغراض متحد ہوں گی اور روس اور برطانیہ کلات کی سرحد مل جاتی ہوگی (جیسا کہ اس مفروضہ کی رو سے لازم آتا ہے) تو جو اعتراض ہیں انہیں کسی دوسرے مقام پر مخفی کے ساتھ اس امر پر کہے ہیں کہ افغانستان میں ہندوستانی اور روسی سلسلہ ریلوے کا اتصال قرار پائے اور جن پرین ابھی تک قائم ہوں وہ اگر بالکل دو نہیں ہو جائیں گے تو کم تو ضرور ہو جائیں گے کیونکہ ایسی صورت میں افغانستان کے جوائے مل کر اٹھ جائیں گی جب سے دونوں سلطنتیں ایشیاء میں ہی طرح کا کلہ کہہ سکی ہوئی نظر آئیں گی جس طرح روس اور جرمنی اور روس میں نظر آتے ہیں اور انگلستان کو طوعاً و کرہاً ملجائیہ برت کر ہی یہی حفاظت کرنی پڑے گی جیسی موجودہ صورت میں پورٹس ماؤنٹین یا بمبئی کی کرنی پڑتی ہے اور دونوں سلطنتوں کو سلسلہ ریلوے کا میدان اس طرف ہو گا کہ ایک شایکہ ان آپس میں مل جائیں لیکن ایسی صورت حالات کا وقوع پذیر ہونا خواہ ممکن الواقع ہو بھی تاہم ابھی بہت دور ہے اس کا ظہور اسی حالت میں ہو سکتا ہے جبکہ افغانستان کی آزادی کا قیام چاہا رہا ہے موجودہ تدابیر مملکت کا نتیجہ اور وجہ ہوا ہے تاہم ممکن ثابت ہو اور

چونکہ ایسے مشکوک مراتب کی بنا پر ہم آئندہ کوئی متعلق کوئی یقین رائے قائم کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے لہذا جاری تجارتوں پر  
تدبیر ایسی ہونی چاہیے جو نہایت زمانہ آئندہ کو اوج حصہ کے حالات کے توافقی ہو جو زمانہ حال سے زیادہ متصل ہے۔

### حربی نکتہ بینی

ہم اس ملک کی نوعیت کو مسلک کی بحث پر پہنچے ہیں جس میں سے ہر کریم پوچی واپرائی رہی ہو  
رجحان کی نسبت ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اسکی تیاری موجودہ سیاسی حالتوں کو لحاظ سے عمل میں آئی ہو اگر ترقی ہو تو ہم  
چاروں طرف سے ایسی شہادتیں گہر جاتے ہیں جو آپس میں بالکل متضاد ہے بعض کا یہ خیال ہے کہ حربی پہلو سے  
ایسا سلسلہ ریویو شمال اور مغرب دونوں اطراف سے حملہ کی زمین ہو گا بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ بلند کردونوں  
طرف کو صحراؤں اور خود بلند کی وجہ سے اس ریویو کی خاطر خواہ حفاظت ہوگی پس مقام پر میرا مقصد کسی حربی بحث  
میں پڑنے کا نہیں ہے کیونکہ دفاعی طاقت کی مدد سے اس وقت کا طریقہ حرب سے ایجاد ہوا ہے اور غالباً حربی مطالب کیلئے  
کوئی ریویو قائم نہیں کی گئی جسکی نسبت ماہرین فن نے متضاد اور متناقض آراء قائم کی ہوں بلکہ اٹل پتھر کی ریویو  
کی بھی یہی حالت ہوئی اور یہی حال ہوشی و میدان والی ریویو کا ہونا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ہوشی فن  
حرب کے اعتبار سے مجبوراً ایسی ریویو کی نسبت رائے زنی کرنے سے کچھ سہرا دکا بھی نہیں اس واسطے کہ میرا پیشہ ہوگا  
نہیں اور اسلئے اگر میں نے اس مسلک کو متعلق رائے ظاہر کی تو غالباً مجھ پر اعتراض کیا جائیگا کہ میں ان  
معاملات میں دخل دیتا ہوں جنکو متعلق مجھ پر ذرا بھی واقفیت نہیں ہے حال باوجود فن حرب میں دستگاہ نہ کر ہوں  
میں اشارتاً اس امر کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھ کو اس ریویو میں کثیر التعداد حربی نواید نظر آتے ہیں یا میں  
ہمہ میں یہی ہے کہ مجھ سے ہوتا ہوں کہ اس ریویو پر ایک تجارتی تجویز کے پہلو سے نظر ڈالی جائے اور اس امر کو فرض کئے لیتا  
ہوں کہ جس طرح حربیوں اور کرنیلوں کو اس بارہ میں رائے زنی کی خواہش ہو اسی طرح ملک کو ان لوگوں کو بھی ہو



جوں پر اپنا سر پر صرف کریں گے۔ محافلہ رائے

اہم تعلیم کئے لیتے ہیں کہ ہماری ریوے سیدستان تک پہنچ گئی ہو لیکن سوال یہ کہ فنان پر کچھ  
اوسکے دیکھنے میں کیا آئیگا اور وہ وہاں کیا کر لگی بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سیدستان کے مقامی حالات  
طبعی تجارت یا توطن کے لئے بالکل موافق نہیں۔ یہ لوگ سیدستان کی سیت ارضی کی نہایت ڈراؤنی تصویر  
کھینچتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ وہاں ایک ہوا جسکو باوجود دہشت روز کہتے ہیں ہمیشہ باج سے لگتا ہے  
مغرب کی جانب سے چلتی رہتی ہے۔ یہ ہوا طلوع آفتاب کے وقت ہی چلنا شروع ہوتی ہے اور دوپہر کو کسی قدر کم ہو جاتی ہے  
لیکن مغرب کو بعد سے سخت تیز ہونا شروع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک قسم کی خوفناک بھی ہوتی ہے  
جو کاشتی ہو اور گہڑوں تک مار ڈالتی ہے۔ سال کے خاص خاص موسموں میں سورج کی گرمی سے وسیع دلدون  
کے پانی میں سڑنا ڈھنڈھنے کے باعث ہوا استعفن ہو جاتی ہے اور بھار اور لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی طغیانی  
کی وجہ سے تمام ملک غرقاب ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں مرد و عورت "توتن" یعنی اون بیڑوں کے ذریعہ سے  
ہوتا ہے جو سر کنڈوں اور جہاؤ کی شاخوں کو باہم محکم طور پر ربط دینے سے تیار کر کے جاتے ہیں۔ یہ متعین ہوا تک  
مبالغہ کرتے ہیں کہ اس وحشتناک تصویر میں سارا ملک شامل کر دیتے ہیں اور پھر پوچھتے ہیں کہ اس نے سیدستان  
اور گیسٹان اور دلدل میں کیا لطف زندگی یا مفاد مالی دہرا ہے؟

### سیر ایچ۔ رائسن کی رائے

جورائے سیر ایچ رائسن نے ظاہر کی ہے اگر مجموعی اعتبار سے سیدستان کے خلاف ہے لیکن اس لحاظ سے کہ  
دوسروں کے مقابل میں اوسکی معلومات زیادہ وسیع ہیں ایسی نہیں کہ پورا سیدستان اوسکی لپیٹ میں آجائے مگر علاوہ

اس کی تفصیل کیفیت اور تصویر کے لئے دیکھو کتاب فرام دی انڈس ٹوڈی ٹانگرس (اڈانک ناہو دجل) صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۷۔

وہ ایک نہایت ممتاز اور بلند پایہ اہل الرائے ہو اور اس لئے اس کی رائے اس قابل ہو کہ اس پر غور کمال کیا جائے کہ کیا  
 اگرچہ سیستان میں قدرتی مفاد بہت کم ہیں تاہم یہ حالت موجود ہے ایک نہایت ہی مفید صنعت مقام ہیر میں خطہ میں  
 انسان سال میں صرف چند ہینڈر سکنا ہو اور یہ اس قابل نہیں کہ اسے مرکز حکومت بنا کر سپرد بیہ صلاح کیا جائے  
 اسکے حربی مفاد کو بلکہ بین یعنی جس پہلو کو اس پر ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ نظر ڈالی جاتی ہو سخت  
 غلط فہمی واقع ہوئی ہے جو اگر کوہستان جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے (ہندوستان پر کسی قوم مخالف کے مغرب کی  
 طرف سے حملہ آور ہونیکا مقام ابتدائیہ ہو وہ اس کام کے واسطے من کل الوجوہ ہرات سے کمتر ہے اسکے جنوب اور جنوب  
 و مشرق کی طرف ایک ایسا صحرا واقع ہے جس میں کوگز نہ مال ہو البتہ اسکو مشرق کی طرف دریائے ہند کو واقع  
 ہونے کے باعث جسکا پاٹ تنگ اور جس میں بانی کم ہر سیستان میں اس طرف سے داخل ہونیکا ایک راستہ  
 پیدا ہو جاتا ہو اس دیا کا پور اساحل سیستان سے لیکر قندھار تک شمال کی طرف سے حملہ کرنیوالی فوج کی زمین ہے  
 اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہرات یا فرہ یا زہین و اور میں افغان فوج لئے پڑے ہوں تو ایرانی فوج کے لئے بلند کر  
 کنار کوئٹہ و سیستان سے گرشک تک کچھ کرنا نامکن ہو گا حربی لحاظ سے سیستان کی قدر و قیمت صرف اس امر  
 پر مشتمل ہے کہ یہاں بابر داری کے لئے کثرت سے اونٹ دستیاب ہو سکتے ہیں اور یہ جانور زیادہ تر بلوچوں کی ملک  
 ہے جن جو افغانوں کی ماتحت ہیں انکا ایران کو آمد اس لحاظ سے ہماری کام آسکتے ہیں مگر ہاں دشمنوں کو کام نہیں آسکتا  
 اگرچہ نہ رعبہ بالاختر کا مصنف خوش قسمتی سے ابھی تک زندہ ہو تاہم جایز ہو گا اگر اس امر کی تصریح کر دی جائے کہ  
 اس تحریر کا زمانہ (۱۸۶۵ء) موجودہ صورت حالات سے بہت پہلے کا ہو اور جن شرائط و حالات کو مد نظر رکھ کر

۱۸۶۵ء ہے۔ لیکن بالضرر اگر کوئی حملہ آور سیاسی رجحان کی بنا پر ہرات پر جڑ ڈالے تو اس سے بڑا خطرہ ہے یا غنیمت کے چھوٹے سے حاصل ہو  
 ہوئے فوجی منتہا ہرے کے ساتھ سیستان میں شامل ہو جائے تو ہر کیا ہو ؟

۱۸۶۵ء دیکھو کتاب "انگلینڈ اینڈ روسیاء اور دی ہائیس" (انگلستان اور روس مشرق میں) صفحہ ۱۱۶۔

یہ رائے قلمبند کی گئی تھی وہ اب موجود نہیں ہیں۔ حربی بحث کے ضمن میں رالسن نے جس مسئلہ پر رائے زنی کی تھی وہ اس موقعہ پر متعلق ہے جو ایران کو سیستان کی راہ سے افغانستان پر حملہ کرتے وقت ملتا لیکن اس مسئلہ کو اس نے مسئلہ کو کچھ بھی تعلق نہیں جو روس کے ہرات کو نزدیک پہنچ جانے سے پیدا ہو گیا ہو۔ کسی ایرانی فوج کا یہ حالت موجودہ افغانستان پر حملہ آور ہونا ایسا ہی قریب احتمال ہے جیسا کہ سینٹ پیٹرس برگ پر چڑھائی کرنا۔ لیکن جو کچھ ایرانی یا افغان کرنا نہیں چاہتے یا کر نہیں سکتے وہ یورپین فوجیں ریلوے کے منتہاؤن کی طرف پر فائدہ ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصول فن حرب کے اعتبار سے جو ممکنہ جیتی سیستان پر سابق میں ہوئی وہ ۱۸۵۸ء کی کالعدم ہو گئی تھی۔

### سیستان کی زرخیزی کے متعلق موافق آراء

معترضین نے کسی قدر تصریح کے ساتھ اس فقرہ کی تفسیر سے فصل اوتا کر جو ایک دفعہ مجموعی حیثیت سے ایران کے حالات بیان کرتے وقت استعمال کیا گیا تھا۔ اپنی پرالم داستان میں سیستان کو دو حصوں پر مشتمل قرار دیا ہے یعنی ایک صحرا آذربائیجان اور دوسرا صحرا آلاماؤ آب داون کو چاب میں نہ صرف تاج بلکہ واقعات موجودہ کی ترویجی شہادت پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر اودن کا فیصلہ صحیح ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ کسی زمانہ میں یہ خطہ اپنی عظیم الشان شادابی و وسیع آبادی اور شاندار شہروں کی وجہ سے شہرہ آفاق تھا۔ اودن کہندڑوں کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے جو میلون تک پہنچے ہوئے چلے گئے ہیں اور اس کی پرانی شان و شوکت کا سر لغ بتاتے ہیں؟ شادابی و زرخیزی کا دار و مدار ایران میں مطلقاً ذرا لچک بربانی پر ہے اور ایران کے صوبوں میں سے اگر کسی صوبہ میں استقر پائی ہو جو دیکھ کہ نہ صرف بڑی بڑی نہروں کو جو دیادون جتنی بڑی ہیں اور چھوٹی چھوٹی آبپاشی کو نالون اور راج بہون کو لبریز کرے بلکہ بسا اوقات ان کے کناروں کو گزر کر جیلون اور دلدون کو پیدا کر دے تو وہ صرف سیستان ہی میں ہے۔ بہر حال ہم اس سرزمین کے

سیر حاصل اور زرخیز ہونے کے متعلق اون لوگوں کی آرا کا ذیل میں اقتباس کرتے ہیں جنہوں نے اسے بہ چشم خود دیکھا۔ فیروز نے ۱۲۴۸ء میں جب ذیل بیان قلمبند کیا۔

”سیستان ایک ہموار ملک ہے جس میں جا بجا پست پہاڑیاں واقع ہیں۔ سطح زمین کا ایک ثلث تودہ بائریک روان بہر متل ہے اور باقی کے دو ثلث کے اجزاء ترکیبی ریت اور چکنی مٹی میں جن میں نباتاتی مادہ کم ملا ہے اور جھاو سا غسنگ اور سر کنڈون کے جنگل کھڑے ہیں جن کے درمیان شاداب مرغزار موجود ہیں۔ دریا کے بلند کی سالانہ طغیانی کے بعد زمین پر جس میں سیل کی مہم جاتی ہے وہ حیرت انگیز طور پر زمین فوسٹ نامیہ کو بڑھاتا ہے اور زمانہ دراز سے غالباً یہی حالت چلی آئی ہے۔ کم از کم اون کہندہ دن سے جو اب ساحل دیکھتے ہیں آتے ہیں اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔“

اس پر میں سرایت۔ گولڈ اسمڈ کی رائے ایذا کرتا ہوں۔

”زمین کی زرخیزی مسلم ہے عام طور پر یہاں شاید گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی ہے لیکن مٹر لوبیا۔ ارہر۔ تل اور کپاس بھی بومی جاتی ہو کر بوزے اور خاص کر بوزہ کثرت سے پیدا ہوتی ہیں اور چارے کی ذرا کمی نہیں۔ معمولی نہر دن کے ذریعہ سوارا دن سیلابوں کے باعث جو گاہ بیگا آ کر بہت زمین یہاں کے طریقہ آبپاشی کو ایسی فراوانی حاصل ہے کہ محنتی اور قلع باشندوں کی مدد سے یہاں اناج کی پیداوار نہایت کثیر مقدار میں ہو سکتی ہے۔“

۱۵۔ دیکھو کتاب ”کاروان جرنل“ (صفحہ ۲۶۶)۔

۱۶۔ ”یکوہ جرنل“ آف دی رائل جاگرافیکل سوسائٹی (روزنامہ رائل جاگرافیکل سوسائٹی) جلد چہرسل دسوم

بالآخر ان دونوں آراء کے ساتھ ان لوگوں کی شہادت شامل کیجا سکتی ہے جنہوں نے کمیشن مامورہ تصفیہ سرحد کے دروسیتان کے بعد اس علاقہ کا سفر کیا۔ ان سیاحان بعد کا بیان ہے کہ سیتان کے ذرائع پیداوار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے اور اگر علمی طریقہ سے آبپاشی کا انتظام کیا جائے تو پیداوار کی استعداد بے انتہا بڑھ جائے۔ اس میں شک نہیں کہ سیتان کی آئندہ ترقی کا انحصار اس امر پر ہے کہ اصول علم آب سے دریائے ہند بہاؤ اور طغیانی کو منضبط کیا جائے۔ زمین کے موقع یا اسکی سطح میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں جو دریائے سندھ کے جانب جنوب پلٹا دے جائے اور بالکل یقیناً زراعت کے کام میں صرت کے جانے کو مانع آئے۔

## سیتان کلپیو ند واقعات کے وسیع تر دامن میں

ایک اور امر بھی ہے جو اگرچہ سلسلہ کے لحاظ سے اخیر ہے لیکن اسقدر اہم اور ضروری ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ ریلین ایران میں اس سہولت اور تیزی کے ساتھ قائم نہ ہوں گی جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور ایران کے بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں اونٹن کا جلد قائم ہو جانا قرین صحت بھی نہیں تاہم اکثر لوگ اس زمانہ کی آمد آمد کے منظر میں جب بڑے بڑے شہروں اور تجارت کے مراکز راون کے درمیان جھلکے ماندے گھوڑوں محنت مشقت والی اونٹوں اور زخمی پیٹھ والے خچروں کے مقابلہ میں کوئی زیادہ سربل المیر ذریعہ نقل و حرکت قائم ہو جائے گا۔ ہم اس دن کے متوقع ہیں جب کہ شمال سے جنوب کی طرف آمد و رفت کے ذرائع خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن وسطی سہولت کے بڑے

برصے شہر غز بسفر قاکران شاہ سے لیکر کرمان تک و خانی گارمپون کے ذریعہ سے  
 باہم ملا دئے جائیں گے اور ریلوں کے یہ سلسلے ادن وادیون اور گہاٹیون میں سے  
 ہو کر گرین گے جن کا عام بنی بلا کسی استثنائے کے جانب موافق میں ہو گا یعنی شمال و مغرب سے  
 جنوب و مشرق کی طرف میل کی اسطرح کی شاہراہ سے جس کے ساتھ انجام کار ہندوستان کی  
 ریلوں کا سلسلہ مل جائیگا ایک شاخ ریلوے کا سیستان تک قائم ہونا شمال کی سمت میں بمنزلہ  
 ایک خفیف مگر قدرتی تفرع کے ہو گا۔ اسکے ساتھ ہی ساحل سمندر تک اس سلسلہ ریلوے  
 کے ذریعہ سے تعلق قائم ہو جائے گا جو بام پور سے ہوتا ہوا چاہے برکو جائے گا۔ یارگیان اور  
 میناب کی راہ سے گوا در پہونچے گا یا اگر بلوچی علاقہ یعنی اوس علاقہ میں جو برطانیہ کے زیر حمایت  
 ہو کسی زیادہ تر مشرقی بندرگاہ کی ضرورت ہوئی تو یہ سنی یا کلمات کے عمدہ بندرگاہوں تک  
 جائے گا۔ لیکن اگر سندھ و پشتین یا بولان ریلوے کی نسبت جن کا منہا ہندوستان کی موجودہ صدر  
 ہو گا یہ خیال کیا جائے کہ یہ طوفان سے صنایع ہو جانے کے امکان کی زمین ہونے کے باعث  
 سیستان تک کی ریلوے کا محفوظ و موزون بندہ نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں بولان ریلوے  
 بطور خود ایک مستقل بلوچی ریلوے ہو سکتی ہے جو ساحل سمندر سے روانہ ہو کر پنجگور سے گزرتی  
 ہوئی ایرانی سرحد کی طرف جائے گی اور بعض مستند لوگوں کی تو یہ یہ رائے ہے کہ اس  
 ریلوے کو ہندوستان کے سلسلہ ریلوے سے بذریعہ ایک شاخ کے ملا دینا چاہیو  
 جو کراچی سے روانہ ہو کر کرمان میں سے گزرتی ہوئی اس سے جا ملے۔ بحر ہند کے ساتھ  
 اس طرح کی ریلوے کا اتصال ایسی صورت میں مشرقی ایران کے لئے وہی حکم رکھے گا جو

ماوراء النہری ریلوے کا اتصال بحیرہ اخضر کے ساتھ ایران کے شمالی و مشرقی حصہ کے  
 لئے رکھتا ہے اور بحر و برپردخانی طاقت کی متفقہ مساعی سے چند سال میں وہ انقلاب  
 برپا ہو جائے گا جسکا بصورت مخالف ممکن ہے کہ صدیوں تک انتظار کرنا پڑے۔ بقول  
 ڈاکٹر بلیو کے شاید نہ ہماری اولاد اور نہ ہماری اولاد کی اولاد کی قسمت میں اوس دن کا دیکھنا  
 کہہنا ہے جبکہ ان اقطاع میں وہ ریل کی سیٹی کی گونج اپنے کانوں سنیں گے۔ لیکن جب  
 ہنرمند زمین ہو کر آئندہ نسلوں کے صفحہ خاطر سے محو ہو چکے ہوں گے تو شاید کوئی مطالعہ کا  
 شایق مسافر ہماری کتاب کو لندن کے کسی بازار کی قدیم دکان میں جا کر پرانے لٹریچر کی  
 ایک ایک شلنگ میں بکنے والی کتابوں کے ڈھیر میں سے اٹھا کر پڑھے گا اور ہمیں  
 ہمارے کچھ مرقدین بھی اس بات کے لئے مبارکباد دے گا کہ جو واقعات اوس وقت  
 تکمیل کو پہنچ چکے ہوں گے اون کا خیال ساہا سال پیشتر ہمارے ذہن میں آیا تھا اور ہم نے  
 اون کی تائید میں بصد شوق کوشش کی تھی۔



# دسوان باب

## از مشہد تائبہ طہران

اُن نے اب تک جتنی چیزیں بنائی ہیں اون میں سے ایک بھی ایسی آرام دہ اور راحت بخش نہیں جیسی کہ سر راہ ایک عمدہ سرسکے یا شرب خانہ۔<sup>۱</sup>

(حیات ڈاکٹر جانسن مصنفہ باسویل)

”جہاں تک ایرانیوں سے مجھے سابقہ پڑا میں نے اونہیں پراپایا۔“

پاریس

## مشہد اور طہران کے درمیان ڈاک کی سڑک

ناظرین نے گزشتہ دو مضمون کے اہم اور دقیق سیاسی مباحث کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا بلکہ غور سے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کی ہے اور ان کے لئے اس باب کے آسان ترجمان میں باعث تلافی ہو گئے۔ مشہد میں آٹھ دن تک قیام کرنے کے بعد میں نے بذریعہ سواری چار طہران کا طول طویل سفر اختیار کیا۔ اہل ایمان ان دونوں مقامات کا درمیانی فاصلہ ۱۵۴ فرسخ بیان کرتے ہیں اور اسی کے حساب سے مسافر کو کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اگر ایک فرسخ کو پورے چار میل کے مساوی قرار دیا جائے



تو اس فاصلہ کی مجموعی تعداد ۶۱۶ میل ہوتی ہے۔ لیکن اگرچہ خراسان کا فرسخ ایران کے دو سر علاقوں کے فرسخوں کے مقابلہ میں اپنے تکلیف دہ اور بظاہر ناممکن الاختتام طول کے لئے مشہور ہے (اور اس سے حقیقت میں سڑک کی وحشت انگیز یکسانیت کی تعریف مقصود ہے) تاہم اپنے اندازے کو سیاحان سابق کے اندازے سے مقابلہ کرنے پر میری دانست میں یہ فاصلہ ۵۶۰ انگریزی میلوں سے بھی کمی قدر کم ہے۔ اس بات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ جو شخص گھوڑے پر اکیلا سفر کر رہا ہو اور سوائے اس کے گھوڑے کے قدموں کے اور کوئی چیز اس کی توجہ کو اپنی طرف منتطف نہ کرتی ہو تو بہت جلد اس کو صحیح اندازہ اس فاصلہ کا جو وہ منزل بہ منزل طے کرتا ہے معلوم ہو جاتا ہے۔ شہد سے لے کر طہران تک کی راہ چوبیس منزلوں میں منقسم ہے اور ڈاک

۱۵ ایک سیاح جو طولوں و افتاب کے غروب و آفتاب تک سفر کرتا رہا ہے اور اپنے خستہ و ماندہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوائے اسکے کہ زمین کے سامنے کے کاٹنے کو ہٹائے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا بے اختیار پکارا مٹھتا ہوا خراسان کے فرسخ کیا ہیں شیطان کی آنت ہیں۔ ”جب ہم اس جگہ کے قریب جہان ہم مقام کرنے والے تھے پہنچے تو ہمارے ہزار ہوں میں سے ایک کے منہ سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا: ”قسم ہے مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کانچ سے زیادہ ایسی سڑک میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ میری کمر اور گھٹنے شل ہو گئے ہیں“ ایک مفت می ضرب المثل ہی ہے جبکہ بیان حوالہ دینا باعث دلچسپی ہوگا (دیکھو ٹریڈس انٹو بخارا) (سفر بخارا) مصنفہ برنس جلد دوم۔ صفحہ ۹۹۔ اور وہ یہ کہ خراسان کا فرسخ ایسا ہی نامتناہی ہے جیسی عورتوں کی کیواکس اور جس شخص نے اسے ناپا ہوگا فرور ہے کہ اس نے اسے کسی ٹولی جریب سے ناپا ہو۔

کی چوکیان پندرہ سے لیکرتیس میل تک کے متفاوت فصل سے قائم ہیں۔ لیکن انکا  
 اوسط فاصلہ ۲۳ میل ہے۔ یہ سفر بین نے آسانی کے ساتھ نو دن میں بحساب اوسط  
 ساٹھ میل روزانہ طے کر کے ختم کیا کسی دن ستر میل اور کسی دن اس سے کم میں طے  
 کرتا تھا۔ ایران میں طے مسافت کے لئے یہ شرح رفتار زیادہ نہیں بلکہ کم ہے۔ اور بعد  
 میں مجھے بہ آسانی ایک دن میں پچھتر سے لیکر اسی میل تک سفر کرنے کی عادت ہو گئی  
 محکمہ تار کے عہدہ دار اور اس ملک کے رہنے والے اس سے کم سفر نہیں کرتے بلکہ اس  
 اوقات اس سے بھی زیادہ جاتے ہیں۔ مشہد سے طہران تک جو ڈاک رستے میں  
 کہیں رکنے کے بغیر ہر چوکی پر سب سے پہلے گھوڑے لے کر طہران جاتی ہے وہ  
 اس فاصلہ کو پانچ سے لیکر چھ دن تک کے عرصہ میں طے کرتی ہے۔ ڈاکٹر ولس کا  
 بیان ہے کہ وہ اصفہان سے طہران تک جو قریباً ۲۸۰ میل کا فاصلہ ہے بذریعہ سواری  
 اس ۳۹ گھنٹے میں پہنچا اور جو افسر کہ صرف دن کے وقت سفر کرتے ہیں اور  
 رات کو ٹھہر جاتے ہیں انہوں نے طلوع آفتاب اور زین پر سے اترنے کے وقت  
 کے درمیان ۲۰ میل فاصلہ طے کیا ہے۔

۱۵ لیکن بائیں ہمالیک فرانسیسی افسر جس نے مشہد میں اسی قدر مدت میں یہ سفر طے کیا تھا اپنی کتاب میں  
 بیان کرتا ہے کہ جنرل مکلیں نے اس کے حیرت انگیز کارنامے پر متعجب ہو کر اس سے کہا کہ ایک انگریزی  
 افسر جس نے یہ فاصلہ دس دن میں طے کیا تھا بارہ گھنٹے میں طے کیا تھا۔ واضح رہے کہ سیر ایچ رانسن نے ایک دفعہ یہ سفر  
 چھ دن میں طے کیا تھا۔

۱۶ دیکھو پرنسپل ایڈزٹ (ایران کی سیت کڑائی) صفحہ ۲۹۹۔

## سرعت رفتار



ہل ایران ہمیشہ سے گھوڑے پر تیز سفر کرنے میں مشہور ہیں اور اس بارہ  
میں اون کے بادشاہوں نے یہی بسا اوقات قابل ذکر کارنامے چھوڑے ہیں۔  
تین سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ شاہ عباس اعظم گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر لم ۲۸ گھنٹے میں  
شیراز سے یزد پہنچا اور شاہی ہیئت دان کو حکم تھا کہ وقت کا حساب لگائے۔ میلکم  
نے ان دونوں مقامات کا درمیانی فاصلہ لم ۸۹ فرسخ یا ۳۰ میل بیان کیا ہے اور اگرچہ  
آج کل کی پیمائش کی رو سے یہ فاصلہ ۲۲۰ میل قرار پایا ہے لیکن پھر بھی لم ۲۸ گھنٹہ میں  
اس قدر فاصلہ طے کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آغا محمد خان حکمران خاندان کا بانی جب  
کریم خان زند کی وفات پر مازندران کو یہاں کا توشیہ از سے اصفہان تک جو کسی صورت  
میں تین سو میل سے کم فاصلہ نہیں وہ گھوڑے پر سوار ہو کر تین دن سے کم میں پہنچا۔  
اوس کا بہتجا فتح علی شاہ وارث تخت و تاج ہونے پر شیراز سے طہران کم از کم ۵۰ میل  
کا فاصلہ طے کر کے چھ دن میں گیا۔ فریزر ایک ایرانی آغا بہرام کا واقعہ بیان کرتا ہے  
جس کے پاس نہایت اچھے اچھے گھوڑے موجود تھے کہ ایک دفعہ وہ ایک ہی عربی گھوڑے  
پر چھ دن میں شیراز سے طہران گیا اور وہاں تین دن ٹھہر کر پانچ دن میں واپس  
شیراز آیا اور پھر نو دن آرام لیکر اوسے تیسرا سفر، دن میں طے کیا۔ لیکن سب سے زیادہ

۱۵ دیکھو "ہسٹری آف پرشیا" (تاریخ ایران) - جلد اول - صفحہ ۳۴۵ -

۱۶ دیکھو "اسے وینٹر جرنی" (موسم سرد کا سفر) - جلد دوم صفحہ ۳۱۹ -

قابل ذکر کارنامہ (اس لحاظ سے کہ رحمت کشی کا تسلسل اس میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے) اوس فوجی افسر کا ہے جو مسند الامین الباس سے پولیس کے فرار ہو جانیکی خبر لے کر قسطنطنیہ سے وادند تک جو طہران کے قریب واقع ہے ۷۰۰ میل کا مجموعی فاصلہ طے کر کے پہونچا۔ برخلاف اسکے اگر تعجیل کی کوئی وجہ نہ ہو تو ایران سے زیادہ سست سوار بھی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بگسٹ نہ جابا ہو تو پھر ستائس وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ خرمان خرمان جاتا ہے اور اثنائے سواری چا پار میں کوئی بھی ایسا ایرانی میرے دیکھنے میں نہیں آیا جو گھوڑے پر قدم چال سے زیادہ تیز چلتا ہو

### خرچ سفر

چونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں اپنے ذاتی تجربہ سے سواری چا پار کے حالات بیان کرتا ہوں اور بعد میں اسی ذریعہ سے میں نے ایک ہزار میل سے زیادہ کا سفر طے کیا لہذا مناسب ہوگا کہ اس بارہ میں اپنے شہادت اور شعرون کو تلخیصاً بیان کروں۔ دوسرے باب میں جس کا عنوان ”راہِ درسد“ ہے میں پہلے ہی خرچ اور طرز عمل کے متعلق جو جو اطلاعیں ضروری تھیں درج کر چکا ہوں۔ جو اندازہ میں نے اوس باب میں لگایا تھا اوس واضح ہوگا کہ چاروں گھوڑوں پر ایک اپنے لئے ایک غلام کے لئے ایک بارگیر کے لئے اور ایک سامان کے لئے۔ اس موقع پر میں نے سامان کے لئے ایک زاہد جانور لے لیا تھا مگر اوس کے پہاگ پہاگ جانے سے تعاقب کی جو رحمت مجھ کو اونٹھانی پڑی اور جو وقت میرا ضائع ہوا۔ اوس سے مجھے پورا تجربہ حاصل ہو گیا اور پھر

سامان کے لئے زاید جانور ساتھ رکھ کر (نام نہ لیا) مشہد سے طہران تک کے سفر میں ۶۰۰ قران صرف ہوئے۔ اوس وقت تبادلہ کی جو شرح تھی اوس کے لحاظ سے ۶۰۰ قران ۷ پاؤنڈ کے مساوی ہوتے تھے۔ مگر اس میں بارگھرون کا الغام رات کے قیام کے لئے ڈاک بنگلوں کا کرایہ شامل نہیں۔ ان اخراجات کی تعداد دو پاؤنڈ یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ رستہ کی خوراک کا دار و مدار زیادہ اوس ڈبوں میں بند کئے ہوئے گوشت کی مقدار پر منحصر ہے جو مسافر اپنے ہمراہ لے جائے۔ غرض کہ کسی صورت میں اس سفر کا خرچ بیس پاؤنڈ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس سفر میں میرے ہمراہ صرف ایک شخص تھا۔ اوسی کو میرا رفیق اور اوسی کو میرا ملازم سمجھنا چاہیے۔ یہ شخص ایک ایرانی الاصل افغان غلام یعنی بدرقہ تھا جو برطانوی سفارت متعینہ طہران میں متعین تھا۔ اوس کا نام تادر علی خان تھا جس کے شاندار ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور سڑک کے تفصیلی حالات اوس کو معلوم تھے۔

### وزیر صیغہ ڈاک

ایران میں ڈاک کا جو طریقہ مروج ہے اور جس کے قائم کئے جانے کے متعلق میں آگے چل کر کچھ حالات بیان کروں گا۔ ڈاک کے ایک وزیر کی نگرانی میں ہے۔ لیکن چونکہ جو عہدہ دار اس خدمت پر اس وقت مامور ہے اوس کے تقویض دواور محکمے بھی ہیں اور مزید بیان وہ کونسل کا پریزیڈنٹ بھی ہے لہذا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ خدمت مسطورہ کو زیادہ اہم نہیں سمجھا جاتا۔ دولت ایران کی طرف سے وزیر موصوف کو ہر ڈاک کی

چوکی کی مرمت اور سامان کے لئے جو سرکاری سٹرکوں پر واقع ہو کچھ سالانہ رقم ملتی ہے اور اس کے علاوہ گھوڑوں کے دانے چارے کے طور پر ہر سال کچھ جو اور پیال بھی ملتے ہیں۔ لیکن وزیر اس کا انتظام خود نہیں کرتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو عام ایرانی طرز عمل کے سخت ہی مخالف ہو۔ ہر ایک سٹرک کسی سوداگر یا مفرہ الحال شخص کو ٹھیکے پر دیدی جاتی ہے جو ایک معینہ رقم ہر سال وزیر کو ادا کرتا ہے۔ اس ٹھیکہ دار کا کام یہ ہے کہ ہر ایک چوکی پر ملازم اور گھوڑے مقرر کرے اور اس کام میں سے جس قدر روپیہ پیدا کر سکے کرے اور اس کے بخل اور کفایت کی روک تھام اگر کسی شے سے ہو سکتی ہے تو وہ یہ خیال ہے کہ مبادا سال کے ختم ہونے پر کوئی دوسرا ٹھیکہ دار زیادہ بولی بول کر اس رعایت کو حاصل کر لے۔ پس مقام تعجب نہیں ہے کہ ڈاک کی چوکیاں اکثر نہایت بوسیدہ اور تہہ حال ہوتی ہیں اور گھوڑے ایسے مرل اور دبے اور بڑے ہوتے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ کے مذموم ہونے کے متعلق اختلاف آرا ممکن نہیں اور یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا سیاح کی حالت زیادہ قابل رحم ہے یا اون غریب جانوروں کی جن پر او سے مجبوراً تازیانے برسائے پڑتے ہیں۔

### چاپار کے مالہ و ماعلیہ

بہر حال میں سواری چاپار کے آلام و لذات کا موازنہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں

۱۔ حال ہی میں سرکاری چاپار خانوں کی کل تعداد ۲۷ تھی اور خزانہ عامرہ سے ہر چاپار خانہ کے لئے ۲۰ تومان (۲۰ پونڈ ۱۴ شلنگ) سالانہ مقرر تھے۔ اس کے علاوہ ۱۰ خزانہ دار (قریباً ۳ ٹن) جو اور اسی قدر پیال گھوڑوں کے لئے مقرر تھے۔

تاکہ اسکی نسبت مضفانہ رائے قائم کی جاسکے۔ اس طریقہ کو سیاحون نے اپنے اپنی مذاق استعداد و زحمت کشی اور یاری و یخت کے اعتبار سے ”باعث تفریح طبع“ وقت طلب“ یا عذاب“ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے اور شاید ان تینوں راؤن مین سے ہر ایک کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا جاسکتا ہے۔ ان آرا کے قائم کرنے میں سب سے بڑی وجہ تحریک وہ مقدار مسافت ہے جو طے کی جائے۔ کسی قدر اس کا دار و مدار سال کی فصل یا موسم پر ہے جس میں سفر کیا جائے اور بہت کچھ سفر کرنے والے کی قسمت پر زامروں کے سوائے جو قافلہ کے ذریعہ سے سفر کرتے ہیں۔ مشہد اور طہران والے راستے کو بہت کم لوگ اختیار کرتے ہیں اور اسلئے ہر چوکی پر پانچ یا چھ گھوڑوں سے زیادہ نہیں ہوتے اور بعض دفعہ اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ ان گھوڑوں کو مین نے عام طور سے نہایت تہہ حال پایا۔ کہانے کو انہیں کم ملتا تھا۔ ہڈیاں ان کی نکلی ہوئی ہتھیں۔ چال ان کی ٹھیک نہ تھی اور ان کی بیٹھ پر زخم سے جنگی وجہ سے بعض دفعہ تو جی نہ چاہتا تھا کہ ان پر سواری کی جائے۔ بہترین گھوڑے جو مجھے ملے وہ ایسے تھے کہ کسی دوسرے ملک میں انہیں اوسط درجہ کے گھوڑوں میں بہترین خیال کیا جائے گا۔ ان میں سب سے خراب گھوڑے پر سوار ہونا ایک ایسی سزا تھی جسے زمانہ آئندہ کا کوئی ڈینیٹی موزون طور پر جہنم کے طبقہ اسفل السافلین میں اپنے جانی دشمن

۱۔ ڈینیٹی اطالیہ کا مشہور و معروف شاعر ہے جو ۱۶۶۵ء میں پیدا ہوا۔ مین اوس نے نظیر نظم ”ڈیو اٹن کا میڈی“ کی طرف اشارہ ہے جس میں اوس نے۔ ہیشت۔ اعواف اور دونخ کے متعلق خیالی تصویریں نہایت

دشمن کے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب طہران اور ترشیز والی سڑک پر میرا گزر ہوا جس پر آمدورفت زیادہ رہتی ہے اور جہان چا پار کا انتظام اچھا ہے تو لٹھا اور غمگی کے لحاظ سے زیادہ قابل اطمینان گھوڑے میرے دیکھنے میں آئے عام طور سے اون پر سوار ہونا برداشت کیا جاسکتا تھا اور بعض دفعہ تو ایسے گھوڑے مل جاتے تھے جنہیں اچھا کہا جاسکتا تھا۔ اور جب اسل مرکونڈ نظر رکھا جائے کہ مجھے انکے ذریعہ سے ایک گھنٹہ میں ۸ یا ۹ میل اوسط مسافت کے حساب سے دن بھر سفر کر سکتے ہیں کامیابی ہوئی اور جب کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ عام طور سے پوہ چال چلتے تھے اور بعض دفعہ سرپٹ جاتے تھے تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ دن بھر میں ستر یا اسی میل کا سفر ایسا ہے کہ برداشت کیا جاسکے اور اگر موسم عمدہ اور موافق مزاج ہو تو بسا اوقات اسکو خوشگوار و خوش آئند کی صفت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اس فیصلہ کا جزو اعظم یاوری بخت ہے۔ اگر مسافر سرکاری ڈاک کے مقابلہ یا معارضہ سے جس کا حق ہر جگہ فایز ہے اپنے آپکو بچا سکے اور اگر رخت سفر اسکے ہمراہ زیادہ نہ ہو اور بار برداری کے لئے زیادہ جانوروں کا محتاج نہ ہو اور خصوصاً اگر وہ مسافروں کی کسی دوسری عجات سے جو ادسی سڑک پر سفر کر رہی ہو بڑھ کر آگے نکل جائے تو ادسی اچھی طرح گزرے گی۔ لیکن اگر ان تمام امور یا ان میں سے کسی ایک میں نصیب نے اوس کی یاوری نہ کی تو وہ ایران سے رخصت ہوتے وقت اس ملک پر تین حرف بھیجے گا اور کہے گا کہ یہاں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۸۔ خوبی کے ساتھ کہیں ہیں۔



کے بہت و اے بد معاش اور ناپاک ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عام ساحلوں کا تجربہ یہی ہے اور اس کی توجیہ شاید اس واقعہ سے ہو سکتی ہے کہ ایران میں اگر کسی یورپین کے لئے کوئی خیال باعث تشفی ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک فاصلہ معینہ کو اپنے مقصد میں سے وہ زیادہ چلے کرے۔ عرصہ اس بارہ میں یہاں سخت کے ساتھ مقابلہ عمل میں آتا ہے۔ رستے میں جہاں تار سے وہاں بے مسافر کے دوستوں اور خوشی و اقارب کے فتنے کا نون میں اس کے مراحل کی خبر پیغام تار برقی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے اور مسافر کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور یہ نہیں ہو سکتی یا اس سے بڑا کارنامہ وہ اند کوئی نہیں چھوڑ سکتا کہ طے مسافت کے لحاظ سے اپنے مقصد میں بہر سبقت لیجائے۔

### چاپار حسانہ

اس مقام پر میں چاپار حسانہ اور اس کی کم مایہ مگر مخصوص خصوصیات کا ذکر کرتا ہوں بعض دفعہ کسی قضیہ یا گاؤں کے بیچوں بیچ اور بعض دفعہ اس کے حوالی میں مگر بالعموم کف و سیران کی ویران تنہائی میں ایک چھوٹی طسی مستطیل شکل کی عمارت پانی کے کنارے کھڑی نظر آتی ہے۔ اس عمارت کی دیواریں کچی مٹی کی بالکل بیہانک اور ایک اندرونی احاطہ کے گرد اگر دیکھی ہوئی ہوئی ہیں۔ پہاٹک پر ایک پست سا پو گوشتہ برج ہوتا ہے اور عمارت کے ہر زاویہ پر ایک نیم مذور برج یا چیمبا آگے کو نکلا ہوا ہوتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ عمارت بظاہر ایک چھوٹا سا مٹی کا قلعہ معلوم ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں اس کا



ایرانی چایا رخانه

مقصود بھی یہی ہے کہ چونکہ ایسے ملک میں جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا کہ ترکمانوں کی دستبرد اور غارت گری کی جو لالچا رہ چکا ہے اور جہاں بلا تفریق و امتیاز سرتو کا مرتکب ہونا لوگوں کا عام شیوہ ہے ہر ایک جاندار کی محل سے لیکر باغیچہ تک حملہ سے اس طرح حفاظت کرنی پڑتی ہے کہ گویا کہ ملک میں علانیہ جنگ برپا ہے۔ چار پارخانہ میں ایک بڑی چوہی دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور جب اس کو بند کر دیا جاتا ہے تو سوائے سیڑھی لگا کر چڑھنے کے اور کسی طرح اس میں گزر ممکن نہیں جب مسافر گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے تو او سے دیوار کے دونوں طرف ایک پست سا چوہ ترہ اور دروازہ نظر آتے ہیں جن کے ذریعہ سے نیچے کے تنگ وتار اور غلیظ حجرون میں داخل ہوتے ہیں۔ پہاٹک میں سے گزر کر اندر کا صحن آتا ہے جو طول میں بیس سے لیکر پچیس اور عرض میں بارہ سے لیکر پندرہ گز تک ہوتا ہے۔ وسط میں ایک چوہ ترہ نظر آتا ہے جس پر مرغیان گھوڑے کے ڈھیر کو کر دیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اگرچہ حقیقت میں اس چوہ ترہ کا مقصد یہ تھا کہ گرمی کی راتوں میں مسافر تازہ ہوا میں اس پر اپنا بستر جگے صحن کے گرد اگر دو دیوار میں ہوتی ہیں اور ان کے دو اور بعض دفعہ تین پہلوؤں پر چڑی بناؤں بجاتی ہیں جس میں گھوڑوں کے لئے کاہ ڈال دی جاتی ہے اور گرمی کے موسم میں گھوڑوں کو یہاں بانڈ دیا جاتا ہے۔ لیکن دو بعلی دیواروں کے اندر موسم ہمارے لئے لمبے لمبے تنگ وتار طویلے بنے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک پست دروازہ کے سوائے اور کہیں سے ہوا یا روشنی کا گزر نہیں ہوتا اور جو سیڑھی ہوئی امید کے ڈھیروں

سے متعفن ہوتے تھیں۔ بالعموم بارگیر اور ملازم گھوڑوں سمیت انہیں مین سے کسی مین ایک چھوٹے سے الاؤ کے گرد سوار ہتے تھیں۔ صحن کی اندرونی دیواروں پر کسی زمانہ میں چوڑے کا پلستر ہو گا مگر اب بالکل اوکھڑ گیا ہے۔ اور اب پوری دیوار گلی معلوم ہوتی ہے۔ تھکا ماندہ مسافر جب گھوڑے پر سوار پہانگ کے اندر داخل ہوتا ہے تو چارچی بعض دفعہ اپنی وردی پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہے۔ دونوں مین اس امر کے متعلق اشتیاق آمیز گفتگو ہوتی ہے کہ آیا اصطبل میں تازہ دم گھوڑے موجود ہیں یا نہیں اور جب چارچی مسافر کو اس کے استفسارات کے جواب میں امیدوارانہ یا مایوس کر رہا ہوتا ہے تو سامان سبکے ماندے جانوروں کی پیٹھ پر سے اوتار کر چبوترہ پر رکھ دیا جاتا ہے اور برطانوی مسافر پاؤں پسار کر لیٹ جاتا ہے یا شور بے یا چار کا ایک گرم گرم پیالہ تیار کر کے پیتا ہے۔ اس کا ایرانی ملازم قلبیان کا جو ہمیشہ تیار رہتا ہے ایک کش لگاتا ہے اور خستہ و ماندہ جانوروں کو جن پر سے سوائے اون کی پہٹی پرانی گردینوں کے اور ہر ایک چیز اوتار لی جاتی ہے بارگیر دس منٹ تک آہستہ آہستہ ادھر ادھر ٹھہراتا ہے اور اس کے بعد پانی پلانے کے لئے لیجاتا ہے۔ اگر اس کی قسمت یاد رہی ہو تو پاؤ گنڈہ مین اور نہیں تو کہیں ایک یا دو گنڈہ کے بعد جا کر کچھ تازہ دم گھوڑے باہر لائے جاتے ہیں اور مسافر ان میں سے اپنے لئے بہترین جانور پسند کر کے ایک دفعہ پھر سوار ہوتا ہے اور ازاہ کے نشیب و فراز کے طے کرتے ہیں پھر دھڑکتے ہوئے جاتا ہے۔ لیکن اگر تازہ دم جانور نہ موجود ہو تو کسی دوسرے سیاح



ایرانی چا پارچی

نے پیشہ سستی کر کے ایسے جانوروں پر قبضہ کر لیا ہو تو ایسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے کہ عیاؤا بالہ و گھنٹہ کے انتظار شدید کے بعد وہی کمبخت جانور جو اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھائے ابھی پچیس میل کی مسافت طے کر کے آئے تھے پھر اور پچیس میل کی منزل کوڑے کہا کہا کر طے کرنے کے لئے باہر لائے جاتے ہیں۔ مجھے اس امر کا مضمقہ ہوتا پڑتا ہے کہ میری ہمدردی ہمیشہ جانور کے ساتھ ہوتی تھی نہ کہ اس کے سوار کے ساتھ۔ اور جب اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ ان دقیانوسی ٹوٹوں سے ہر روز بلکہ ہر ساعت سفاکانہ کام لیا جاتا ہے تو مجھے بعض دفعہ یہ حیرت ہوتی تھی کہ ڈنڈے اور چابک کہانے پر بھی وہ کس طرح اوس ست چال سے متجاوز ہوتے ہیں جس کی ادن کی تباہ حالت سے توقع کیجا سکتی ہے۔

### بالا خانہ

لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سیاح اپنے دن کی منزل پر پہنچ گیا ہے اور اور اوس چار پاخانے میں وارد ہوا ہے جہاں اوسے شب پاش ہونا ہے تو سوال یہ ہے کہ اوس وقت اوسے کیا پیش آئے گا۔ اس سوال کا جواب اوس آگے کو نکلے ہوئے چہار گوشہ بیچ سے ملے گا جو داخل ہونے کے مہانگ پر بنا ہوا ہے۔ اس میں زینون کے ذریعہ سے جن کا دھلاؤ کوہ الپس کے پہلو کے کنارے برابر برابر ہوتا ہے اور جو اندرونی صحن کے زاویوں پر بنے ہوئے ہیں وہ بھی ہوتے ہیں۔ ان زینون پر بدقت تمام چڑھ کر ہم سطح چھت پر جو عمارت کے گرد اگر دھلی گئی ہے۔

پہونچتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ برج صرف ایک حجرہ پر مشتمل ہے جس میں عموماً  
 دو اور بعض دفعہ تین دروازے جو کبھی بند نہیں کئے جاتے اور دیواروں میں دو کھلے  
 دریچہ نما منافذ ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ کھا جاسکتا ہے کہ اس میں چاروں پہون  
 سے ہوا داخل ہوتی ہے۔ یہ بالا خانہ ہے جو مالک غیر کے مہمانوں کی آسائش  
 کے لئے مخصوص ہے۔ اس ویران اور بھیا نک مکان میں جس میں جہاز کے باز باہون  
 سے کم ہوا داخل نہیں ہوتی مسافر کو چاروں اچارات بسر کرنی پڑتی ہے۔ اندر کی دیوار  
 پر کسی زمانہ میں چونے کا پلستر اور قلعہ تھی۔ اگر اس میں کسی قسم کی آسائش ہو تو وہ یہ ہے  
 کہ دیواروں میں متعدد اونٹیلے طاقے بنے ہوئے ہیں جن میں ایرانی مسافروں نے  
 مہریت زشت و کریمہ تصویریں کھینچی ہیں اور کبھی کبھی (مگر ہمیشہ نہیں) انگلیٹھی بھی ہوتی ہے۔  
 سلمان اس میں بالکل نہیں ہوتا۔ مسافر کا پہلا کام یہ ہے کہ فرش کو جھڑا کر۔ کھٹلون۔  
 ریسٹون اور کیرٹون مکوڑون سے صاف کرے۔ ایک کونے میں منہ یا درسی اور اچسہ  
 اپنا پیال سے بھرا ہوا تھیلا بچھائے۔ ایندھن مول لیکر آگ جلائے۔ کھلی کھڑکیوں  
 کو بند کرائے اور بوسیدہ درزون پر کیلون سے پردے لگائے۔ ان ابتدائی  
 تیاریوں کے بغیر جو لوازمات سے ہیں بالا خانہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اوس میں رہ سکیں  
 لیکن دن بھر کے تھکے ماندے مسافر کے لئے جس کا جسم مارے تھکان کے شل ہو رہا  
 ہوتا ہے چارٹے کی سچ باررات میں یہ تیاریاں کرنا بعض دفعہ نہایت دوہر معلوم ہوتی  
 ہیں۔ باوجود ان تیاریوں کے بھی یہ ہوا کی نفیس بعض اوقات اس قدر سرد ہوتا ہے

کہ مسافر سردی کی تاب نہیں لاسکتا اور مجبوراً نیچے اتر کر مطلوب اور تنگ حجر و مین سے  
 کسی مین پناہ لیتا ہے۔ غرض کہ کوئی آدھ گھنٹہ مین جب تیار یاں ہو چکے ہوں اور خوشگوار  
 حرارت اکڑے ہوئے جوڑون اور خستہ اعضا کو راحت پہنچانے لگتی ہے اور ساداً  
 مین سے خوش آئند بہا پ اوٹھنے لگتی ہے تو تسکین کی ایک حیرت انگیز کیفیت سفر  
 پر طاری ہوتی ہے اور وہ غالباً اس وقت اپنے مکان کو قطعہ و نڈسر کی کسی پرکلف  
 خواہ گاہ سے بدلتا پسند نہ کرے گا۔ لیکن جب دوسری صبح کو چار یا پانچ بجے منہ اندھیرے  
 کر مکرراتی سردی مین جھلملاتی شمع کی روشنی مین اوسے اوٹھ کر کھڑے پہننے پڑتے ہوں  
 چیز بست باندھنی پڑتی ہے۔ ناشتہ تیار کرنا پڑتا ہے اور آخر کار اس بات کی نگرانی کرنی  
 پڑتی ہے کہ تمام سامان اندھیرے مین صحیح و سالم گھوڑون کی پیٹھ پر جو نیچے اصطبل مین  
 ہوتے ہوں بار ہو جائے تو اوس وقت کچھ دیر کے لئے یہ خیال اوسکے دل مین آتا  
 ہو گا کہ سیاحت ایران پر وہی مثل صادق آتی ہے۔ کہ

”کلاہ و لکش است اما بدو سرنمی اور نو“

اور وہ یہ سوچتا ہو گا کہ انگلستان مین جو خوشی و اطمینان میسر ہے وہ یہاں کہاں۔

چاپار کے گھوڑے

ایرانی چاپار کے گھوڑون کے متعلق مین ایک آدھ جلد اور درج گونا چاہتا ہوں کیونکہ  
 یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص چند ہفتون کی مدت مین ان جانوروں مین سے ساٹھ ستر پر

لے شاہ انگلستان کے ایک محل کا نام ہے۔ مترجم



سوار ہوا اور اونکی جنس کے متعلق کوئی عام رائے قائم نہ کرے۔ اس میں شک نہیں کہ بڑے گھوڑوں میں سے مسافر اپنے لئے سب سے اچھا گھوڑا پسند کرتا ہے لیکن چا پار شاگرد کی ضرورت نہ گزرنی کرنی چاہیے کیونکہ اسکو ہر ایک جانور کی خوبیاں پوری طرح سے معلوم ہوتی ہیں اور اگر اسکی روک نہ کی جائے تو وہ اپنے لئے سب سے بہتر گھوڑے کا انتخاب کرے گا اور اپنے مالک کی آسائش کا ذرا خیال نہ کرے گا۔ جو مسافر چا پار خانہ سے نکلتا ہے اور اپنے لئے گھوڑے کو کچھ دور چلا کر دیکھتا ہے تو وہ وقت بھی اس کے لئے نہایت ہی تذبذب کا ہوتا ہے تین سو گروہ کے اندر اندر اوس معلوم ہو جاتا ہے کہ جو تین یا چار گھنٹہ کا سفر اس کے سامنے ہے آیا وہ قابل برداشت ہو گا یا پر عذاب۔ تھوڑے سے تجربہ کے بعد جو چال پور میں اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کنجی تیز پویہ جائے کہی قدم قدم۔ ایرانی جب پویہ یا سرپٹ نہیں جاتے ہیں تو وہ ایک مہدی تحلیف وہ دُکلی اختیار کرتے ہیں جو انگریزی زمین پر مغز کو ہلا ڈالنے سواری چا پار کے کل اثنا میں بچھے صرت دود فٹہ ایسے گھوڑوں پر سوار ہونے کا اتفاق ہوا جو انگریزی دُکلی چل سکتے تھے۔ چا پار شاگرد اپنے ساتھ چمڑے کا ایک چابک اپنے ہمراہ رکھتا ہے اور ہر ایک مسافر کو بھی یہی چاہیے کہ ایسا چابک ساتھ لیکر چلے چا پار شاگرد کو چابک کو تڑاؤن کی آواز ایسی ہوتی ہے کہ پناہ بخدا۔ لیکن گھوڑا جو چابک کہانے کا مادی ہوتا ہے اس سے جبر جبری تک نہیں لیتا۔ چا پار شاگرد کو ہم نے وقتاً فوقتاً ”پوسٹ بائے“ (یعنی چا پار طفاک) لکھا ہے لیکن واضح رہے کہ یہ شاگرد

”طفلیک“ نہیں ہوتا بلکہ اچھا خاصہ مرد ہوتا ہے۔ وہ زمین پر سوار نہیں ہوتا بلکہ عموماً اسات کے ڈھیر پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی دونوں ٹانگیں دونوں طرف پھیلی ہوئی ہوتی ہیں نہ اس کے ہاتھ میں بالین ہی ہوتی ہیں بلکہ صرف ایک رسا جو قزئی کے ایک سرے سے بندھا ہوا ہوتا ہے وہ ہاتھ تین لٹے رہتا ہے۔ اس کی نسبت باور تو یہ کیا جاتا ہے کہ وہ نہایت کرگیا اور سرعت رفتار کا معیار خود قایم کرگیا لیکن بحجہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ ایک دن میں ستر میل کا فاصلہ اس طرح طے نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ ایک غریب ملک میں بھی اپنا رہنا آپ ہی بننا چاہیے۔ اگر روشنی ہو تو عموماً راہ کے متعلق غلطی نہیں ہو سکتی کیونکہ اگرچہ یہاں کوئی سڑک موجود نہیں اور راستہ خچر کی صرف ایک پگڈنڈی ہے جو میدانوں کو قطع کرتی پہاڑوں پر چڑھتی اور درون میں اوترتی ہوئی جاتی ہے اور بعض دفعہ صرف ایک ہی لکیر ہوتی ہے اور بعض اوقات متوازی راہوں کی ایک چوڑی دھاری ہوتی ہے لیکن پھر بھی بے شمار جانوروں کے کہروں کے نشانات زمین پر کچھ ایسے قایم ہو گئے ہیں کہ جس سمت میں جانا ہوتا ہے وہ سامنے کئی میلوں تک نظر آ جاتی ہے۔ رات کے وقت اگر چاہا پارشا کر گی مدد نہو جس کی نظر اور حافظہ کبھی غلطی نہیں کرتے تو اجنبی فوراً راہ گم کر جائے۔

## چاپار کے گھوڑے کی شونیان

ایران کے چاپار گھوڑے کا مشہور ترین خاصہ یہ ہے کہ خواہ مخواہ سکندر ہی کہتا ہے۔ ان میں سے اکثر کے گھٹنے چھلے ہوئے ہوتے ہیں اور گھوڑے کے

استخاب کے وقت سب سے پہلی یہ بات دیکھنی چاہیے کہ اس کے گھٹنے کے بال بالکل اوڑے ہوئے تو نہیں ہیں سب مجھے یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ آیا گھوڑے کے ہٹو کر کہانے کی وجہ لگام کا تنگ رکھتا تھا اس سے ڈھیلیا چوڑا دینا اور اس لئے سین نے یہ نتیجہ نکالا کہ چار کے گھوڑے کی قسمت ہی میں یہ لکھا ہے کہ سال میں اتنی ہٹو کرین کہایا کرے ان میں سے بعض تو اسباب ظاہری اور بعض اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ کوئی مجبور کرنے والا پراسرار قانون یہ سب کی سب ہٹو کرین اس کو کسی نہ کسی طرح کہلوائے۔ اس واقعہ سے کہ مین ایران میں مشرقی علاقہ سے وسطی علاقہ اور وسط سے جنوب تک گھوڑے پر سوار ہو کر گیا اور ایک دفعہ بھی نہ گرا بجائی اس کے کہ میرے نظریہ کی تردید ہو اور اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کوئی وجہ موجب ایسی نہ تھی کہ میرے ساتھ ایسی رعایت کی جائے۔ البتہ اس کی توجیہ اس دلیل سے ہو سکتی ہے کہ میرے بچاؤ کا خمیازہ دوسرے لوگ یا تو پہلے ہی اٹھا چکے ہونگے اور یا آگے چل کر اٹھائیں گے۔ میرے ایرانی ملازم کا جو میرے پیچھے پیچھے سوار آتا تھا پٹھنی کہا کہ فرش خاک پر گر کے درد و تکلیف سے کراہتا میرے لئے مساوات ہو گیا تھا۔ چاہا شاگرد اگر دن بھر میں ایک دفعہ نہ گریتا تو اس سے نہایت ہی مایوسی ہوتی۔ ایرانی چار کے گھوڑے کی بے اعتباری کی حمایت میں یہ بات البتہ کہی جاسکتی ہے کہ شاؤ و ناد رہی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ سوار گھوڑے پر سے گرے اور اسے سخت چوڑا آئے۔ حوادث یا خدمات کی تعداد گزنی کی تعداد کے مقابلہ میں نہایت

ہی خفیف ہے۔ دو اور عیوب میرے دیکھنے میں آئے جو ان گھوڑوں میں پائے  
 جاتے ہیں۔ بعض مرل سے مرل گھوڑے بھی سوار کو اپنے اوپر چڑھنے نہیں دیتے  
 جو اس بات کا عجیب ثبوت ہے کہ اون کی یادداشت نے سابق کے تجربہ سے  
 فائدہ اٹھایا ہے۔ ایک دفعہ مجھے البتہ حادثہ پیش آنے ہی کو تھا۔ یہ واقعہ اس طرح  
 ہوا کہ ایک گھوڑا جس پر سے میں اترامیرے رکاب میں پاؤں رکھتے ہی بھاگا۔  
 اور قریب تھا کہ اپنے آپ کو اور مجھے ایک کہلی ہوئی قنات کے گڑھے میں گرا دی۔  
 اسکے علاوہ جب سوار اپنا دھڑا ہٹاتا ہے یا تنہا بلند کرتا ہے یا خالی ہاتھ  
 اٹھاتا ہے تو اوس سے ان جانوروں کی یادداشت پر ایسا برہم کرنے والا اثر  
 پڑتا ہے کہ وہ بسا اوقات کتر اکربا میں طرف کو دفعۃً پلٹا کہا جاتے ہیں۔ جب لڑائیوں  
 کو کسی چارے کے گھوڑے سے خاص طور پر نفرت ہو جاتی ہے تو وہ بعض دفعہ انتقال  
 اوس کی دم کاٹ ڈالتے ہیں جبکی وجہ سے وہ ایک ایسے ملک میں جہاں دم کا ہونا  
 لازمی سمجھا جاتا ہے ہمیشہ کے واسطے ناقابل کار ہو جاتا ہے۔ مگر یہ فعل اگر بے رحمانہ  
 نہیں تو معاندانہ تو ضرور ہے اور اجنبیوں کا اس سے اجتناب کرنے میں کوئی نقصان  
 نہیں۔ ایرانی چارے کے گھوڑے اور طریقہ چارے کے متعلق اس گریز کے خاتمہ پر میں  
 شاید موزوں طور سے ٹیورنیر کا وہ مہتمم بالشان فقرہ درج کر سکتا ہوں جو تین سو سال  
 سے بھی پہلے اوسنے اپنے سفرنامہ ایران کے دیباچہ میں لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے:  
 ”سافراں شیا میں او طرح سفر نہیں کر سکتا جس طرح یورپ میں کر سکتا ہے۔“

دونوں براعظموں کے اوقات سفر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور جو آسٹریا  
یورپ میں مسافروں کو حاصل ہوتی ہیں وہ ایشیا میں نہیں ہوتیں۔

### سڑک کی عام حالت

سڑک کی حالت سے طہران کو جو سڑک گئی ہے اوس کی اندرونی دلچسپیاں ایسی محدود ہیں کہ  
ایک مقام سے دوسرے مقام کو جانکی سخت ضرورت اگر داعی نہ ہو تو کوئی شخص اسے  
کبھی اختیار نہ کرے۔ راستہ بھر یعنی ۵۰ میل کے پورے فاصلہ میں ایک بھی چیز ایسی  
دیکھنے میں نہیں آتی جسے خوبصورت کہا جاسکے اور ایسی چیزیں بھی بہت ہی کم دیکھی جاتی  
ہیں جو باعث دلچسپی ہوں۔ بہر حال فصل خزان کے آخری حصہ میں اسکا منظر رنگینی سی  
معرا اور ویرانی لئے ہوئے ہوتا ہے۔ سڑک یا یون کہیے کہ بٹیا سلبہ پتھر یلے میدانوں  
میں سے گھبراتے غیر خوش آئند پہاڑوں کو قطع کرتی اور اُچڑے ہوئے گاؤں اور قصبوں  
میں سے گزرتی ہوئی جاتی ہے۔ جا بجا اس بات کا قوی ثبوت یہم پہونچتا ہے کہ کسی  
زمانہ میں یہاں کی آبادی زیادہ گہتی تھی اور اسلئے آجکل کے مقابلہ میں اس علاقہ کی زیادہ  
احتیاط کے ساتھ نگہداشت کی جاتی تھی۔ مسافر کا گزرا یہیے قصبوں میں ہوتا ہے جو  
بالکل سونے پڑے ہیں اور سوائے متزلزل دیواروں اور منہدم برجوں کے اندوہ  
فزا استزاج کے اور کچھ وہاں موجود نہیں۔ اوسکے دیکھنے میں ایسے قلعے اور مستحکم  
مقامات آتے ہیں جو انحطاط کے آخری درجہ کو پہونچ چکے ہیں اور اب مٹی کے  
بے شکل تودوں سے زیادہ اون کی حیثیت نہیں۔ اُسے مسدود اور مشرک و قنابون

کی لمبی لمبی قطار میں نظر آتی ہیں جنکے ذریعہ سے کبھی پہاڑوں سے میدانوں میں پانی لایا جاتا ہوگا۔ شہروں کی دیواروں کے کھنڈر رہ گئے ہیں اور ان میں بڑے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ جو عمارتیں قابل ذکر تھیں وہ اب گر رہی ہیں اور جن مکانوں میں پہلے لوگ بود و باش رکھتے تھے ان کی اب یہ حالت ہو رہی ہے کہ تو وہ ہائے غناک سے ان کی حقیقت زیادہ نہیں جہان کتے ہو نہ کتے ہوئے سائی دیتے ہیں غلیظ و کثیف قبرستان جنکی حرمت کی ذرا پروا نہیں کی جاتی۔ اور جو ہر ایک شہر کے باہر کی گریز پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جن میں لوح مرزا کا نقش مٹ چکا ہے اور قبریں زمین میں دھنستی ہوئی چلی جا رہی ہیں ایسے وحشت انگیز نہیں ہوتے جیسا کہ شہر کا اندر والا حصہ جہان زندوں کی حالت بھی ویسی ہی ہو رہی ہے جیسی مردوں کی مسافر اگر زیادہ سے زیادہ کسی نئی بات کے پیش آنے کی توقع کر سکتا ہے (اگرچہ جیسا کہ میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں مجھے اس بارہ میں ناکامی ہوئی) وہ یہ ہے کہ اس کا گھوڑا سکندر می کہا کر اگر اپنے گھٹنوں کو نہ پھوڑے تو سفر کی شل کر دینے والی کیسانیت کے تسلسل ہی کو توڑے۔

## عبرت

لیکن اگرچہ یہ رستہ بیرونی دلچسپیوں سے معرا ہے پھر بھی تاریخی اور علی لحاظ سے اس سے دو سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس سفر کے اختیار کرنے سے مسافر محض اس راہ کو طے نہیں کر رہا ہے جسے کم از کم پانچ سو سال سے ہزار ہا زائرین نے طے

کیا ہے بلکہ وہ فوجوں کی طوفان بارگزرگاہ کو دہرا رہا ہے اور عظیم الشان فاتحوں اور فرما تراؤن کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اور اگر اوس دیرانی میں جو اوس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اوس کی چشم بصیرت کو یہ نظر نہیں آتا کہ یہ ملک ایک زمانہ میں کیا تھا اور اب کیا ہے تو کم از کم وہ اس امر کے متعلق تو ضرور رائے قائم کر سکیگا کہ جنگ اور وبا کے خوفناک نتائج نے کہنہ بد نظمی کے زیادہ تر خوفناک نتائج کے ساتھ ملکر اس ملک کی کیا حالت کر دی ہے اور اس بوسیدہ شہروں اور دیران مکانون کے اجڑے ہوئے طبقہ میں وہ زبان حال سے ایران کے دیرینہ زوال کی داستان سنے گا۔

### منزلوں اور فاصلہ کی فہرست

ذیل کے نقشہ میں اون منازل کے نام اور فاصلے درج کئے جاتے ہیں جو مشہد اور طہران کے درمیان واقع ہیں۔

نام مقام	فاصلہ کل	فاصلہ باقی	نام مقام	فاصلہ کل	فاصلہ باقی
مشہد	۱۰	۰	شوراب	۲۵	۰
شریف آباد	۲۴	۰	دعقرانی	۱۸	۰
قدم گاہ	۲۹	۰	سبزوار	۲۴	۰
نیشاپور	۱۶	۰	مہر	۳۲	۰

اس سفر پر بہت سے سیاحوں نے سفر کیا ہے اور ان کے تفصیلی بلجزئی حالات بھی قلمبند کئے ہیں جن کا یہ ہیں

نام مقام	فصلکتاب پنجم	فصلکتاب چھٹی	نام مقام	فصلکتاب پنجم	فصلکتاب چھٹی
مزینان	۶	۳۰	اہوان	۶	۳۰
عباس آباد	۶	۲۳	سمنان	۶	۳۰
میان دشت	۶	۲۳	لسگرد	۶	۳۰
میومای	۶	۲۴	دہنک	۸	۲۵
ارمینان	۴	۱۷	نشلک	۶	۳۶
شاہ رود	۷	۲۷	ایوان قالیق	۶	۲۱
دہ ملا	۴	۱۶	کبود گنبد	۷	۲۶
طامنان	۶	۲۶	طهران	۷	۲۵
گشاہ	۷	۲۳	میزان کل	۱۵۴	۱۵۴

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۲ سے میں صرف اون لوگوں کا نام لیتا ہوں جو سب سے زیادہ مشہور یا علم و فضل کے اعتبار سے سر پرآوردہ ہیں۔ الاصطخری (سنہ ۸۰۷ء تا سنہ ۸۷۰ء) اور سنن جاکری (درجہ ۳۰۰ سالک الممالک)۔ صفحہ ۱۸۱ + رائی ڈی کلاویچ (سنہ ۱۸۰۰ء) "نیوٹن آف ایسی" (داستان سفارت) + وان میراپ (سنہ ۱۸۰۰ء)۔ "جے نیوٹن آف ایسی" اکاؤنٹ آف برٹش ٹریڈ (تاریخی حالات تجارت برطانوی ستہ کرہ جے ہینوے)۔ جلد اول صفحات ۷۷ + ۷۸۔ الی۔ ۳۵۹ + کپتان ٹرو لہر (سنہ ۱۸۰۰ء)۔ "ڈی ایس کی سرگشت سفر" (زبان فرانسیسی) + جے۔ بی۔ فریر (سنہ ۱۸۲۱-۲۲)۔ "جے بی۔ فریر" (سفر خراسان)۔ باب میز وچم الی مفہوم + کپتان اسے۔ کوٹلی (سنہ ۱۸۳۰ء)۔ "اور لیٹ"۔ جرنل ڈائٹیا (نشلکی) راہ سے ہندوستان کا سفر)۔ جلد اول صفحات ۱۹-۱۰۶-۱۱۱ + ۲۲۰ + ۱-۱۱۱۔ ایل۔ ہسٹون (سنہ ۱۸۳۰ء)۔ "لیٹراج" (سفر نخلی)۔ جلد دوم صفحات ۱۳-۱۰۱ + ۳۳۰ + ڈاکٹر جے۔ والف (سنہ ۱۸۳۲ء)۔



## دوسرا راسخہ



اسکے کہ میں کچھ اور ذکر و نین یہ بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مشرق سے  
نیشاپور تک کی پہلی تین منزلیوں کا سفر ایک اور راستے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ  
ڈاک کی چوکیاں اور منزلیں دو سر یعنی جنوبی راستہ پر واقع ہیں اس لئے اس راہ کو  
جو زیادہ تر شمالی سمت میں واقع ہے چار پار کے ذریعہ سے جانے والے مسافر اختیار نہیں  
کر سکتے۔ البتہ اس طرف سے کاروان جاتے ہیں (جن کے ہمراہ اونٹ نہ ہوں) اور خصوصاً  
گرمی کے موسم میں اس راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ سڑک خراب ہے لیکن جس علاقہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۳۔ ”ٹریولس اینڈ نیو ٹرانس“ (سفر نامہ و حالات سفارت)۔ جے۔ پی۔ فیئربر  
(۱۸۴۵ء)۔ ”کاروان جرنیل“ (سفر ذریعہ کاروان)۔ صفحات ۵۴۔ الی۔ ۱۱۵۔ کپتان سی۔ کلارک (۱۸۵۵ء)۔  
”جرنل آف دی رائل جاگرافیئل سوسائٹی“ (روزنامہ رائل جاگرافیئل سوسائٹی)۔ جلد سی ویکم۔ صفحات ۳۷۔ الی۔ ۴۸  
این۔ ڈی۔ خانیگات۔ (۱۸۵۵ء)۔ ”یہاٹر ٹریڈ“ (تذکرہ وغیرہ)۔ صفحات ۷۲۔ الی۔ ۹۷۔ ای۔ بی۔ ایسٹوگ  
(۱۸۶۲ء)۔ ”جرنل آف ایس ڈپلومیٹ“ (ایک سفر کاروان نامہ)۔ جلد دوم۔ صفحات ۱۳۴۔ الی۔ ۱۹۱ و  
۲۰۱۔ الی۔ ۲۹۵۔ آرمینس ویمیری (۱۸۶۳ء)۔ لایت اینڈ ایڈیو پرنس“ (حیات و سرگزشت) باب بست  
و ہشتم۔ شاہ کجلاہ ایران (۱۸۶۴ء و ۱۸۸۳ء)۔ ”سفر نامہ شاہ ایران“ (زبان فارسی)۔ ایچ۔ ڈبلیو۔ ہیلیوڈ (۱۸۶۴ء)  
فرام دی انڈس ٹو دی انگلرس“ (از آنگ تا بدجلد)۔ صفحات ۳۶۸۔ الی۔ ۴۱۱۔ کرنل ایون اسٹریٹ (۱۸۶۴ء)  
ایمرن چیگوشو شرقی ایران) جلد اول۔ صفحات ۳۶۶۔ الی۔ ۳۸۸۔ کرنل دلیٹائن بیکر (۱۸۶۳ء)۔ ”کلاوڈس ان دی لیٹ“  
(گھٹا مشرق میں)۔ صفحات ۱۴۲۔ الی۔ ۱۷۶۔ ای۔ اوڈونون (۱۸۶۴ء)۔ ”دی مرد اسس“ (گھٹا مرد)  
جلد اول باب بست و دوم۔ الی بست و ہشتم۔

مین سے یہ ہو کر گذرتی ہے وہ زیادہ تر مرفع ہے (یعنی ۲۰، ۱۰ فٹ) اور اس کے مناظر  
سبزہ اور خوش نمائی کے باعث زیادہ تر دلچسپ ہیں و شہد کے خاک افشان میدانوں اور عربان  
چٹانوں سے چند ہی میل کے فاصلہ پر پہتے پانی اور سبز و شاواہب درختوں میں ہونچکر مسافر کو  
حقیقت میں تعجب ہوتا ہے منظر لین جب ذیل ہیں۔

نام مقام	فاصلہ بحساب فرسخ	تخمینی فاصلہ بحساب
مشہد	۰	۰
جائوگ	۵	۲۰
دود	۶	۲۲
نیشاپور	۶	۱۸
	میزاجکل ۱۴	۶۰

## میری روانگی مشہد سے

ایرانی دستور کے مطابق جسے تو تعاضاے اخلاق تحسن طور پر ہر جگہ پرمایا جاسکتا ہے۔  
کرنیل اسٹوارٹ اور دوسرے احباب میرے ہمراہ شہر کے پہاڑوں کے باہر کچھ دور تک  
مشائیت کے طور پر سوار آئے۔ ایک اور قابل تحسین ایرانی رواج کے بموجب کرنیل اسٹوارٹ

۱۔ اس راہ کو نصار ذیل سیاستوں نے اختیار کیا ہے اور بیان بھی کیا ہے۔ - جے بی فریئر (۱۸۲۱ء) +

۲۔ بی۔ ایسٹوک (۱۸۶۲ء) + ایچ ڈبلیو۔ بلیو۔ بلیو۔ اور کرنیل۔ ایران اسمتھ (۱۸۶۲ء) + کرنیل

وولفٹائن بیکر۔ (۱۸۷۳ء)

نے سچے پہلی منزل کے سفر کے لئے اپنے اصل بل مین سے ایک گھڑا لنگا کر دیا اور ایک تیسری رسم کی تعمیل میں مین نے یہ قصد کیا کہ پہلے دن ایک ہی منزل جاؤں گا اس کا یہ مقصد تھا کہ نوکر چاکرون اور خیمہ و خرگاہ کی حالت ہٹیک ہو جائے اور مین کل زیادہ کڑی منزل طے کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤں۔ مسطح میدان پر ایک گھنٹہ تک سفر کرنے کے بعد اون تند و تیز آندھیوں میں سے ایک نے چلنا شروع کیا جسے مشرق کا سیاح اپنے تھکیت وہ تجربہ سے جانتا ہے یہ آندھی طوفان کی طرح تہپڑ سے مارتی ہوئی چلی اور خاک کے ایک بادل سے زمین آسمان کو اس نے ایک کر دیا۔ میری آنکھوں اور کانوں اور منہ کو اس کثیف طوفان نے خاک جھونک جھونک بھر دیا۔ یہ آندھی ٹھیک میری سمت مقابل سے چل رہی تھی اور نہایت گرم تھی۔ جب مشہد سے روانہ ہو کر ہم سات میل کے قریب طے کر چکے تو ہم ان پہاڑوں کے دامن میں پہونچے جو مشہد کے میدان کو نیشاپور کے میدان سے جدا کرتے ہیں اور حقیقت میں کوہ بنا لود کا جنوبی و مشرقی منہا ہیں۔ جانگرک سے لیکر وہ رود تک کی سڑک اس سلسلہ کوہ کو پلا تھکت طے کرتی ہے لیکن ڈاک کی سڑک ایسے ڈھلوان چڑھاؤ سے کتر اگر جنوبی و مشرقی سمت کو جاتی ہے اور اس سلسلہ کی پست تر پہاڑیوں اور پہلوؤں ہی کو طے کرتی ہے۔

## زایرون کا زند و القتا

ہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر جہاں سڑک جلد جڑ پھیتی ہوئی پہونچی ہے زایرون

نے اس مقدس شہر کی طرف جاتے وقت اظہار شکر و منت کے طور پر پتھر کے  
چھوٹے چھوٹے ڈھیر حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزار کے سنہری کلس کو دیکھ کر  
بقاصنائے زہد و ورع لگا دئے ہیں۔ ان ڈھیروں سے مراد یہ بیان کی جاتی ہے  
کہ زائر یا تو اپنے کسی عزیز مرحوم کے لئے یا اپنے پس ماندوں کے لئے اور یا خود  
اپنے لئے پہلے سے ایک مکان تیار کرتا ہے تاکہ دوسری دنیا میں اوتھے یا اوس کے  
کام آئے۔ ہر ایک ٹیکرے کی چوٹی پر زہد و اتقا کی یہ علامات کثرت سے موجود ہیں۔  
سب سے بلند میلہ جہان سے نوار و اول اول متبرک عمارت کو دیکھتا ہے سلام تہی  
یعنی کوہ سلام کہلاتا ہے اور وہ رود کی سڑک پر بھی اس کے مقابل کا موقع موجود ہے۔  
ایک شیعہ مسلمان جب اول اول یہاں پہنچ کر اپنی منزل مقصود کو دیکھتا ہے  
تو فرط جوش سے اپنی پیشانی زمین پر گرگرتا ہے اور اون مصائب و آلام کو یاد کر کے  
زار و قطار روتا ہے جو اوس کے مذہب کے شہدا کو پہنچے پڑے۔ یہاں وہ اپنے لباس  
کو پارہ پارہ کرتا ہے اور ان دہنجیوں کو کسی شاخ یا جھاڑی سے باندھ دیتا ہے۔ تاکہ  
امام صاحب اوسے پہچان لیں اور قیامت کے دن اوس کی شفاعت کریں۔ یہاں  
وہ اپنے رنگین علم کہتا ہے اور یا علی۔ یا حسین اور یا امام رضا۔ کے نعرے مارتا  
ہوا اوس منزل مقصود کی طرف جلد جلد بڑھتا ہے جبکی اوسے اتنی مدت سے تمنا  
تھی۔ مین نے کسی دفعہ پیچھے مڑ کر دیکھا مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا کیونکہ پوری دادی گزردھا  
کے ایک طوفان میں لپیٹی ہوئی تھی جس کے سفید بادل آسمان کی طرف کسی آتش زدہ

گہاس کے فنگل کے دہوئیں کی طرح عظیم الشان مرغولون مین اونٹھ رہے تھے۔  
 ان پہاڑیوں مین سے ایک کی چوٹی پر پتھر کی ایک سل سیدھی کھڑی ہے جو یہاں خراسان  
 کے ایک سابق کے گورنر جنرل کے زہرہ ڈالنے کی یادگار کے طور پر نصب لیگئی ہے یہ  
 گورنر جنرل ظہران مین صدر اعظم اور سپہ سالار کے جلیل القدر عہدوں پر سرفرازہ چکنے  
 کے بعد معتب ہو کر اس خدمت پر بھیجا گیا تھا اور یہاں اوسنے مشہد کی حالت درست  
 کہنے اور اس مین عہدہ عہدہ کاروان سر آئین بنانے کی وجہ سے لوگوں مین عموماً زایرون مین  
 خصوصاً بہت کچھ شہرت حاصل کی تھی۔ اوس کا نام ابھی تک زندہ ہے نہ صرف پتھر کی سل  
 پر بہت سے احسان مند مشہد یوں کی زبان پر۔

### مشہدین آباد

تار برقی کے ستونوں کی رہنمائی سے بہت سی اونچی نیچی اور چٹیل پہاڑیوں کے  
 سلسلہ کو سٹے کرتے ہوئے ہجرت کی کاروان سرائے مین جو ایک ندی کے کنارہ واقع ہیں  
 پہونچے سڑک پر پیادہ رودون۔ اونٹون اور گدھوں کا جھوم تھا اور مین نے ایک گاڑی بھی  
 دیکھی جو ان پہاڑیوں مین سے ایک پر ایک بگبہ بچنس گئی تھی۔ آخر کار ایک وادی ہم مشہدین آباد  
 کی قہار کاروان سرائے مین پہونچے جسے تربت حیدری والے مشہور اسحاق خان نے  
 موجودہ صدی (انیسویں) کے شروع مین تعمیر کیا تھا۔ یہ اسحاق خان وہی ہے جس کا ذکر مین  
 خراسان کے باپ مین کرچا ہوں یہ مین ۱۳۳۰ عین ڈاکٹر وافت چکے و مین کے چٹیک  
 مندرجہ پہلی مرتبہ مشہد کو جاتے وقت وحشی بنارہا یوں کی ایک جماعت کے ہاتھ پرٹنے

سے بال بال بچا۔ کاروان سرے کے چاروں طرف ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے اور چار خانہ قریب ہی واقع ہے۔

## میرت لیجانے والے قافلے

کے وقت آفتاب نظر نہیں آیا۔ پہاڑوں پر سردی پیدا کرنے والا سفید کمر چھار ہاتھار روانہ ہونے کے دو گھنٹہ بعد ہم سلطان آباد کے گاؤں اور کاروان سرے کے پاس سے ہو کر گزرے جہاں میرے سامان کا گھوڑا موقع پا کر گاؤں کی سید پرانگیوں میں بہاگ گیا اور ہمیں اسے باہر نکلنے کے لئے کچھ دیر تک اچھی خاصی آنکھ میچولی کہیلینی پڑی۔ سڑک پر کئی سو مسافر تھے جن میں سے زیادہ مشہد کی طرف جانے والے تھے۔ یہ سب کے سب یا قریباً سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے جس سے گدے کی سواری کے مقابلہ زیادہ خوشحال ہونے شہوت ملتا تھا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ شیعہ مردوں کی لاشیں تابوتوں میں مشہد کے بڑے مدفن کی طرف جاری ہیں اور سیاحان سابق کے بیانات کی رو سے میں نے تابوتوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ بعض تابوت سیاحان میں لپٹے ہوئے تھے اور گدہوں کے دونوں جانب لٹکے ہوئے تھے۔ لیکن ایک آدمی ایک بہت لمبا تابوت اپنے سامنے زمین پر رکھ کر لیجا رہا تھا اور ضرور ہے کہ کبھی کبھی اوس کے دل پر عجب کیفیت طاری ہوتی ہو بعض دفعہ کوئی میرت لیجانے والا قافلہ ملتا ہے جسے اس بات کی اجازت حاصل ہے کہ شیعوں کی اس قدر میتیں مشہد تک پہنچا دے۔ لیکن بعض

دفعہ ایک غیر پیشہ ور میٹ لیجانے والا بھی دیکھنے میں آتا ہے جو اپنے سفر کا خچہ نکال کر  
اور آخر میں کچھ روپیہ منے اور ان کے لئے پس انداز کرنے کو اپنے کسی زیادہ  
مستول ہم وطن یا دوست کی لاش لیجانے کا ذمہ لیتا ہے۔

## قدم گاہ

مقام گاہ میں وہ رستہ جو مشہد سے دہرود کو آتا ہے پہاڑوں پر سے اور ترکر  
میدان کی طرف آتا ہے اور اس رستہ سے مل جاتا ہے جس پر میں سفر کر رہا تھا۔ قدم گاہ  
کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام طوس کو تشریف لیجاتے  
وقت یہاں فروکش ہوئے تھے اور یہاں کے آتش پرستوں پر اپنی کرامت ظاہر کرنے  
کے لئے اونہوں نے اپنے قدم کا نشان ایک کالے پتھر پر چھوڑا۔ چنانچہ یہ پتھر بعد میں  
ہمیشہ کے لئے زیارت گاہ ہو گیا۔ اس مقدس مقام پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ ایسٹوک  
کہتا ہے کہ اس مسجد کا بانی شاہ عباس تھا۔ مگر اس کا خیال صحیح نہیں حقیقت میں اس مسجد کا  
بانی شاہ سلیمان تھا اور اس مقام کے تقدس کی وجہ سے یہاں بہت سے سید

۱۰ فارس کے صوبہ بن اصطخر کے قریب ایک اور قدم گاہ بھی ہے جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں ایک چٹان  
پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھوڑے کے سم کا نشان ثبت ہے۔ دیکھو پیر و سید گلستان فی رایل جاگرفیکل  
سوسائٹی (زوریدا و رایل جاگرفیکل سوسائٹی) سلسلہ جدید جلد پنجم باب ۲۵۳ء جس میں کپتان ویس کا مضمون مندرج  
ہے۔ سترہویں صدی کے مصنفین نے بعض ساسانی پتھر کی صورتوں کو بھی جو شیراز کے قریب پائی گئی  
قدم گاہ کہا ہے۔

رہتے ہیں جو بد معاش ہونے کے لحاظ سے اپنے اکثر دوستوں سے بہا یوں سے کم  
 نہیں۔ مسجد ایک بڑے باغ کے اوپر کے کنارے پر ایک مرتفع چوڑے پر واقع ہے۔  
 کسی زمانہ میں اس باغ کے کئی خوبصورت درجے پہلوان کی کیا ریون۔ حوضون اور  
 بہتے پانی کی نہروں سے مزین ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ باغ اب بہت کچھ ویران ہو گیا  
 ہے پھر بھی کثیر التعداد درخت اس پر اپنا سایہ کئے ہوئے ہیں۔ مسجد کے اندر ایک  
 ہی درجہ ہے جس میں ابھرے ہوئے کنارے والے محراب میں سے داخل ہوتے  
 ہیں اور اسکے اوپر ایک بہت بڑا قبة ہے۔ پھر جس پر قدم ہے مسجد کے اندر ہے  
 اور یہ کچھ مقام تعجب نہیں کہ امام صاحب کے قدم کا نشان معمولی قدموں کی نشان  
 سے بڑا ہے۔ ان سب بڑے آدمیوں کے پاؤں بھی بڑے تھے میں نے حضرت  
 محمد مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم کے قدم کا نشان حضرت عمرؓ کی مسجد واقع یروشلم میں اور بدہ  
 کے پاؤں کا نشان کوہ آدم پر سیلون میں دیکھا ہے اور ان کے قدموں کے بہت  
 بڑے ناپ کو دیکھ کر عجیب ہوا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے قدم کا نشان  
 نسبتاً اس قدر کیون چھوٹا ہے۔ قے کے بیرونی حصے پر کسی زمانہ میں کاشی کا کام تھا  
 لیکن اب وہ اکہڑ کر نیچے گر پڑا ہے اگرچہ ابھی تک ایک صحیح و سالم کتبے کی دہاریاں  
 گنبد کے پیٹ اور رد کار پر نمایاں ہیں۔ مسجد کے باغ سے نہر ٹھکڑہ ٹھکڑے کے بیچون  
 پہنچ صنوبر کے درختوں کی ایک شاندار قطار کے پاس سے بہتی ہوئی چا پارخانہ اور

۱۰ بیان کیا جاتا ہے کہ بن بیجون یا محمدرضا علی پہلوان سے صنوبر اوگے ہیں اور بن چار سال قبل ایک ناز کوہستان



ایک بڑی کاروان سراس کے درمیان گذرتی ہے۔ زیارت گاہ سے اوپر ایک پہاڑی پر جو سطح میدان سے پانچ سو فٹ بلند ہوگی۔ قدم گاہ کا گاؤن اور قلعہ ہے اور وادی کی سمت مقابل میں جو یہاں پہاڑوں میں پیدا ہوئی ہے ایک اسی طرح کی پہاڑی پر ایک پرانی گڑھی واقع ہے۔

### نیشاپور کا میدان

مگ گاہ سے روانہ ہونے کے ایک گھنٹہ بعد ہم نیشاپور کے مشہور و معروف میدان میں پہنچے جسکی تعریف میں مورخین سابق اسقدر رطب اللسان ہوئے ہیں۔ اسکے عجائبات کا اظہار کثرت کے اعتبار سے بارہ کے عدد کے اضعات کی وساطت سے کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ یہاں فیروزے۔ تانبے۔ سیسے۔ سہ مرمر لوبے۔ نمک۔ مرمر اور سیلکھری کی بارہ بارہ کانیں ہیں۔ پہاڑوں سے نکل کر ہمیشہ۔ بہنے والی بارہ ندیاں ہیں۔ بارہ سو گاؤں ہیں اور بارہ ہزار قناتیں ہیں جو بارہ ہزار چشمون سے نکالی گئی ہیں۔ یہ شاعرانہ دولت بالکل صنایع ہو چکی ہے۔ لیکن نیشاپور کا میدان ابھی تک زرخیز و شاداب ہے اگرچہ یہ شادابی وزرخیزی دایمی نہیں۔ جس سے روایات کے سیفنے مہور ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان اقطاع کی شادابی ر کم از کم موسم خزان کے آخری حصہ میں انگلستان کے سیر حاصل علاقہ کی شادابی سے کچھ بھی مناسب رہتی ہے۔ سوائے اون درختوں سے ڈھکے ہوئے چوکھونٹے

قطعات کے چہان گاؤں واقع ہیں اور کہیں سبزہ کا نشان نہیں پایا جاتا لیکن قیطعات ہر پاؤ پاؤ میل کے بعد واقع ہیں اور کثیر التعداد نالیوں اور پشتوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کل علاقہ زیر آبپاشی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اناج یہاں بیج سے دس گنا پیدا ہوتا ہے لیکن آج کل یہاں کی غاص پیداوار۔ چانول۔ ایون اور مٹا کوہین۔ فیہریر جو ۴۵ سال قبل زیادہ اچھی فصل میں اس رستہ سے گزرا اس کی دفعہ زمین کا ذکر نہایت خوش سے کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "میں نے اس سے پہلے ایران میں سبزہ کی کہیں ایسی فردانی نہ دیکھی تھی اور جب نگاہ ردہ کر اس کے سبزہ نازوں پر پڑتی تھی تو مجھے آسانی سے سمجھ میں آ جاتا تھا کہ ایران کے فرمانروایان قدیم کو نیشاپور سے کیوں ایسا حاصل کرتے تھے۔"

### شہر نیشاپور

نیشاپور (نسیا یا نسوا) مورد رحمت یزدان۔ مولیٰ ڈائونیسس رب النفع روایات یونان۔ اور فردوس ایران کی شکستہ دیوار میں اور برج جن پر ایک بلند مسجد کی چبوت اور مینار چھائے ہوئے ہیں شہر میں پہنچنے سے بہت دیر پہلے ہمیں نظر آنے شروع ہو گئے تھے ایک وسیع قبرستان میں سے گزر کر جس کی کثیف قبریں اوس غلاط کا ثبوت دیتی تھیں جو ایران میں کیا موت اور کیا حیات دونوں میں ساری ہے اور شہر کی جنوبی دیوار کا چکر کاٹ کر ہم چار خانہ میں جو مغربی پہاڑ کے ٹھیک باہر واقع تھا پہنچے۔ شہر پتہ جو کسی زمانہ

۱۵ قدیم یونانوں کے عقیدے کے مطابق شراب کا دیوتا۔ مترجم

میں بلند تھی اس وقت کو چان کی شہر پناہ سے بھی زیادہ ویران حالت میں تھی ہر پچاس گز کے اندر دیوار میں بڑے بڑے سوراخ تھے اور دیوار کے بعض بعض حصے تمام وکال غائب ہو گئے تھے۔ لیکن ایک مقام پر کچھ آدمی مرمت کے کام پر لگے ہوئے تھے اور ایک برج کو از سر نو تعمیر کر رہے تھے۔ ایک کہانی میں سے گیلی مٹی کی چکی تیان کہو کر دست بدست اوپر پہنچا دی جاتی تھیں جہاں اونہیں ایک دوسری پر جا دیا جاتا تھا لیکن یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آسکی کہ اس ترمیم سے اب کیا فائدہ مترتب ہوگا۔ اگر غنیمت چاہے تو دہا داکرتا ہوا وہ نیشاپور میں ایسی ہی آسانی سے بدل ہو سکتا ہے جیسی آسانی سے براہمپٹن کی سڑک تک اگرچہ فائدہ او سکوا ایسا کرنے سے اوسمی قدر ہو گا جس قدر براہمپٹن کے قبرستان پر فوجی قبضہ کر لینے سے۔

### نیشاپور کی تاریخ اور شہرت

نیشاپور کا نام عرت عام میں نے یا نو اور شاپور سے مشتق ہے۔ اور روایت یوں ہے کہ شاپور نے از سر نو اس کو بنایا یا ایسے مقام پر بنایا جو نے زار تھا۔ لیکن یہ شہر شاپور سے بھی پہلے کا تھا اور اس کی روایتی بنیاد طہمورث سے منسوب کی جاتی ہے جو فرما زوایان سلسلہ پیشدادی کا ایک بادشاہ تھا اور نوح علیہ السلام سے چوتھی پشت میں تھا۔ اس کا صحیح ماخذ نو (آجکل کے فارسی لفظ نیک کا مراد ف) اور شاپور سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس شہر کو سکندر اعظم نے برباد کیا اور بعد میں شاپور اول یا شاپور ذوالاکتاف (ایرانی روایت کو ہمیشہ مخلوط کر دیتی ہے) نے از سر نو تعمیر

کیا۔ شاہپور ذوالکثافت کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنا ایک بہت بڑا  
مجسمہ تیار کر کر نصب کرایا جو مسلمانوں کے حملے تک یہاں قائم رہا۔ لیکن شاہپور کے  
شہر کا موقع وہ نہیں تھا جو موجودہ نیشاپور کا ہے بلکہ زیادہ تر جنوب و مشرق کی طرف تھا  
جہاں اسکے گنبد راجھی تک ایک نیلگوں گنبد والے مقبرہ کے گرد پائے جاتے ہیں  
جو ترک کی بائیں جانب واقع ہے۔ نیشاپور جو دنیا کے ہر شہر سے یقیناً زیادہ بڑا ہوا  
اور پھر بنایا گیا۔ عربوں کے زمانہ میں از سر نو پہلا پہولا اور یکے بعد دیگرے خاندان  
طاہریہ اور محمود غزنوی کا جب کہ وہ حاکم خراسان تھا اور فرمانروایان خاندان سلجوقی  
کا پایہ تخت رہا۔

سلجوقیوں کے پہلے سلطان طغرل یک نے اسے اپنا مستقر بنایا اور اس کے  
عہد میں یہ عظمت و شان کے شہتائے عروج کو پہونچا۔ بہت سے مشہور و معروف  
سیاحون نے اسکی عظمت و شوکت اور شہرت و ناموری کا ذکر کیا ہے۔ دسویں صدی  
میں عرب سیاح الاصطخری نے اسے مربع شکل میں پایا جو چاروں طرف ایک ایک فرسخ  
کے فاصلہ میں پہلا ہوا تھا جسکے چار پہاڑ تھے اور اطراف میں دو وسیع آبادیاں  
تھیں۔ گیارہویں صدی میں ناصر خسرو بیان کرتا ہے کہ اگر قاہرہ کا ہمسر کوئی دوسرا شہر ہو  
تو وہ نیشاپور ہے۔ ایک عرب نے اسکی قناتوں اور اسکے باشندوں کے متعلق  
یہ ظرافت آمیز فقرہ کہا ہے کہ ”یہ شہر کیا ہی نفیس ہوتا اگر اس کی نہرین بالائے زمین  
ہوتیں اور اسکے باشندے زیر زمین“ ایک اور مصنف ابو علی العلوی نے بیان کیا

ہے کہ یہ شہر فسطاط (قاہرہ قدیم) سے زیادہ بڑا۔ بغداد سے زیادہ آباد۔ بصرہ سے زیادہ منظم اور تعمیران سے زیادہ شاندار ہے۔ اس میں ۴۴ محلے۔ ۵ بڑی بڑی سڑکیں۔ ایک شاندار مسجد اور ایک مشہور آفاق کتب خانہ تھا۔ سلطنت خراسان کے چار بادشاہی شہروں میں اس کا بھی شمار تھا۔

## نیشاپور کی بربادی

اب بدبختی کا دور آیا اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ بارہویں صدی کے بعد سے اگر نیشاپور اس غرض سے تباہ ہوا کہ اسے تعمیر کیا جائے تو چون ہی کہ اس کی مگر تعمیر عمل میں آئی بربادی یہی ساتھ ہی ساتھ آئی۔ کسی شہر نے کسی زمانہ میں ایسی سخت جاتی نہیں دکھائی۔ کوئی شہر کسی زمانہ میں ایسی سفاکانہ تباہی کا کھلونا نہیں بنایا گیا۔ خود قدرت نے



۱۱۷۵ قسطاط کی باحضرت عمر بن العاص نے اپنے زمانہ تیسرے مصر میں ڈالی۔ اس شہر کے بنا ڈالے جانے کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے جسکو علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں اس طرح بیان کیا ہے۔

”عمر نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ علقا فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔

اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گونسل لگا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے یہاں کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس اگر اسی خیمہ کے قریب ٹھہرایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج بھی نام لیا جاتا ہے۔“ الفاروق معبودہ ۲۹۹ صفحہ ۱۹۶۔ مترجم

۵۔ باقی کے شہر مدینہ اور ہرات تھے۔

انسان کی اوسکے انتقام کے وحشیانہ عزم میں اعانت کی کیونکہ جو کچھ فاج کی تسخیر سے بچ رہا تھا اوسے زلزلہ نے منہدم کیا۔ بارہویں - تیرہویں اور پندرہویں صدیوں میں یہاں تین بڑے زلزلے آئے۔ ان کے ہاتھوں جو تباہی نیشاپور پر نازل ہوئی اوسکا آغاز ترکمانوں نے کیا جنہوں نے ۱۱۵۳ء میں مشہور سلطان سنجر کے عہد میں اسکو ایسا غارت کیا کہ جب یہاں کے باشندے لوٹ کر آئے تو ادھنہیں اپنے گہروں کا نشان تک نہ ملا۔ لیکن اگر ترکمانی صولت "تازیانہ کا حکم رکھتی تھی تو "منغلی جلاوت" نے نیش عقیب کا کام دیا۔ چنگیز خان کے منغولوں نے اوسکے بیٹے تلوی خان کی ماتحتی میں ۱۲۲۳ء میں شہر کو شعلہ و دھندلیر کے حوالہ کیا اور ایک معتبر مورخ بیان کرتا ہے کہ اوسکی خوشنما

۱۱ عرفی نے جسکے کلام میں آثار ایران کا جا بجا ذکر ہے اور جس کے اس مشہور شعر کو سنکر کہ  
 اذ نقش و نگار رود دیوار شکستہ      آثار پدید است صنادید عجم را  
 بے اختیار ایران کی گدشتہ شان و شوکت کا عبرت ناک نقشہ آنکھوں میں پڑ جاتا ہے اپنے ایک مشہور  
 لفظیہ قصیدے میں جسکا مطلع -

سپیدہ دم جو زوم استین بختی شعور      شنیدم آئہ استغفوا از عالم نوز  
 ہے نیشاپور کے تباہ کن زلزلوں کی طرف اسطرح سے اشارہ کیا ہے۔

نمود باندا اگر روز حشر طے نہ کند      شفاعت تو عمل نامہ انامش و ذکر

ترجمہ کثرت عصیان میں بدعشتہ فساد      حساب گاہ قیامت چو ارض نیشاپور

۱۲ اسی چنگیز گری میں خواجہ فرید الدین عطار جہین صوفیہ کرام کے طبقہ میں ایک ممتاز و برجہ حاصل ہے اور جس کا  
 پند نامہ زبان زد خاص و عام ہے شہید ہوئے - مترجم

سفا کی پراس اوس وقت تک نہ بچھی جب تک کہ اوہنوں نے سترہ لاکھ چالیس ہزار نفوس کا خون نہ بہا لیا اور شہر کو ایسا مسمار نہ کر دیا کہ گہوڑا اوسپر ٹھوکر کھائے بغیر جا سکے۔ پچاس سال نیشاپور پھر آباد کیا گیا لیکن مصیبت اور غدا ب کے جن جن مرحلون کو اس نے اوس وقت سے طے کیا ہے اون کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا۔ مغلون تاتاریوں۔

ترکانوں اور افغانوں نے یکے بعد دیگرے اسے اپنا شکار بنایا اور بتدریج اسے اوشکل میں منتقل کر دیا جسے اٹھارہویں صدی میں ایک وسیع کینڈر سے تعبیر کیا گیا۔ شاہیہ میں نادر شاہ کی وفات پر اس شہر نے احمد شاہ ابدالی افغان کے حملہ کی بدولت کی لیکن چھ مہینے کے محاصرے کے بعد اسے اسے منہر کر لیا اور جو واقعات کہ اس تسخیر کے وقت پیش آئے وہ اگر چنگیز خان کی سفاکیوں کے مساوی نہ تھے تو کم از کم اوسکے یاد دلانے والے ضرور تھے۔ لیکن فاتح جس قدر کامیاب ہوا اسی قدر خرم و احتیاط سے بھی اوستے کام لیا۔ جس ترک سردار عباس قلی خان نے اوس کا مقابلہ کیا تھا اور جبکو وہ تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے لگا تھا اور جبکی بہن سے اوس نے شادی بھی کر لی تھی اوسے کو اس شہر کی حکومت احمد شاہ نے پھر دیدی۔ عباس قلی خان اس احسان کے معاوضہ میں عمر بھر احمد شاہ ابدالی کا مطیع رہا۔ اور شہر کو آرایش و تزیین کے لحاظ سے اپنی ہمت و مستعدی سے حالت اصلی پر لے آیا۔ اوسکے جانشین کو زمانہ میں ۱۷۹۶ء میں نیشاپور بلا کسی جھگڑے کے قاجار غاصب آغا محمد خان کے قبضہ میں چلا آیا اور اوس وقت سے اب تک دولت ایران کے ماتحت رہا ہے ۱۸۲۱ء

مین فریزر نے اسکی آبادی کا اندازہ ... ۵ کیا۔ کوئلی نے ۸۳۰۰۰ مین آبادی کی  
تعداد ۸۰۰۰۰ ہوتا بیان کی۔ سر۔ ایف۔ گولڈ اسمیٹ نے بھی ۸۳۰۰۰ مین ہی تعداد بیان  
کی۔ سب سے بعد کا اندازہ دتل ہزار کا ہے اور یہ تعداد اوس ترقی کے لحاظ سے  
جسکی ایک طویل امن کے زمانہ مین اسید کی جاسکتی ہے کچھ زیادہ نہیں۔

### مقبرہ عمر خیام



سے انگریزی ناظرین شاید نیشاپور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے  
ہونگے کہ یہ ایران کے اوس ہیئت وان شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے جس کا نام اور  
جس کا کلام موجودہ نسل کو فخر جبریل کے بے نظیر ترجمہ اور اس سے کمتر درجہ کے  
بہت سے شعرا کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم  
ہو گئے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب ثانی الذکر مین سے کسی ایک کی تصنیف  
کے دیباچہ مین سینے یہ منکسر اندر درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ ”کاش کوئی شخص میری  
اس کتاب کو نیشاپور مین لے جا کر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھا دے“ اگر میرے پاس  
یہ کتاب موجود ہوتی تو یقیناً مین نے راقم کی درخواست کی تعمیل کی ہوتی اور جبوقت مین  
اپنا غیر ضروری سامان علیحدہ کیا تھا اوی وقت شاعر کی قبر پر اس کتاب کو بھی نذر چڑھا دیتا۔ اگرچہ  
مجھے خوف ہے کہ اگر عمر خیام کی قبر کی تباہ حالت کو اوس کے انگریزی معرّفین دیکھتے تو  
ادھنہن سخت صدمہ پہونچتا۔ یہ قبر ایک ویران سے بلغمین ہے جس مین کہی پھولوں  
کی کیا ریان اور پانی کی نہر مین تھیں مگر ایسا سواے خس و خاشاک کے اور کچھ نہیں



رہا۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام افسوس ہے کہ آجکل کے ایرانی عمر خیام کی مشق خاک کی طرف سے ویسے ہی بے پرواہ ہیں جیسے اونیویں صدی کے اہل لندن میتھیو پیلس یا ولیم آٹ مائٹس بری کی خاک کی طرف سے۔

## سٹرکین

پوزمین مشہد و طہران کے سلسلہ تار برقی کا ایک دفتر تار ہے جس میں ایرانی علامہ مامور ہے جرنیل بہان علاءہ اون دونوں سٹرکون کے جو مشہد سے آتی ہیں یہ اور کسی قابل ذکر سٹرکون کا مقام اتصال ہے۔ جانب جنوب ایک سٹرک تربشیر سے آتی ہے اور جانب شمال ایک پگڈنڈی مساویہ سے ہوتی ہوئی جہان فیروز کی کانین

۱۵۔ میتھیو پیلس ازمند وسطی کا ایک مشہور مورخ ہے جو ۱۱۹۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کی سب سے بڑی کتاب "پسٹوریا میجر" (تاج کبیر) ہے جس میں اس نے ابتدائے آخر فرش سے اپنی وفات کے زمانہ تک جو ۱۲۵۹ء میں وقوع میں آئی۔ دنیا کے واقعات قلبہ کئے ہیں۔ مترجم

۱۶۔ یہ ایک انگریزی مورخ ہے جو سامر سٹٹائر واقع انگلستان میں ۱۷۵۹ء پیدا ہوا۔ اس نے آکسفورڈ میں تسلیم پائی اور عباسی زہدیت پہن کر ممبری کے کلیسا کے کتب خانہ کا خازن ہو گیا اور اسی لحاظ سے اس کو ممبری سے انتخاب ہے۔ اس کی خاص تصنیف انگلستان کی ایک سماج ہے جس میں ولیم فاتح کے حملہ سے لیکر ۱۲۳۳ء تک کے حالات درج ہیں اس کا سنہ وفات بھی ۱۲۳۳ء ہے۔ مترجم

۱۷۔ کرنل ویلنٹائن بیکر نے اس کتاب کا ذکر ۱۸۷۸ء میں اپنی کتاب "کلائڈس ان دی ایسٹ" (گہٹا مشرق میں) کے صفحات ۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸ پر کیا ہے۔

ہین کو چان کو جاتی ہے اور مغرب کی طرف وہ قدیم فراموش شدہ بحیرہ اخضر کی طرف  
جانیوالی تجارتی راہ واقع ہے جسکی نسبت یہ باور کیا جاتا ہے کہ ازمنہ وسطی میں چین ہندوستان  
اور براعظم یورپ کو جو بڑے خشکی کے رستہ کی زنجیر باہم ملاتی تھی اوس کا یہ ایک حلقہ  
تھی۔ یہ راہ نیشاپور سے عربی شہر اصفہان کو اسی نام کے میدان میں سے گذرتی ہوئی  
جاتی ہے اور پھر مغربی سمت اختیار کر کے پہاڑوں کو اوس درہ کی طرف سے جو دھانڈا کرگان  
کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس میں دریائے گرگان بہتا ہے سٹے کرتی ہوئی اوس  
میدان میں جا نکلتی ہے جو ڈہلتا ہوا بحیرہ اخضر کی طرف چلا گیا ہے۔ اس راہ کی مندرجہ  
اسیڈورساکن جیرکس اور الاصطخری نے اپنے سفر ناموں میں بیان کی ہیں اور شاہ  
عباس اعظم نے جو کاروان سرانیں اس پر بنائی تھیں وہ ابھی تک کھڑی ہیں اگرچہ اب  
اون کے کھنڈر رہ گئے ہیں۔

## فیروزے کی کانین

نیشاپور سے شمالی و مغربی سمت میں قریب چھتیس میل کے فاصلہ پر متذکرہ بالاسرٹون  
میں سے پہلی پر وہ مشہور و معروف فیروزے کی معادن واقع ہیں جو نیشاپور کے  
قریب ہونے کے باعث ہمیشہ سے نیشاپور کی کانین کہلائی ہیں۔ اگرچہ فیروزے  
ایران میں اور جگہ بھی ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دوسرے

۱۔ ایران میں فیروزے کی دوسری کانین جن کا ذکر میں نے سب سے باجن کے حالات میں نے پڑھے حقیقی  
ہیں۔ ۲۔ ترشیز کے قریب جنہیں گدگدٹ نے ۱۱۵۰ میں ملوان سالانہ کے ٹیکہ پر دیہ یا گران میں کام نہیں

ملکوں میں بھی یہ پتھر پیدا ہوتا ہے لیکن تمام علمی مطالب کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں بھی صرف ایسی کانیں ہیں جو کان کنی کے مصارف کی ایک بڑی معیار پر تلافی کرتی ہیں اور ہزار فیروزوں میں سے جو بازار میں بکتے کیلئے آتے ہیں ۹۹۹ کا مخزن ہوتی ہیں۔ یہ کانیں جن کی تعداد کثیر یہاں موجود ہے جن میں کھدائی کا کام جاری ہے یا جو بند ہو گئی ہیں ایک ضلع میں جب کا رقبہ چالیس مربع میل ہو گا واقع ہیں۔ یہ ضلع معدنی پیداوار کے لحاظ سے نہایت زرخیز ہے۔ یہاں ایک نمک کی کان موجود ہے جس میں سے اس وقت نمک نکلتا ہے۔ ایک سیسے کی کان ہے لیکن اس میں سے اب سیسہ نکالا نہیں جاتا۔ اس کے علاوہ اس نواح میں بھر بھر پتھر بھی نکلتا ہے فیروزے پہاڑوں کے ایک سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں جس کے اجزائے ترکیبی سنگ ساقی سنگ سبز چونے کے پتھر اور بھر بھرے پتھر ہیں۔ یہ سلسلہ سطح سمندر سے کبھی ۵۸۰۰ سے زیادہ یا ۸۰۰۰ فٹ سے کم بلند نہیں رہا۔ فیروزوں کے نکالنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو کانوں کو جو چٹانوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۱۔ ہوتا ان کا ذکر پہلو نے کیا ہے (۲) طیس کے قریب جن کا ذکر مسگر گیر اور ہر برٹ نے کیا ہے (۳) کرمان کے قریب جن کا ذکر ماکو پولو۔ لینگے اور ہر برٹ نے کیا ہے (۴) تفت واقع ضلع ہرمین جن کا حال خاک کاٹ۔ نیپئر اور ہر برٹ نے بیان کیا ہے (۵) قلعہ قری میں جو برجندہ کے درمیان بصیران کے قریب واقع ہے۔ ان کانوں کا حال خاک کاٹنے بیان کیا ہے۔ کرمان کے ضلع میں متعدد کانیں باقی جاتی ہیں (۱) پرہ کی کانیں جو گدھر میں ہیں (ب) مشیر کے قریب (ج) شہر بابک کے قریب۔ لیکن ان تمام کانوں سے جو پتھر نکلتے ہیں ان کی رنگت نہایت زردی مائل ہوتی ہے اور وہ زیادہ قیمتی نہیں ہوتے۔

کے اندر غلام گردشون کی شکل میں تیار کی گئی ہیں کہو دھونے یا بارود سے اور اسے کسی اور یا پرانی کاؤن کے طے یا اس مٹی کی ڈھونڈنے سے جسے ندیان پہاڑیوں کو پہلو سے میدان میں بہا لاتی ہیں۔ بہترین فیروزے اب بالعموم ثانی الذکر طریقہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ کان کنی اور فیروزہ تراشی وغیرہ میں پندرہ سو آدمی مصروف ہیں جو معدن بالا اور معدن پائین کے دو بڑے گاؤں اور اسی نواح کے چند چھوٹے چھوٹے موضعوں میں رہتے ہیں۔

## کان کنی کی تاریخ

باور کیا جاتا ہے کہ زمانہ سابق میں یہ عہد فرمان روایان خاندان صفویہ جبکہ ایران متول اور شہرت کے نصف النہار پر پہنچا ان کاؤن پر خود سلطنت کی طرف سے کام ہوتا تھا۔ اٹھارہویں صدی کی بدعقلی اور شورش و فساد کے زمانہ میں ان کاؤن کی طرف یا تو بالکل التفات نہیں کی گئی اور یا انہیں بالکل گاؤں والوں پر چھوڑ دیا گیا جنہوں نے جو کچھ ممکن تھا ان میں سے نکالا۔ جب امن و امان قائم ہوا تو گورنمنٹ نے پھر ان پر قبضہ کر لیا اور اس صدی (انیسویں صدی) میں برابر یہ سب سے زیادہ بولی بولنے والے کو ٹھیکہ پر دی جاتی رہی ہیں۔ لیکن کان کنی کا کوئی معیہ اور مضبوط طریقہ نہ تھا۔ جو شخص جس طرح چاہتا تھا کہو دھونے اور اس کا نتیجہ ہوا کہ بہت سی پرانی کاؤن کی چیتیں اور دیواریں گر پڑیں اور نہایت قیمتی پیداوار کا مخزن بالکل معدوم ہو گیا۔ اس کے علاوہ خود سائنس کی ترقی نے کان کنی کے کام کو زیادہ بے اصول کر دیا کیونکہ جہاں پہلے کدال سے

احتیاط کے ساتھ کام لیا جاتا اب وہاں غیر مقرر طور پر بارود کا استعمال کیا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے پتھر نکالتے وقت چکنا چور ہو جانے لگے۔

## آمدنی



نولی کا بیان ہے کہ جب حسن علی مرزا حاکم خراسان تہا تو فیروز کی کانوں کا سالانہ محصول ایک ہزار تومان اور پتھر کے نمک کی کانوں کا تین سو تومان لیا جاتا تھا۔ فریزر کے زمانہ میں (۱۸۲۶ء) دو ہزار خراسانی تومان یا دو ہزار سات سو پاؤنڈ کل کانوں کے لئے اور تیرہ سو تومان سب سے بڑی کان کے لئے طلب کئے گئے۔ ایسٹوک کہتا ہے کہ ۱۸۲۶ء میں محصول صرف ایک ہزار تومان یعنی چار سو پاؤنڈ تھا۔ دس سال بعد جماعت ۱۲۷۰ تصفیہ سرحد کے اداکین کو معلوم ہوا کہ کل کانوں کا محصول آٹھ ہزار تومان یا تین ہزار دو سو پاؤنڈ تھا۔ گو کہ ۱۸۲۶ء میں کپتان ٹینسر نے محصول کی مقدار چھ ہزار تومان یا دو ہزار چار سو پاؤنڈ ہونا بیان کی۔ ۱۸۲۶ء تک محصول کی مقدار آٹھ ہزار تومان رہی لیکن اس زمانہ میں شاہ نے دانشمندی و دور بینی کی راہ سے یہ خیال کیا کہ اس سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے چنانچہ اس سال اُسے پندرہ سال کی مدت کے لئے مقرر الدولہ وزیر صیغہ تعلیمات و تابرتی و معاون کو یہ کائنات اس شرح سے پڑ پر دے دیں کہ سال تول وہ نو ہزار تومان ادا کرے اور اس کے بعد ہر سال اٹھارہ ہزار تومان۔ وزیر موصوف نے چند مالدار لوگوں کو اپنا شریک

۱۵۔ نجیبین اپنی کتاب ”پرشیا اینڈ دی پرشٹنس“ (ایران اور اہل ایران) کے صفحہ ۴۰ پر اپنی معمولی غلط بیانی سے یہ مقدار اسی ہزارۃ الرینی سولہ ہزار پاؤنڈ ہونا بیان کرتا ہے۔

بنالیا اور طباع دیکھتا جرنیل شہنشاہ کو جس کی خدمات سے ہر ایک مجوزہ (کاش مین لفظ مجوزہ کے بجائے مکمل استعمال کر سکتا) اصلاح کے کام میں استفادہ کیا جاتا تھا ایک سال تک خدمت نظامت پر مامور رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس شہر کا کو اپنا طریقہ کان کنی غیر نافع ثابت ہوا کیونکہ جب مین یہاں آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مجلس مطہرہ نے کانین ملک التجار مشہد کو (یہ وہی باہمت شخص ہے جس نے کوچان کی سڑک کی تیاری کا ذمہ لیا تھا) دس ہزار تومان یا دو ہزار آٹھ سو پچاس پونڈ سالانہ کے شکمی ٹھیکہ پر دے دیں۔ اور اس قدیم طریقہ کے بموجب جس پر ہر اجارہ دار اپنی باری مین کار بند ہوتا ہے ملک التجار نے بھی گاؤں والوں کو اپنا شکمی حصہ دار بنالیا۔ اس کا ان اسامیوں مین سے بعض کے ساتھ ابھی ابھی اس بات پر جھگڑا ہو چکا تھا کہ جو پتھر اونہین ملے اون مین سے بعض کلانی و عمدگی کے لحاظ سے متعہد پتھروں سے زیادہ بیش قیمت تھے۔ چنانچہ اوسے یہ پتھر ضبط کر کے اون کا اجارہ منسوخ کر دیا۔ سال گذشتہ (۱۹۸۷ء) مین کل فیروزوں کی قیمت جو

۱۰ ان کاؤن کاسب سے بہتر حال اوس کی مرتبہ رپورٹ مین مندرج ہے جو ڈپلومیٹک اینڈ کانسولر رپورٹس (ریاستی سفارتی رپورٹس) کے حصہ دوم مطبوعہ ۱۹۸۷ء مین شائع ہوئی۔ جن اور سیاحون نے معاون فیروزہ کو جا کر دیکھا ہے اور ان کے حالات بیان کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔ سچے۔ بی فریزر (۱۹۸۲ء) "جرائی انٹوخراسان" (سفر خراسان) پہلے شمار دوم۔ وغیرہ "ٹریڈلس ساتھ آت دی کیسپین" (حالات یا حث جانب جنوب بحیرہ خزر)۔ صفحات ۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷-۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۳۱-۱۶۳۲-۱۶۳۳-۱۶۳۴-۱۶۳۵-۱۶۳۶-۱۶۳۷-۱۶۳۸-۱۶۳۹-۱۶۴۰-۱۶۴۱-۱۶۴۲-۱۶۴۳-۱۶۴۴-۱۶۴۵-۱۶۴۶-۱۶۴۷-۱۶۴۸-۱۶۴۹-۱۶۵۰-۱۶۵۱-۱۶۵۲-۱۶۵۳-۱۶۵۴-۱۶۵۵-۱۶۵۶-۱۶۵۷-۱۶۵۸-۱۶۵۹-۱۶۶۰-۱۶۶۱-۱۶۶۲-۱۶۶۳-۱۶۶۴-۱۶۶۵-۱۶۶۶-۱۶۶۷-۱۶۶۸-۱۶۶۹-۱۶۷۰-۱۶۷۱-۱۶۷۲-۱۶۷۳-۱۶۷۴-۱۶۷۵-۱۶۷۶-۱۶۷۷-۱۶۷۸-۱۶۷۹-۱۶۸۰-۱۶۸۱-۱۶۸۲-۱۶۸۳-۱۶۸۴-۱۶۸۵-۱۶۸۶-۱۶۸۷-۱۶۸۸-۱۶۸۹-۱۶۹۰-۱۶۹۱-۱۶۹۲-۱۶۹۳-۱۶۹۴-۱۶۹۵-۱۶۹۶-۱۶۹۷-۱۶۹۸-۱۶۹۹-۱۷۰۰-۱۷۰۱-۱۷۰۲-۱۷۰۳-۱۷۰۴-۱۷۰۵-۱۷۰۶-۱۷۰۷-۱۷۰۸-۱۷۰۹-۱۷۱۰-۱۷۱۱-۱۷۱۲-۱۷۱۳-۱۷۱۴-۱۷۱۵-۱۷۱۶-۱۷۱۷-۱۷۱۸-۱۷۱۹-۱۷۲۰-۱۷۲۱-۱۷۲۲-۱۷۲۳-۱۷۲۴-۱۷۲۵-۱۷۲۶-۱۷۲۷-۱۷۲۸-۱۷۲۹-۱۷۳۰-۱۷۳۱-۱۷۳۲-۱۷۳۳-۱۷۳۴-۱۷۳۵-۱۷۳۶-۱۷۳۷-۱۷۳۸-۱۷۳۹-۱۷۴۰-۱۷۴۱-۱۷۴۲-۱۷۴۳-۱۷۴۴-۱۷۴۵-۱۷۴۶-۱۷۴۷-۱۷۴۸-۱۷۴۹-۱۷۵۰-۱۷۵۱-۱۷۵۲-۱۷۵۳-۱۷۵۴-۱۷۵۵-۱۷۵۶-۱۷۵۷-۱۷۵۸-۱۷۵۹-۱۷۶۰-۱۷۶۱-۱۷۶۲-۱۷۶۳-۱۷۶۴-۱۷۶۵-۱۷۶۶-۱۷۶۷-۱۷۶۸-۱۷۶۹-۱۷۷۰-۱۷۷۱-۱۷۷۲-۱۷۷۳-۱۷۷۴-۱۷۷۵-۱۷۷۶-۱۷۷۷-۱۷۷۸-۱۷۷۹-۱۷۸۰-۱۷۸۱-۱۷۸۲-۱۷۸۳-۱۷۸۴-۱۷۸۵-۱۷۸۶-۱۷۸۷-۱۷۸۸-۱۷۸۹-۱۷۹۰-۱۷۹۱-۱

کانون سے نکلے اسی ہزار تومان یعنی بائیس ہزار آٹھ سو پچاس پاؤنڈ سے کم نہ تھی۔

## فیروزون کی خریداری

فرسز کرینا غلطی میں داخل ہو گا کہ مشہد یا نیشاپور میں بلکہ کان کے منہ پر بھی جا کر سیاح کو نامہ پتہ معقول قیمت میں مل سکتے ہیں۔ ستر سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ فریزر نے یہ کوشش کی تھی لیکن اسے جس دینے کی جو بے ڈرب کوششیں کی گئیں ان کی وجہ سے اسے اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔ اس کے بعد سیاح یہاں آئے ان سب کو یہی تجربہ ہوا۔ بہترین پتہ دن کو کمیشن ایجنٹ کان سے نکلے ہی خرید لیتے ہیں اور یا تو یورپ روانہ کر دیتے ہیں اور یا امرائے ایران کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ باوجود تلاش و تفحص کے مجھے نہ تو مشہد میں اور نہ طهران میں ایک بھی اچھا فیروزہ دستیاب ہوا۔ میں اپنے تجربہ کے اظہار کے لئے بعینہ ٹیورنٹر کے الفاظ کا اعادہ کر سکتا ہوں جو اس نے دو سو سال پہلے استعمال کئے تھے۔

”سابق میں مشہد کے جوہری ایران کی پرانی کانوں کے کچھ فیروزے لاتے تھے لیکن گذشتہ پندرہ سال کے عرصہ سے کوئی فیروزہ اس طرح کا دستیاب نہیں ہوا۔ جب میں بے بھلی دفعہ وہاں تھا تو صرف تین فیروزے دیکھتے ہیں آئے جو اچھے تھے۔ نئی کانوں کے فیروزے بالکل نکلے ہوئے ہیں ان کا رنگ برقرار نہیں رہتا بلکہ کچھ مدت میں ہزارزدی مائل ہو کر پھیکا پڑ جاتا ہے۔“

## فرب دہی



وزون کے خریدار کو چاہیے کہ مشرق کے جوہری کی عیاری سے جو ضرب  
البتل سے اپنے آپ کو بچائے ایک سچے فیروزے کا جو گہرا نیلا رنگ ہونا چاہیے اور سکو  
مصنوعی طور سے بیچنے کے وقت تک قائم رکھنے کا ایک طریقہ ہے جسے لوگ  
استعمال کرتے ہیں۔ فیروزے سٹی کے گیلے برتنوں یا کسی اور طرح سے غمی میں اوس وقت  
تک رکھے رہتے ہیں جب تک کہ وہ بالی کے ہاتھ میں چلے نہ جائیں۔ اس ترکیب سے  
اون کا رنگ آسمانی رہتا ہے۔ خریدار دھام چکا کر فیروزہ لئے ہوئے گھر چلا جاتا ہے لیکن  
مایدوسی کے ساتھ دیکھتا ہے کہ پتھر کا رنگ روز بروز پھیکا پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ کچھ مدت  
کے بعد پیلا سبزی یا ہلکا سا ہوتا ہے۔ معمولی قسم کے پتھر ایران میں خصوصاً اور مشرق میں عموماً  
لگاموں گہوڑے کے ساز و بآق۔ پیش قبض کے دستوں اور میانوں کے مرصع کرنی  
کے لئے استعمال میں لائے جاتے ہیں لیکن ان چپٹے سنگریزوں کے بھی عمدہ نمونے  
مجھے دستیاب نہیں ہو سکے۔ سب سے زیادہ معمولی قسم کے پتھر تعویذوں اور نگینوں کے  
کام آتے ہیں۔ ان پر عربی آیات کندہ کر دی جاتی ہیں تاکہ اون کی رگیں اور نقص  
چھپ جائیں۔ اس قسم کے تعویذ اور نگینے شہد میں زامردن کے ہاتھ کثرت سے  
بیچے جاتے ہیں۔

## زعفرانی

اس جگہ معتبر حد کے بعد میں پھر اپنے حالات سفر کا سلسلہ شروع کرتا ہوں نیشاپور۔



کرمیدان کو میدان سبز وار سے جو بقدر ایک ہزار فیٹ کے زیادہ نشیب میں واقع ہے۔  
 زشت و بد نما ہارٹیون کا ایک جھکتا اور اٹھتا ہوا سلسلہ چہرے سے سرک گزرتی ہے  
 جدا کرتا ہے۔ نیشاپور سے پندرہ میل کے فاصلہ پر زمین آباد کی بڑی کاری و انسر اے  
 آتی ہے۔ اسکے بعد ایک پست دہانہ میں سے گزر کر مسافر پہاڑیوں میں داخل ہوتا ہے  
 اور کچھ دور جا کر شور آب کا چھوٹا سا گاؤں جہان چا پار خانہ بھی ہے ایک وادی میں  
 نظر آتا ہے جب دوسری منزل آئی تو مجھے چا پار کے متعلق وہ تجربہ پیش آیا جس سے  
 زیادہ تکلیف دہ تجربہ کا ایران کے تمام سفر میں مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ جس کم بخت جانور  
 پر میں سوار تھا اوس سے ایسی گھناؤنی بو آتی تھی کہ بشکل تمام میں اوس کی پیٹھ پر بیٹھ سکا  
 اور وہ خود درد اور کرب کے مارے اس طرح سے کراہتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اوس پر  
 عذاب الیم نازل ہو رہا ہے۔ جب اوس پر سے زمین اوتاری گئی تو معلوم ہوا کہ اوس کی  
 پیٹھ پر ایک بہت بڑا گھاؤ تھا۔ اس پر میں نے غلام سے گہوڑا بدلا۔ مگر مجھے معلوم ہوا  
 کہ اوس کے عراقی کی بھی وہی حالت ہو رہی ہے۔ اٹھارہ میل تک برابر ان مصیبت  
 کے مارے ہڈیوں کے ڈاچنوں پر سوار ہونے پر مجبور ہونا راکب اور مرکب دونوں  
 کے لئے سوان روح تھا۔ کسی میل تک ہمارے میدان کا ایک قطعہ طے کرنے کے بعد  
 ہم مقام زعفرانی میں پہونچے۔ یہاں ایک زمانہ میں ایک عالی شان کاری و انسر اے  
 تھی جسکی نسبت یہ بیان کیا جاتا تھا کہ اس سے بڑی کاری و انسر اے ایران میں اور کوئی  
 نہیں۔ ایرانی جو ایک شے کی تاویل میں حتی الامکان شاعرانہ نازک خیالی کو ملحوظ رکھتی

ہین بیان کرتے ہیں کہ زعفرانی کی وجہ تسمیہ یہ روایت ہے کہ ایک دولتمند سوداگر نے اس عمارت کے تیار کرتے وقت اینٹوں میں کچھ زعفران ملا دی جو اس نے امداد و ہنگام غریب شخص سے خریدی تھی جو یہ زعفران معا کر امت سے سونے کی خاک ہو گئی اور اس کے بعد ہمیشہ اینٹوں میں چمکتی رہی۔ اس عمارت کو جس میں ایک زمانہ میں حامون و کانون اور باغوں کے علاوہ سترہ سو حجرے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں لیکن جواب سب کے سب معدوم ہو گئے ہیں۔ بعد یساح شاہ عباس سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن خانیقا کی یہ سبب نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ طرز عمارت اور کتبوں سے جو کوئی خط میں ہین اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ یہ کاروان سراسر عربوں کے زمانے میں تعمیر کی گئی اور قیاساً اس کا زمانہ تعمیر ملک شاہ سلجوقی کے عہد کو قرار دیتا ہے۔ اسکے منہدمہ آثار پر اس خیر خواہ خلافتی صدر اعظم نے جبکا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ زمانہ حال کی وضع کی ایک خوشنما کاروانسرا تعمیر کی۔ زعفرانی سے آگے چل کر شمالی پہاڑوں سے کچھ فاصلہ پر سرک سبزوار کے میدان میں داخل ہوتی ہے۔ اور اس کو قطع کرتی ہوئی کچھ دور جا کر شہر سبزوار میں پہنچتی ہے۔

### سبزوار

سبزوار ایک شاداب و سیر حاصل ضلع کا صدر مقام ہے جہاں ۱۸۷۱ء میں سخت قحط پڑا تھا اور یہ ضلع پہر اب کچھ پیٹنے لگا ہے۔ ۱۸۷۱ء سے پہلے سبزوار کی آبادی کا

۱۔ اس روایت کو فریزر۔ فیئر ہاؤس ٹوک نے علی الترتیب اپنی اپنی تصانیف کے صفحات ۳۸۶ و ۳۸۵ اور صفحات ۱۰۲ و ۱۰۳ اور جلد دوم صفحہ ۸۰ پر مختلف طور سے بیان کیا ہے۔

کا تخمینہ تیس ہزار لگایا جاتا تھا مگر قطعی وجہ سے فوراً ہی کم ہو کر دس ہزار سے بھی گھٹ گئی  
 لیکن اب پھر اٹھارہ ہزار ہونا بیان کی جاتی ہے۔ شہر کے گرد حسب معمول کچی اینٹوں کی ایک  
 تفصیل کھینچی ہوئی ہے اور شمال کی طرف ایک ٹیلے پر اس میں ایک ارک واقع ہے۔ یہ ہزار  
 کی روایتی نامشرق کے اور شہروں کی طرح عہد سلف کے بعید ترین طبقات سے تعلق رکھتی  
 ہے۔ لیکن تاریخی اعتبار سے اس کا آغاز زیادہ موزوں طور پر فرمانروایان سلسلہ سلجوقیہ کی  
 زمانہ سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ جس کے طرز عمارت کا سرخ اس کے بعض باقیات سے  
 عین ملتا ہے۔ اپنے اکثر ہمسایوں کی طرح سبز و ابھی کچی دفعہ برباد ہوا۔ چنانچہ محمد شاہ خوارزمی  
 نے جو واقعہ اسکی تباہی میں اٹھارہ کہا تھا او سے تیمور نے ۳۸۶ء میں پورا کیا۔ جو خوشحالی  
 اسے بعد میں از سر نو حاصل کی او سے افغان حملہ آوروں نے اٹھارہویں صدی میں  
 اپنی حقیقی قومی خصوصیت کے اقصا سے ملیا میٹ کر دیا۔ موجودہ شہر کی عمر سو سال سے  
 زیادہ نہیں کیونکہ علی یار خان مزیانی خراسان کے ایک طاغی حاکم نے بعد فتح علی شاد  
 اسے نئے سرے سے تعمیر کیا۔ کچھ عرصہ سے سبز و درین تجارت کو ترقی ہو گئی ہے کیونکہ  
 یہاں روئی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اسکے علاوہ اون کی برآمد کی یہ ایک بہت بڑی  
 منڈی ہے۔ شہر میں ازمنی سودا گروں کا ایک کارخانہ ہے جسکے تجارتی تعلقات روس  
 کے ساتھ براہ راست آباد و گز ہیں۔ یہ سودا گروں اور اون روس کو بھیجتے ہیں اور

اس رستہ کے بجائے اب خراسان میں داخل ہونے کا وہ جدید رستہ اختیار کیا جاتا ہے جو عاشق آباد سے کچان  
 جاتا ہے۔ یہ رستہ جبکہ اکثرین پیشہ کر چکا ہے سبز وار سے آسانی کے ساتھ مل سکتا ہے۔

شکر اور چھینٹ کا کپڑا وہاں سے منگو اتے ہیں۔ سبز وار میں ایک موٹا سوتی کپڑا تیا ہوتا ہے اور تانبے کی بد وضع دیگیاں بھی یہاں بنتی ہیں۔ یہ تانباتین کا نون سے جو اس نواح میں ہیں اور جو شمالی ایران میں پیداوار کے لحاظ سے سب میں زیادہ مشہور ہیں نکلتا ہے لیکن یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ”پرشین مائنگ رائٹس کارپوریشن“ (کمپنی محفوظ حقوق معدنیات ایران) ان کی پوری طرح سے جہان میں کرے گی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شمالی ایران کے جن مقامات میں بایون کی کثرت ہے اون میں سے سبز وار بھی ہے

**مینا خسرو گرد**

ایک اجنبی کے لئے سبز وار میں اگر کوئی دلچسپ شے ہے (بہتر طیکہ اس غلطی کو جائز رکھا جائے) تو وہ شہر کے باہر واقع ہے۔ یہ ایک تنہا مینا ہے جسے ایرانی روایتاً خسرو گرد کہتے ہیں اور جو موجودہ شہر کی تفصیل کے دوسری طرف مغرب کی سمت میں

۱۔ مقام تعجب ہے کہ کرنل ویلنٹائن جیسے باریک بین اور دقیقہ منج سیاح نے اس مینا کا ذکر کرتے وقت اپنی کتاب ”کلاؤڈس ان دی ایسٹ“ (اگلا مشرق میں) کے صفحہ ۱۶۶ پر لکھا ہے کہ یہ عجیب شکل کا مینا ہے جو کئی اینٹوں کا بنا ہوا ہے خسرو کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ خسرو سے اس مینا کو منسوب کرنا اوسے دور پرین عقل ہے۔ جس دور میں ڈی کھنفسر (شاہ انگلستان) یا کھنفسیس سے۔ اوڈونون بھی اس مینا کے کرائی فن عمارت میں جس کی رو سے آذان دیتے کے لئے مینا بنا کر ایک غلام گردش ہادی جاتی ہو ایک غلامی فن تعمیر کرتا ہو لیکن اسے یہ خیال نہیں ہوا کہ جس زمانہ میں یہ مینا بنا گیا وہ سنیوں کا دور تھا نہ کہ شیعوں کا۔ خسرو گرد ضلع بیہی کا جو موجودہ سبز وار کا دوسرا نام تھا خاص مقام تھا۔

چاہیے کے فاصلہ پر واقع ہے مگر بلاشبہ اس قدیم شہر کی حدود کے اندر تھا جسے محمد شاہ  
 خوارزمی نے پر باد کیا۔ یہ بات منسلک ہے سمجھ میں آتی ہے کہ کسی بھی اس مینار کی حقیقت  
 کے متعلق جس میں عربی فن عمارت کی ہر ایک شان پائی جاتی ہے محض اسوجہ سے تذبذب  
 واقع ہوا ہو کہ جو مسجد کسی زمانہ میں اسکے ساتھ موجود تھی وہ جاتی رہی ہے۔ علی الصلاح اسکے  
 دیکھنے کیلئے میں جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تو میں نے دیکھا کہ جاڑے کی آمد آمد میں  
 شمال اور جنوب کی طرف پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے جوتازہ ہی گرمی تھی سفید ہو رہی تھیں  
 آفتاب نے طلوع ہو کر اپنی شعاعیں جب ان کی جگہ لگاتی تو پیوں پر ڈالیں۔ تو وہ نورانی  
 نظر آتے لگیں اور اون کے دامن ہائے زیرین کی اودمی اور ارغوانی سجاوٹ عجب  
 بہادر کہانے لگی۔ اوڈو و نون نے تعظیم کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر اس مینار کو دور  
 سے کسی کارخانے کے دو دوش سے تشبیہ دی ہے۔ اس میں خشک ہینن کہ یہ تشبیہ  
 کسی حد تک صحیح ہے لیکن جب ہم اس مینار کے پاس پہنچتے ہیں تو یہ وہم رقع ہو جاتا ہے  
 اس وقت ہر گھنٹہ آتا ہے کہ ایک اونچی لائحہ ہے جو ایک سو فیٹ بلند ہوگی۔ اور  
 جس کی اینٹوں کی چٹائی اسطرح ہوئی ہے کہ بیرونی سطح پر آرائشی کام نظر آتا ہے۔ یہ لائحہ  
 گاؤ دم ہوتی ہوئی اوپر کو چلی گئی ہے۔ اور خط کوئی کی ابھری ہوئی اینٹوں کی دیواریں اس پر  
 ثبت ہیں۔ چوٹی ٹوٹی ہوئی ہے اور اسلئے لائحہ نا تمام معلوم ہوتی ہے۔ یہ لائحہ ایک  
 چوڑے اوکٹر کی عیار کی ہوئی کرسی پر کھڑی ہے جو چھ فیٹ نظر آتی ہے اور ایک اوپر چوڑے  
 پر جو قریب آٹھ فیٹ کے بلند ہے قائم ہے اس چوڑے کے گوشوں پر دروازے



مینار خسر و گرد

بنے ہوئے ہیں اور اسکے گرد اگر دھوپ لے چھو لے ٹسٹون اور ایک پست سی کچی مٹی کی دیوار کھینچی ہوئی ہے۔ فرزیز ۱۲۲۷ء میں اس لاہٹ پر ایک چکر دار زینے سے جواسکے اندر ہے اوپر چڑھا تھا اور ادوٹو نوون نے بھی ۱۸۸۷ء میں اوس کی تقلید کی۔ یہ زینہ اب منہدم ہو گیا ہے۔

### اس مینار کی تاریخ

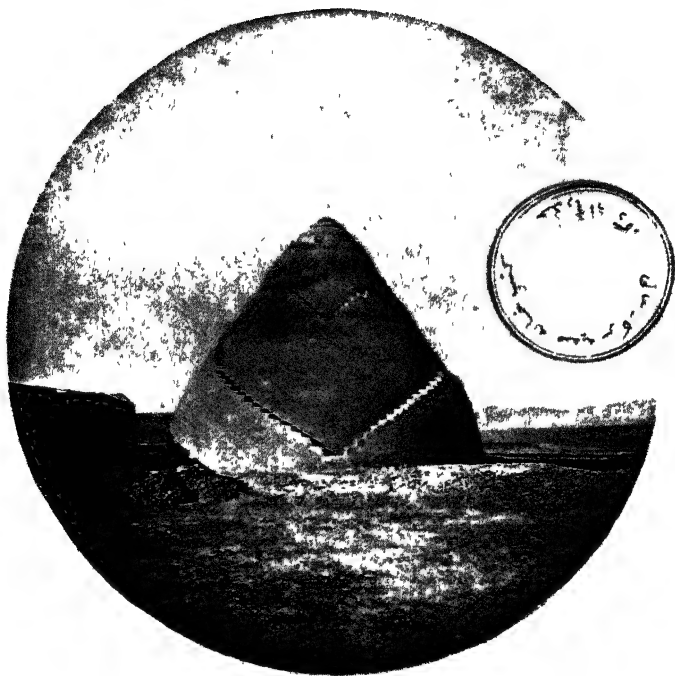
سلاح کو فی خطا پڑھ سکتا ہوگا اوسے زمانہ قدیم کی اس لمچپ یادگار کی تاریخ کے متعلق کبھی بھی شبہ وارد نہ ہوا ہوگا کیونکہ جو کتبہ مینار پر ثبت ہے اوس میں لکھا ہے کہ ۵۷۵ھ (طابق ۱۱۷۹ء) میں یہ مینار ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان محمد کے عہد میں جب کہ سلطان سنجر فرمانرواے خراسان تھا تعمیر کیا گیا۔ افغانوں نے جب ۱۲۲۷ء میں حملہ کیا تو اس مینار کو بھخت صد پہنچا مگر بعد میں نادر شاہ نے اسے درست کر دیا اور اب یہ اوس شہر اور اوس عظمت و شان کی ایک ہی یادگار رہ گیا ہے جو دنیا کے صفحہ سے مٹ چکی ہے۔

### مہر اور حزینان

سبزوار کے قریب زمین زراعت سے سرسبز تھی۔ علی الخصوص کپاس کے کھیت کثرت سے کھڑے تھے لیکن ایک گھنٹہ سے بھی کم کی مسافت ہم نے طکی ہوگی کہ کہیتان نظر آتی موقوف ہو گئیں۔ ہمارے سامنے اور دہنے بائیں ایک ویران کنکار یا میدان پھیلا ہوا تھا جسکے وسط میں کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑ جیسی دو مخروطی چوٹیاں تھیں کھڑا تھا اور

جب ہم اسکے پاس پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ اسکی ریڑھ کچھ دور تک پہیلی ہوئی چلی گئی ہو  
 اس پہاڑ کو اپنی بائیں طرف چھوڑ کر ہم اوس برف پوش سلسلہ کوہ کے قاعدہ کی طرف بڑھی  
 جو شمال کی طرف واقع ہے اور بائیں گہنٹے تک سفر کرنے کے بعد ہم موضع مہرین پہنچے یہ  
 پہیلی آبادی تھی جو تیس میل کے بعد ہمارے دیکھنے میں آئی۔ چار خانہ گاؤں کے عین وسط  
 میں واقع ہے اور گاؤں کی سب سے بڑی گلی کے چچون بیچ ایک تیز روگدلی نہر بہتی ہے  
 مہر اور فریان کے درمیان میں نے پہلی مرتبہ ایک کویر یعنی دشت نمک دیکھا یہ وہ عجیب غریب  
 اور وحشت انگیز صحرا ہے جو بعض دفعہ سخت میدان اور بعض دفعہ فریبنده دلدل کا حکم رکھتے  
 ہیں اور وسط ایران کے اکثر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر میں ان کا ذکر خاص طور  
 سے کروں گا۔ ریت کے سفید قطعے لونی کی ایک پتلی تہ کے نیچے چکلتے ہوئے نظر  
 آتے تھے اور کچھ دور سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا اوتیلے ڈاڑھیں۔ مریٹان کسی زمانہ میں بہت  
 بڑی آبادی تھی اور مستحکم گاؤں اور شہروں کے ایک مجموعہ کا مرکز تھی مگر ۱۸۳۱ء میں ایک  
 طاعنی سردار کی سرکشی کا خمیازہ اسکو بہگتا پڑا اور عباس مرزا نے اسے برباد کر ڈالا۔ اب  
 اس مقام کی حالت نہایت ہی تباہ ہے۔ جو مکانات یہاں موجود ہیں وہ بوسیدہ یا ویران  
 ہیں۔ گاؤں کے حوالی میں گزشتہ زمانہ کی ایک یادگار ایک کاروان سرائے کی شکل میں  
 جسے شاہ عباس نے تعمیر کیا تھا موجود ہے۔ ایک اور دلکش اور تجارت بھی یہاں موجود ہے  
 جو بارون الرشید کے بیٹے اور حضرت امام رضا کے قاتل مامون کی بنائی ہوئی ہے  
 لیکن اب اجڑ چلی ہے چاروں طرف دوسرے قصبات یا دیہات کے آثار نظر آتے





برف خانه واقع مرییان

ہین جو سب کے سب دیران ہین جب میں ایک پنج بار صبح کے پانچ بجے مزیان سے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا تو دونوں بڑی کاروانسراؤں میں زایرون کے قافلے کوچ کی تیاریاں کر رہے تھے اور گاہ بیگاہ کسی رفیع الصوت سیاحا جی کے اسداکبر کی ضرب لگانے کی آواز کا نون میں پڑتی تھی جسکے جواب میں زایرون کی کل جماعت صدائے بازگشت کی طرح دہی ضرب لگاتی تھی جسکی آواز سرد ہوا میں دور تک گونجتی ہوئی سنائی دیتی تھی۔ گاؤں کے دوسرے کنارے پر سے بھی اسی طرح کی آوازون کی گونج بلند ہوتی تھی۔ غرض کہ اس شور اور پکار کے ساتھ ان مقدس انبیاءِ اسمیل کے لئے ایک نئے دن کا آغاز ہوا۔

## زایرون کے قافلے

روزمرہ کے سفر میں زایرون کی جو تعداد کثیر میرے دیکھنے میں آئی اور جنہوں نے مشہد کی سڑک کو گویا اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اون کا ذکر مجھ اس بات کا شوق و لامہم کہ اپنے ہر روز کے سفر کے غیر دلچسپ حالات میں اون انسانی حوالی کی کیفیت کے اصناف سے نرالا پن پیدا کروں جو مشہد کی سڑک کے محیط ہیں۔ زایرون کی جماعتوں کے سفر کا رخ اوس سمت کے مقابل تھا جس میں سفر کر رہا تھا۔ بعض اوقات میلون سے کوئی کاروان پہنائے وسیع پر آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا نظر آجاتا تھا۔ جب یہ کاروان قریب پہنچتا ہوا تو زایرون میں سے کسی متقی یا خوش الحان شخص کی آواز قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہوئے سنائی دیتی تھی یا کوئی زیادہ تر زندہ دل مسافر کسی ایرانی استاد کے

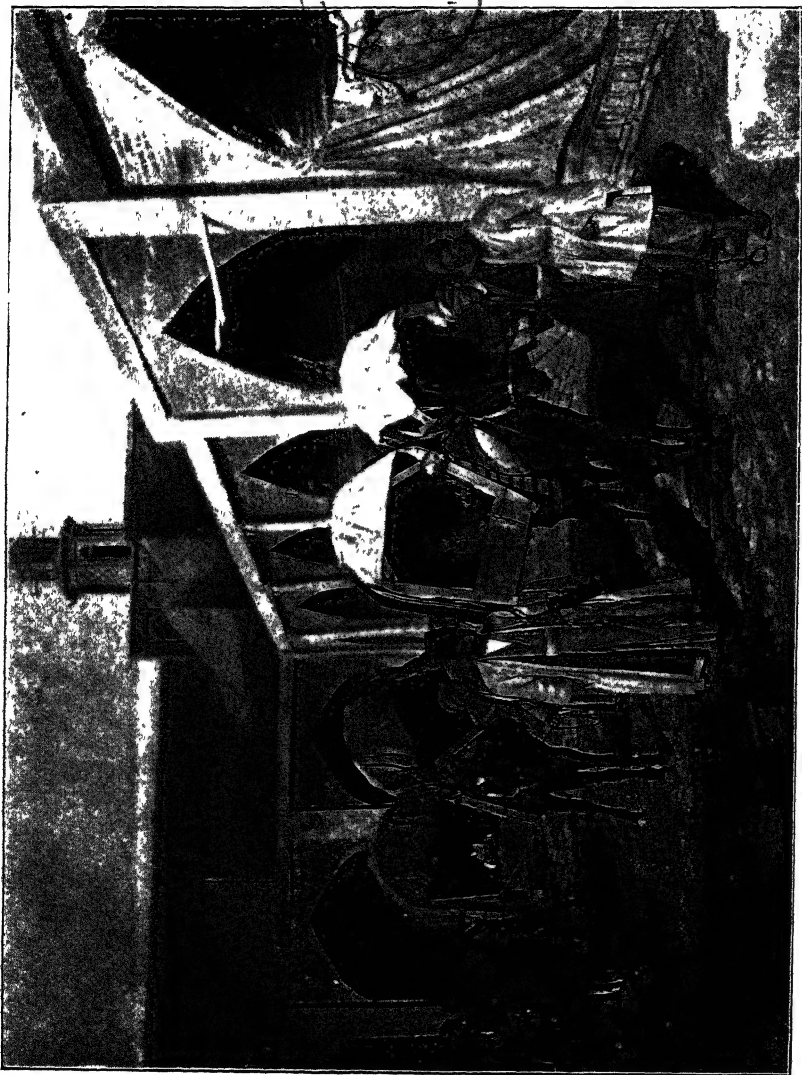
اشعار گاتا ہوا سننے میں آتا تھا۔ جب اس قافلہ کا لمبا سلسلہ بالکل پاس آ جاتا تھا تو اس میں گونا گونے رکاب اور انواع و اقسام کے مرکب نظر آتے تھے۔ متمول اور خوشحال لوگ گھوڑوں پر سوار قلیان کا دم لگاتے جاتے تھے۔ کچھ لوگ اونٹوں پر سوار تھے۔ خچر بھی بہت سے تھے جن پر کچا دے لٹے ہوئے تھے۔ لیکن

مسکین خراگر چہ بے تمیز است چون بار بھی برد عزیز است

عام طور سے بوجھ اٹھانے کے لئے گدھا ہی دیکھتے ہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں پر اسقدر بوجھ لدا ہوا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ہانڈیاں اور دگچیاں اور برتن اور بندوقین اور پانی کی مراحیاں اونکے دونوں طرف لٹک رہی ہتھیں اور گھر بھر کا کل سامان اون کی پیٹھ پر ہتا اور اس تمام سامان پر سحرہ انگیز متانت و سنجیدگی کے ساتھ مالک سامان کی مرغیان بھی موجود تھیں۔ غریب زائرون کے لئے یہ معمولی بات ہے کہ پیدل سفر طے کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو کچھ دور کے لئے گدھے پر سوار

۱۵ کجاوہ جو نہایت محکمہ ہوتا ہے اور جس میں تحلیف دہہ بکولے لگتے ہیں پور پینون کے لئے جن کا نیچے کا دھڑ اہل مشرق کی طرح ہر طرف مڑا اور دب سکے کا عادی نہیں ہے نہایت ہی نرمحت کی سواری ہے بلکہ اس میں سوار ہونا پور پینون کے لئے قریباً ناممکن ہے۔ آدم اولیئیس جو ۱۶۳۳ء میں ہاسٹین کے ڈاکو کی سفارت کے حوالہ جبر کرکری امور ہو کر آیا اپنے مصائب و آلام کی کیفیت حسب ذیل بیان کرتا ہے۔ ”طلب سفارت کو اور مجھے کٹر ادوہ (کجاوہ) میں ایک ہی اونٹ پر بٹھایا گیا۔ جس سے ہمیں سخت تکلیف ہوئی۔ ایک عذاب تو ہمیں اس بڑے جادو کی چال سے سہنا پڑتا تھا جو ہر قدم پر ہمیں غضب کا جھٹکا دیتا تھا اور وہ سارا تمام اونٹوں کی ناقابل برداشت معذرت سے جو سبھی ہماری ناک میں آکر حلول کرتی تھی۔“

کاروانسرا کے اورنگیادے



ہو لیتے ہیں۔ صبح کے وقت بسا اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مالک اپنے گدے پر  
 پروار بے خبر سوار ہے اور دھڑلہ سے زمین پر گر پڑا ہے۔ ہر ایک قافلہ کا ایک کاروان  
 باشتی یعنی قافلہ سالار ہوتا ہے جسکی ہلاکت اکثر یہ ہوتی ہے کہ ایک سرخ پرچم جو ایک نیزے  
 پر لہرا رہا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مرد اپنے بڑے بڑے اونٹن فرغلوں میں  
 جن سے اون کا ستر تک بڑھکا ہوا تھا اور جن کی خالی آستینیں دونوں طرف بغلوں پر  
 سے بڑے بڑے کانوں کی طرح نکلی ہوئی تھیں لپٹے ہوئے جا رہے تھے اور بسا اوقات  
 اونکے چہرہ نکال پھینا تھا۔ لیکن اگر مردوں کا بچا ہوتا تھا تو اون کے نیلے سوت کے  
 ہیولانی تو دونوں کلب بچا ہوتا جو گدہ ہون کی پیٹھ پر لے ہوئے تھے اور بھی زیادہ مشکل تھا  
 اور میری حمیت مجھے اجازت نہ دیتی تھی کہ میں اون کا انسانی الاصل ہونا یاد کروں۔  
 ایک یاد دہندہ جب ایک اس طرح کے قافلہ کے پاس سے میں ہو کر گزرا تو میں نے  
 جان بوجھ کر گھوڑے کو مہینہ لگائی اور سرسٹ دوڑایا کیونکہ گدہ ہون کا اپنے پیچھے گھوڑے  
 کی ٹاپوں کی آواز سن کر دولتیاں جھاڑتے ہوئے رستہ سے کتر کر مہاگ جانا اور جو  
 بے ڈول تو دے اون پر لے ہوئے تھے اون کا ہلنا اور ڈگمگانا اور آخر میں چنچن رہنا  
 اور نقابوں کا اون کے چہروں پر سے اتر جانا اور اپنی سواری پر سے نیچے گر پڑنے  
 کے خطرے میں مبتلا ہونا ایسا سامان نہ تھا کہ کوئی دیکھے اور مہنسی کے مارے جسکی ایسی  
 اشد ضرورت تھی اور جس سے لطف اٹھانے کیلئے اس قدر محنت کی گئی تھی پیٹ میں  
 بل پڑ جائیں۔ عام طور سے ہر قافلہ کے ہمراہ فقیروں کی ایک جماعت بھی ہوتی جو ادھر مجبوری

بہیک مانگتے تھے اور اودھ کا فرسجہ کرچہ پرتین حرن بھیجتے تھے۔ اسکے علاوہ پہڑو حال  
 درویش بھی تھے جو اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ تکلیف دہ اوسوقت ہوتے ہیں۔  
 جب وہ بہیک مانگتے ہیں۔

## دوسرے لوگ

نہیں کہا سکتا کہ جب قدر لوگوں سے ہم دو چار ہوئے وہ سب کے سب زیارت  
 کرنے کیلئے جا رہے تھے برخلاف اسکے ہمیں بعض دفعہ خاموش و متین سودا گروں سے  
 بعض دفعہ ملاؤں سے جو موٹے تازے گد ہوں یا چرخوں پر سوار تھے۔ بعض دفعہ سرکاری  
 عہدہ داروں اور سپاہیوں سے اور بعض دفعہ قبائل کے قبائل سے جو ہجرت کر کے دوسرے  
 علاقہ میں جا رہے تھے سابقہ پڑتا تھا ہر صنف و قسم اور سن و سال کے مسافر ہر ملک پر موجود  
 تھے۔ سوار اور پیدل۔ امیر اور غریب۔ شریف و رذیل۔ غرضیکہ شاندار۔ غریب و بامور۔ نفرت انگیز  
 سحر اثر مشرقی دینا کے یہی طرح کے نمونے دیکھنے میں آتے تھے۔

## کاروانسرا میں

راست کے وقت یہ گونا گون اور متنوع عناصر کہہ سکتے ہیں مختلف ممالک کے زائر یہاں آتے  
 ہیں۔ ان کا روانہ سرحد میں پناہ لیتے ہیں جو تمام راہ میں دُش و دش پندرہ پندرہ میل  
 کے فاصلہ سے واقع ہیں۔ ان علامات کا میں نے اتنی مرتبہ ذکر کیا ہے کہ میں یہاں صنفی  
 طور پر ان کا کس قدر تفصیلی حال بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کاروانسرائے کو مشرق کی  
 سرائے سمجھنا چاہیے۔ لیکن انگلستان کی سرائے کے ساتھ اگر اسکو کوئی مشابہت

ہے تو وہ صرف برائے نام ہے۔ کیونکہ کاروانسرا کے پرزہ کوئی شاندار علامت ثابت  
ہوتی ہے نہ کوئی فرحت افزا دلکش نشا نگاہ ہوتی ہے۔ نہ کوئی صاف ستھرا کمرہ ہوتا  
ہے جہاں سامان خور و نوش مہیا ہوا اور نہ کوئی مناسخ خادم یا خندہ پیشانی مالک سراسر  
متہارے خیر مقدم کے لئے بڑھتا ہے۔ کاروانسرا کے کامحافظ اور مگر ان شاید  
ایک ہی شخص ہوتا ہے اور بس مسافر کو ہر ایک چیز کا اہتمام بذات خود کرنا پڑتا ہے۔ اپنی  
جان و زون کی نگہداشت اسے خود کرنی پڑتی ہے۔ اپنے سامان کے ڈبیر کی نگرانی  
بھی خود ہی کرتا ہے۔ اپنے لئے آگ دہ خود جلاتا ہے اور اپنا کھانا وہ آپ پکاتا ہے  
عمارت عموماً اینٹ یا پتھر کے ایک وسیع مربع یا مستطیل مکان کی شکل کی ہوتی ہے جس کو  
اندر ایک گہلا صحن اور اسکے گرد اگر دھڑے بنے ہوئے ہوتے ہیں اسکے دو بیرونی  
پہلو اور عتب کی دیواریں سادہ ہوتی ہیں اور کچھ دور سے دیکھنے پر یہ عمارت ایک بہت  
بڑا قلعہ معلوم ہوتی ہے اور بسا اوقات بائیان عمارت نے اس خیال کی پوری پوری  
تصدیق ہی ارادہ سے اس طرح کی ہے کہ زادیوں پر باہر کو نکلے ہوئے برج ہیں اور اوپر  
ایک فصیل ہے۔ سامنے کی بیرونی دیوار یا روکار بڑے بڑے محرابی طاقون کا ایک  
سلسلہ ہے جسکے ساتھ دو فیٹ اونچا ایک چبوترہ بھی ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں راتوں  
کو بسا اوقات ان چبوتروں پر مسافر سوتے ہیں۔ وسط میں ایک بہت بڑا پہاٹک ہے  
جسکے اوپر بعض دفعہ ایک برج یا بالا خانہ ہوتا ہے اس پہاٹک کی راہ سے اندر کی انگنائی  
میں داخل ہوتے ہیں جسکا رقبہ شاید پچاس گز مربع ہوتا ہے اور جسکے اطراف میں دو کھلی

ہو ادارہ درجے بیرونی دیوار کے درجن کی طرح ہوتے ہیں۔ انہی درجہ کی کاروائیوں میں ان محرابی درجن میں سے ہر ایک کی پشت پر ایک دروازہ ہوتا ہے جس میں سے ایک اندرونی حجرہ میں داخل ہوتے ہیں جو سردی کے موسم میں رات کے وقت خواب گاہ کا کام دیتا ہے۔ ان کے پیچھے بیرونی دیوار سے ملے ہوئے گرم تار ایک طولیون کی قطار میں ہوتی ہیں جن میں جانور باندھ دئے جاتے ہیں اور خنجر چارون کو نون سے داخل ہوتے ہیں۔ غرضکہ ایک عام ایرانی کاروائی کے کی یہ ہیئت ہوتی ہے۔ چند ترقی دادہ یا جدید وضع کی کاروائیوں مثلاً براہجان کی کاروائی میں جو خلیج فارس کے قریب واقع ہے (یہ عمدہ ترین سرانے تھی جو کل ملک میں میرے دیکھنے میں آئی) ذی رتبہ یا ذی ثروت مسافروں کے لئے اوپر کی منزل پر چند درجے ہوتے ہیں۔ مگر علی العموم ایران کی سرانے کی تدبیر منزل میں جمہوریت کا عنصر زیادہ برتری ہے۔

### رات کے وقت اونٹ کا سفر

مشرق کے اس قسم کے سفر کی جو بہت سی غیر معمولی یادگارین مسافر اپنے ساتھ لجاتے ہیں ان میں شاید سب سے زیادہ وحشت خیز اور پر اثر یاد اونٹوں کے قافلوں کی ہے جن سے وہ رستے میں رات کے وقت دوچار ہوتا ہے۔ شب تاریک میں دورے فریاد جس سنائی دیتی ہے اور اسکی ماتمی آواز جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد بلند ہوتی ہے بتدیر کچ زیادہ قریب آتی جاتی ہے اور گاہ بیگاہ کسی چوٹی گھنٹی کی ٹن ٹن اسکے ساتھ ملکر بتاتی ہے کہ اوسی قافلہ کا آخری حصہ بھی قریب آ پہنچا ہے۔ بڑا جرس قطار کے



پہلے اونٹ کے گلے میں پڑا ہوتا ہے لیکن جب اس کی آواز قریب تر اور بلند تر ہوتی جاتی ہے تو نہ تو کوئی اور آواز اس کا ساتھ دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز ہی نظر آتی ہے۔ وقتاً تارکی میں سے ایک جہاز کے سایہ کی طرح قافلہ کا سر گروہ دبلے پاؤں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے گدگدے ٹوہوں کی دھماکے کی طرح یہ خاموش سلسلہ پاس سے پڑتی ہے اور بیابانی غولوں کی ایک بڑی مسلسل قطار کی طرح یہ خاموش سلسلہ پاس سے گزر جاتا ہے اور شب تار کی پہنائی میں نگاہ سے غایب ہو جاتا ہے۔

## لطف قتل



انوکھا اور ہمیشہ یاد رہنے والا ہے وہ ناقص جو مشرقی ساحت اور اسکاستان کے طرز زندگی اور ذرائع نقل و حرکت میں پایا جاتا ہے۔ نہ یہاں بہاری ارلبے اور زرنے چھکڑے کسان کے مکان اور اس کے کہیتون کے درمیان آتے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں نہ ہلکی گاڑیاں اور تیز رو سوار یاں مکامی سڑکوں پر سرعت کے ساتھ جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ افسوس! یہاں سڑکیں ہی نہیں ہیں اور جب سڑکیں نہیں ہیں تو پھر گاڑیاں اور چھکڑے کیسے جنس پوش اور کہپریل کے مکان۔ کہیتون کی بیچ کی گزر گاہیں جہاں یون کی باڑیں۔ صاف ستھری کھیتیاں۔ چھلکتی ہوئی ندیاں۔ اور ان سب کے بعد ریل کا دیوین کی قطار اپنے پیچھے چھوڑ کر ناگہانی جھپٹ کے ساتھ گرجتے ہوئے پاس سے گزر جانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ مشرق کے مسافر کو خیال ہوتا ہے کہ یہ سرے سے دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ اور کم از کم اہل ایران کے

لئے جن کی باوجود تنگ خیال اور غیر نشوونما یافتہ ہونے کے یہ کیفیت ہے

و کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شادان

حقیقت میں ان چیزوں کا وجود ہی نہیں۔ وہاں تو یہ حالت ہے کہ جس چیز میں دیکھو نقل و حرکت تیزی و سرعت اور مستعدی و چالاکی کا تلامح پاس ہے اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ قرار و سکون۔ کھنگلی و فرسودگی اور غیر تغیر پذیری و کابلی کی ایسی مہر لگی ہے کہ ٹوٹتی ہی نہیں۔

### ترکمانی تاخت و تاراج

چارمنشزلین واقع ہیں جو سابق میں منازل مفتخون کی طرح دشوار گزار سمجھی جاتی تھیں۔ یہاں خراسان کے بہاروں کی مغربی حدود جو اس پر پوچھ سلسلہ کوہ سے شاخوں کی شکل میں پھٹ کر بکھلی ہیں جو دریائے اتریک کے طاس کے گرد حلقہ زن ہیں میدان سے اُٹتی ہیں اور سرگ اون کے وامنون اور نشیب و فراز میں سے گھبراتی ہوئی گذرتی ہے یہ تمام کو ہستانی علاقہ ایک زمانہ میں ترکمان قزاقوں کی دستبرد اور لوٹ مار کا دنگل تھا اور ان دایوں اور گھاٹیوں سے نکل کر وہ بلائے ناگہانی کی طرح مشہد کو جانے والے یا وہاں سے آنے والے مسافروں کی یکس جماعتوں پر چھا پڑے تھے اور جو کچھ نقد و جنس اونکو ملتا تھا اسے لوٹتے جانوروں کو اپنے آگے آگے ہانکتے اور قیدیوں کو اپنے آگے گھوڑوں پر بٹھا کر وہ اسی تیزی سے اپنی پہاڑی کمین گاہوں میں چلے جاتے تھے جس تیزی سے آئے تھے۔ مشہد سے مزینان تک جس رستہ کا میں ذکر کر چکا

ہوں اور سکے کنارہ کنارہ میں نے اون کی موجودگی کے خوف کا بین ثبوت اون چھوٹے  
 چھوٹے دور برجوں کی شکل میں دیکھا جو میدان پر جا بجا اس طرح کھڑے تھے ج طرح  
 کسی بساط پر شطرنج کے مہرے اور جو عاشق آباد سے مشہد اور سرخس سے فرد بلکہ  
 شاہ رود سے قم تک ان خوفناک سرحدی لٹیروں کی مخصوص خاک راگاہ کے نشانات  
 تھے۔ بعض بعض مقامات پر تقریباً ہر ایک کہیت میں ایک اس قسم کی عمارت کھڑی ہوئی  
 نظر آتی تھی جو اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ جون اسی گرد کے اٹھنے سے غنیم کے  
 آنے کا عمل معلوم ہوتا کہ ان فوراً ایک چھوٹے سے سوراخ کے ذریعہ سے جو زمین  
 ہوتا تھا اسکے اندر گھس کر سوراخ کے منہ پر دو بڑے پتھر رکھ دیتا تھا اور جب تک  
 کہ یہ طوفان گزرنے جاتا تھا اور سوقت تک اندر چھپا رہتا تھا۔ ترکمان لٹیروں کا جو خوف  
 اُس زمانہ میں لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ اور اپنی حفاظت آپ کرنے کی وجہ سے  
 محصور کی جو حالت عام طور سے ملک میں پھیلی ہوئی تھی اس کا اسی طرح کا ثبوت  
 اون گڑھیوں سے ملتا ہے جو اوس تمام علاقہ کے ہر ایک گاؤں میں بنی ہوئی ہیں  
 جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ خوف کے وقت انہیں گڑھیوں میں باشندے  
 پناہ لیتے تھے پیارے مضیبت کے مارے کسان جب ایک دفعہ گڑھی کی چار دیواری  
 کے اندر داخل ہو جاتے تھے تب تو وہ سلامت رہتے تھے لیکن اگر کہیں کہیں  
 میدان میں وہ دشمن کے قابو میں آجاتے تھے تو اسکے صرف دو نتیجے ہوتے تھے  
 یا تو بخارا یا خیو کا نخاس اور یا موت۔

## فوجی بدرقہ



نصیب وہقان کہ جس مصیبت کا ہر روز سامنا کرنا پڑتا تھا وہ سڑک کے اس خوفناک قطعہ پر جس کا میں اب حال بیان کرنے والا ہوں ڈرپوک زائر کو بھی پیش آنی تھی۔ اس خطرہ کی مداخلت کے لئے بہت کچھ احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جاتی تھیں۔ شاہ رود اور مزیان سے مہینے میں دو دفعہ ایک فوجی بدرقہ روانہ ہوتا تھا۔ اس میں پیدل سپاہیوں کی ایک جمعیت توڑی و دار بند و قون سے مسلح اور ایک رسالہ ایک پرانی توپ کے ساتھ ہوتا تھا۔ میان و شت و دونوں بدرقوں کا مقام انصال تھا جہاں ایک دوسرے کو سبکدوش کرتا تھا۔ مزیان کی جمعیت کا صرف جس میں ڈیڑھ سو توڑے دار بند و قون والے جوان اور توپ خانہ کے بارہ سوار تھے مزیان کے گاؤں والوں پر بجائے معمولی محصول کے عاید کیا جاتا تھا۔ اور ۱۸۶۲ء میں بھی جب جماعت ماسورہ تصفیہ سرحد سیستان کے اراکین طہران جاتے ہوئے ادھر سے گزرے تو ان کے ساتھ حفاظت کے لئے مزیان اور شاہ رود کے درمیان ۸۰ توڑے دار بند و قون والے جوانوں ساڑھے چار پونڈ کے گولے والی ایک توپ جس میں چھ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور ڈیڑھ سو سے لیکر دو سو سواروں تک کی ایک جمعیت متعین تھی۔

## زائرین کا بیم و ہراس

کوئلی۔ فریزر۔ ایسٹوگ۔ اوڈونون اور دوسرے مصنفین نے جنہیں زائرین کے کاروانوں کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اپنے زاہد و عابد ہجراہیوں

کے خوف و ہیبت کے حالات کی بے نظیر یادداشت چھوڑی ہے۔ ایرانی ہمیشہ  
 بزدل ہوتا ہے مگر ایرانی زائر اوس سے بھی بدتر ہوتا ہے اور جب ترکمان پاس  
 ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ گویا اوس میں جان ہی نہیں رہتی۔ پہلے تو تشویش ناک فوہین  
 یہ پہلی ہی ہین اور روانگی میں توقف ہوتا ہے اوس کے بعد کسی مبہم سے خبر کو سکر قافلہ روانہ ہوتا  
 ہوتے رہ جاتا ہے اور انجام کار بڑی ہمت کر کے قدم آگے بڑھتا ہے اور اکثر اوقات  
 کے وقت سفر کرتا ہے جب کہ تاریکی خطرہ کو رفع کرنے کے بجائے اور اسکی معین ہوتی  
 ہے۔ اول توڑہ دار بند و قون والے جوان اپنے توڑون کو سلگاتے یا تو پیدل اور یا  
 گدھوں پر سوار نکلے ہین۔ اوس کے بعد رسالہ کے جوان حقائق والی بند و قین اور سپاہی لڑی  
 آتے ہین اور ان کے بعد زائرین کی بڑی جماعت آتی ہے جو حتی الامکان توپچیوں اور  
 توپ کے قریب قریب رہتی ہے۔ توپ کو محافظان و مال سمجھا جاتا تھا مگر واقعات  
 بتاتے ہین کہ اس غرض سے یہ ایک دفعہ بھی چلائی نہیں گئی۔ ان سب کے بعد  
 پھر سپاہی آتے ہین اور گردو غبار میں لپٹا ہوا پریشانی اور تشویش کے عالم میں  
 قافلہ آگے بڑھتا ہے۔ دن کے چلانے اور گانے اور وظیفہ پڑھتے اور ایک دوسرے  
 کو برا بھلا کہتے اور آپس میں لڑنے جھگڑنے کا شور میلون سے اونکے آنے کی خبر  
 دیتا ہے اور اگر وہ لوٹے جانے سے بچتے ہین تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ قزاقوں کو گرفتاری  
 کا خوف ہوتا ہے بلکہ توپ سے ڈرتے ہین بلکہ اسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ مال غنیمت  
 اس قدر نکلا ہے کہ لیٹروں کی نظروں میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی کیونکہ

مسلمان زرایر جب روانہ ہوئے تھے ہین تو اپنا تمام مال و متاع چھپے چھوڑ آتے ہین غر حاکم ان کے خوف زدہ تصور میں ہر ایک جہاڑی دشمن کی کمینگاہ ہوتی ہے۔ ہر ایک ہوا کا جھونکا جس سے گرد اڑے غنیم کے حملہ کا قاصد ہوتا ہے اور ہر ایک پھاڑی ایک چھپے ہوئے سواروں کے دستے کے ماسن کا حکم رکھتی ہے۔ جب قافلہ منزل مقصود کو پہنچتا ہے اور خدا کی تائید سے اس کے یہ خاص بندے صحیح و سلامت وہاں پہنچ جاتے ہین تو با واز بلند خدا کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور یا علی یا حسین اور شیعہ مذہب کے دوسرے تمام ائمہ کے نام لے لے کر نعرے مارے جاتے ہین۔

### گر قاری کے قصے

لیکن یہ کہنا قرین انصاف ہو گا کہ اگرچہ ایک قافلہ کے قافلہ کا یم و ہر اس قابل تحقیر تھا تاہم انفرادی حیثیت سے لوگوں کا خوف بلا وجہ نہ تھا۔ ابھی تک بہت سے واقعات اس قسم کے بیان کئے جاتے ہین کہ ترکمان قزاقوں نے اکیلے دیکھے مسافروں یا چھوٹی جماعتوں کو گرفتار کر لیا اور اس نواح کے دیہات میں مشکل ہی سے کوئی ایسا مکان ہو گا جس پر کبھی نہ کبھی اس کے گھیتوں یا پانی کے چشموں پر قزاق نہ آگرے ہوں اور جسے اگر خوبی قسمت سے ساہا سال کی غلامی کے بعد فرید و دیگر رہائے کر لیا گیا ہو تو اس کو جسم پر سفاکی و بیدردی و طوق و سلاسل کا عہر نہ مٹنے والا نشان نہ پایا جاتا ہو۔ کرنیل ایون اسمتھ نے یہ بیان کرنے میں غلطی کی ہے کہ موسوڈی بلا کول فرانسیسی عکاس جس نے اس فن کو شوقیہ طور پر اختیار کیا تھا اور جو سنہ ۱۶۶۷ء میں مردکی ہم کے ساتھ

جس کا انجام بربادی اثر ہوا اس غرض سے گیا تھا کہ تصویر میں اتارے اور شاہ کے لئے میدان جنگ کا ایک رنگین مرقع کینچے اسی سرک پر گرفتار کیا گیا اور اس وقت تک رہا نہ ہوا جب تک ۵ اہرنے کی قید بھگتنے کے بعد اس کے شاہی سر پرست نے گیارہ ہزار تومان (جو اس زمانہ میں پانچ ہزار پاؤنڈ کے مساوی ہوتے تھے) کا فدیہ اس کی رہائی کے لئے ادا نہ کیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ترکمانوں نے اس حملہ میں اسے گرفتار کیا جو انہوں نے ہر مقام مردا ویرانی دستہ فوج پر کیا تھا۔ البتہ یہ واقعہ درست ہے کہ اسی سرک پر ایرانی فوج کا ایک جرنیل جکے زیرِ کمان چھ ہزار فوج تھی جب دو یا تین لجنوں کے لئے اپنی فوج کے پیچھے قلیان کا ایک آخری کش لگانے کے لئے ٹھہرا تو ترکمان اس کی فوج کے دیکھتے دیکھتے اس کو پکڑ کر بھاگے گئے اور چند ہفتوں میں وہ خیرا کے بازار میں چند پاؤنڈ کو بیچ ڈالا گیا۔

### روسیوں کا کارنامہ

صوبہ خراسان پر روس کی نیت کے متعلق خواہ کچھ بھی کہا جائے لیکن اس میں

ایک بیان کیا جاتا ہے کہ اول اول ترکمانوں نے اس ناشاد عکاس کی قیمت تین پاؤنڈ اس شلنگ لگائی۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ شخص یورپ سے آ رہا ہے اور ذی وقعت ہے تو ان کے مطالبہ کا نرخ بڑھ کر پڑھتا گیا۔ اس اثنائے میں خان خیرا کو معلوم ہوا کہ قیدی کے پاس آلات فسطہ کشی موجود ہیں اور اس سے یہ قیاس لگا کر کہ وہ مرزور کوئی فوجی اہلِ شہر ہے اسے لے لیتا چلا گیا تاکہ اس کی مدد سے وہ اپنے دار الحکومت کو مستحکم کر سکے۔ کرنل ویشٹائن بیکر نے فرطِ شہیشتی سے فدیہ کی تدویر جو خرمین ترکمانوں نے اپنی منظور کی المصنعت بتائی ہے۔ موسوی بلاکول نے اپنی سرگزشت ماہ اپریل ۱۸۸۰ء میں اپنی کتاب ”تور دے مادے“ (سفرِ عالم) (ربطانِ غلامی) میں طلبندی -

تو شک نہیں کہ اس بلائے بے درمان یعنی ترکمان لیٹروں کے اسی اتصال سے اوس نے نہ صرف ایران کو بلکہ ہر ایک سیاح کو جو طہران اور مشهد کے درمیان سفر کرتا ہے ہمیشہ کے لئے اپنا مریہون منت بنالیا ہے۔ ماوراء النہر کے تقی ترکمانوں کے برخلاف اس کامیابی کے ساتھ معرکہ آرا ہوتے وقت بلاشبہ و شک روس کی علت غائی خود غرضی سے معرکہ تھی اور نہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اوس نے ایران کی اغراض کو مد نظر رکھ کر یہ حکم کیا یا یہ کہ کافہ انام کی بہبودی کے لحاظ سے یہ خدمت اوس نے اپنے ذمہ لی لیکن کم از کم اس بارہ میں تو روس کی نیت سے قطع نظر کیا جاسکتا ہے اور ہم اپنے آپ کو اور اوس کو اس کامیابی پر مبارکباد دے سکتے ہیں۔ اسکا بیلٹ کی سلسلہ کی کامیابی فوج کشی اور اخلاقی تقی کے الحاق کے بعد سے مشهد اور طہران کے درمیان کی سڑک بالکل محفوظ و سلامت ہو گئی اب کوئی پھر ایہان مامور نہیں ہے اور نہ اوس کی ضرورت ہی باقی ہے اور زائرین کو درگاہ ایزدی میں عجز و الحاح کے ساتھ تائید چاہنے کی اب کوئی خاص وجہ باقی نہیں رہی مسافر اگر اب اچانک خوفزدہ ہو سکتا ہے تو اوس کا باعث اس سے زیادہ تشویش ناک نہیں کہ گاہ بیگاہ کبک کہساری جو ان پہاڑوں میں کثرت سے ہیں دفعۃً فراموش ہو جاتے ہوئے اوس کے گہوڑے کے قدموں کے تیلے سے سے اوپر کو اڑتے ہیں۔

### بیل ایشم

مردان سے روادار ہونے کے بعد ہماری سڑک حال کی سمت میں پہاڑیوں کی طرف

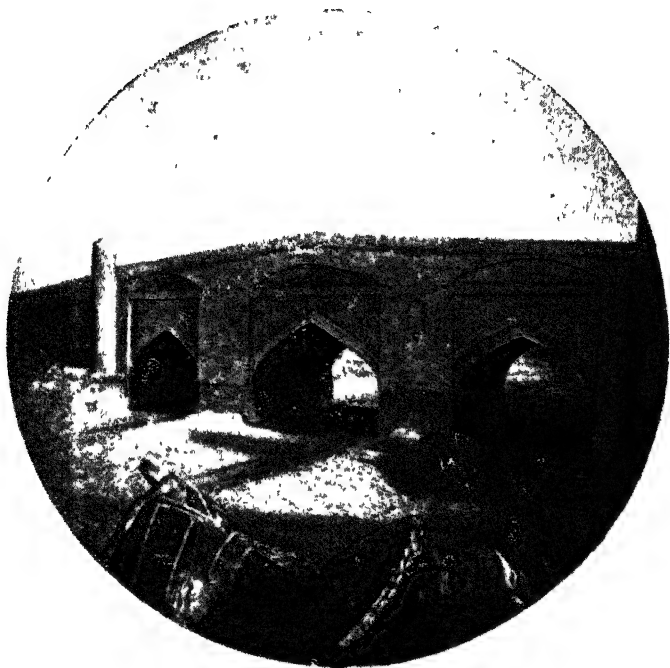


بڑھی۔ صبح کی دھندلی روشنی میں میں نے جنگلی ہرنوں کا ایک بہت بڑا گلہ سڑک سے  
 تین سو گز کے فاصلہ پر دیکھا لیکن میرے طینچہ کی گولیوں کا اثر اس سے زیادہ ہتھین  
 ہوا کہ وہ معمول سے زیادہ تیزی کے ساتھ نگاہ سے غائب ہو گئے۔ چودو میل طے  
 کرنے کے بعد ہم صدر آباد کی ویران کا وائسرائے اور قلعہ میں پہونچے جیسا کہ نام  
 سے واضح ہوتا ہے یہ عمارت اوس صدر اعظم کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ جس کا ذکر اور پر کیا جا چکا  
 ہے مگر قلعہ اور اوس کی فوج علی لحاظ سے بالکل بیکار تھی کیونکہ اس فوج کی طاقت صرف  
 اسی قدر تھی کہ وہ دوسروں کی حفاظت کا خیال دل میں لائے بغیر فقط اپنا بچاؤ آپ  
 کر کے صدر آباد سے دوسری طرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہم پل ابریشم پر پہونچے  
 جسے ابتداءً نادر شاہ نے تعمیر کیا تھا اور جسکی حال ہی میں مروت ہوئی ہے۔ یہ پل دریا کے  
 ابریشم پر بندھا ہوا ہے جسکے پانی میں اون نمکین چٹون کی وجہ سے جواسکے منج کے  
 قریب واقع ہیں۔ بہت زیادہ کھاری پن پایا جاتا ہے۔ دریا کے ابریشم شمال کی طرف  
 سے بہتا ہوا یہاں آتا ہے اور قالمور کا نام اختیار کر کے آگے چلکر جنوب کے ایک  
 کویر میں جذب ہو جاتا ہے۔ قالمور کو عموماً خراسان کی مشرقی سرحد خیال کیا جاتا ہے اور  
 اٹھارویں صدی میں یہ احمد شاہ درانی کی افغانی سلطنت کی شمالی و مغربی سرحد تھا۔  
 جب میں یہاں سے گزرا تو دریا کی تہ جس کا عرض تقریباً ۲۰ گز ہو گا بالکل خشک تھی۔ بھلے  
 سوج نے مجھکو اسکا عکس لے لینے کی اجازت دی اور اس کی تصویر سے جو مقابل کے  
 صفحے پر درج ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایمان کا بطور نمونہ پیش کئے جاسکتے والا پل ہے۔

اسکے بعد میں جلد جلد آگے روانہ ہوا۔

## عباس آباد

میل آگے چلکر ہم ایک مقام پر پہونچے جو چشمہ گرم کے نام سے مشہور ہے اور جہاں ایک چھوٹا سا سوتا مستعد ڈا برون کو بھرتا ہے اور گہاس کے چند قطعات کو سیراب کرتا ہے۔ یہ مقام عہد سابق میں نہایت خوفناک سمجھا جاتا تھا کیونکہ ترکمان قزاق کوہستان میں اپنے گھوڑوں پر دور و دراز کی مسافت طے کرنے کے بعد یہیں اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے لایا کرتے تھے اور یہیں بد قسمت مسافر بسا اوقات اون کے ہتھے چڑھ جایا کرتا تھا۔ ۱۸۴۵ء میں اسی مقام کے قریب فیریکو بھی اون سے دست و گریبان ہونا پڑا اس منزل کے ختم پر عباس آباد کے گاؤں کا خوش سوا قلعہ واقع ہے جو ایک ٹیکرے پر درجہ بدرجہ بنا ہوا ہے اور اس کی رفیع الشان روکار بے شمار دیر پھول سے مشبک اور برجوں سے آراستہ ہے مگر یہ برج اب بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ اسکے باشندے سوگر جستانی خاندانوں کی ایک نوآبادی کی تو مسلم نسل سے ہیں جسے شاہ عباس اعظم نے تین صدی پہلے اخص غرض سے لایا یا تھا کہ شمالی سرحد پر وہ اسکی فوجی نوآبادیوں کی زنجیر کے ایک حلقہ کا کام دیں۔ اوسے اونکے لئے سو تومان نقد اور گریہوں کے سو خوار کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ وظیفہ بند کر دیا گیا۔ تیسری نسل میں اونکو گر جستانی زبان بولنے کی مانفت کر دی گئی اور اس لئے وہ مسلمان ہو گئے مگر بعض سیاحوں نے اون کی بولی میں اونکی ماوری زبان کا عنصر بھی



پل ابریشم

سبک پایا ہے۔ ترکمانوں کے خطرناک زمانے میں عباس آباد کا ایک بھی ایسا مرد  
نہ تھا جو ایک سے زیادہ دفعہ قیدی بنا کر نہ لیجا یا گیا ہو۔

## میان دشت



اور جٹیل ٹیلون کے اوپر سے گزرتے اور وہاں الحق نام ایک وادی کی  
کنکریلی تہ کو طے کرتے ہوئے ہم اسی نام کے ایک میلے پچیلے گاؤں میں پہنچے  
جہاں کسی زمانہ میں پچاس فوجی سپاہیوں کا ایک دستہ سڑک کی محافظت کے لئے  
مامور تھا۔ اسکے بعد اسی قسم کے مناظر اور نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے ہم عباس آباد  
سے روانہ ہونے کے بعد ایک ہزار فٹ کی بلندی پر پہونچے اور آخر کار میان دشت  
کی عالی شان کاروان سرائے میں جس کی ادنیٰ فصیلین اور آگے کو نکلے ہوئے برج  
اسے ایک بہت بڑی گڑھی کے مشابہ بناتے ہیں اور کئی میلوں سے نظر آتے ہیں  
وارد ہوئے۔ یہ مقام منازل ہفتخوان کا مرکز تھا جہاں پہونچکر مسافت کا نصف خطہ  
رفع ہو جاتا ہے اور نہ ایر جمع ہو کر اظہار مسرت کرتے ہیں یا تشویش ناک خبریں پھیلاتے  
ہیں۔ یہاں ایک پراچی کاروانسرا کے بھی ہے جسے شاہ عباس نے بنایا تھا۔ چنانچہ  
شاہ موصوف کا نام اسکے پہانگ پر لکھا ہوا ہے لیکن نہی کاروانسرا کے جو ایک  
بہت بڑی برجوں والی عمارت ہے اور پکی اینٹوں کی بنی ہوئی ہے حال میں بنائی گئی

۱۵ کو ڈلی نے اسے میرگون دشت کہا ہے اور وہاں میر اپنے تقریباً سو سال قبل زادہ صمد کے ساتھ

میں دشت کہا جاتا۔

ہے۔ اس کی فضیل کا ارتفاع ۲۰ فٹ ہے۔ ایک صحن جس میں چار خانہ واقع ہے  
دو نوں کو آپس میں ملاتا ہے اور باقی تین بڑے آب انباروں یعنی باولیون میں رہتا  
ہے جن میں پتھر کے گہرے زینے کی راہ سے پہنچتے ہیں۔

### دہانہ زیدار

ن دشت کے پرے وہ علاقہ واقع ہے جسکو زمانہ سابق میں سفر کے سب سے  
زیادہ خطرناک حصے کی گذرگاہ سمجھا جاتا تھا۔ سڑک پست دہانوں میں چکر کاٹی ہوئی گول  
ٹیکروں اور ٹیلوں کے بیچ میں سے گزرتی ہے جہاں ہر ایک موٹر پر ایک چھپا ہوا  
نشیب ہوتا ہے اور ہر ایک بلندی پر دشمن کی کمین گاہ کے موجود ہونے کا خوف  
ہوتا ہے پہاڑیان چیٹل اور سنگلاخ ہیں۔ روئیدگی اونپر اگر کہیں ہے تو نہایت  
ہی پست جہاڑیوں کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ ان میں کبک کمتر سے رہتے ہیں جو  
بعض دفعہ جوڑوں اور بعض دفعہ پانچ پانچ چھ چھ کی ٹکڑیوں میں دیکھنے میں آتے  
ہیں۔ یہ ایسے بے ہوئے ہیں کہ سڑک پر ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں اور مسافر کے  
پاس آجانبے پر پھری نہیں بہا گتے۔ یہاں وہ شہور دہانہ زیدار واقع ہے جس میں سے

۱۵۔ کبک یعنی عام سرخ تاگوں والا تیر ہے۔ ایمان میں کبک دری کی بھی ایک قسم ہوتی ہے۔  
اس کے علاوہ دراج یعنی ہندوستان کا کالا تیر بھی پایا جاتا ہے۔ تیر یعنی ریت میں رہنے والا تیر بھی ہوتا ہے  
جس کی نسبت فریزر نے ربیان کیا کہ اس کی دورٹھ شیطان کی سی ہے۔ مزید برآں جیسر قریبی جہاڑیوں میں  
رہنے والا تیر کبک چل یعنی خاکی تیر اور بجزی کر۔ یا باقرہ یعنی جنگلی مرغ بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔

ہو کر ترکمان بالعموم تاحث و تاراج کے لئے آیا کرتے تھے اور اسکے منہ پر زیوار کا  
چوہا سا قلعہ واقع تھا جس میں پچاس سر بازوں کی ایک جمعیت متعین تھی مگر یہ قلعہ  
اب سمار ہو گیا ہے۔ پہاڑیوں کو طے کرنے کے بعد بہمن میومائی کے اوپر تو ام  
چوہاٹوں والا پہاڑ نظر آتا ہے اور اسکے شمالی دامن کا چکر کا ٹکڑا ہم موضع میومائی میں پہونچا  
ہیں جہاں شاہ عباس ثانی کی تعمیر کی ہوئی ایک عمدہ کاروانسرا کے واقع ہے اور کچھ  
عالی شان پرانے چنار بھی کھڑے ہیں۔ میومائی کے چا پار خانے کے جس بالاخانہ  
میں میں مقیم ہوا اسی میں اوڈو نوون کو عرب حاجیوں کی ایک غضب ناک جماعت  
نے گیر لیا تھا جس سے وہ بال بال بچا تھا اور اسی کاروان سرے میں ڈاکٹر جان  
کارک جو کئی سال تک عباس مرزا کا طبیب خاص رہا ۱۳۳۵ء میں بعارضہ ٹائیفس مرا۔

### ارمیان

اس کے بعد کی منزل جو میومائی سے لیکر شاہ رود تک کی ہے اور جکا فاصلہ اہل  
سے ایران میں سب سے زیادہ لمبی ہوا کرتی تھی اور بہت سے مسافروں نے اس کی  
سکالیف پر نوحہ خوانی کی ہے لیکن ٹوک کے مطالب کے لئے اب اس کو ارمیان  
کی منزل اور چا پار خانہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ سڑک کا پہلا حصہ جواہی  
سلسلہ کوہ کے قاعدہ کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ نہایت پتھر پلا ہے۔ رستہ میں

۱۵ فروری اس پہاڑ پر ۱۳۳۵ء میں چڑھا اور اسی کی سب سے اونچی چوٹیوں پر اوسے دنیایت ہی قدیم ایران تھمتے بنے  
ہوئے دیکھے۔ دیکھو اسے دینترس جرق ۱۱ (نوم سر کا سفر)۔ جلد دوم۔ صفحات ۱۵۵-۱۵۶-۱۶۴۔

دو چھوٹے چھوٹے گاؤں واقع ہیں جن میں سے ہر ایک کی زندگی کا دار و مدار ایک  
 چھوٹی سی ندی پر ہے جسکی کوہستانی گزرگاہ کا سراغ سفیدون کی ایک پتلی قطار سے  
 ملتا ہے۔ ارمیان ایک پہاڑی کے پہلو پر واقع ہے اور اس کا منظر خوش آئند ہے۔  
 چا پارخانہ کے دروازے کے باہر سڑک کے ساتھ ساتھ ایک پانی سے بھری ہوئی  
 ندی بہتی ہے اور بہت سے سرسبز کہیتوں کو جو گاؤں کے قریب ہیں شاداب کرتی ہے۔  
 شاہ رود تک کی مسافت کا پہلا نصف حصہ پہاڑیوں کے اداس پست تر سلسلہ  
 میں سے چکر کاٹا ہوا گزرتا ہے جو بتدریج ڈھلکھڑا شاہ رود کے میدان میں جو ارمیان  
 سے ایک ہزار فٹ نیچے ہے ضم ہو جاتا ہے۔ شاہ کوہ جو شاہ رود اور اس کے تہ آباد  
 کے درمیان البرز کی بلند ترین چوٹی ہے اس کا برفانی تاج دن بھر میری نظر ہونکے  
 سامنے رہا اور مجھے معلوم ہوتا کہ شاہ رود اس کے دامن میں واقع ہے۔ جب شاہ رود  
 گیارہ میل رہ جاتا ہے تو ایک سطح میدان پر نظر پڑتی ہے جس کا عرض دس میل ہوگا  
 اور جس پر درختوں کے تین علیحدہ علیحدہ سر جھنڈ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں  
 سے جو دو قریب ترین وہ تو چھوٹے چھوٹے ناقابل ذکر گاؤں تھے اور ان سے  
 پرے جو سب سے بڑا تھا اور گویا البرز کا دامن اوڑھے ہوئے تھا وہ شاہ رود تھا۔  
 یہ قصبہ درختوں میں ایسا چھپا ہوا تھا کہ باغوں کی دیواروں اور میوہ دار درختوں کے  
 جھرمٹوں میں سے بہت دیر تک گزر کرنے کے بعد میں دفعتاً بازار میں جا نکلا۔

## شاہ رود



ایک سابق کے باب میں شاہ رود کے موقع کی حربی اہمیت کا میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ یہ قصبہ بہت سی سڑکوں کا مقام اتصال ہے۔ ہرات سے مشہد کو جو سڑک خانی سے طبلہ تر شیز۔ یزد۔ استر آباد۔ مازندران اور دارالسلطنت سے جو سڑکیں آتی ہیں وہ سب کی سب یہیں ملتی ہیں۔ شاہ رود ایک میدان پر واقع ہے جسے جنگی ذخیرہ اور سربزئی کے متعلق نو میر کا مینا ہونے کی وجہ سے میں کوئی صحیح راہ قائم نہیں کر سکا لیکن اس کی پیداوار کی بہت بڑی استعداد اور ذرائع آب رسانی کی فراوانی اور بہتات میں کوئی کلام نہیں۔ رود شاہ اوس گلی کے پاس سے ہو کر بہتی ہے جو چابا خانہ کے باہر واقع ہے لیکن اس موسم میں اوسکی حقیقت ایک چھوٹی سی ندی سے زیادہ دیکھی اور اس لحاظ سے اوس عظمت و شان کی مستحق نہ تھی جو اس کے نام سے مترشح ہوتی ہے۔ یہ مقام باعتبار مستحکم ہونے کے میری نظر میں نہایت ہی حقیر ہے کیونکہ ایک اُجڑے ہوئے قلعے اور دو چھوٹے چھوٹے مٹی کے برجوں کے علاوہ جو ایک مخروطی شکل کی پہاڑی کی چوٹی پر بنے ہوئے تھے اور کوئی تعمیر اس کے بچاؤ کے لئے موجود نہ تھی۔ شاہ رود اپنے مقامی ساخت کے جو تون کی تیاری کے لئے مشہور ہے اور شاہ اور شاہی خاندان اس صنعت کے سرپرست بیان کئے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ اس مقام کو اوس بہت ناک مونی شب گز یا غریب گز کی وجہ سے شہرت حاصل ہے جس نے یہاں اوڈوٹوٹون پر حملہ کیا تھا مگر شکر ہے کہ ہندہ پر اوس نے نظر التفات



رکھی۔ مزید بیان یہ مقام نہ صرف مازندران کی مقامی پیداوار کی منڈی سے بلکہ روسی مال درآمد براہ گز واسطہ آباد روسی اور روسی الاصل ارمینی سودا گردن کی وساطت سے بکثرت یہاں آتا ہے۔ روسی کا بیس اینڈ مکرری کمپنی کا بھی ایک ایجنٹ اس شہر میں رہتا ہے اسکی آبادی باختر ہونا بیان کی جاتی ہے۔ یہاں ایک ایرانی تار کا دفتر ہے اور اس تار کا سبک تار کا سلسلہ قائم ہے جہاں چکٹلیار کی راہ سے قزل اروات اور ماوراء النہر کے ساتھ مزید تعلقات تار برقی قائم ہیں۔ روسی سفارت متعینہ طہران کو جب کوئی پیغام عاشق آباد میں پہونچنا مقصود ہوتا ہے تو اسی سلسلہ کی راہ سے پہونچاتی ہے۔

### بازار

چونکہ نین شاہ رود میں دوپہر کے وقت پہونچا تھا۔ اس لئے میں نے کچھ دیر شہر کی سیر میں گذاری۔ اس میں ایک بہت برا سقف بازار ہے۔ چھت چھپر کی نہیں بلکہ پختہ ہے اور دوکانیں وسیع اور آراستہ ہیں۔ میرے مشاہدات اور استفسارات نے اون خبروں کی پوری تصدیق کی جو میں نے مشہد میں سنی تھیں۔ سب کی سب شکر و روسی تھی اور سب کی سب چار ہندوستانی تھی جو بندر عباس سے براہ یزد لائی گئی تھی۔ رنگین دریسوں اور چھینٹوں کا زیادہ تر حصہ روسی ساخت کا تھا لیکن لٹھے پر کسی بھی کے کارخانے

۱۷ عاشق آباد سے ہزار تک کو جان کی راہ سے جو نہایت قریب سے گزرا گیا ہے اور اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ کبھی سے اس کے باعث روس کی اس تجارت میں جو شاہ رود کے ساتھ جاتی ہے بہت کچھ کمی واقع ہو گئی ہے یا شاید بچہ یون کہنا چاہیے کہ تجارت کا بچہ ایک طرف سے دوسری طرف بدل گیا ہے۔

کا نشان ثبت تھا اور مین نے نہ صرف مانچسٹر کے سفید دہلے ہوئے سفید سولی تک پہنچا  
ایک بہت بڑا انبا جسپر بیٹی کی چٹھیاں لگی ہوئی تھیں دیکھا بلکہ بہت سے کورے  
تہاں بھی میرے دیکھنے میں آئے جو میرے مانچسٹر سے یہاں لائے گئے تھے۔ یہ  
بات قابل اطمینان تھی کہ باجوہ دیکھ شاہ رود علی لحاظ سے بحیرہ اخضر کی ایک روسی بندرگاہ  
سے صرف چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے پھر بھی مانچسٹر کا بنا ہوا کپڑا یہاں دیکھنے  
میں آیا مین نے کچھ خوش طعم سفید انگور چند پنس دیکر یہاں خریدے۔ ان سے شاہ رود  
مین شہر اب بنائی جاتی ہے۔

## بسطام

گرچہ شاہ رود صنع بسطام شاہ رود کا صدر مقام ہے پھر بھی گورنر یہاں  
نہیں رہتا اور نہ یہاں دارالحکومت ہی ہے۔ دارالحکومت شہر بسطام مین ہے جو  
شاہ رود سے شمال و مشرق کی سمت مین ساٹھ سے تین میل کے فاصلہ پر و شاہ  
کے منبع کی طرف واقع ہے۔ بسطام کو شاہ رود سے ایک سنگلاخ پہاڑی جدا کرتی  
ہے بسطام کو ایک مازندانی نام ہے شاہ رود کے مقابلہ میں زیادہ زرخیز اور سیر  
حاصل ہے اسکے علاوہ یہ مقام مسلمان زائرین کے نزدیک نہایت متبرک ہے  
کیونکہ مشہور شیخ یا سلطان بایزید جو صوفیہ کرام مین سے مین یہاں ایک خوش نما مسجد  
کے صحن میں لکھتہ عین دفن کئے گئے۔ یہ مسجد اب بہت کچھ دیران ہو گئی ہے۔  
اس مسجد کا گنبد کسی مغل فرمانروا نے ۱۳۳۱ء میں تعمیر کیا تھا اور اسکے ساتھ ایک مسجد

مینارہ لرزان بھی اس قسم کا ہے جو مین آگے چلکر اصفہان کے ذکر میں بیان کروں گا۔ اس مینارہ کو جب چوٹی پر سے ہاتھ تے ہیں تو یہ جنبش کرنے لگتا ہے۔ کرنل بوٹ نے اس نظارہ کو اون اینٹوں اور چوٹوں کی لچک سے منسوب کیا ہے۔ جو اسکی تعمیر میں صرف کیا گیا ہے اور زیادہ مدت کے گزرنے کی وجہ سے زیادہ لچک دار ہو گیا ہے اور اسکو اسی طرح کے اوس نظارے سے تشبیہ دیتا ہے جو سنگ لرزان کی سلون میں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ بسطام میں اینٹوں کا بنا ہوا ایک عجیب و غریب برج ہے جس کا بیرونی دور متعدد نمایاں زاویوں کی وجہ سے کتے کے دانوں کے مشابہ ہے اور اوس برج کے ہم شکل ہے جسکا ذکر میں آگے چلکر رہے کے بیان میں کروں گا۔

## گورنر کی طرف سے وکلاء مع تحفہ ہدایا

شاہ رود کے چا پار خانہ میں جو اس لحاظ سے کہ اوس میں بالا خانہ کے تین درجے

۱۔ پرنسپلنگس آف دی ذیل جاگرافیکل سوسائٹی (گرویدار ذیل جاگرافیکل سوسائٹی) سلسلہ جدیدہ جلد پنجم صفحہ ۷۹ صطوبہ ۱۸۸۳ء۔ بسطام کی عمارات کا بہترین بیان خانیکاٹ کی کتاب میمورائر اسٹریٹس اگر تذکرہ وغیرہ کے صفحہ ۷۹ پر درج ہے۔

۲۔ فریڈرہیج کتاب "عمرانی انوملر سائنس" (مغفر سائنس) کے صفحات ۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴ میں ایک اسی قسم کے کثیر الاصلع برج کا ذکر کرتا ہے جو ہر جان کے قریب دریائے گرگان کے کنارہ پر واقع ہے۔ یہ برج ڈیڑھ سو فٹ اونچا تھا اس کا اندر ذی قطر دروازہ اور بیرونی دروازہ دونوں گوتہا اور اسکی چوٹی بلند مخروطی شکل کی تھی جس میں ایک دریچہ لگا تھا۔ عربی زبان کی دو چوٹی سطردن کے پڑھنے سے واضح ہوتا تھا کہ یہ بھی بسطام ہی کی طرح ہی ہے۔

ہیں۔ یکتا ہے جب میں پہونچا تو میں نے دیکھا کہ یہاں قالین کے فرش اور پردہ و دروازوں کی وجہ سے تنعم کی غیر معمولی علامات نمایاں ہیں۔ بازار سے واپس آ کر جب میں منہ ہاتھ دھو نے لگا اور کپڑے بھی میں نے اتار ہی دئے تھے تو ملا کسی اطلاع کے مجھے معلوم ہوا کہ مزید سرکاری توجہ مجھ پر مبذول کی جا رہی ہے۔ پہلے دواڑی جو تھوڑی سی فرانسیسی بول سکتے تھے بلا اطلاع کے اندر داخل ہوئے ایک شاہ رو کی کپنی مسرس زیگلر کا گاشٹہ تھا اور دوسرا یٹالیا نر نامی ایک کوٹھی کا کارپرداز تھا۔ چونکہ اوہوں نے اپنے آئینکی کوئی وجہ نہیں بتائی اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ محض بقاصنائے استعجاب آئے ہیں لیکن مشرق میں اس قسم کی باتوں پر اظہارِ رائے نہیں کرنا چاہیے بلکہ اور انکو خوش اخلاقی کی علامات سے تعبیر کرنا چاہیے۔ لہذا میں منہ ہاتھ دھو نے اور نگلھا وغیرہ کرنے میں مصروف رہا اور شاہ رو کی تجارت اور سوداگری کے متعلق اون سے باتیں بھی کرتا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر میں بالاخانہ کے دروازے میں پہر سایہ نمودار ہوا اور تین ایرانی عہدہ دار اندر داخل ہوئے اور ملازمین کی ایک جماعت باہر کھڑی رہی۔ ان تینوں کے پیچھے پیچھے کچھ دیگر ایک کشتی لئے ہوئے آئے جس میں چاروں کے دو ڈبے اور نیلے کاغذ میں لپیٹے ہوئے چار مصری کے کوزے رکھے ہوئے تھے۔ ان کے بعد دواڑی آئے جو ایک دمنہ کو جلاتین پھینک رہا تھا اور اٹھائے ہوئے تھے۔ ان سب کے بعد ایک اور شخص آیا جو مید کی جی ہوئی دو کرسیاں لایا۔ یہ نظارہ ایسا پر اثر تھا کہ اگر میں اسکو اپنے ناظرین کے سامنے ہمیشہ

کے تماشہ کی شکل میں قلمبند کر کے پیش کروں تو غیر موزون نہ ہوگا۔

تماشہ گاہ - ایرانی چاپارخانہ کا ایک کچا مکان۔

افزادہ اہل تماشہ - ایک انگریز فلائین کی قمیص اور گھٹنا پہنے اور موزے چڑھای ہوئے

ارمنی سوداگر۔

ایرانی پیشہ مست باشی۔

لائین چلائے ہوئے دُنبے۔

لازم تماشہ - مصری کے کوڑی اور بید کی بنی ہوئی کرسیاں۔

اب مجھے حقیقت حال معلوم ہوئی اور میں سمجھا کہ گورنر شاہ رود نے جو شاہی خاندان

سے ہمارے طور پر میرے پاس اپنے وکیل بھیجے ہیں اور مجھے بسطام میں آکر اپنے

ہاں مہمان ہونے کی دعوت دی ہے اور ارمنیوں کو بطور مقدمہ کے روانہ کیا ہے

تاکہ وہ سب کچھ دیکھ بھال آئین اور ترجہانی کی خدمت انجام دین اور انکی مدد سے میں نے

گورنر کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور جو تحائف اس نے میرے لئے بھیجے تھے۔

اور نہیں میں نے قبول کیا لیکن قدرتی طور پر یہ لازم تھا کہ مساوی قیمت کی کوئی سوغات

اس کے وکیلوں کو دوں۔ چنانچہ میں نے کچھ تومان ان حضرات کی خدمت میں نذر کئے

اور انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ روپیہ جیب میں ڈالکر یہ سمجھا کہ چلو معاملہ ختم

ہوا۔ غرض کہ انہوں نے ظاہر کیا کہ اب آرام کا وقت آجہو بچا ہے اور یہ کہہ کر کورنش

بجالاتے ہوئے رخصت ہوئے۔ اور میں نے ونبہ فوج کرایا اور پڑے حرنے کی

بہنی ہوئی ران کہا نے پر میرے سامنے آئی۔

## سفر کا دوسرا حصہ

ہرود کی منزل سفر مشہد و طہران میں قریباً نصف سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے سفر کے دو حصے ہو جانے ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان دونوں میں کم وچسپ کون سا ہے۔ انکی ہیئت ظاہری میں ایک عجب تطابق پایا جاتا ہے کیونکہ جس طرح مشہد سے شاہرہ تنک کی سڑک پر دو مشہور قدیم شہر نیشاپور اور سبزوار واقع ہیں اسی طرح اس سڑک کے شاہرہ رود سے لیکر طہران تک واسطے حصہ میں دامغان اور سمنان ہیں اور جس طرح پہلے حصہ میں (اگر کوئی عمارت قابل دید ہے تو) سبزوار اور بیظام کے مینار اور برج ہیں اسی طرح دوسرے حصہ میں بھی ہمیں دامغان اور سمنان کے اسی قسم کے مقابر پر اکتفا کرنی پڑتی ہے۔ بالآخر اس تطابق کو مکمل کرنے کے لئے جس طرح پہلا مشہور و معروف ترکمانی دون کو طے کر کے ختم ہوتا ہے اسی طرح اس رستہ کا دوسرا حصہ سفر کے آخری دن سے پہلے کے روز اور مشہور ترجمہ اخضر کے علاقہ کی طرف رہائی کرنے والے دون میں گذرتا ہے جو دیرامن کے میدان کا منفذ ہیں۔ چہریت کور اور مرل گہڑے دونوں کی خصوصیات مشترکہ ہیں۔

## اوجڑے ہوئے شہر

دیچ لاکھ کی طرف جانے وقت ایک نہایت ہی ذلیل گہڑا مجھے سواری کو ملا اور جس رستے پر میں نے سفر کیا وہ بھی کچھ کم برآمد تھا۔ چار خانہ گاؤں کے سوا میں جو کچھ دور

آگے جا کر ایک میدان میں واقع ہے کھڑا ہے یہ گاؤں مٹی کے ایک بہت بڑی  
 ٹیلے کی وجہ سے ذکر کے قابل ہے جس پر کسی زمانہ میں ایک قلعہ بنا ہوا تھا جسکی شکستہ  
 دیو سیدہ دیوارین اب حسرت ناک کہنڈرون کی شکل میں بدل گئی ہیں۔ دیکھ ملا  
 سے لیکر دامغان تک کا راستہ ذرا صاف ہے مگر کسی طرح کٹے ہی میں نہیں آتا۔ میری  
 دہنی طرف البرز کی سنگلاخ سرخی لئے ہوئے فصیل میدان سے عبوری ادھنتی ہوئی  
 چلی گئی تھی اور ایک سد برنجی کی طرح اس عظیم الشان سلسلہ کوہ کی گھاٹیوں اور درون  
 کو اس نے مسدود کر رکھا تھا اور ان سب کے پیچھے مازندران کے دہند لے میدان  
 بحیرہ خضر کی طرف ڈھلتے ہوئے چلے گئے تھے۔ بائیں یعنی جنوب کی طرف اگرچہ  
 میں نے اکثر نقشوں پر ایک دشت کویر کی علامت دیکھی ہے لیکن میری ذاتی یادداشت  
 میں مندرج ہے کہ دن بھر کے سفر میں اس طرف کافی دس میل کے اوسط فاصلہ سے  
 پہاڑیوں کے ایک سلسلہ سے محدود تھا جن کا ارتفاع اس قدر ہے کہ اکثر نقشوں پر  
 انہیں دکھایا جاسکتا ہو لیکن جو نقشے میرے دیکھنے میں آئے ان میں سے اکثر نقشے  
 ان پہاڑیوں کا کوئی سراغ نہیں پایا۔ دامغان تک کی سڑک متعدد دیہات میں سے  
 ہو کر گزرتی جن میں سے ایک گاؤں مہان دوست حقیقت میں اسم با اسم تھا کیونکہ  
 پیدل اور سوار مسافروں کا اس کی ایک ہی گلی میں بہت بڑا ہجوم تھا۔ دامغان سے  
 تین میل کے قریب ہم ایک ویران شہر بہتاجان کے کہنڈرون میں سے ہو کر مکمل  
 کچے مکانوں کے ایک ویران شہر کا اس سے زیادہ اندوہناک نظارہ نصیب نہیں

آسکتا۔ مکان چہتین اور دیوارین بتدریج منہدم ہو کر مٹی کے ناقابل شناخت تودن کی  
 شکل میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ مگر عمر و زمانہ یہ تودے ایسے ٹپوس ہو جاتے ہیں کہ  
 بیسیوں بلکہ بعض دفعہ سیکڑوں سال تک قائم رہتے ہیں۔ یہ فرض کر لینا بھی ٹھیک  
 نہیں کہ ہر ایک ویران شہر یا موقع کے ساتھ اسکے باشندوں کا نشان بھی روئے  
 زمین سے مٹ چکا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہوتا کہ ایران کی آبادی جو  
 اب فلسطین کی طرح منتشر ہے کسی زمانہ میں چین کی آبادی کی طرح گنجان ہوگی۔ میرا خیال  
 ہے کہ یہ قیاس غلط ہوگا۔ جس طرح ہر ایک بڑے ایرانی فرمانروا یا بانی خاندان شاہی  
 نے کینخسرو کے زمانہ سے لیکر آج تک اپنے دارالسلطنت کو اس خیال سے ایک  
 جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا کہ اس کے نام کے ساتھ نئے جاہ و جلال کو متناسب  
 ہو اسی طرح ہر ایک چھوٹے چھوٹے حاکم ضلع یا سرخار علاقہ نے اپنے فرمانروا کی مثال  
 کو پیش نظر رکھ کر اضلاع میں ایک نئی آبادی کے قائم کرنے کی کوشش کی اور ادنیٰ  
 درجہ کے طبقوں میں بھی ہر خاندان کے سردار نے اپنی حالت کی اصلاح  
 اور اپنے پیشینیوں پر تفوق یگانے کے خیال سے نئی عمارت بنائی۔ غرض کہ  
 ہر کہ آمد عمارت نو ساخت ✽ رفت و منزل بدیگر ہے پرداخت  
 نئی عمارتوں کے بنانے کی اس عالم گیر خواہش نے جو ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کے  
 دلوں میں ساری ہے اور قحط و وبا اور جنگ کی آفتوں نے آپس میں مل کر شہروں اور  
 مکانات کے بے شمار بوسیدہ ڈھانچوں کی ترکیب میں حصہ لیا ہے۔



## دامغان



میل کے فاصلہ سے دامغان کے دو مینارے چوبزوار کے مینار کے  
 مد مقابل مین پر وہ نگاہ پر ہویدا ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر  
 شہر کے مختلف حصوں میں کھڑے ہیں دونوں مین سے جو زیادہ تر اپنی حالت اصلی پر  
 قائم ہے اور جسکا اوپر چڑا جا سکتا ہے اور چیمبر بعد کے زمانہ کی ایک بڑجی بھی ہے۔  
 جس میں موزن کے لئے ایک دروازہ بنا ہوا ہے شہر کی سب سے بڑی گلی کے سر  
 پر واقع ہے۔ ایک مسجد اسکے قریب ہے۔ یہ دو مسجد بنیں جسکے ساتھ یہ ابتدائے ملحق تھا بلکہ  
 حال کر زمانہ کی تعمیر ہے۔ سبزوار کے مینار کی طرح اسکی روکار اینٹوں کی ہے اور اون کی چنکی  
 اس طرح سے کی گئی ہے کہ دور پر مہندی شکلیں بن گئی ہیں اسکے علاوہ خط کوفی میں ابھوان  
 کام کا ایک کتبہ بھی اس پر ثبت ہے۔ دونوں مینار امام زادوں کے مقبروں سے تعلق  
 رکھتے ہیں اور اونکے نام سے منسوب ہونے کے باعث مینار جعفری اور مینار قاسمی  
 کہلاتے ہیں۔ ان دونوں اماموں کی زیارت گاہوں اور نیز پیر علمدار یعنی حضرت امام محمد فرزند  
 امام امیر ایہم کے مقبرے کے حالات کے متعلق مین ناظرین کی توجہ غائبانہ کے عالمانہ

۱۰ دیکھو "میسورایہ شہر" ذکرہ وغیرہ۔ صفحات ۴۵، ۴۶۔ بیسٹ فلیپس کتاب "لینڈ آف دی اناس"  
 (سریزمین انڈ) کے ۹۷ پر یہ نو غلطی کی ہے کہ میناروں کا نام چل سون اور شد جم بنایا ہے اول الذکر نام ایران  
 میں ہر بڑی اور فنیس عمارت سے منسوب کیا جاتا ہے اور اسنے اور کا اطلاق مسجد پر ہو سکتا ہے نہ کہ مینار پر۔  
 اسی طرح شد جم سے اسکی رو مسجد جامع ہے جو ایک شہر میں ویسا ہی حکم رکھتی ہے جیسا کہ مسعودی کی کیمبرج میں  
 "یونیورسٹی کیمبرج" (کلیسا کے دور العظمیٰ)۔

اور اوق کی طرف منقطع کرتا ہوں۔ دامغان اگرچہ موجودہ صدی (انیسویں) میں بھی بہت بڑا شہر تھا لیکن اب افسوس ناک انحطاط کی حالت میں ہے ایک بہت بڑے مریخ قلعہ کے دیران کہنڈر جن میں ایک کمرہ فتح علی شاہ کا مقام ولادت ہونے کے لحاظ سے مشہور تھا اور دکھایا جا یا کرتا تھا بازار کے مثلثی میدان سے اور پھر ادھٹھائے کھڑے ہیں لیکن بوڑھے ہو کر گر رہے ہیں۔ میں گھوڑے پر سوار بازار میں سے ہمارے گزرا جو ایک لمبی سقفت پوش گلی پر مشتمل ہے اور شاہ روڈ کے مقابلہ میں بہت کم صاف اور آراستہ ہے۔ شہر میں ایک ندی بہتی ہے جو ایک پہاڑی چشمہ سے جس کا نام چشمہ علی ہے آتی ہے اس چشمہ پر شاہ کا گرمیوں کے رہنے کا محل بنا ہوا ہے اسکے علاوہ یہ مقام زیارت گاہ بھی ہے کیونکہ یہ منجملہ اون مقامات کے ہے جہاں حضرت علی کے گھوڑے نے خشمگین ہو کر اس زور سے اپنا دم پتھر پر مارا کہ اوس کا نشان مستقل طور پر رہ گیا اس کراست کے موقع کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک اور کراست ایک چشمہ کی شکل میں موجود ہے جس کا نام چشمہ باد ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر خاص خاص وقتوں میں اس کو جنبش دیا جائے تو ایسا طوفان اٹھتا ہے کہ اوس کے پیپر ٹون سے ہر ایک چیز برباد ہو جاتی ہے۔

### دامغان کی تاریخ

جیاضی الجیسی کے لحاظ سے دامغان کے دو پہلو ہیں۔ روایتی اور جدید اسے ہمیشہ

۱۔ جے۔ بی۔ فریزر۔ ۱۳۱۷ء وینس میں (بوم سرگاسفر) جلد دوم صفحہ ۳۹۰ + ۳۹۱۔ بی۔ ایسٹوک۔ جلد دوم

صفحہ ۱۵۷ + کرنل رینڈلٹ کے صفحہ ۳۳۸ +

قدیم شہر ہیکا ٹامپیلاس یعنی سوہر وازون والے شہر کا موقع قرار دیا گیا ہے یہ نام یونانیوں  
 نے اس شہر کا رکھا تھا جو سلسلہ ارسا سیدیہ کے پار تھیں فرما زواون کا پایہ تخت تھا  
 لیکن چند مٹی کے ٹودوں اور متعدد زمیں و وزنا لیون کے سوار جن کے بنائے مین پتھر  
 کی بڑی بڑی سلین صرت کی گئی ہیں دامغان میں نہ تو اس وقت ایسے آثار باقی ہیں جن  
 اس رفیع الشان عہد قدیم پر منطبق کیا جاسکے اور نہ تاریخ ہی اس امر کی شاہد ہے کہ کبھی  
 اس قسم کے آثار یہاں موجود تھے۔ فیروز نے البتہ اس نظریہ کی تردید کی کوشش اس  
 استدلال سے کی ہے کہ سوہر وازون والے شہر سے مراد لازمی طور پر ایک ایسا شہر ہوتا  
 چاہیے جہاں بہت سی سڑکیں آپس میں ملتی ہوں حالانکہ دامغان میں صرت دو سڑکیں  
 ہیں بگیر میرے خیال میں اس کا خیال غلط ہے۔ اسی استنباط کی بنا پر وہ شاہ رود بستم  
 کو ہیکا ٹامپیلاس کا موقع قرار دیتا ہے۔ لیکن قطع نظر اس واقعہ کے کہ دامغان میں دو  
 زیادہ سڑکیں ملتی ہیں اس امر کو یقینیات سے تعلق نہیں ہے کہ یونانیوں نے اس کا  
 جب یہ نام رکھا تو انکی مراد شہر کے دروازوں سے ہی تھی یہ نام ادھنوں نے مصری شہر  
 تحبیبہ کا بھی رکھا تھا جسکی نسبت یہ قیاس کیا گیا ہے کہ سوہر وازون سے اشارہ ان  
 کثیر التعداد عالی شان مندروں کے دروازوں سے ہے جن سے میس (فرعون مصر)  
 کا پایہ تخت مزین تھا اور ممکن ہے کہ پار تھین شہر کے متعلق بھی سوہر وازون سے مراد  
 مراد ہو۔ لیکن اگر دامغان اور ہیکا ٹامپیلاس کے ایک ہونے کے مسئلہ سے بچا

اوس کے نظری ہونے کے قطع نظر بھی کیا جائے تاہم دامغان کے موجودہ نام کے ساتھ ہی تاریخی اعتبار سے بہت کچھ دلچسپیان وابستہ ہیں۔<sup>۱</sup> نیز یہاں اس امر کے تذکار کی ضرورت ہے کہ چنگیز خان نے اسے ایک دفعہ برباد کیا اور نہ اس واقعہ کے اعادہ کی حاجت کہ تیمور نے دوسری دفعہ اسکو تباہ کیا۔ بنی نوع انسان کے ان دونوں دشمنوں کیلئے شہرہوں کی شان شوکت کا مسٹانا ایک معمولی سی بات تھی۔ ڈان رائی ڈی کلیوچو جب سلطنت میں شاہ کیسٹیل کی طرف سے سفارت پر مامور ہو کر تیمور کے دربار میں حاضر ہوئے تو شمالی ایران میں سے ہو کر گزرا تو اوس نے دامغان میں ابھی تک مٹی میں گڑے ہوئے انسانی سرور کے دو برج کھڑے ہوئے دیکھے جو تیمور نے اپنی فتح کی یادگار میں چند سال پیشتر یہاں نصب کئے تھے۔ شاہ عباس نے اس شہر کو نئے سے تعمیر کیا اور اسکا رک بنایا۔ ماہ اکتوبر ۱۶۲۹ء میں نادر شاہ نے اپنی مشہور فتح اشرف افغان پر حاصل کی جو سال آئندہ میں افغانوں کے ایران سے نکال دئے جانے کا پیش خیمہ تھی۔ اسی مقام پر ۱۶۳۳ء میں کریم خان زند کے وحشی منش سوتیلے بہائی ذکی خان نے جسے قوم قاجار کا بلوہ فرد کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اپنے قیدیوں کو سر نیچے اور پاؤں اوپر برابر برابر فاصلہ سے زمین میں گاڑ کر ایک باغ لگایا اور یہیں ۱۶۹۶ء میں نادر کا مصیبت زدہ پوتا شاہ رخ اوس وحشیانہ عذاب کے اثر سے مراجو شہید میں آغا محمد شاہ نے اوس پر روار کہا تھا۔ موجودہ (انیسویں) صدی میں دامغان کو

تطعمی طور پر بجائے ایک دشمن کے ایک دوست نے تباہ کیا یعنی ۸۳۲ھ میں عباسیوں کی فوج تین مہینے تک یہاں آکر رہی اور اس کے قیام کے برباد کن اثر سے یہ شہر کبھی نہیں بنپا۔ کوئی بڑی دل بھی اسی عام تباہی نہ پھیلاتا جو اس فوج نے اپنے زمانہ قیام میں پھیلائی۔ آبادی اب ۳۰۰۰ رہی ہے۔ مگر مجھے یاد نہیں تھا۔

### دولت آباد



امغان سے روانہ ہونے کے بعد سرگم غرب کا رخ اختیار کرتی ہے اور ایک میدان کو جو شروع شروع میں کنکر ملا لیکن بعد میں زرخیز اور زراعت سے سرسبز ہے طے کرتی ہوئی غشاہ کی طرف بڑھتی ہے۔ غشاہ میں صرف دو عارتین ہیں۔ ایک کا دروازہ سرے اور ایک چار خانہ اور اگر ضروریات ضرورت ہو تو اس مقام میں جو خیر آباد ہے یہ عارتین بھی قائم نہ کی جاتیں۔ سترہ میں اگر کوئی دلچسپ مقام آتا ہے تو وہ دولت آباد کا ویران قلعہ ہے جس کے گرد تین دیواریں مکینچی ہوئی ہیں اور ایک گہری کھائی اسے گہیرے ہوئے ہے۔ ساٹھ سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ سار جنت گنس ایک انگریز نے جو عباسیوں کی فوج میں ملازم تھا اسکی نسبت یہ کہتا تھا کہ ایران میں جو چھوٹے چھوٹے قلعے میرے دیکھنے میں آئے ہیں ان میں یہ سب سے بہتر ہے۔ وامنان کے حاکم نے جس نے کچھ مدت تک گورنر صوبہ کے استیصال کی مداخلت کی تھی عباسی مرزا کو بیس ہزار تومان نذرانہ اس شرط پر پیش کیا کہ اسے وامنان کی حکومت پر بحال رکھا جائے

عباس مرزا نے روپیہ تو مجیب مین ڈال لیا اور حاکم کو مشہد لیتا گیا اور مقامی گورنر نے اوس کی غیبت سے فائدہ اٹھا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نواح کے دوسرے اکثر مقامات کی طرح یہ اب دیران ہے اور انحطاط جلد جلد اس پر اپنا عمل کر رہا ہے۔

## کرگان

ن بھر بلکہ اپنے تمام سفر کے اثنائین میرا گزر ادون متعدد بڑے بڑے توڈوں گل کے پاس سے ہوا جنکی حقیقت کے سمجھنے میں شمالی ایران کے مسافر کو بہت کچھ وقت پیش آئی ہے۔ یہ مٹی کے بہت بڑے بڑے مدور یا بیضوی ٹیلے ہیں جو چاس سے لیکر سو فٹ تک بلند ہیں۔ ان پر عمارت کا کوئی نشان نہیں بلکہ چکنی مٹی کے ٹھوس ڈھیر دن سے مرکب ہیں۔ جنکے پہلوؤں کو مرد زمانہ نے صاف دہوار کر دیا ہے۔ مقامی روایت انہیں جمشید سے منسوب کرتی ہے جسکے دو سکر لفظوں میں گویا یہ معنی ہوئے کہ رادیون کو ان کی حقیقت کچھ بھی معلوم نہیں تھی۔ بعض لوگ انہیں تشنگان کے موقع سے تعبیر کرتے ہیں جو قدیم زمانہ میں جبکہ مذہب زردشت رائج تھا تعمیر کئے گئے ہونگے۔ لیکن مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر وہ سب کے سب نہیں تو ادون میں سے اکثر مٹی کے قلعے تھے جو گاؤں کی حفاظت کے لئے بنائے گئے تھے اور یہ گاؤں مدت ہوئی کہ پونہ زمین ہو چکے ہیں۔ مٹی کے یہ ٹیلے علی العموم ادون میدانوں میں پائے جاتے ہیں جہاں قدرت نے بجاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں پیدا کیا اور اس لئے انسان کو مصنوعی طور پر اوسکے پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئی بہت سے ٹیلوں کی چوٹیوں پر ابھی

مٹی کی گرہیوں کی ٹوٹی ہوئی بے شکل دیوارین نظر آتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ گرہیاں کسی زمانہ میں ان چوڑیوں پر بنی ہوئی ہوں گی۔ اس کا بین ثبوت بدشت میں جو شاہرہ کے قریب واقع ہے اور بحمد و دشاہرہ کے درمیان جاجرم میں ملتا ہے۔ جہاں یہ ٹیلے جنہیں یہاں کرگان کہا جاتا ہے صاف اور چٹیل ہیں وہاں اوپر کی عمارت بالکل مسمار ہو چکی ہے۔ ان ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ ابھی تک دادی کرگان میں واقع ہے درگیش پتی (یعنی چاندی کی پہاڑی) سے جو بظاہر انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا ٹیلا ہے اور بحمد و اخضر کے ساحل پر واقع ہے شروع ہو کر ڈیڑھ ایک تہری قلعہ بندی کو جو اسکندر اعظم سے مسب کی جاتی ہے ترکیب دیتا ہوا بحمد و تک پہیلا ہوا چلا گیا ہے۔ بعض مقامات میں مثلاً فردین اور طہران کے درمیان اون کے متصادی الفضل ہونے سے یہ دیکھی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ انہیں ایک کیپ کی خبر دوسرے کیپ کو دینے کے لئے رشتہ کے میناروں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو گا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں اون کا مقصد فوجی تھا۔ اس امر کے باوجود کہ ان کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان میں سے کسی کو بھی مقبرہ تصور کیا جائے۔

### اہوان

غشاہ سے روانہ ہو کر سڑک ایک دریاں اور غیر مزدعہ میدان میں سے گزرتی ہے اس کے بعد تیرج ایک چڑھاؤ آتا ہے جسے طے کر کے یہ ایک عسیر المروورہ میں داخل ہوتی ہے اور پھر دقتہ ایک تاریک سے نشیب میں حایہ بنجی ہے جہاں اہوان کا حایہ غشاہ

کاروانسرا سے واقع ہیں۔ موجودہ اینٹ کی سرائے شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ کی  
 بنی ہوئی ہے۔ ایک قدیم ترسرائے بھی ہے جو پتھر کی ہے اور نوشیروان ساسانی  
 سے منسوب کی جاتی ہے مگر اب اس کے کہنڈر رہ گئے ہیں۔ لفظ اہوان کے معنی جس نے  
 بظاہر یا جان سابق کو بہت کچھ مغالطہ میں ڈال دیا ہے غزال صحرائی ہیں روایت اس مقام  
 سے ادن حیرت انگیز کرامتون میں سے ایک کو منسوب کرتی ہے جو حضرت امام رضاؑ  
 سے سفر طوس کی مختلف منازل میں ظہور میں آئیں۔ یہاں اوہنین ایک اسیر ہرنی ملی جس نے  
 اس کے مقدس وجود کو پہچان کر گویائی حاصل کی اور اپنے پچھڑے ہوئے بچے کے لئے  
 اون سے مدد مانگی۔ امام صاحب نے شکاری کو حکم دیا کہ ہرنی کو چھوڑ دے اور خود او کو  
 واپس چلے آنے کے صناسن ہوئے۔ لیکن ہرنی کے لئے اپنے گھر کی خوشیاں دینے  
 کی ایسا پر غالب آئیں اور اس نے اپنا اقرار پورا نہ کیا۔ اس پر شکاری نے امام صاحب  
 سے کہا کہ میری ہرنی لائیے چنانچہ اوہنون نے اپنی قوت ارادی کے زور سے اس کو  
 اس کے صیاد کے پاس واپس بلا بھیجا جس کے پاس وہ بعد کو ہمیشہ بطور ایک اسیر یا پالو  
 جانور کے رہی اس مقام پر مسافر اس کو ہستان میں داخل ہوتا ہے جو دامغان اور سمنان  
 کے میدانوں میں فاصل ہے۔ قلعہ فاصل کے بلند ترین مقام سے سمنان بدوئل

۱۵ فرزند نے اسے ایسا ہی لیں لکھا۔ فریر نے ایسیوں اور لوڈ و نوڈن نے انجمن۔ اسی طرح فشاہ کا ہر  
 کاسبک۔ گوشہ۔ کوشک اور کوشہ کیا ہے۔

۱۶ آج کے سنی غزال کے جن اسی لئے تہرہ (یعنی پورے غزال) پر ان میں بدو کہتے ہیں۔



کے فاصلہ سے پتہ رون کے فرش پر ایک سبز قطعہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دوسری طرف اتار کو آسان ہوتا لیکن رستے میں پتہ بہت بکھرے ہوئے تھے اور گھوڑے کو پتہ ڈال کر شہر کی طرف جانے میں کوئی لطف نہ تھا۔ رستے میں مجھے ایک بزد گارڈی ملی جو تین چار گھوڑے جتے ہوئے تھے اور ان میں سے دو پر سوار بیٹھے ہوئے تھے۔ گارڈی کے آگے آگے کچھ سوار بھی جا رہے تھے اور ایک گارڈی بھی ہمراہ تھا مجھے یہ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ میرے ہی استقبال کے سامان تو نہیں ہیں مگر اس امر کے دریافت کرنے سے مجھے اطمینان ہوا کہ گارڈی میں حاکم ضلع سوار تھا جو غالباً اپنے غیر وسیع علاقہ کا دورہ کرنے کے لئے نکلا تھا۔

### سمنان

سمنان ایران میں اپنے وسیع اور شاداب باغوں۔ اپنے پرانے درختوں۔ دامغان کے مقابل کے ایک وسیع مینارے۔ حال کی بنائی ہوئی ایک خوشنما اور آراستہ مسجد۔ چار کی ٹکیوں اور نیلے سوت کے پانچا مون کی مقامی ساخت عورتوں کے حسن اور زبان کے عسیر الغم ہونے کے لحاظ سے مشہور ہے۔ شاید ان تمام باتوں میں ایک بھی ایسی نہیں جو اجنبی کی توقع کو پورا کرتی ہو۔ چھوٹی گلیوں میں ندیوں کا پانی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ گلیاں ایران میں عام طور سے نہ صرف سڑکوں بلکہ نالیوں کا بھی کام دیتی ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ آب رسانی کے ذرائع اس قدر وسیع ہیں پھر بھی شہر اس سے پوری طور پر منتفع ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ مٹاکو کی یہاں کثرت سے کاشت کی جاتی ہے

بازار کے باہر کھلے مقام میں چند پڑا نے چارہ بین اور ایک عالی شان درخت خود بازار  
 میں کھڑا ہے اور اس کا دیو قامت تنہا بہت کو چیرتا ہوا اوپر کو نکلا ہے قدیم مینارہ بھی  
 بازار کے وسط میں واقع ہے اور مسجد جامع سے ملا ہوا کھڑا ہے لیکن مسجد کے  
 اب کہنہ پڑ رہ گئے ہیں۔ مینارہ ایک سو فیٹ بلند ہے اور اس میں ایک زمین ہے جہاں  
 مینارے کی چوٹی تک سویر طہیان ہیں مینارے کی چوٹی پر موزن کے لئے غلام  
 گردش بنی ہوئی ہے۔ زلزلہ اور موزمان کی وجہ سے یہ جھک گیا ہے۔ فتح علی شاہ  
 کی مسجد میں جو یہاں سے تھوڑے سے فاصلہ پر واقع ہے ایک وسیع چار دیواری پچاس  
 گز مربع ہے اس میں دو خوشنما ایوان بھی ہیں جو کاشی کے کام کے چوکھٹوں میں نصب  
 ہیں۔ اس کے متعلق ایک مدرسہ ہے۔ چار کی ٹکیوں کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے  
 کہ جب دیلمی نے جس نے اون کی شہرت ہرات سے بعید مقام میں سنی تھی اونہیں  
 خریدنا چاہا تو اس سے یہ ٹھٹھا ایرانی جواب ملا کہ ان چیزوں کی مانگ اس قدر زیادہ اور  
 اونکی مقدار برآمد اس قدر شیر ہے کہ مقامی خچ کے لئے کچھ بھی نہیں رہیں جس طرح  
 دیلمی کو چار کی ٹکیاں نہیں ملی تھیں اسی طرح خوبصورت عورتیں میرے دیکھنے میں نہیں  
 آئیں۔ زبان کے متعلق میں لاعلمی کے باعث کوئی رائے نہیں قائم کر سکا۔ لیکن خانیکات  
 جیسے محقق السنہ نے بھی سوالات کے ذریعہ سے اس زبان کے حالات دریافت  
 کرنے کی ناکام کوشش میں معروف رہا اس سے زیادہ ناطق نتیجہ نہیں نکالا کہ یہ ایک  
 ماہذراتی بولی ہے جس کی آوازوں کا جزو اعظم حروف علت ہیں۔ اس کے علاوہ

ایک روایت ہے کہ ایک عالم فاضل نے جسے کسی ایرانی شہنشاہ نے ایک دفعہ اس امر کی تحقیق پر متعین کیا تھا کہ جوزبائین اور اسکے ملک کے باشندے بولتے ہیں اور مکے متعلق بعد تحقیق کیفیت پیش کرے تو اسے سمنان کی بولی کی تشبیہ اپنے شاہی سرپرست کے حضور میں اس طرح سے ظاہر کی کہ ایک خالی کدو میں کچھ سنگریزے ڈالکر ادھین کھر کھر اڑایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سمنان میں ۴۰۰۰ گھر اور ۱۶۰۰۰ باشندے آباد ہیں لیکن غالباً اس اندازہ میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ یہودیوں کو یہاں رہنے کی ممانعت ہے لیکن پچیس کے قریب ہندویشے تجارت میں مصروف ہیں کیونکہ سمنان وہ مقام ہے جہاں بندر عباس سے براہ نیر و طیس ایک رستہ جنوب کی طرف سے آتا ہے اور شمالی صوبوں کو مال تجارت بہم پہنچاتا ہے ایک عام وضع کی کچی دیوار جس کے پہلوؤں پر برج اور پہاٹک ہیں اور جو معمولی بوسیدگی کی حالت میں ہے۔ شہر کے گرد اگر دیکھی جاتی ہے اور گورنر ایک مستحکم ارک میں جو شہر کی شمالی و مغربی دیوار سے اوپر نکلا دیکھا جاتا ہے رہتا ہے۔

لنگر

ایک لمبا پتھر پچھڑاؤ اور چند دلچپ مقامات میں سے ایک کی طرف ہماری رہنمائی

۱۵ دیکھو مگر انجیل لاٹ آن دی سونی ڈائلیکٹ (سمنان زبان کے متعلق ایک نئی یادداشت) مصنفہ پادری جے جے  
 وینڈر جے بی سی ایم دی رائل ایشیائی سوسائٹی (مصنفہ پادری ایل بی شیکس) سوسائٹی (جلد شانزہم، صفحہ ۱۲۰) (مطبوعہ  
 ۱۸۸۸ء) اور نیز دیکھو مضمون متعلقہ زبان سمنان مرقومہ - اسے - ایچ سٹرن - سٹرن تصنیف کردہ - جلد سی و دوم (۱۸۸۸ء)

کرتا ہے جو مشہد اور طہران کی درمیانی سڑک پر واقع ہیں۔ یہ لسگر دکا عجیب و غریب آدمیوں  
 کے رہنے کا ڈیرہ ہے کیونکہ میں اس سے زیادہ موزون نام اسکے لئے تجویز نہیں  
 کر سکتا۔ یہاں کسی زمانہ میں ایک اونچے مدور گلی ٹیلے پر جو میدان سے شاید اسی فیٹ  
 اوپر کواٹھا ہوا چلا گیا ہوگا۔ ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔ قلعہ اب برباد ہو گیا ہے اور اسکے اندر وہی  
 مکانات اینٹ اور خاک کے تودوں کی شکل میں بدل گئے ہیں۔ لیکن گاؤں والے  
 انہیں دیران کہندوں میں آباد ہیں اور بیرونی دیواروں کی چوٹیوں پر اونہوں نے دو ٹیلے  
 کچے مکان بنائے ہیں جن پر اندر کی طرف سے بوسیدہ سیڑھیوں کی راہ سے چڑھتے ہیں۔  
 ان مکانوں کی سیت کدائی کا سب سے زیادہ نمایاں جز ان گہر ٹکڑی کی کڑیوں کا ایک  
 چھجبا ہے جسے مٹی سے لپ دیا گیا ہے۔ یہی مرکز چھجبا جگہ گرد کسی کو نیچے گر پڑنے سے  
 بچانے کے لئے کوئی گہرا بھی نہیں اور جوارے سوراخوں کے چھلنی ہو رہا ہے۔ ان  
 لوگوں کا آنگن ہے۔ کچھ دور سے یہ جگہ یوں نظر آتی ہے کہ گویا پرندوں کی ایک بہت  
 بڑی ٹکڑی نے یہاں آکر بسیرا لیا ہے اور دیواروں میں اپنے رہنے کے لئے  
 گھونسلے بنائے ہیں۔ اس تمام ٹیلے کی بیرونی شکل ایک بہت بڑے پیپے سے مشابہ  
 ہے۔ ٹیلے کے اوپر سیڑھیوں کے ذریعہ سے جن کی سلامی میں بہت کم ڈال ہے چڑھتے  
 ہیں اور اسکے اندر داخل ہونے کی راہ ایک چھوٹا سا چور دروازہ ہے جو بہتر کی ایک سڑک  
 جو ایک چول پر گھومتی ہے شش ہے۔ مین اندر داخل ہوا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر کی  
 منزل کے چند گھونسلوں (میں انہیں جو نیڑھی کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتا) کو میں نے

جہانک کردیکھا۔ عورتوں کے منہ پر نقاب تھی اور وہ کثافت اور غلاطت میں اٹی ہوئی تھیں۔ مکانوں کی عام اندرونی حالت وہی تھی جسکی توقع کسی عقاب کے نشیمن کے کے آئین خانہ داری سے کی جاسکتی ہے۔ یہاں بھی وہی زبان بولی جاتی ہے جو کمانا میں رائج ہے۔ قلعہ کے گرد ایک عمیق و عریض خندق ہے جو اب باغ کی شکل میں منتقل کردی گئی ہے اس باغ کے محاصل خانقاہ حضرت امام رضا واقع مشہد کے اوقات کی توفیر میں حصہ لیتے ہیں۔

## قشلاق تک کی سڑک

و سے روانہ ہو کر سڑک ایک پہاڑی علاقہ میں سے گزرتی ہے جس میں ہم سرا کے سیلابوں کی کاوش نے گہری نالیان اور گھاٹیاں پیدا کر دی ہیں جن پر پہل بند ہے ہوئے ہیں۔ جب سڑک پہر میدان میں اترتی ہے تو موضع دیکھ نمک کم از کم بارہ میل کے فاصلہ پر ایک بے انتہا ویران اور فقر انگیز صحرا کے وسط میں واقع نظر آتا ہے۔ سیاحت ایران میں اوس جہوٹی امید سے زیادہ فریب دہ اور کوئی شے نہیں ہو سکتی جو مسافر کو اپنی منزل مقصود کے دیکھنے سے جو بادی النظر میں صرف چند میل کے فاصلہ پر واقع معلوم ہوتی ہے پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ اوس مایوسی سے زیادہ تکلیف دہ اور تھکانے والی کوئی اور شے ہو سکتی ہے جو اس وقت مسافر کو ہوتی ہے جبکہ میل طولانی ہو کر فرخون کی شکل میں بدل جاتے ہیں اور منزل مقصود تک مسافر کسی طرح پہنچتا ہی نہیں۔ کچھ فاصلہ سے دیکھنے پر جو مقام صرف ایک دو مکانات کی

آبادی معلوم ہوتا تھا وہ قریب آنے سے ایک اچھا خاصہ گاؤں نکل آتا ہے جس میں بہت  
 سے مکانات ہیں اور چوکھٹ دست بیا بان کے خاکستری محیط کے کسی چھوٹے سے نیم  
 سیریز شعب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے بعد جو علاقہ آتا ہے اور جو دیرانی میں اس سے  
 کچھ کم نہیں اوسمین ہمارا گذر پاد بیچہ اور ارادان کے پاس سے ہوتا ہے۔ یہ گاؤں بھی مٹی کی  
 بڑے بڑے مصنوعی ٹیلوں کی چوٹیوں پر قلعہ کی شکل میں بنے ہوئے ہیں اور اچھا  
 ہوئے ہیں۔ لنگرو کی طرح یہ مکر آباد نہیں ہوئے۔ جب ابتداء یہ قلعے تعمیر اور برجوں اور  
 کنگروں سے آراستہ کئے گئے ہونگے تو ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ اب ان کی یہ حالت  
 ہو رہی ہے کہ کہیں کہیں تو قلعہ کی شکل بچا پنی جاسکتی ہے اور کہیں کہیں فقط مٹی کے  
 ٹھوس اور چٹیل ٹیلے رہ گئے ہیں جن کے متعلق میں فقرہ سابق میں تفصیلی بحث کرچکا ہوں  
 ارادان کی پرے ایک پانی سے بہری ہوئی ندی پہاڑوں سے نکلتی ہے اور بہت سی  
 شاخوں میں منقسم ہو جاتی ہے جن میں سے کم از کم بیس کو میں نے نصف میل کے فاصلہ  
 میں طے کیا ہوگا۔ زراعت میں بھی اسی نسبت سے ترقی ہو جاتی ہے قزق شلاق سے  
 (جسکے لغوی معنی قیام گاہ موسم سرما کے ہیں) جو علاقہ خالصہ ہے طہران کے شاہی صوبوں  
 کے لئے دانہ اور چارہ بہم پہنچایا جاتا ہے۔ یہ علاقہ صنایع خا کا ہے جسکا ذکر قدیم تاریخوں  
 اور سفر ناموں میں اکثر آیا ہے اور جو شمالی ایران کے ایک خرمن ہونے کی وجہ سے  
 مشہور ہے یہاں سے ترک شمال و مغرب کی سمت اختیار کرتی ہے اور قزق شلاق سے

آئینہ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے ایک سلسلہ میں اوس راہ سے داخل ہوتی ہے جس کو عام طور پر مشہور دروازہ ہائے بحیرہ اخضر سے منسوب کیا جاتا ہے اور جو اس لحاظ کو اس علاقہ کے یہی مسئلہ کو پیدا کرتا ہے۔

### دروازہ ہائے بحیرہ اخضر

اس مقام پر بحیرہ اخضر کا مقصد نہیں ہے کہ اس مسئلہ پر بالتفصیل بحث کروں اور اس کے لئے یہاں گنجائش ہی نہیں۔ اس کے امور تنقیح طلب کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنفین سابقہ او کو اپنا بحث بنایا اگرچہ او نہوں نے کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی نظر بران میں اپنے ناظرین کو اس مسئلہ کے متعلق۔ رینل۔ اوٹس۔ موریر۔ فریر۔ فریر۔ ایسٹوگ۔ اور گوڈاسٹ کی تصانیف کی درق گردانی کا مشورہ دیتا ہوں۔ دروازہ ہائے بحیرہ اخضر سے مراد وہ درہ ہے جس میں سے ہو کر اربیل کی شکست کے بعد داراباختر

۱۔ دیکھو دی جاگزیٹیکل سسٹم آف ہیروڈوٹس (ہیروڈوٹس کا نظام جغرافیہ)۔ صفحہ ۱۰۱۔

۲۔ دیکھو ٹریڈس ان دی ایٹ (سفر مشرق)۔ جلد سوم نمبر دوم۔

۳۔ دیکھو کنڈمین (سفر فارس)۔ صفحہ ۳۶۴ و ۳۶۵۔

۴۔ دیکھو جرنل انٹو خراسان (سفر خراسان)۔ (۱۸۱۸ء) صفحات ۲۹۱۔ الی۔ ۲۹۳۔

۵۔ دیکھو کاروان جرنل (سفر بزرگ کاروان)۔ (۱۸۴۵ء) صفحات ۵۹ و ۶۰۔

۶۔ دیکھو جرنل آف اے ٹیڈ بیٹ۔ (دیکھو کاروان ناچ)۔ (۱۸۴۵ء) جلد دوم صفحہ ۱۲۰۔

۷۔ دیکھو جرنل آف دی رائیل جاگزیٹیکل سوسائٹی (سفر تاجک رائیل جاگزیٹیکل سوسائٹی)۔ (۱۸۴۵ء) جلد چہارم صفحہ ۱۶۹۔

۸۔ ریڈاس کا نام اب بھی ہے مہل سے ۴۰ میل جانب مشرق و جنوب واقع ہے۔ اس کے قریب سکندریہ

کی طرٹ بہاگا ہوتا اور جس میں سے سکندر کی فوج تے اوس کا تعاقب کیا ہوتا۔ اس دورہ کی شناخت کے لئے ضروری اطلاع کا اکثر حصہ ایران اور پلاٹینی کی تصانیف میں مل سکتا ہے۔ پلاٹینی کہتا ہے کہ یہ دورہ آئٹھ میل لمبا ہے اور اٹھائیس میل تک۔ اس کی راہ میں کہین پانی بہنیں ملتا۔ اور ایران کہتا ہے کہ سکندر دہاوا کرتا ہوا یہاں سے ایک دن میں پہونچا۔ لیکن دروازہ ہائے بحیرہ اخضر ہونے کا دعویٰ کا استحقاق چاروں دن کو ہے۔ ایک درہ تنگ شمشیر پر ہے جس کی نسبت روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹۸۔ داراکوتہ قبل مسیح میں تخی شکست دیکر سلطنت ایران کا خاتمہ کر دیا۔ مترجم۔

۱۔ ایک فیلسوف اور مورخ متاخر متاخرین پیدا ہوا اسکندر اعظم کی ہم ایشیائی کے مفصل حالات اوس نے قلمبند کئے۔ ہندوستان کے متعلق ہی اس کی ایک تصنیف موجود ہے۔ یہ تصانیف جرمنی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہیں۔ مترجم۔  
۲۔ اہل کاکہ نہایت مشہور عالم اور مورخ اور سلطنت کا رکن رہ گئے تھے۔ متاخرین پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتاب "ہستوریا نیچرلیس" (معیضہ فطرت) ہے جس کا ترجمہ ایک یورپین زبان میں ہو چکا ہے۔ اس کتاب کو "مناہین کا مجموعہ اور معلومات کا مخزن" سمجھا جا رہا ہے کیونکہ پلاٹینی کے نام مشاہدے اور تجربے اس میں منہج ہیں۔  
۳۔ کتاب بن یستس ہزار مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ متاخرین کو کوئی دیسی کی اور سن نشان کے موقع پر راکہ اور چنگاؤن کے ڈیڑھ سو دن بھر گویا جہیزائی کی حسرت ناکہ بادی کا باصف ہوئی۔

۴۔ دیکھو ہستوریا نیچرلیس " (معیضہ فطرت) کتاب ششم فصل چہارم۔

۵۔ دیکھو ہم اسکندر۔ کتاب سوم فصل بیستم۔ دادے کا نظارہ میں نے اس لئے لکھا کہ ایران نے حبشیوں الفاظ لکھے ہیں۔ "اوس شخص کے لئے ایک دن کا صاف جو اسکندر کی طرح مسافت طے کرے" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر نے غیر معمولی تیزی کے ساتھ سفر کیا۔



ذوالفقار کے ایک وار سے چٹان کو کاٹ ڈالا۔ یہ درہ اس سڑک پر واقع ہے۔ جو  
 دارالسلطنت سے شاہ روڈ کو جاتی ہے اور کوہ البرز کی بلند ترین چوٹی شاہ کوہ کے  
 نیچے استر آباد اور شاہ روڈ کے درمیان ہے۔ اس درہ کا طول ڈیڑھ سو گز اور عرض فقط  
 اٹھارہ فٹ ہے اور اسکی دونوں دیواریں جو چوڑے کے پتھر کی ہیں عمودی چلی گئی  
 ہیں نیسپر کہتا ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ یہی دروازہ ہائے بحیرہ اخضر ہیں۔ مگر  
 اس میں بھی شک نہیں کہ نیسپر غلطی پر ہے کیونکہ نہ صرف اس درہ کی ہیئت کدائی  
 اور طول بیان مذکورہ سے غیر مطابق ہیں بلکہ تنگ شمسیر پر بقدر دوسو میل کے زیادہ تر مشرق  
 کی سمت میں ہے۔ برٹش نے درہ گدک واقع کوہستان البرز کو جو فیروز کوہ کے شمال میں  
 ہے اور جس میں سے ہو کر مازندران کو جانے والی معمولی سڑک گذرتی ہے دروازہ ہائے  
 بحیرہ اخضر نام سے شمالی درون میں جو عراق عجم سے مصافات بحیرہ اخضر کی طرف ہٹائی  
 کرتے ہیں۔ چنی متصل فیروز کوہ اور تنگ سرائز کو بھی جو یہاں سے کچھ دور ہے سنگلاخ  
 والی گھاٹیوں کے ہونے کی وجہ سے دروازہ ہائے بحیرہ اخضر ہونی کا  
 دعویٰ ہوتا ہے۔ لیکن موریر جو بذات خود یہاں آیا اور جس نے اونکی ہیئتوں کے  
 تشابہ کو محسوس کیا اور سے بہت جلد یہ بات معلوم ہو گئی کہ قاصدہ کے اعتبار سے جس  
 مشابہت کا ہونا ان میں لازمی تھا وہ ان میں موجود نہیں ہے کیونکہ وہ طہران سے

۱۵۔ "ٹریولس انڈیا" (سفر بخارا) جلد سوم صفحہ ۱۱۱۔

۱۶۔ "سکندریہ" (سفر شمالی) - صفحہ ۳۶۵۔

۴۰ میل جانب مشرق واقع ہیں اور اس لحاظ سے سکندر بھی ایک دن میں اس قدر مسافت طے نہیں کر سکتا تھا۔ نظر پرانے یہ رائے ظاہر کی اور فریزر۔ فیئر اور ایسٹوک نے ہر لاکھ موجود اسکی تائید کی کہ دروازہ ہائے بحیرہ اخضر اس درہ کو سمجھنا چاہیے جو خار اور درامن کے میدانوں کے درمیان واقع ہے اور جہاں سفر کرتا کرتا میں اب پہونچا ہوں۔

### تنگ درہ

اس درہ کا نام سر درہ ہے۔ اس میں ایک تنگ گزرگاہ سے جانب جنوب و مشرق داخل ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ کوہ البرز کی ادس شاخ میں سے پہنچ کھاتا ہوا جاتا ہے جو یہاں جنوبی و مغربی سمت میں ایران کے بڑے وسطی صحرائی طرف جاتی ہے۔ جو یادداشت میں نے قلمبند کی اس کی رو سے اس درہ کا طول تقریباً چھ میل ہے۔ ایک شور ندی وادی کی نہ میں بہتی ہے جسکے کناروں پر بونی کی ایک سفید پیٹری جلی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی یہ درہ کشادہ ہو کر ایک چھوٹا سا میدان بن جاتا تھا۔ اور پھر سکڑ جاتا تھا۔ وسط ایک پرانی ویران عمارت کھڑی ہے جسکے کونوں پر برج ہیں اور مغربی مخرج پر دو قدیم قلعوں یا برجوں کے آثار موجود ہیں۔ بظاہر اس جگہ کو اس زمانہ کے معیار کے مطابق جو توپوں سے آشنا نہیں تھا اچھی طرح سے محکم کیا گیا ہے اور اسی

۱۵ صفت جب گھوڑے پر سوار ہوا اپنا بیان بعد میں شاید حافظہ سے قلمبند کرے اس صورت میں غلطی کا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس درہ کے طول کی مقدار کا مختلف مصنفین نے مختلف اندازہ لگایا ہے۔ فریزر ۲۵ میل بیان کرتا ہے ایسٹوک ۴۰ میل اور ڈوونون ۱۲ میل۔

واقعہ سے اس امر کے قرین احتمال ہونے کی تائید ہوتی ہے کہ عہد سلف میں یہ ضرور ایک سلسلہ کو ہستانی گذرگاہ تھی۔ اسکے علاوہ مصنفین عہد حلیق نے اس کار سے جو فاصلہ قلبیہ کیا ہے اور جو قریب چالیس میل کے ہے آجکل کے فاصلہ سرکاری کا فی تطابقی رکھتا ہے۔

## اختلاف آرا

اختلاف اسکے اس خیال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس درہ کی طبعی ہیئت ایسی نہیں کہ صریح طور سے دروازوں کے لفظ کا اطلاق اوپر ہو سکے یا پلاستی کے اس بیان کی تصدیق ہو سکے کہ یہ انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے اور بعض مقامات پر سے اس قدر تنگ ہے کہ صرف ایک گاڑی اس میں سو گزر سکتی ہے۔ اسکے علاوہ اس کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے کہ چونکہ یہ درہ خاص سلسلہ کوہ کی صرف ایک جھوٹی سی شاخ کو طے کرتا ہے اس لئے مقام تعجب ہو کہ اسے دو سے ممتاز دروازوں کے مقابلہ میں اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ اور سب سے زیادہ یہ امر قابل غور ہے کہ یہ سیدنا علاقہ بحیرہ اخضر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اسے طے کر کے البرز کا خاص سلسلہ کوہ پھر بھی قطع کرنا باقی رہ جاتا ہے اور اس لئے اس امر کی کافی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ دو دروازہ ہائے بحیرہ اخضر کے نام سے موسوم ہو۔ بہر حال ان مشکلات میں سے اول الذکر مشکل کو مہر ایچ۔ رائسن نے جسے ایران کے علم الجبال میں بے نظیر دستگاہ حاصل ہے یہ رائے پیش کر کے حل کیا

لے پرنسٹن کے ذہن کے ذہن کے ذہن سے یہ کہیں ہے کہ بحیرہ اخضر کی طرح اس درہ کی شکل

ہے۔ کہ اصلی ابواب بحیرہ اخضر در مسرورہ نہیں ہیں بلکہ اسی سلسلہ کوہ کی ایک دوسری گہائی کا نام ہیں جو شمال کی طرف چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور تنگ سلوک کے نام سے مشہور ہے۔ اس گہائی کو مسر ایچ رالسن نے ۱۳۵۵ء میں جا کر دیکھا اور اس کی طبعی خصوصیات اگرچہ غیر معروف ہیں لیکن مصنفین یونان و روما کے بیانات کے مطابق ہیں اور اسکے علاوہ رے اور میدان خار کو ایک زیادہ قریب کے راستہ سے یہ گہائی ملاتی ہے۔

### اصلی دروازے

اس خیال سے گریز نہیں کر سکتا کہ جو لوگ یونانی اور رومانی مصنفین تذکرہ صدر کے بیانات کو وقت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انہیں اس مشکل عقدہ کا یہ حل تسلیم کرنا پڑیگا یا کم از کم اسکی نسبت انہیں یہ باور کرنا پڑے گا کہ آئندہ چلکر اس کی تصدیق ہو جائے گی اسکے علاوہ یہ اہم واقعہ بھی انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جو یورپین سیاح اصفہان سے مازندران کو شمال کی سمت میں عباس اعظم کے دربار قرح آباد یا اشرف واقع بحیرہ اخضر میں گئے جبکو تین سو سال سے بھی کم کا عرصہ ہوتا ہے انہوں نے ان گہائیوں کے حالات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۲ یہی قوم کہ سپائی ہے جکا ذکر اس ستر پارے نے اکثر کیا ہے اور جو اس نواح میں رہتی تھی اس قوم کا نام ابھی تک منسلک جاسپین جکا شان کے مغرب کی طرف سے رہا ہے۔

اس ستر پارے مشہور یونانی جغرافیہ دان اور مورخ۔ جس میں ۱۰۰ قبل مسیح کے قریب پیدا ہوا۔ ستر وفات کا سنیک حال معلوم نہیں مگر ۱۰۰ء اور ۲۵۰ء کے درمیان اس کا واقع ہونا تصور کیا جاسکتا ہے۔ یورپ ایشیا اور افریقہ کے اکثر حصوں میں اس نے سفر کیا اور اسکے جغرافیہ کے ستر مقالہ ہیں جو لندن میں پبلسٹیشن کلانیکیل لائبریری مشتمل ہیں شائع ہوئے ہیں

سپرد قلم کئے ہیں جن میں سے ہو کر وہ اسی نواح میں کوہ البز کو طے کر کے لئے اور اوکھے  
 بیانات پلانہی کے بیان سے مطابقت رکھتے ہیں۔ محلہ باغ سے (جسے ایک ایرانی جرنیل  
 دان میدان غار سے تطبیق دیتا ہے) پیٹر وڈیلا ویلی ۶۱۸ء میں اور سٹراس ہر برٹ  
 بھر ہی سہرابرٹ مغربی و سٹراس وڈ مور کاٹن ۱۹۲۶ء میں روانہ ہو کر ایک گھاٹی میں سے  
 ہوتے ہوئے جبلہ رود اور فریز کوہ کو گئے اور وہاں سے بحیرہ اخضر کی طرف روانہ ہوئے  
 اس گھاٹی کے جو حالات ان دونوں نے بیان کئے ہیں وہ پلانہی کے بیان سے  
 بالکل مطابق ہیں۔ پیٹر وڈیلا ویلی بیان کرتا ہے کہ محلہ باغ سے روانہ ہو کر وہ ایک نہایت  
 تنگ و عمیق گھاٹی میں داخل ہوا جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ تھے اور جو بعض طور  
 پر سے اس قدر تنگ تھی کہ فینس کا بھی اس میں سے گزنا مشکل تھا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے  
 کہ اس گھاٹی میں کہاری پانی کی ایک چھوٹی سی ندی بہتی تھی۔ ہر برٹ اپنے انوکھے  
 فقر و بن بیان کرتا ہے۔ ”اس رات کے سفر کا اکثر حصہ دریا کے طارس کی تہ میں سر  
 طے ہوا جسکی دیو پیکر پیشانی خلا میں پانی کی پستھ سے تر ہوتی ہے۔ گھاٹی کا عرض چالیس  
 گز کے قریب ہے اور اسکی تہ پر سنگریزے بکھرے ہوئے ہیں۔ دونوں طرف دیوار کی  
 شکل کی عجیب و غریب پہاڑیاں ہیں جو دو گلی کے پٹھ سے بھی زیادہ بلند ہیں۔ آٹھ میل  
 تک یہ گلی اس طرح چلی جاتی ہیں اور اسکی ہیئت کذاہی اوس بیان سے مطابق ہے  
 جو پلانہی اور سالیس نے اسکے متعلق مرع کیا ہے۔ غرض کہ یہ ایک عظیم الشان گزرا گاہ ہے  
 جسکے مصنوعی یا قدرتی ہونے کی نسبت قطعی طور سے فیصلہ نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر

مجھ سے پوچھا جائے تو میں اسکو آفرینندہ کون و مکان کی کنیز یعنی قدرت کی دستکاری سر  
 سے تعبیر کروں گا۔" ابن مصنفین کے بیانات اوس بیان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں جو  
 اسپچوڈز کو سابق روسی قونسل متعینہ رشتے اوس درہ کے متعلق قلمبند کیا ہے جس میں  
 ہو کر وہ ۱۸۳۵ء میں بہرہی سر-ایچ۔ رالنسن گذرا تھا۔ وہ اسے گردن سیامک کہتا ہے  
 اور اسکے بیان میں لکھتا ہے کہ یہ ایک مہیب گھاٹی ہے جس کا طول ۲۵۰۰ گز ہو گا۔ جسکی  
 چٹیل اور عمودی دیواریں بلندی میں ساڑھے چھ سو سے لیکر ایک ہزار فٹ تک  
 ہونگی اور چوڑی سے زیادہ چوڑے مقام پر چرتیس فٹ اور سب سے زیادہ تنگ حصہ  
 پر پانچ فٹ چوڑی ہوگی۔ بخلاف اسکے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ جن درون کا پلانہی۔  
 ڈیلا ویلی۔ ہربرٹ اور رالنسن نے ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ وہ دروازہ ہائے بحیرہ خستہ  
 نہ ہوں جن میں سے ہو کر دارا بہاگاہ اور سکندر نے اوس کا تعاقب کیا تھا اور اس  
 نام کے دعویدار ایک سے زیادہ درے ہیں۔ یہ حل سب سے زیادہ منظنون معلوم ہوتا ہے  
 کیونکہ تنگ سر درہ بڑے بڑے فاضل اہل الرائے کے نزدیک ایرین اور نیز کوئٹس  
 کرٹیس اور مارسیلٹس کے بیانات سے کسی اور شمالی یا مشرقی درہ کے مقابلہ میں زیادہ

۱۵۔ اینیٹا ڈے دایزے۔ (حالات سفر)۔ مطبوعہ ۱۸۵۸ء۔ حصہ سوم

۱۶۔ رومن کنیش کرٹیس ایک رومانی صنف تھا جس نے رومہ الکبریٰ کے شہنشاہ دسیس کے عہد میں جس کا زمانہ مسعود  
 سے ۱۸۵۸ء تک ہے نشوونما پایا اور سنے اپنی تاریخ میں جو دس جدولوں میں بنی گرجس کی دو پہلی جدولیں گم ہو گئی  
 ہیں سنگشک ہم کاحال کہتا ہے۔ اوس کی کتاب اول اول ۱۸۵۸ء میں دینس میں طبع ہوئی۔ اور کے بعد ۱۸۵۸ء میں  
 میں پڑھی۔ مترجم۔ ۱۷۔ الیسن۔ ۱۸۵۸ء میں پڑھی۔ ۱۸۔ الیسن۔ ۱۸۵۸ء میں پڑھی۔ ۱۹۔ الیسن۔ ۱۸۵۸ء میں پڑھی۔



مطابق ہے۔ لیکن میری رائے میں اسے وہ درہ قرار نہیں دیا جاسکتا جس کا ذکر پلانٹنی نے کیا ہے اور نہ اسے اون دروازہ ہائے بحیرہ اخضر سے تطبیق دی جاسکتی ہے جس سے استرابو نے اسقدر جغرافیہ اہمیت منسوب کی ہے۔

دماوند

۱۶۰ میل تک میرے سفر جنوب کے اثنار میں میرے ساتھ ساتھ رہا۔ جاپانی مناظر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۵ نے ایران پر چڑھائی کی تھی اور جس کا نتیجہ اس کے حق میں بنیادی بخش ہوا اور اس میں یہ بھی شہر لکھا۔ اس نے اپنی تاریخ ۳۳ جلد میں لکھی و گریٹر ۳۱ جلد میں کم گوئن میں باقی کی ۱۸ میں مشرق و مرکز مشرق تک کے واقعات درج ہیں اور اس لحاظ سے نہایت ہی قابل قدر ہیں کہ یہ واقعات اس کے اپنے چشم دید تھے۔ جغرافیہ۔ آثار و یہ اور او معاصر و اطوار اور اقوام کے متعلق اس نے اپنی تاریخ میں جابجا یادداشتیں قلمبند کی ہیں اور قوسوں میں عربوں قوم ہن اور جرمنیوں پر اور ملکوں میں مصر۔ ایران۔ شام اور تہرہس پر اس نے نہایت دلچسپ نوٹ دئے ہیں اور اس کی کتاب کی بہترین طبع شدہ اچین بمقام لوزنگ برگ کی۔ مترجم۔

۷۔ جرمن مصنفین مثلاً اسپیکل - ڈرایزن - ٹوماسک اور شڈلر نے اس خیال کی تائید کی ہے آخر الذکر مصنف

مین جو درجہ فیوجی یا ماکو حاصل ہے وہی ایرانی مناظر مین دماوند کو ہے۔ دونوں مین ابدیت  
رفت اور نمکنت کی شان پائی جاتی ہے۔ دونوں کی مستقل مہر اپنے اپنے ملکوں کی  
روایات پر ثبت ہے اور اگر عدیم المثال فیوجی نے پانچ کی صنعت پر اوس سے بہت  
زیادہ اثر ڈالا ہے جتنا دماوند نے ایران پر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جاپان اگرچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۶۔ نے اوس راستہ کی حسب ذیل قیاسی سمت جبکہ بتائی ہے جو اسکندر نے دارا کو تخت  
مین اختیار کیا تھا۔ روزاول میرے سے موجودہ ایوان کی تک ۳۸۳ اسٹیڈیم یعنی ۴۴ میل۔ روز دوم دروازہ ہائے  
بحرہ (خضر رنگ سرد) اور کراڈ (خار) مین سے ہو کر موجودہ ارادان تک ۲۹۷ اسٹیڈیم یعنی ۳۴ میل۔ روز سوم سگر  
تک ۳۳۱ اسٹیڈیم یعنی ۳۸ میل روز چہارم آدیا گراب تک ۳۷۰ اسٹیڈیم یعنی ۴۲ میل۔ روز پنجم فرات تک  
جو ہیکلٹا میپلاس یعنی دامغان کے قریب واقع جو ۴۱۷ اسٹیڈیم یعنی ۴۸ میل۔ روز ششم ۴۰۰ اسٹیڈیم یعنی ۴۶ میل  
شاہ رود تک جہاں اوسنے دارا کی نش پڑی پائی۔

۱۔ جاپان کے ایک بلند پہاڑ کا نام ہے جو سطح سمندر سے ۱۲۲۸۸ فٹ بلند ہے۔ مترجم۔

۲۔ ”مقامی روایات کے مطابق دماوند یا دیویند (یعنی دیوون کے رہنے کی جگہ) اون تمام واقعات کا مقام وقوع  
سمجھا جاتا ہے جو انسانوں کی نقاب اور ہے جو تھے ہیں۔ ایرانی مسلمانوں کے قول مطابق یہی وہ مقام ہے جہاں  
حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد آکر ٹھہری۔ یہیں مجشید اور رستم جنگ کرنا منوں سے قومی نظمیں بہری پڑی ہیں، ہوتے تھے  
یہیں فریدون نے جبکہ باہون جنگ کو شکست ہوئی آتش افروزی کی بہن خود جنگ کی قبر ہے اور پہاڑ کا دھوان اوس کے  
تہنوں بن مائل ہوتا رہتا ہے یہیں ایران کا پرامیٹھس یا سرد زرخیز دن مین جگڑا ہوا ہے جبکہ کوہیغ ایک دیو  
پیکر پرندہ نوح نوح کر کہا کرتا ہے۔ آتش افشان پہاڑوں کے قعر خزانوں سے سمور مین جگر مخاط اور دھوہین و مٹھا اور دیویند  
جاگنی“ (جنرل عالم) طبع انگریزی جلد پنجم صفحہ ۸۔ ۳۔ پانچ جگر مدنی مطلع خورشید کہین جاپان کا دیسی نام ہے۔ مترجم

۴۔ یونانی روایت کے مطابق پرامیٹھس ایک دیوتا تھا۔ جسے مہادیوتا جربط لکھ آسان سے بجلی چلانے کے جرم کی  
پاداش مین ایک پہاڑ سے جگڑا دیا جاتا کہ ایک دروازہ پرندہ اوسکی بوٹیاں نوح نوح کر کہاتے۔ مترجم



اختر آغا ایرانیوں سے کم نہیں ہیں تاہم تخیلاً وہ اہل ایران پر سبقت لے گئے ہیں۔

## ایوان کیف



ایک سطح اور غیر مزدعہ میدان کو طے کرنے کے بعد ہم ایوان کیف کے گاؤں اور چار خانے میں پہنچے جس میں داخل ہوتے وقت ہمیں ایک تیز اور گدلی پایاب ندی میں سے گذرنا پڑا جو اسکے قریب بہتی ہے ایوان کیف سے مراد عشرت منزل ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اسکی وجہ تسمیہ اور بھی بیان کی ہے یعنی ایوان کے (ایک ویران عمارت جو اس نواح میں ہے اسکی نسبت روایت ہے کہ کیسیس محل تھا) اور ایوان کی (منزل بارہ نوشی) جو کچھ بھی اسکی وجہ تسمیہ ہو لیکن میری نظروں میں تو عیش پرستوں کے لئے یہ مقام باعث دلچسپی نہ تھا۔ بہت سے مکانات مکیون سے خالی تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ باشندے ان مکانات کو چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے ہیں۔ اور جس شہنشاہ نے ایسے گدے اور سیلے مقام کو اپنی نزہت گاہ قرار دیا ہو گا وہ بھی بڑا ہی بد مذاق ہو گا۔ ایوان کیف اور کیود گنبد کے درمیان دریائے ہاجر و دیہاتوں سے نکلتا ہے اور اس موسم میں جبکہ میرا یہاں سے گذر ہوا کم از کم پچیس جلاگاہ نہروں میں تقسیم ہو گیا تھا جو اپنی کنکر ٹی تھوہن میں بہنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ان سب کا پاٹ ملا جلا کر پاؤ میل ہو گا۔ میں نے ان سب کو پایاب عبور کیا اور کیود گنبد میں تمدن کی

۱۵ فرزا سے یونانک یا ایرانی کچھ کہتا ہے۔

۱۶ ایسٹون نے اپنے سفرنامہ کی جلد دوم صفحات ۱۳۶ اور ۱۳۷ پر اسکا ذکر کیا ہے۔

اون علامات کی رجبت تہ قہری کو دیکھا جن سے نو دن ہوئے کہ میں معارف  
اختیار کر چکا تھا۔ یہ علامات خطوط کے ایک بہت بڑے انبار پر جو روانگی انگلستان کی  
بعد پہلی دفعہ مجھے ملے اور ایک عمدہ سے گہوڑے پر شمل تہین جو میرے ایک دوست  
مقیم طہران نے میرے استعمال کے لئے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ میں خوشی خوشی <sup>میں</sup> <sup>من</sup>  
کے میدان کو تیزی کے ساتھ طے کرنے لگا۔ جبکہ کہنڈر جو کچھ دور سے چارستونوں  
کی شکل میں نظر آتے تھے ایک ٹیکرے پر میدان کے ایک نشیب میں سے اوٹھ کر  
ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ دس میل کے فاصلہ سے افق پر مجھے اسطرح کی  
چمک نظر آئی جیسے اندھیری رات میں دور سے جلتی ہوئی آگ کی ہوتی ہے یہ شاہ  
عبدالعظیم کے مقبرہ کے نہرے کلس کی جگہ گاہٹ تھی جس پر آفتاب کی شعاعیں اپنی  
برچھیاں پہنک رہی تھیں۔ سابق میں کاروان کا رستہ اس زیارت گاہ کے پاس  
سے اوس سڑک کوہ کے دامن میں ہوتا ہوا گذرتا تھا جو ویران اور طہران کے  
میدانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ اب تک بھی اس راہ کو زائرین اختیار

۱۵ شاہ عبدالعظیم قدس سرہ کی خانقاہ باعتبار اپنے قدس کے زائرین کے لئے گویا ہی مشہور کہنوں میں  
آئی ہو لیکن تاریخی لحاظ سے جس اہم واقعہ نے اسکو ہمیشہ کے لئے مشہور کر دیا ہے وہ ایران کے اوس فرزند عالم  
میرتاک خہدات ہے جو عباس اعظم کے بعد مملکت وچھوڑ کر تبریزیات کے لحاظ سے مشرق  
میں اپنی آپس ہی نظیر تھا۔ <sup>۱۶</sup> عین جب شاہ کجلہ ناصر الدین شاہ عبدالعظیم کی عافت میں جہان وہ  
فرط اراوت سے اکثر آبا کرتے تھے اپنے معمول کے موافق آئے تو خانقاہ سے شعلے وقت ایک والی نے  
گوئی مار کر اوکو تشدید کیا۔

کرتے ہیں اور اون کا یہ فرض ہے کہ خواہ وہ شہید کو جاتے ہوں یا وہاں سے واپس آتے ہوں لیکن اس بزرگ کی حافقہ کی ضرور زیارت کرین مگر باربر داری کے جانور اور چا پار کی سڑک اب سلسلہ کوہ کے اوپر سے شمالی سمت میں ایک زاویہ بناتے ہوئے جلتے ہیں۔ درہ کی چوٹی پر چڑھ کر نئی سڑک پہاڑ کے گرد آلود تھون میں سے چکر کاٹتی ہوئی گذرتی ہے یہاں تک کہ جب شمالی چوٹی آتی ہے تو میدان میں جو پہاڑ کے قاعدہ سے شروع ہو کر دور تک چلا گیا ہے حد نظر پر سبزہ کا وہ قطعہ نظر آتا ہے جس میں صرف چند عمارتوں کے بام در واق سر اوٹھائے نظر آتے ہیں اور جواہران کا دارالسلطنت ہے اس سے بھی پرے شہر سے کوئی سات میل کے فاصلہ پر کوہ لہڑیو توری چڑھائے کہڑے اور معلوم ہوتا ہے کہ دنگ کہائے لوہے کی ایک فصیل آسمان سے باتین کر رہی ہے۔

## طہران

مسافر دور و دور از کا سفر طے کرنے کے بعد جب اول اول طہران کو دیکھتا ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے لیکن اس کا منظر کچھ زیادہ شاندار نہیں ہے جب میں پہاڑ کو پہلو سے اترتا اور طہران کے قریب پہونچا تو یہ بات میں مشکل سے باور کر سکا کہ جو سہنر سی چٹی مجھے نظر آرہی ہے وہ اصل میں ایک بہت بڑا شہر ہے جسکی آبادی قریباً دو لاکھ ہے۔ جو عمارتیں درخون کی چوٹیوں سے اوپر اٹھی ہوئی نظر آتی تھیں اون میں سے ایک تو ایک بڑی مسجد تھی جسکے چار کاشی کے کام کے مینارے تھے اور جواتنی دو

سے ارگن کے رنگین میلنوں کی طرح اور زیادہ قریب پہونچکر کارنتھین وضع کے مصنوعی ستونوں کے طرح نظر آتے تھے۔ ایک یاد دہی جہتے اور ایک گنبد اعمارت تھی جسکی چھت پر لوہے کی پیٹن کا ایک ڈھانچہ تھا جو بعینہ اُس لوہے کے حلقے کی طرح فطر آتا تھا جس میں مدرسوں کا کرہ زمین نصب ہوتا ہے۔ قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ آخر اند عمارت تکیہ یا امام بارہ تھی جو شاہ کے محل کی حدود کے اندر واقع ہے۔ دیواروں کے باہر جانب جنوب اینٹوں کے بہت سے بڑے ہیں۔ جن کا ٹھیکہ صدر اعظم کے پاس ہے۔ اسی مقام پر سلخ بھی واقع ہیں جن کا محصول سالانہ دو ہزار دو سو تیس پاونڈ ہے شہر پناہ کے اندر ایک مزمین و محشی پہاٹک میں سے جو آبادی سے کچھ دور ہے میں شہر کے اندر داخل ہوا اور انگریزی سفارت خانہ میں جو شہر کی شمالی حدود پر واقع ہے پہونچنے سے پہلے مجھے کوئی دو میل تک گلیوں میں سے گزرنا پڑا۔

### طہران اور مشہد کے درمیان دو سڑک رستے

از طہران تا بہ شاہ رود۔ رگرمی کے موسم کا یعنی کوہستانی راستہ براہ دماوند فیروز کوہ (جو پشیمانی - ۲۳ میل) - جے۔ بی۔ موریر (۱۸ میل) - مسیکنڈ جرنی - (سفر ثانی)

۱۔ صدر اعظم حق اجمارہ ۱۲ ہزار تومان یعنی ۳۴۳۰ پاونڈ سالانہ ادا کرتا ہے اور اینٹوں کا نرخ مقرر کرنے میں اپنے نفع کو مد نظر رکھتا ہے۔ ۱۸۵۰ء میں دو قسم کی اینٹیں تیار کی گئیں ہیں۔ اچھی اور بری۔ اچھی کی قیمت موسم کے لحاظ سے ۳۵ سے یکروہم قران تک اور بری کی ۲۵ سے یکروہم ۳۰ قران فی ہزار تھی۔ اب ایک اچھم بڑا دی گئی ہے جو جسے قسم بہترین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور ان تینوں اقسام کی قیمتیں علی الترتیب ۴۵ سے ۵۲ - ۳۵ سے ۴۰ - ۲۵ قران فی ہزار تک ہیں۔

باب بست و سوم بہ کپتان آنریبل جی۔ نیپسٹر (۱۸۷۴ء)۔ جنرل آف دی رائل جاگرفیکل  
 سوسائٹی ۴ (روزنامہ رائل جاگرفیکل سوسائٹی) جلد چہل و ششم صفحہ ۶۲۔ الی۔ آخرہ ۱۸۷۶ء  
 جوڑا سے طہران اور مشهد کے درمیان جرنیل۔ اے۔ ایچ۔ سنڈرز نے ۱۸۷۶ء  
 میں اختیار کئے اور جن کا ذکر اوسنے نقشہ کے ساتھ اپنی تصنیف مطبوعہ ۱۸۷۶ء  
 کے صفحات ۲۱۵۔ الی۔ ۲۲۴ پر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) سمتان جنوبی راہ  
 براہ فرات تا بہ دامنغان۔ (۲) میومائی۔ شمالی راہ۔ براہ شریعت آباد تا بہ میان وشت۔  
 (۳) میان وشت۔ جنوبی راہ۔ براہ خان خودی و وشت گرد تا بہ عباس آباد۔ (۴)  
 عباس آباد۔ شمالی راہ۔ براہ فرومید و جغتائی تا بہ میدان جوین اور دمان سے جنوبی و شترتی  
 سمت میں براہ طیس تا بہ بنوار۔ (۵) نیشاپور شمالی و مغربی راہ تا بہ معادن فیروزہ اور دمان  
 سے جنوبی و مغربی سمت میں براہ شوراب تا بہ زعفرانی۔



جلد اول ختم ہوئی

# غلط نامہ جلد اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۸	دیباچہ پر ترجمہ	ذاتی	۳۵	۸	کچھ محبت	کچھ کم محبت
۲	۱۴	دیباچہ صفت	مضمون کہ	۴۳	۱۵	چوہدری	چودہری
۳	۱۳ و ۱۲	"	اسکے صوتوں کے صوتوں	۴۶	۷	سمجھنا	سمجھا
۵	۸	"	پیون	۴۷	۳	نقدور	نقدور
۷	۱۱	"	موقت ایشوع	"	۱۶	جودہ	موجودہ
۱۳	۵	"	متذکرہ بالا صدر	۵۲	۱۳	نظم حسن بلکچین	نظم حسن بلکچین
۴۴	۱۰	اصل کتاب	مالیہ و مالیہ	۵۳	۱۷	قدس	ندرت
۱۱	۱۶	"	بجز ویرانہ	۶۲	۱۰	بازار کا بگاڑ	بازار کا بگاڑ
۱۶	۱۷	"	سپ	۶۹	۷	شروع	"
۱۹	۱۲	"	حدود فاصل	"	۸	مزاور	مزدور
۳۱	۴	"	نمایون	۷۶	۱۵	انگلستان	لینگے
"	۵	"	زنگینی	۸۳	"	پیش قرار	پیش قرار
۳۳	۱۴	"	کیٹادل	۹۱	۹	جبت	جبت
"	۱۶	"	پانی جاتی	۹۳	۴	سفر طہران	سفر طہران
"	"	"	بھی پرن	۹۷	۱۴	مزائف	مزاہبت
"	۱۷	"	مکر دروز	۱۰۰	۱	اوسکے	روس کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۰	۵	الوداع	الوداع	۱۹۳	۸	پرسولے	سولے
۱۳۰	۱۸	ہر روز رشور	ہر روز رشور	۱۹۹	۱۷	ایش	ریش
۱۳۱	۵	پڑا رس	پڑا رہ بس	۲۰۱	۱۵	حشت	خشت
۱۳۲	۹	ناگفتہ یہ	ناگفتہ یہ	۲۰۴	۱۳	تکلیف	تکلف
"	۱۰	ناپائدار	ناپائدار	۲۱۳	۶	دراہنہ دار کون	فرمانہ دار کون
۱۳۳	۷	نے کو	نے	۲۲۰	۱۱	ہوتا ہے	ہوتا
۱۳۵	۱۱	اچلون	اچکون	"	۱۲	دیکھا	دیکتا
۱۳۹	۸	چوکنہ	چوکنہ	۲۲۲	۳	سیرین مین	سیرین
۱۵۰	۹	ایک سال	ایک سال	۲۲۵	۲	میرے	مثلاً میرے
۱۵۳	۱۱	حکمرین عیاد	حکمرین عیاد	۲۲۹	۶	یڑ	فریزر
۱۶۳	۱۳	دنی	دیا	۲۳۰	۱۳	چان	کوجان
۱۶۳	۱۲	سیرین پھلی	سیرین پھلی	"	۱۵	ے	کچھ ہے
۱۶۴	۱	نے	ے	۲۳۲	۶	نیک	نیک
۱۶۳	۱	نامور	نامور	"	۸	دودھ	موجودہ
"	۱۸	نوں	دو نون	"	۱۲	دس	اوس
۱۶۴	۱۲	معائنہ	معائنہ کے بعد	"	۱۳	روئے	پڑا روئے
۱۶۴	۱۲	روس	اوس	"	۱۶	ستدیر	ستدیر
۱۶۱	۲	شک	شک کی	۱۶۴	۷	روس	اوس

صفحہ	طر	غلط	صحیح	صفحہ	طر	غلط	صحیح
۲۳۳	۱۲	تغود	تغوذ	۲۹۳	۳	اکتوبر	۲۰ اکتوبر
۲۳۸	۱۲	پٹے	پٹے	۲۹۵	۱۰	بیخ	بیخ
۲۵۳	۱۵	گکٹن	ککٹن	۲۹۶	۱۷	دو سے لیکر پانچ تک	x
۲۵۴	۷	گھروری	کھروری	۲۹۷	۱	x	x
۲۵۶	۶	مہتمم	مہتمم	"	۲	کراس لاسیائین	x
۲۵۷	۱۰	جنوب	مغرب	۳۰۱	۱۱	مینا	مینار
"	۱۱	در باب	درپائے	"	۱۲	سہرے	سہرے
"	۱۵	دی	عمودی	۳۰۲	۱۰	گہوڑوں	گہوڑوں
"	۱۷	کیا ہے	کیا ہے	۳۰۸	۵	سف	سفر
۲۶۹	۱۳	ایران ارغوان	ایران ارغون	۳۱۰	۸	بلند	تکلیف
۲۷۸	۷	چور	چ	۳۱۶	۷	گہوڑے	گہوڑے
۲۸۲	۵	جیسے	جیسے	۳۱۸	۹	کا	کو
۲۸۳	۱۲	دور راہ	دور راہ	۳۲۱	۱۳	جن	جن
"	۱۳	دو ادا دہ	دو ادا دہ	"	۱۳	پیش	پیش
۲۸۷	۷	ایران کی	ایران کی	۳۲۰	۹	مرور	مرور
۲۸۸	۷	بید	بید	"	۱۶	تہین تھے	تہین تھے
۲۹۰	۱۶	صفحہ پر	صفحہ پر	۳۳۱	۱۵	غلطی	غلطی
۲۹۲	۱۵	کسی	کسی	۳۳۲	۳	بڑے	بڑے



صفحہ	طر	غلط	صحیح	صفحہ	طر	غلط	صحیح
۳۳۳	۱	نے	x	۳۸۶	۱۰	زاویہ	زاویہ
۳۳۳	۶	مہتمم	مہتمم	۳۹۰	۱	سرک	سرکین
-	۹	اسی	اس	۳۹۱	۵	اس مسئلہ	روس اس مسئلہ
۳۵۱	۴	جوڑا	جوڑ	۳۹۵	۱۳	بجینڈرین	بجینڈر
۳۵۳	۱۰	دونوں ایک	دونوں نے ایک	۳۹۷	۱۲	سرحد پر ہونے	سرحد پر ہونے
۳۵۶	۳	یڑ پڑتا	بڑ پڑتا	۴۰۴	۱	وہاں سے کے	وہاں کے
۳۶۵	۳	اوز مینوں	اور زمینوں	"	۹	ابن حوقل	ابن حوقل
۳۶۶	۲	باب مین	باب مین مین	۴۰۵	۷	(لیدن)	(لیدن) مین
۳۷۱	۱۱	ام البلاد	ام البلاد	"	۱۰	مشرق	مشرق
-	۱۵	بیان کیا ہے	بیان کیا گیا ہے	"	۱۳	اصطخری	اصطخری
۳۷۴	۶	صرف ہوتے ہیں	صرف ہوتی ہے	۴۱۲	۳	منتہا	منتہا
۳۷۸	۱۷	۲۷۹	۳۷۹	"	۴	پہونچکر جنوب	پہونچ کر جنوب
۳۷۹	۲	۲۷۸	۳۷۸	۴۱۳	۵	مشہد کے قریب	مشہد کے قریب ہے
۳۸۰	۱۱	رون کی ملک	اون کی ملک	۴۱۴	۱۳	اون کے	اون کے
۳۸۱	۱	کہا ہے	کہا ہے	۴۱۷	۱۵	برقائن	برقائن
۳۸۲	۲	گو جا	گر جا	۴۱۹	۴	کہ اوہ	کہ اوہ
۳۸۳	۵	جاگرتی ہے	جاگرتی ہے	۴۲۰	۱۱	اوس	روس
-	۱۵	آننگ میلان	آننگ میلان	۴۳۱	۱۰	پہونچتا	پہونچتا

صفحہ	سطر	تخط	صحیح	صفحہ	سطر	تخط	صحیح
۴۳۳	۱۴	نوپنا	نوپنا	۵۲۳	۲	ذکر کردن	ذکر کردن
"	۱۶	اور ایسے	اور ایسے	۵۲۶	۱۶	ژد	ژد
۴۶۹	۹	ڈبالی	ڈبالی	۵۲۸	۶	عموماً زامیرون	عموماً اور زامیرون
۴۷۹	۱۰	دونوں حصے کے	دونوں حصوں کے	"	۸	سل پر بلکہ	سل پر بلکہ
"	۱۵	بشکل	بشکل و	"	۱۳	وادی میں ہم	وادی میں ہم
"	۲۰	مٹی چکیتی	چکیتی مٹی	"	۱۷	ہزار رائیون	ہزار رائیون
۴۸۰	۱۷	باد چوکا کے	باد چوکا کے	۵۲۹	۱۰	مقابلہ	مقابلہ میں
۴۸۲	۵	ساتھ میں گیرون	ساتھ میں گیرون	"	۱۱	جاری	جاری
۴۸۷	۱۲	تغییل پرین الفاظ	تغییل پرین الفاظ	۵۳۶	۱۷	آج	آج تک
۴۸۸	۶	برطانوی برنسٹون کے	برطانوی برنسٹون کے	۵۳۸	۳	سال نیٹاپور	سال نیٹاپور
۴۹۷	۷	زمین وقت نامیہ	زمین کی وقت نامیہ	۵۴۶	۹	دستباب	دستباب
"	۸	جواب ساحل	جواب ساحل	۵۴۹	۶	بعد	بعد
۴۹۹	۱۵	ریلوے نے سے	ریلوے سے	۵۵۴	۱۱	مرکز	مرکز
۵۰۹	۱۷	کھینچی پرن	کھینچی پرن	۵۶۰	۴	اکام	اکام
۵۱۱	۱۷	سوائے	سوا	۵۷۰	۱۱	بوسیدہ	بوسیدہ
۵۱۳	۱۲	اور اور اوس	اور اور اوس	۵۷۶	۱۶	یا	یا
۵۱۸	۳	تنگ رکھتا تھا	تنگ رکھتا تھا	۵۷۹	۳	لا	لا
۵۱۹	۵	اترا	اترا تھا	۵۸۵	۸	گاہ	گاہ

صفحہ	طر	غلط	صحیح	صفحہ	طر	غلط	صحیح
۵۸۵	۱۵	دالچسپی	دلچسپی	۴۰۳	۱۰	انداز	نظر انداز
۵۹۰	۸	مسب	منسوب	۴۰۴	۱	لے	گئے
۵۹۵	۱۶	چڑا کر	چڑا کر	-	۱۵	ہین	ہے
۵۹۹	"	ایران	ایرٹن	۴۰۵	۷	حرت	صرف
۶۰۱	۱۲	وسط	وسطین	"	۱۷	سکند	سکند
۶۰۲	"	ہوئی کہ	ہوئی	۴۰۸	۲	یوان	ایوان
"	۱۳	دوواڑہ	دروازہ	۴۰۹	۱۰	سزین	تہین

اس کتاب کے حقوق بذریعہ جبرٹی محفوظ ہیں جس کتاب پر ترجمہ کے تحریری دستخط نہ ہوں گے وہ سرورق منسوخ ہوگی۔

# التاس

نقشہ ایران جس کا حوالہ مین نے اپنے دیباچہ اور فہرست تصاویر مین دیا ہے وہ مین اسوجہ سے اس جلد کے ساتھ ہیہ ناظرین نہیں کر سکا کہ اوس کی تیاری کے لیے بہت کچھ محنت اور وقت کی ضرورت تھی حالانکہ میرے پاس اس قدر وقت نہ تھا کہ مین اوس کو خاطر خواہ طور پر تیار کر سکتا۔ اس جلد کی ضرورت کے لئے نقشہ مقابل صفحہ (۱۲۵) کافی ہوگا۔

نقشہ ایران کے لئے ناظرین کو جو تہی جلد کا منتظر رہنا چاہیئے۔ واضح رہے کہ اصل کتاب کا نقشہ رائل جاگرافیکل سوسائٹی انگلستان کی کال توجہ اور مصنف کتاب کی پوری نگرانی کے ساتھ کہیں ایک سال کے بعد جا کر تیار ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہر حکلی آسانیان اس کی تیاری کیلئے ولایت مین موجود تھیں۔ ہندوستان مین نہ تو وہ آسانیان موجود ہیں۔ نہ یہاں ایسے صنایع ہی ہیں سب سے زیادہ یہ کہ میرے پاس اس قدر وقت نہیں۔ اور چونکہ مین یہ چاہتا ہوں کہ مین اپنی کتاب کے ساتھ جو نقشہ دون وہ اصل سے بہت ہی گھٹا ہوا نہ ہو۔ لہذا ناظرین کو جو مایوسی اس وقت نقشہ کے نہ موجود ہونے سے ہوگی۔ اسکی تلافی انشاء اللہ تعالیٰ چوتھی جلد کی شاعت کے وقت ہو جائیگی۔

ظفر علی خان